تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف:- اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

جلد دوازدہم

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان
فقہی انسائیکلوپیڈیا

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن
جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۔ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون نمبر: ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد دوازدہم

تصنیف ——— شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی ——— مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی ناظمِ اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام ——— مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشر واشاعت 〃 〃 〃 〃 〃

ترجمہ عربی عبارات ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ترتیب فہرست ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

تخریج و تصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی ، مولانا محمد عباس رضوی

کتابت ——— محمد شریف گل، کوٹلی کلاں (گوجرانوالا)

پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری معلم شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

صفحات ——— ۶۸۸

اشاعت ——— رجب المرجب ۱۴۱۸ھ / نومبر ۱۹۹۷ء

مطبع ———

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

قیمت ——— روپے

○

ملنے کے پتے:

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

پیش لفظ

الحمدُ للہ اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خزائنِ علمیہ و ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وُہ انتہائی برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کتاب الطّہارۃ، کتاب الصّلوٰۃ، کتاب الجنائز، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصّوم، کتاب الحج اور کتاب النکاح پر مشتمل خوبصورت ضخیم جلدیں آپ تک پہنچ چکی ہیں۔ کتاب النکاح کے اکثر و بیشتر حوالہ جات کی تخریج فاضلِ جلیل، فنِ اسماء الرجال و مناظرہ کے ماہر حضرت علامہ مولانا محمد عباس رضوی ساکن گوجرانوالا نے فرمائی ہے، جس پر ادارہ کے اراکین اُن کے شکرگزار ہیں۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ جلّ مجدہٗ و بعنایۃ رسولہ الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بارھویں جلد پیش کی جارہی ہے۔

اب تک شائع ہونے والی جلدوں کی تفصیل سنینِ اشاعت اور مجموعی صفحات کے اعتبار سے حسبِ ذیل ہے:

		صفحات
پہلی جلد	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ / مارچ ۱۹۹۰ء	۸۲۸
دوسری جلد	ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ / نومبر ۱۹۹۱ء	۷۱۰ 〃
تیسری جلد	شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ / فروری ۱۹۹۲ء	۷۵۶ 〃
چوتھی جلد	رجب المرجب ۱۴۱۳ھ / جنوری ۱۹۹۳ء	۷۶۰ 〃

پانچویں جلد	ربیع الاول ۱۴۱۴ھ/ستمبر ۱۹۹۳ء	صفحات ۶۹۲
چھٹی جلد	ربیع الاول ۱۴۱۵ھ/اگست ۱۹۹۴ء	" ۷۳۶
ساتویں جلد	رجب المرجب ۱۴۱۵ھ/دسمبر ۱۹۹۴ء	" ۷۲۰
آٹھویں جلد	محرم الحرام ۱۴۱۶ھ/جون ۱۹۹۵ء	" ۶۶۴
نویں جلد	ذیقعدہ ۱۴۱۶ھ/اپریل ۱۹۹۶ء	" ۹۴۶
دسویں جلد	ربیع الاول ۱۴۱۷ھ/اگست ۱۹۹۶ء	" ۸۳۲
گیارھویں جلد	محرم الحرام ۱۴۱۸ھ/مئی ۱۹۹۷ء	" ۷۳۶

بارھویں جلد

یہ جلد فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے باب المہر سے باب تفویض الطلاق کے آخر تک ۳۲۸ سوالوں کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اِس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ بتوفیق اللہ تعالٰی وبفضلہ اس راقم پُرتقصیر عفی اللہ تعالٰی عنہ نے کیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں شامل رسائل کے مندرجات کی مفصل فہرست بھی راقم نے افادۂ قارئین کے لئے تیار کردی ہے۔ متعدد ضمنی مسائل وفوائد کے علاوہ اِس جلد میں مندرجہ ذیل ۹ عنوانات زیر بحث لائے گئے ہیں :

(۱) باب المہر
(۲) باب الجہاز
(۳) باب نکاح الکافر
(۴) باب المعاشرۃ
(۵) باب القسم
(۶) باب النکاح الثانی
(۷) کتاب الطلاق
(۸) باب الکنایۃ
(۹) باب تفویض الطلاق

مندرجہ بالا عنوانات کے علاوہ انتہائی دقیق اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل تین ۳ رسائل بھی اس جلد میں شامل ہیں :

(۱) البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل (۱۳۰۵ھ)
وطی کے بعد مہر معجّل کی وصولی کے لئے عورت کو منعِ نفس کا حق حاصل ہے یا نہیں۔

(۲) اطائب التہانی فی النکاح الثانی (۱۳۱۲ھ)
نکاح ثانی کے احکام میں۔

(۳) رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق (۱۳۱۱ھ)
طلاق بائن کے الفاظ کی تعداد اور ان کی تفصیل۔

نوٹ: اس جلد کے مسئلہ نمبر ۱۲۱ کے آخر سے عربی عبارت کا کچھ حصّہ جو فتاوٰی رضویہ قدیم جلد پنجم کے صفحہ ۴۱۳ سے ۴۱۸ تک تھا غیر مربوط ہونے کی وجہ سے خارج کر دیا گیا ہے، دراصل یہ عربی عبارت مصنّف علیہ الرحمۃ کی تصنیف جلیل جدّ الممتار کی ہے جو سہوًا یہاں نقل ہوگئی تھی۔

○

رجب المرجب ۱۴۱۸ھ
نومبر ۱۹۹۷ء

حافظ عبدالستار سعیدی
ناظمِ تعلیمات
جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

فہرست مضامین

درہم کو بکی ۔ ۱۵۵

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کے باپ کو شوہر کی ماں نے دودھ پلایا ہے لاعلمی میں ہمبستری ہو چکی مہر کی نسبت کیا حکم ہے ۔ ۱۵۶

نکاح فاسد میں متارکہ بالقول ہی ہو سکتا ہے مثلاً یوں کہہ دے کہ میں نے تیری راہ کھول دی یا تجھے چھوڑا ۔ ۱۵۶

نکاح محارم نادانستہ واقع ہو جائے تو بعد وطی مہر مثل پورا لازم آتا ہے اگرچہ مسمّٰی سے زائد ہو ۔ ۱۵۷

ہندہ کا نکاح نابالغی میں زید کے ساتھ ہوا رخصت نہیں ہوئی، ہندہ مہر چاہے تو پا سکتی ہے یا نہیں ۔ ۱۵۷

نکاح نافذ غیر لازم ہوا اور رد سے پہلے احد الزوجین کا انتقال ہو جائے تو کل مہر لازم ہوگا ۔ ۱۵۷

نکاح موقوف تھا ہنوز نافذ نہ ہوا تھا احد الزوجین نے انتقال کیا تو اصلاً کچھ مہر نہ ملے گا ۔ ۱۵۷

زید نے نکاح کیا عورت کو مرد کے قابل نہ پایا طلاق دے دی مہر لازم ہوگا تو کتنا ۔ ۱۵۸

زید نے اپنی منکوحہ کو نکال دیا اور کئی مہینے نان نفقہ نہ دیا پھر طلاق دے دی ۔ عورت کا مہر [illegible] تھا زید نے ایک مکان [illegible] کا بعوض دین مہر رجسٹری کرا دیا تھا اب عورت کو بے دخل کر دیا، اپنے دیئے ہوئے زیور واپس لینے کا دعویدار ہے کیا حکم ہے ۔ ۱۵۹

جب زن و شو ایک دوسرے کو کچھ ہبہ کریں تو رجوع کا اختیار نہیں اگرچہ نکاح منقطع ہو جائے ۔ ۱۵۹

جو بات عرف و رواج سے ثابت ہو وہ ایسی ہی ہے جیسے زبان سے شرط کی گئی ہو ۔ ۱۵۹

صراحۃً کہی ہوئی بات عرف و رواج وغیرہ سے دلالۃً سمجھی جانے والی بات پر ترجیح رکھتی ہے ۔ ۱۵۹

زیور وغیرہ جو شوہر نے عورت کو دیا اور تملیک صراحۃً یا عرفاً کسی طرح ثابت نہ ہوئی تو اس میں قولِ شوہر معتبر ہوگا اور وہ جبراً واپس لے سکتا ہے ۔ ۱۵۹

بلا تملیک شوہر زیور وغیرہ عورت کے برتنے، پہننے اور استعمال کرنے سے ملکِ عورت ثابت نہیں ہو سکتی ۔ ۱۶۰

گھر میں پہننے کے کپڑے جن کا دینا بحکم نفقہ شوہر پر واجب ہو چکا تھا وہ دے کر دعوٰی کرے کہ میں نے عورت کو مالک نہیں بنایا تھا تو اس میں شوہر کا قول معتبر نہ ہونا چاہیے ۔ ۱۶۰

عورت نے اقرار کیا کہ یہ چیز شوہر کی ملک تھی پھر دعوٰی کرے کہ اس کی ملکیت میری طرف منتقل ہو گئی ہے تو بغیر گواہوں کے عورت کا یہ دعوٰی ثابت نہ ہوگا ۔ ۱۶۰

اپنی زوجہ کو بے طلاق دیئے اس کی رضاعی بہن سے بھی نکاح کر لیا جب اس کا حرام ہونا معلوم ہوا تو ثانیہ کو طلاق دینا چاہا وہ مطالبۂ مہر کرتی ہے اس صورت میں صرف تفریق معتبر ہے یا اس پر طلاق ہوگی اور مہر زوج پر لازم ہوگا یا نہیں ۔ ۱۶۰

ایک بہن نکاح میں ہو تو دوسری سے نکاح فاسد ۔ ۱۶۰

والدینِ زوج نے بہو کو کچھ زیور وغیرہ واسطے "تالیف" دیا، یہ سمجھ کر کہ ہمارے گھر میں رہے گا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہوگا جب چاہیں گے دوسرے کام میں لائیں گے جیسا تاجر بطور عاریت دیا کرتے ہیں اپنے گھر کی زیبائش کے لئے نہ کہ بطور تملیک؛ اس صورت میں اُس کے مالک والدین ہیں یا نہیں ۔ ۲۰۲

جہیز ہمارے بلاد کے عرف عام شائع میں خاص ملک زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں طلاق ہوئی تو کل لے لے گی اور مر گئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا ۔ ۲۰۳

عورتیں جو بے تکلف اموالِ شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وہ ان کی ملک نہ ہوں گے

عوض و معوض ایک مِلک میں جمع نہیں ہو سکتے ۔ ۲۰۴

بلادِ شام وغیرہ میں اس امید پر مہر بڑھاتے ہیں کہ عورت کثیر جہیز لائے گی ۔ ۲۰۴

ہلاک موہوب مطلقاً مانع رجوع ہبہ ہے ۔ ۲۰۴

قرابت محرمہ اور زوجیت دونوں مانع رجوع ہبہ ہیں ۔ ۲۰۵

عوض صریح موانع رجوع ہبہ سے ہے ۔ ۲۰۶

ہبہ میں جہاں رجوع کا اختیار رہو وہاں بھی رجوع سے گنہگار رہو گا ۔ ۲۰۶

دے کر پھیرنے والا مثل کُتے کے ہے کہ قے کرکے پھر کھالے ۔ ۲۰۶

ہبہ سے رجوع مکروہ تحریمی ہے ۔ ۲۰۶

موہوب لہٗ کی مِلک سے خروج مانع رجوع ہبہ ہے ۔ ۲۰۸

عاریت سے بحالتِ بقاء ہر وقت رجوع جائز و حلال ہے ۔ ۲۰۸

جو اشیاء عاریتاً لی جائیں وہ اگر بلا تعدّی ہلاک ہو جائیں تو ضمان لازم نہیں ۔ ۲۰۸

مستعار شئی میں اگر بحالتِ استعمال نقصان آجائے تو ضمان لازم نہیں بشرطیکہ استعمال معہود ہو ۔ ۲۰۸

اگر عاریت کسی وقتِ معیّن تک ہو اور لینے والا واپسی پر قدرت کے باوجود وقتِ معیّن کے بعد بھی اپنے پاس اسے روک رکھے تو اب ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا اگرچہ وقتِ معیّن کے بعد استعمال نہ کی ہو ۔ ۲۰۹

فتوٰی جب مختلف ہو تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہے ۔ ۲۰۹

باپ نے بیٹے کی شادی اپنے صرف سے کی اب بہو کا جہیز روکتا ہے کہتا ہے میں نے جو شادی میں صرف کیا ہے اس کے عوض میں نے یہ مال رکھ لیا ہے، اس مال اسباب کی مالک زوجہ ہوگی یا والدِ زید ۔ ۲۱۰

باپ کے انتقال کے بعد بکر نے اپنی دو چھوٹی بہنوں کی پرورش کی، ان کی شادیاں بھی بعد بلوغ کر دیں، خرچِ پرورش و شادی مالِ متروکہ مشترکہ سے کیا، یہ خرچ بکر کو ان دو چھوٹی بہنوں سے مجرا ملے گا یا نہیں ۔ ۲۱۱

بحکم دیانت بحالت عدم وصی وارثان کبیر کو وارثانِ صغیر کی پرورش کرنا، ان کے کھانے پینے

بابُ المعاشرة ۲۶۷

بابُ القسم

باب النکاح الثانی

کتاب الطلاق ۳۲۱

نہ ہو تو عورت شوہر سے حلف لے اگر قسم کھا کر طلاق سے انکار کرے تو عورت خود کو اس کی زوجہ سمجھے، اور عورت کے سامنے طلاق دے کر مُکر گیا اور گواہ نہ ہوں تو عورت ہر ممکن صورت سے اس سے چھٹکارا حاصل کرے۔ ۴۲۲

جو مطلقہ ثلاثہ تین طلاق دینے والے شوہر سے کسی طور پر چھٹکارا حاصل کرنے پر قادر نہیں اور بالکل بے بس ہے وُہ کبھی بھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن وشو کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال صرف شوہر پر ہے۔ ۴۲۴

خطوط سے طلاق کا ثبوت، شوہر کے اقرار یا گواہانِ عادل کی گواہی پر موقوف ہے۔ ۴۲۴

ثبوت تحریر کے بعد، وقتِ تحریر سے طلاق مانی جائے گی اور عدت کے اندر جتنی بار خط آیا سب جدید طلاقیں مانی جائیں گی۔ ۴۲۴

تاسیس اولیٰ ہے بنسبت تاکید کے۔ ۴۲۵

طلاق صریح غیر صریح کو لاحق ہوجاتی ہے۔ ۴۲۵

اگر بعض خطوط سے یہ پتا چلے کہ پہلے کے طلاق کی خبر دے رہا ہے تو اس کو انشاء نہ قرار دیں گے۔ ۴۲۵

اگر بذریعہ خط طلاق دینے والا منکر ہو اور شہادت کافیہ نہ ہو تو اصلاً ثبوت طلاق نہ ہوگا۔ ۴۲۵

شانِ خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں۔ ۴۲۵

بذریعہ خط طلاق دے کر انکار کرنے والا اگر اس انکار میں جھوٹا ہے تو اس کا حساب لینے والا خدا ہے، عورت اس وبال سے پاک اور جُدا ہے۔ ۴۲۶

جاہلوں سے فتوٰی لینا حرام اور مخالفانِ دین کی طرف رجوع کرنا سخت اشد حرام ہے۔ ۴۲۶

عورت پر جب طلاق بائن پڑ گئی عورت نکاح سے نکل گئی اب شوہر کو رجعت کا کچھ اختیار نہ رہا۔ ۴۲۷

"تُو میرے پاس سے چلی جا" حالتِ مذاکرہ میں بھی نیت طلاق کی ضرورت ہے۔ ۴۲۷

"تجھ کو اختیار ہے جو چاہے کر" حالتِ مذاکرہ میں نیتِ طلاق کی ضرورت نہیں۔ ۴۲۷

صریح کے بعد بائن طلاق دی تو وہ صریح بھی بائن ہوجائے گی۔ ۴۲۷

عدت اسی وقت سے گنی جائے گی جب سے طلاق بائن دی اگرچہ حالتِ حیض میں دی ہو۔ ۴۲۷

تمام احکامِ عدت وقتِ طلاق سے ثابت ہوجائیں گے۔ ۴۲۷

جس حیض میں طلاق دی وُہ عدت میں شمار نہ ہوگا بلکہ اس کے بعد تین حیض کامل درکار ہوں گے۔ ۴۲۷

طلاق بائن پڑتے ہی مہر واجب الادا ہوگیا۔ ۴۲۷

طلاق دے کر میاں بیوی دونوں منکر ہوجائیں تو باہم تعلقات حرام اور جماع زنا ہے۔ ۴۲۷

طلاق کی گواہی کے لئے دعوٰی ضروری نہیں کوئی دعوٰی نہ کرے تو گواہوں پر فرض ہے کہ معاملہ قاضی کے سامنے پیش کریں۔ ۴۲۸

قاضی پر لازم ہے کہ حد خالص، طلاق، ایلاء

سے ساقط ہوجاتا ہے مگر جبکہ نفقہ مفروضہ شوہر سے نہ ملا ہو اور بحکم قاضی شرع عورت نے قرض لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمۂ شوہر پر دین قرار پاکر موت سے ساقط نہیں ہوتا۔ ۴۷۳

بیمار شوہر پر بھی عورت کا نان و نفقہ واجب ہے جبکہ وہ عورت اس کی قید میں رہے۔ ۴۷۵

آوارہ گرد عورت کا نفقہ شوہر کے ذمے لازم نہیں۔ ۴۷۵

عورت کی طرف سے کوئی بات مسقط نان و نفقہ نہیں ہوئی شوہر پھر بھی نفقہ نہ دے تو حاکم شوہر کو مجبور کرے کہ وہ نفقہ دے ورنہ طلاق دے۔ ۴۷۵

شوہر کی رضا سے عورت مہر وغیرہ مال پر خلع کرے تو جائز ہے۔ ۴۷۵

جذامی عورت کے ادائے حقوق پر قادر ہو تو اس پر طلاق واجب نہیں، قادر نہ ہو تو طلاق دے، طلاق واجب ہو اور نہ دے تو جبرًا بھی طلاق لی جاسکتی ہے۔ ۴۷۵

بے شوہر کے طلاق دیئے طلاق تحصیلدار کے دیئے نہیں ہوتی۔ ۴۷۶

شوہر بڈھا ہو اور عورت کے ادائے حقوق پر قادر نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ طلاق دے دے مگر عورت بے طلاق دئے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ ۴۷۶

موجودہ کچہریوں کے فیصلے سے شرعًا طلاق واقع نہیں ہوتی۔ ۴۷۷

زید نے واقع میں طلاق نہیں دی ہندہ نے جھوٹے گواہ پیش کرکے ڈگری لے لی یا طلاق رجعی دی تھی اور ختمِ عدت سے پہلے زید نے رجعت کرلی تو ہندہ کو دوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے۔ ۴۷۷

عورت کو دینی، دُنیوی، جانی اور جسمانی ضرر کا اندیشہ ہو تو شوہر کے پاس رہنے پر مجبور نہیں کی جائے گی۔ ۴۷۸

ضرر شرعًا واجب الدفع ہے۔ ۴۷۸

اللہ تعالٰی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عورتوں کو ضرر مت پہنچاؤ۔ ۴۷۸

ظالم و جابر شوہر کے پاس عورت کے رہنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے۔ ۴۷۸

شوہر کے ظلم و تعدی کی وجہ سے عورت مجبورًا والدین کے پاس رہے تو نفقہ شوہر پر لازم ہے۔ ۴۷۹

شوہر کسی طرح درست نہ ہو تو اس سے جبرًا طلاق حاصل کی جاسکتی ہے ۴۷۹

ترک واجب گناہ ہے جس پر حاکم سزا دے سکتا ہے۔ ۴۷۹

جس معصیت پر حد لاگو نہ ہوتی ہو اس پر تعزیر ہے۔ ۴۷۹

حنفی مذہب میں شوہر کی زیادتی کی صورت میں بے طلاق عورت خود فسخ نکاح کرے ایسا ممکن نہیں۔ ۴۷۹

باب الکنایۃ

باب تفویض الطلاق

فہرست ضمنی مسائل

حیض

امامت

نکاح

محرّمات

ولایت

کفاءت

عدّت

رجعت

حلالہ

تعلیق

خُلع

عنین

مفقود

ظہار

نسب

خیار

نفقہ

حجر

حِیَل

اِکراہ

عتاق

جنائز

اقرار

حقوق العباد

تفسیر

فوائدِ حدیثیہ

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عقائد و کلام

رَدِّ بدمذہباں

حدود وتعزیر

افتاء ورسم المفتی

فوائدِ اصولیہ

فوائدِ فقہیہ

دعوٰی

شہادت

قضاء

تاریخ و تذکرہ

بیوع

مزارعت

اشربہ

قرض

ہبہ

بہن بھائی ترکہ میں شریک ہوں اور بھائی بہن کو جہیز دے تو یہ عرفاً ہبہ نہیں بخلاف والدین کہ ان کا جہیز عرفاً ہبہ ہوگا۔ ٢٢١

اگر کسی نے کہا میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی لوگوں کو اجازت دی کہ جو لے وہ اس کا مالک ہے تو جن لوگوں کو واہب کے اس اذن کی خبر ہوئی وہ جو بھی لیں گے اس کے مالک بن جائیں گے مگر جو شخص اذنِ واہب سے بے خبر ہوگا وہ کچھ لے گا اس کا مالک نہیں ہوگا۔ ٢٢٢

ہبہ مشاع محتمل قسمت صحیح نہیں اور نہ ہی مفید ملک۔ ٢٢٥

ہبہ مشاع غیر محتمل قسمت کی شرطِ صحت یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو۔ ٢٢٥

ہبہ تا حینِ حیات ہبہ کاملہ ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو و باطل ہے۔ ٢٣٥

احد المتعاقدین کی موت رجوع ہبہ کے موانع میں سے ہے۔ ٢٣٥

موہوب شئی کا ہلاک ہوجانا یا موہوب لہٗ کی ملک سے خارج ہونا دونوں رجوع ہبہ سے مانع ہیں۔ ٢٤٧

اگر دو شخص کسی کو ایک گھر ہبہ کردیں تو یہ ہبہ صحیح ہوگا کیونکہ مشاع نہیں۔ ٢٥٥

عاریت

زیور وغیرہ جو شوہر نے عورت کو دیا اور تملیک صراحتاً یا عرفاً کسی طرح ثابت نہ ہوئی تو اس میں قولِ شوہر معتبر ہوگا اور وہ جبراً واپس لے سکتا ہے۔ ١٥٩

بلا تملیکِ شوہر زیور وغیرہ عورت کے برتنے پہننے اور استعمال کرنے سے ملکِ عورت ثابت نہیں ہوسکتی۔ ١٦٠

والدینِ زوج نے بہو کو کچھ زیور وغیرہ واسطے تالیف یہ سمجھ کر کہ ہمارے گھر میں رہے گا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہوگا جب چاہیں گے دوسرے کام میں لائیں گے جیسا تاجر بطور عاریت دیا کرتے ہیں اپنے گھر کی زیبائش کے لئے نہ کہ بطور تملیک، اس صورت میں اس کے مالک والدین ہیں یا نہیں۔ ٢٠٣

عورتیں جو بے تکلف اموالِ شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وہ ان کی ملک نہ ہوں گے۔ ٢٠٣

عاریت سے بحالتِ بقاء ہر وقت رجوع جائز و حلال ہے۔ ٢٠٨

جو اشیاء عاریتاً لی جائیں وہ اگر بلا تعدی ہلاک ہوجائیں تو ضمان لازم نہیں۔ ٢٠٨

مستعار شئی میں اگر بحالتِ استعمال نقصان آجائے تو ضمان لازم نہیں بشرطیکہ استعمال معہود ہو۔ ٢٠٨

اگر عاریت کسی وقتِ معین تک ہو اور لینے والا واپسی پر قدرت کے باوجود وقتِ معین کے بعد بھی اپنے پاس اسے روکے رکھے تو اب ہلاک ہونے پر ضامن ہوگا اگرچہ وقتِ معین کے بعد استعمال نہ ہو۔ ٢٠٩

عاریت امانت ہے بے تعدی اس میں ضمان نہیں۔ ۲۴۸

سود

سود کے لینے اور دینے پر اگر دونوں راضی ہوں تب بھی حرام قطعی ہے۔ ۱۷۴

شرکت

بصورتِ شرکت ہبہ، قرض، اتلافِ مال اور تملیک بلا عوض جائز نہیں جب تک شریک صراحتً نہ کہہ دے۔ ۲۱۶

شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ میں شریک ایک دوسرے کے وکیل اور مال میں ماذون التصرف ہوتے ہیں۔ ۲۱۶

شرکتِ عین میں شریک دوسرے کے حصہ سے اجنبی محض ہے اور اسے دوسرے حصہ میں تصرف جائز نہیں۔ ۲۱۶

قسمت

اجناسِ مختلفہ میں قسمت جمع بلا تراضی ناممکن ہے یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں۔ ۲۱۷

صلح

جو جہالت مفضی الی المنازعۃ نہ ہو وہ جوازِ صلح سے مانع نہیں ہوتی۔ ۲۱۷

صلح شرعاً ایک عقد ہے جو رافعِ نزاع اور قاطعِ خصومت ہے۔ ۲۱۷

جہالت اگر منازعت تک پہنچانے والی ہو تو وہ جوازِ صلح سے مانع ہوگی۔ ۲۱۷

امانت

امین ضامن ہوتا ہے جبکہ تعدی کرے۔ ۲۲۰

غصب

غاصب اگر مغصوبہ شی کسی کو بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دے اور وہ ان لوگوں کے پاس ہلاک ہو جائے تو وہ اصل مالک کے لئے ضامن ہونگے اور غاصب کی طرف رجوع نہ کر سکیں گے بخلاف مرتہن، مستاجر اور مودع کے کہ غاصب کی طرف رجوع کریں گے۔ ۲۲۱

وقف

اشیاءِ منقولہ میں سے جن کا وقف معروف ہو جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۲۲۸

اجارہ

جن چیزوں کے استصناع کا رواج ہو ان میں اُجرت دے کر معدوم شی کا بنوانا جائز ہے ورنہ نہیں۔ ۲۲۸

رہن

مرتہن کا شئ مرہون سے انتفاع اگر باذنِ راہن بے شرط ہو تو جائز ورنہ حرام، مگر ہمارے زمانے میں مطلقاً حکمِ حرمت دیا جائے گا کہ بے طمع نفع بر مرہون قرض نہ دینے کا عُرف و رواج ہے۔ ۲۴۸

بے اجازت مالک کوئی شئ رہن کر دی مالک نے بعد میں بھی اس تصرف کو جائز نہ کیا تو مالک کو اختیار ہے کہ اس رہن کو فسخ کر کے مرتہن سے اپنی چیز واپس لے لے مرتہن اپنا دین مدیون سے لیتا رہے۔ ۲۴۹

اگر مالک سے پوچھ کر اس کی شئ کو رہن رکھا یا بعد رہن مالک نے اس تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کر دیا تو رہن نافذ و صحیح ہو گیا۔ اب جب تک دین مرتہن ادا نہ ہو مالک مرہون شئ کو واپس نہیں لے سکتا۔ ۲۴۹

مالک کی اجازت سے کوئی شئ کسی نے رہن کر دی تو مالک کو اختیار ہے کہ مرتہن کا دین دے کر اپنی چیز چھڑا لے اور جو کچھ مرتہن کو دے وہ مدیون یا اس کے وارثوں سے واپس لے لے۔ ۲۴۹

وکالت

صدر انجمن جس کے حکم سے سب کام ہوتے ہیں تمام تصرفاتِ جائزہ انجمن میں چندہ دینے والوں کا وکیل مجاز ہوتا ہے۔ ۲۵۴

اگر کسی کو غیر معین شئ کی خریداری کا وکیل کیا تو شراء وکیل کے لئے ہوگی مگر جبکہ وکیل نے مؤکل کیلئے خریداری کی نیت کر لی ہو یا مال مؤکل سے شئ خریدی ہو۔ ۲۵۴

وکیل بالطلاق دوسرے کو وکیل نہیں بنا سکتا۔ ۵۶۶

سیر

زید قادیانی ہو گیا، اُس کی عورت مسلمان ہی رہی، کیا حکم ہے۔ ۲۶۱

عورت نے شریعت کی توہین کی تو کیا وہ مرتدہ ہو گئی اور نکاح فسخ ہو گیا۔ ۲۶۳

بعد تجدیدِ ایمان عورت بلا اجازتِ شوہر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ ۲۶۳

عورت اگر کفر کرے تو نکاح سے نہیں نکلتی، یہی مفتیٰ بہ ہے۔ ۲۶۳

مرتدہ بعد اسلام تجدیدِ نکاح پر مجبور کی جائیگی۔ ۲۶۳

مرتدہ اور مرتد کا نکاح جہان بھر میں کسی سے نہیں ہو سکتا، جس سے ہوگا محض زنا ہوگا۔ ۲۰۳

عورت مرتدہ ہو جائے تو حلالہ سے چھٹکارا نہیں، مسلمان ہوگی تو پھر حلالہ کی ضرورت ہوگی۔ ۲۰۳

یمین

ایک شخص کو لوگوں نے شراب پینے کے لئے بلایا، اس نے جھوٹ کہا کہ میں نے شراب پینے پر طلاق کی قسم کھائی ہے، اب شراب پیئے تو

قراءۃ

فرائض

تہذیب وتمدن

نحو

لغت

ترغیب وترہیب

حساب

اسماءُ الرجال

حظر و اباحت

فضائل ومناقب

متفرق

بابُ المہر

رسالہ

البسط المسجل فی امتناع الزوجۃ بعد الوطی للمعجل

۱۳۰۵ھ

(زوجہ بعد وطی بھی مہر معجّل لینے کے لئے اپنے نفس کو روک سکتی ہے اس بارے میں کشادہ تحریر اور فیصلہ مسٹر محمود کا رد)

مسئلہ ۲۱: ازمراد آباد مرسلہ محمد نبی خاں صاحب یکم جمادی الاخری ۱۳۰۵ھ

سوال اوّل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے ہندہ کا نکاح ہوا، مہر نصف معجل نصف مؤجل ٹھہرا، حسبِ رواج ہندہ کی رخصت ہوگئی کہ وطی برضائے ہندہ واقع ہُوئی، بعدہٗ زید بداطوار نکلا اور ہندہ سے بہت ایذا و اضرار و تکلیف و آزار کے ساتھ پیش آیا، ہندہ ان وجوہ سے ناراض ہوکر اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور تا وصول مہر معجل اس کے پاس جانے سے انکار رکھتی ہے، اس صورت میں ہندہ کو مہر معجل لینے تک حق منع نفس حاصل ہے یا نہیں؟ اور منع کرنے سے ناشزہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

سوال دوم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب ادائے مہر معجل سے پہلے وطی برضائے زوجہ واقع ہوجائے تو اس صورت میں برخلاف مذہب امام مذہب صاحبین کو کہ منع نفس کا حق ساقط ہوجاتا ہے بوجوہ[ع] مصرحۂ ذیل ترجیح دینی صحیح رجیح اور نظر فقہی میں قرین تحقیق و تنقیح ہے یا نہیں؛

(۱) در مختار میں ہے جب ایسے امر کی نسبت مابین ابوحنیفہ اور اُن کے مریدوں (یعنی صاحبین) کے اختلاف ہو تو رائے مریدوں کی غالب ہونی چاہئے۔

(۲) امام ابوحنیفہ اور امام محمد دونوں محض ذہنی باتوں کے مقنن تھے لیکن قاضی ابویوسف کو اُسی قدر علم روایات تھا اور بوجہ عہدہ قاضی القضاۃ کے موقع متعلق کرنے اصول کا حالات انسان سے حاصل تھا اور ان کے قواعد خصوصًا معاملات دُنیوی اور تعبیر شرع میں اس قدر مستند سمجھے جاتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہ یا امام محمد کی رائے اُن سے متفق ہو تو اُن کی رائے از رُوئے ایک قاعدہ مسلّمہ کے قبول کی جاتی ہے۔

(۳) سب سے عمدہ خلاصہ سب سے حال کی کتاب مستند شرع یعنی فتاوٰی عالمگیری (کی عبارت یہ ہے) اس سے ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی رائے کے خلاف نہ صرف ان کے دو مشہور مریدوں بلکہ شیخ الصفار نے بھی جہاں تک کہ بحث ہم خانگی کو تعلق ہے رائے ظاہر کی ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہ اور ان کے دو مرید قانون حنفی میں تین استاد سمجھے گئے ہیں اور میں قاعدہ عام تصور کرتا ہوں کہ اختلاف رائے ہو تو دو کی رائے بمقابلہ تیسرے کے غالب ہوگی بموجب معمولی قاعدہ شرع کے میں رائے دو مریدوں کی بطور کثرت رائے منجملہ تین استادوں کے اختیار کرتا ہوں۔

(۵) اس حق کے نفاذ میں کہ زوجہ کے ساتھ ہم خانگی کرے مانع یہ بیان کیا گیا ہے کہ مہر معجل ادا نہ ہوا ہو اور یہ قاعدہ محض اس مواخذے کی مشابہت پر مبنی ہے جو بائع کو مال پر تا ادائے قیمت قبل حوالگی مال کے حاصل رہتا ہے لیکن اُس مواخذے میں در اصل حق ملکیت مشتری کا قیاس کرلیا گیا ہے اور جبکہ حوالگی عمل میں آجائے گی تو اسی وقت وہ مواخذہ ختم ہوجاتا ہے انتہی، بینوا توجروا۔

الجواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ المنعم فی المعجل والمؤجل سب تعریفیں دنیا و آخرت میں ہم پر انعام کرنے والے

ع یہ وجوہ مسٹر محمود نے اپنے فیصلے میں ایجاد کیں ۱۲ (م)

والصلٰوۃ والسلام علی من ختم دفتر الرسالۃ و سجل وعلٰی اٰلہ وصحبہ وجمیع اھل دینہ المبجل۔

اللہ تعالٰی کے لئے ہیں، اور صلٰوۃ وسلام اس ذات پر جس نے رسالت کا دفتر ختم کیا اور مضبوط کیا، اور ان کی آل واصحاب اوران کے تمام برگزیدہ دین والوں پر۔ (ت)

جواب سوال اوّل

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ کو حق منع نفس حاصل ہے اُسے اختیار ہے جب تک مہر معجل وصول نہ کرلے اپنے آپ کو تسلیم شوہر نہ کرے اس منع کرنے سے ناشزہ نہ ہوگی۔ وقایہ میں ہے:

لہا منعہ من الوطی والسفر بہا والنفقۃ لو منعت ولو بعد وطی او خلوۃ برضاھا۔[1]

معجل مہر وصول کرنے کیلئے خاوند کو جماع سے اور سفر پر ساتھ لے جانے سے روکنے اور نفقہ وصول کرنے کا بیوی کو حق ہے اگرچہ وطی اور خلوت رضامندی سے ہوجانے کے بعد روک دے۔ (ت)

نقایہ میں ہے:

قبل اخذ المعجل لہا منعہ من الوطی و السفر بہا ولو بعد وطئ برضاھا بلا سقوط النفقۃ۔[2]

مہر معجل وصول کرنے سے قبل بیوی کو حق ہے کہ خاوند کو جماع، سفر پر ساتھ لے جانے سے روک دے اگرچہ رضامندی سے وطی کے بعد ہو، بیوی کا نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

کنز میں ہے:

لہا منعہ من الوطی والاخراج للمھر وان وطئہا۔[3]

بیوی کو مہر کے لئے وطی اور سفر پر لے جانے سے منع کرنے کا حق ہے (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

لہا منعہ من الوطی والسفر بہا ولو وطی او خلوۃ رضیتہما۔[4]

خوشی سے وطی یا خلوت کے بعد بھی بیوی کو مہر وصول کرنے کیلئے خاوند کو جماع اور سفر پر لے جانے سے منع کرنے کا حق ہے۔ (ت)

---

[1] شرح الوقایۃ باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۵
[2] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ " نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶
[3] کنز الدقائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۴
[4] درمختار شرح تنویر الابصار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

درمختار میں ہے :

لان کل وطأۃ معقود علیہا فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی[1]

ہر وطی مہر کے بدلے میں ہے (یعنی ہر وطی پر جداجدا مہر لازم ہے) تو بعض کا بدل دینے سے باقی کا دے دینا ثابت نہ ہوگا۔ (ت)

اسی میں ہے :

النفقۃ تجب للزوجۃ علٰی زوجہا ولو منعت نفسہا للمہر دخل بہا اولا[2] اھ ملخصًا۔

خاوند پر بیوی کا نفقہ واجب ہے اگرچہ بیوی نے مہر کے لئے خاوند کو اپنے سے روک رکھا ہو دخول ہوچکا یا نہیں اھ ملخصًا (ت)

تحقیق مقام یہ ہے کہ مہر معجل لینے سے پہلے وطی یا خلوت برضائے عورت واقع ہوجانا صاحب مذہب امام اقدم قدوۃ اعظم امام الائمہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک حق منع نفس و منع سفر کسی کا اصلاً مسقط نہیں، اور عورت کو اختیار رہے جب تک ایک روپیہ بھی باقی رہ جائے نہ تسلیم نفس کرے نہ شوہر کے ساتھ سفر پر راضی ہو اگرچہ اس سے پہلے بار ہا وطی برضامندی ہوچکی ہو اور صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک صرف خلوت برضا واقع ہوجانا بھی حق منع نفس و منع سفر دونوں کا مسقط ہے، امام ابو القاسم صفار علیہ رحمۃ الغفار دربارۂ سفر قول امام اور دربارۂ وطی قول صاحبین پر فتوے دیتے تھے اصل معنی اس تفصیل کے یہی ہیں اُن کے بعد جس نے ادھر میل کیا انھیں کا اتباع کیا مثلاً امام صدر شہید شرح جامع صغیر میں ان کا مسلک نقل کرکے فرماتے ہیں، وانہ حسن[3] (بیشک وہ حسن ہے۔ ت)، امام بزدوی شرح کتاب مذکور میں فرماتے ہیں :

ھذا احسن فی الفتیا[4] کما نقلہ عنہ فی البنایۃ وکذا الطحطاوی عن البحر عن غایۃ البیان۔

یہ فتوٰی کے لئے مناسب ہے، جیسا کہ صاحب بنایہ نے اس کو بنایہ میں ان سے نقل کیا ہے، اور ایسے ہی طحطاوی نے بحر سے انھوں نے غایۃ البیان سے نقل کیا ہے (ت)

جواہر الاخلاطی میں ہے :

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[2] " " " باب النفقۃ " " " ۱/۲۶۶-۶۷

[3] حاشیۃ الجامع الصغیر باب فی المہور " " " ص ۴۱

[4] البنایۃ فی شرح الہدایۃ باب المہر المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/۱۵۶

و استحسن بعض المشایخ اختیارہ اھ[1] بعض مشائخ نے ان کے مختار کو پسند فرمایا ہے[1] (ت)

اسی طرح ہندیہ میں محیط سے ہے: ولفظہ بعض مشایخنا[2] (اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمارے بعض مشائخ نے۔ ت)

مگر اکثر اکابر ائمہ وعلماء وفقہاء مذہب امام کو ترجیح دیتے اور اسی پر جزم واعتماد کرتے ہیں متون کہ خاص نقل مذہب صحیح ومعتمد کے لئے وضع کئے جاتے ہیں علی العموم اسی مذہب پر ہیں، فتاوٰی خیریہ میں ہے: بہ صرحت المتون قاطبۃ[3] (تمام متون اس کی تصریح کرچکے ہیں۔ ت) اور وقایہ ونقایہ وکنز وتنویر ودرمختار کی عبارتیں سُن چکے کہ انہوں نے تصریحاً مذہب صاحبین کی نفی فرمائی، اور جب ماتن نے باب نفقہ میں ولو منعت نفسھا للمھر[4] (اگرچہ بیوی نے مہر کے لئے اپنے کو روک رکھا ہو۔ ت) فرمایا شارح نے دخل بھا اولا[5] (دخول ہوچکا ہو یا نہ۔ ت) اور بڑھایا تاکہ اس کی نفی پر تنصیص تام ہوجائے، اسی طرح وافی ومختار میں بھی اسی پر اقتصار کیا اور درمختار میں صرف اسی مذہب پر دلیل قائم کی کما سبق نقلہ (جیسا کہ اس کی نقل گزری۔ ت) اور اقتصار وتعلیل دونوں دلیل اختیار وتعویل۔ ردالمحتار میں ہے:

اقتصارہ فی المتن (یعنی تنویر الابصار) یفید ترجیحہ[6] اھ ملخصًا ذکرہ فی کتاب القضاء مسئلۃ ولایۃ بیع الترکۃ المستغرقۃ بالدین۔

ماتن کا یعنی تنویر الابصار کا اس پر اکتفاء کرنا ترجیح کو مفید ہے اھ ملخصًا۔ اس کو انہوں نے کتاب القضاء میں قرض میں مستغرق ترکہ کی ولایت بیع کے مسئلہ میں ذکر کیا ہے۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

الاقتصار علیہ یدل علی اعتمادہ[7] اھ ذکرہ قبیل الوصیۃ بثلث المال۔

اس پر اکتفاء ان کے اعتماد کی دلیل ہے اھ اس کو انہوں نے ثلث مال کی وصیت سے قبل ذکر کیا۔ (ت)

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی المہر قلمی نسخہ ص ۶۳
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسہا بمہرھا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۷
[3] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۶۹
[4] درمختار شرح تنویر الابصار 〃 مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۷
[5] درمختار 〃 〃 〃 〃
[6] ردالمحتار مطلب فی بیع الترکۃ المستغرقۃ بالدین داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۰
[7] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الوصایا دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۲۱

عقود الدریہ میں ہے، التعلیل دلیل الترجیح[1] (علت کو بیان کرنا ترجیح کی دلیل ہے۔ ت) اسی میں ہے:

هو الراجح اذ هو المحلی بالتعلیل[2] اھ ذکرهما فی النکاح قبل باب الولی۔

یہی راجح ہے کیونکہ یہی دلیل سے مزین ہے، یہ دونوں باتیں اُنھوں نے کتاب النکاح میں باب الولی سے پہلے ذکر کی ہیں۔ (ت)

علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی الابحر میں کہ بتصریح فاضل شامی متون معتمدہ فی المذہب سے ہے قول امام کو مقدم رکھا اور اسی پر حکم دے کر صاحبین کی طرف خلاف نسبت کی،

حیث قال هذا قبل الدخول وکذا بعدہ خلافا لهما[3]۔

جب اُنھوں نے کہا کہ یہ دخول کے بعد ہو یا پہلے اس میں صاحبین کا خلاف ہے (ت)

اور وہ خود دیباچہ ملتقی میں تصریح فرماتے ہیں کہ اس کتاب میں مَیں جس قول کو مقدم لاؤں وہی ارجح ہے شارح نے فرمایا: وہی مختار للفتوی ہے، متن و شرح کی عبارت یہ ہے:

صرحت بذکر الخلاف بین ائمتنا وقدمت من اقاویلهم ما هو الارجح (المختار للفتوی[4]) (ملخصا)

میں نے اپنے ائمہ کے ہاں اختلاف کی تصریح کر دی اور ان میں سے زیادہ راجح قول کو پہلے ذکر کیا، ارجح وُہ ہے جو فتوی کے لئے مختار ہے (ملخصا)۔ (ت)

اسی طرح فتاوٰی قاضی خاں میں امام علامہ فقیہ النفس نے قول امام کی تقدیم کی اور وہ اُسی قول کو مقدم کرتے ہیں جو اشہر و اظہر ہو، خود اپنے فتاوے کے خطبے میں فرمایا:

قدمت ما هو الاظهر وافتتحت بما هو الاشهر[5]۔

میں ظاہر کو مقدم اور مشہور سے ابتداء کرتا ہُوں۔ (ت)

علماء فرماتے ہیں تو جسے پہلے بیان کریں وہی قول معتمد ہے، حاشیہ طحطاویہ میں ہے:

---

[1] عقود الدریہ	کتاب النکاح	حاجی عبدالغفار و پسران ارگ بازار قندھار	۱/۱۷
[2] "	"	"	"
[3] ملتقی الابحر	باب المہر	موسسۃ الرسالۃ بیروت	۱/۲۵۱
[4] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر	مقدمۃ کتاب	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/۷
[5] فتاوٰی قاضی خاں	"	نولکشور لکھنؤ	۱/۲

اصطلاحہ تقدیم الاظہر فیکون ھو المعتمد[1] اھ ذکرہ فی کتاب الوصایا اوائل باب الوصی۔

ان کی اصطلاح زیادہ ظاہر کو مقدم کرنا ہے تو وہی قابلِ اعتماد ہوتا ہے اھ، اس کو انھوں نے کتاب الوصایا میں باب الوصی کے شروع میں بیان کیا ہے (ت)

امام برہان الدین فرغانی صاحبِ ہدایہ کی عادتِ مستمرہ ہے کہ استدلال کے وقت قولِ مختار کی دلیل آخر میں لاتے ہیں تاکہ اقوالِ سابقہ کے دلائل سے جواب ہوجائے اور نقلِ اقوال کے وقت غالباً قولِ قوی کو پہلے ذکر فرماتے ہیں تاکہ اول صحیح مسئلہ سمعِ متعلم میں آئے، درمختار میں نہر الفائق سے ہے:

تاخیر صاحب الھدایۃ دلیلھما (ای فی مسئلۃ کساد فلوس القرض) ظاھر فی اختیار قولھما[2] اھ ذکرہ اٰخر باب الصرف قبیل التذنیب۔

صاحبِ ہدایہ کا صاحبین کی دلیل کو مؤخر لانا (یعنی قرض والے سکّے کے بند ہوجانے کے مسئلہ میں) ان کے قول کو مختار بنانے کی دلیل ہے، اس کو انھوں نے تذنیب سے قبیل باب الصرف کے آخر میں ذکر کیا ہے (ت)

اسی طرح فتح القدیر میں ہے، افندی زین الدین رومی نتائج الافکار حاشیۂ ہدایہ میں لکھتے ہیں:

من عادۃ المصنف المستمرۃ ان یؤخر القوی عند ذکر الادلۃ علی الاقوال المختلفۃ لیقع المؤخر بمنزلۃ الجواب عن المقدم وان کان قدم القوی فی الاکثر عند نقل الاقوال[3]۔

مصنف کی عادتِ مستمرہ ہے کہ دلائل ذکر کرتے وقت قوی دلیل کو آخر میں ذکر کرتے ہیں تاکہ پہلے اقوال کا جواب بن سکے، یہ اختلافی بحث میں ایسا کرتے ہیں اگرچہ وہ قوی قول کو ذکر میں پہلے لاتے ہیں جب اقوال کو نقل کرنا ہو، اکثر ایسا ہی کرتے ہیں۔ (ت)

اب یہاں انھوں نے مذہبِ امام کو پہلے نقل بھی کیا اور اُسی کی دلیل کو مؤخر بھی لائے اور قولِ صاحبین کو برقرار بھی نہ رکھا تو بوجوہ عدیدہ ترجیح قول کا افادہ فرمایا، علامہ سید جلال الملۃ والدین خوارزمی نے کفایہ حاشیہ ہدایہ میں تائید مذہبِ امام کو دوبالا کیا اور ایک مسئلہ متفق علیہا سے جسے صاحبین بھی تسلیم فرمائیں، قولِ امام کو رنگِ ایضاح دیا،

حیث قال لابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انھا منعت منہ ما قابل البدل کما لو سلم

جب انھوں نے فرمایا امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ بیوی بدل کے مقابل کو روک سکتی ہے جیسا کہ کوئی بائع

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار — باب الوصی — دارالمعرفۃ بیروت ۴/۳۴۰

[2] درمختار — باب الصرف — مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۷

[3] نتائج الافکار

البائع بعض المبیع الی المشتری لایسقط حقہ فی جس ما بقی منہ[1]

بعض مبیع مشتری کو سونپ دے تو بائع کے لئے باقی مبیع کے روکنے کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

اسی طرح صدر الشریعۃ شرح وقایہ وکافی شرح وافی واختیار شرح مختار ومستخلص شرح کنز وغیرہا شروح میں مذہب امام پر دلیل قائم کی اور دلیل صاحبین سے جواب دیئے، امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام رحمہ اللہ تعالٰی نے فتح القدیر میں ترجیح ہدایہ اور علامہ شیخی زادہ عالم دیار رومیہ قاضی دولت علیہ عثمانیہ معاصر ومستند صاحب درمختار نے مجمع الانہر میں تقدیم ملتقی اور علامہ یوسف چلپی نے ذخیرۃ العقبٰی فی شرح صدر الشریعۃ العظمٰی میں اعتماد متن وشرح اور محقق علامہ وسیع النظر دقیق الفکر محمد بن عابدین شامی نے ردالمحتار علی الدر المختار میں افادات درمختار کو مقرر ومسلّم رکھا اور ترجیح مذہب امام میں خلاف ونزاع کی طرف بھی اشارہ نہ کیا پھر بکثرت علماء اہل متون وشروح وفتاوٰی ان مذکورین اور ان کے غیر باب النفقات میں عورت کو طلب مہر معجل کے لئے بالفاظ ارسال واطلاق منع نفس کا استحقاق بتاتے ہیں اور اصلاً عدم وطی وخلوت برضا کی قید نہیں لگاتے کما یظھر بالمراجعۃ الی کتبھم (جیسا کہ ان کی کتب کی طرف مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ت) بلکہ شرح وقایہ میں تصورت مسئلہ یُوں فرض کی کہ:

خروجھا بحق کما لولم یعطھا المھر المعجل فخرجت عن بیتہ[2]

بیوی کا باہر نکلنا برحق ہے جیسا کہ خاوند نے اس کو مہر معجل نہ دیا ہو تو وہ اس کے گھر سے نکل جائے۔ (ت)

اور ظاہر ہے کہ شوہر کے یہاں آنے کے بعد غالباً وطی واقع ہی ہوتی ہے باایں ہمہ حکم مطلق چھوڑا اور تقیید کی طرف مطلق التفات نہ فرمایا یہ اطلاقات بھی اُسی اختیار مذہب امام سے خبر دے رہے ہیں، لاجرم علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار نے قولِ امام ہی پر فتوٰی دیا اور مذہب آخر کا ذکر تک نہ کیا، فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ میں ہے:

سئل فی المرأۃ اذا سلمت نفسھا قبل استکمال ما شرط تعجیلہ لھا من المھر ھل لھا بعد ذٰلک منع نفسھا عنہ اجاب لھا منع نفسھا حتی تستکمل

ان سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جو مہر معجل وصول کرنے سے پہلے اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر چکی ہو کیا پھر مہر معجل کے لئے اپنے آپ کو خاوند سے روک سکتی ہے، تو جواب دیا کہ ہاں روک سکتی ہے یہاں تک کہ مہر معجل پُورا

---

[1] کفایہ مع فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۰-۲۴۹
[2] شرح الوقایہ باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۲۳

ذٰلک عند الامام وان کانت سلمت نفسہا وبہ صرحت المتون قاطبۃ[1]

وصول کرلے یہ امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے ہاں ہے، اگرچہ بیوی پہلے اپنے آپ کو سونپ چکی ہو، اس مسئلہ پر تمام متون تصریح کرچکے ہیں۔ (ت)

آخر یہ علمائے محققین وعظمائے مدققین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین فتوائے امام صغارو اختیار بعض مشائخ سے غافل نہ تھے، پھر قولِ امام ہی پر جزم واعتماد فرماتے ہیں، کوئی تو قولِ صاحبین کا نام تک نہیں لیتا اور اکثر متون کا یہی حال ہے، کوئی صاف وہ الفاظ بڑھاتا ہے جس سے ان کے مذہب کی صریح نفی ہوجائے، کوئی صرف مذہب امام ہی پر دلیل قائم کرتا ہے، کوئی دلیلِ صاحبین سے جواب دیتا ہے، جنھوں نے وعدہ کیا کہ قولِ قوی کو مقدم لائیں گے وہ اسی مذہب کی تقدیم کرتے ہیں، جنھوں نے التزام کیا کہ دلیل معتمد کی تاخیر کریں گے وہ اسی کی دلیل پیچھے لاتے ہیں۔ غرض طرح طرح سے ترجیح وتصحیح مذہب امام کا افادہ فرماتے ہیں، اور کبرائے ناظرین شراح ومحشین کہ مذکور ہوئے تقریر وتسلیم سے پیش آتے ہیں، ناچار ماننا پڑے گا کہ ان سب کے نزدیک معتمد ومرجح ومحقق ومنقح مذہب امام ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ، اور قوت دلیل کہ مطالعہ ہدایہ وکافی واختیار وکفایہ وغیرہا سے واضح ہوتی ہے اس پر علاوہ، پس جبکہ یہی مذہبِ امام اعظم ہے اور اسی پر متون کا اجماع اور اسی کی دلیل اقوٰی اور اسی قدر کثرت سے اس کے مرجحین، تو وجہ کیا ہے کہ اس سے عدول کیا جائے حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مفتی مطلقاً قول امام پر فتوٰی دے، اور قاضی عموماً مذہب امام پر فیصلہ کرے یعنی جب کوئی ضرورت مثل تعامل المسلمین یا اجماع المرجحین علی الخلاف کے داعی ترک نہ ہو، کما فی مسئلتی جواز المزارعۃ وتحریم القلیل من المائع المسکر (جیسا کہ مزارعت کے جواز اور قلیل مسکر پانی کی تحریم کے دونوں مسئلوں میں ہے۔ ت) اور حکم دیتے ہیں کہ قول امام سے عدول نہ کیا جائے اگرچہ مشائخ مذہب اس کے خلاف پر فتوٰی دیں۔ بلکہ وسراجیہ ومحیط امام سرخسی وفتاوٰی عالمگیری وبحرالرائق ونہر الفائق وفتاوٰی خیریہ وتنویر الابصار وشرح علائی وحاشیہ طحطاویہ وغیرہا کتب معتمدہ میں اس کی تصریح ہے، درمختار میں ہے:

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر والحسن بن زیاد وھو الاصح، منیۃ وسراجیۃ[2]

قاضی بھی مفتی کی طرح امام صاحب کے قول کو مطلقاً لے گا، پھر امام ابویوسف، پھر امام محمد، پھر امام زفر اور حسن بن زیاد کے اقوال کو لے گا، یہی اصح ہے، منیہ وسراجیہ۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱/۶۹

[2] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۷۲

بحرالرائق میں فرمایا:

یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافہ[1]۔ ہم پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل واجب ہے اگرچہ مشائخ اس کے خلاف پر فتوٰی دے چکے ہوں۔ (ت)

اور ایسا ہی فتاوٰی خیریہ میں ہے خصوصاً صورت مسئولہ میں جبکہ تقریر سوال سے ظاہر کہ زید کی طرف سے سوءِ معاشرت ہندہ کے ساتھ واقع ہوئی تو یہاں تو ایک اور فتوٰی قولِ امام کے موافق ہے تہذیب میں کلامِ امام ابوالقاسم نقل کرکے فرماتے ہیں:

المختار عندی فی المنع ان کان سوء المعاشرۃ من الزوج لہا المنع وان کان من جہتہا فلیس لہا المنع وفی السفر قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ[2]۔ میرے نزدیک منع کے بارے میں مختار یہ ہے کہ اگر بداخلاقی خاوند کی طرف سے ہو تو بیوی کو منع حق ہے اور اگر بداخلاقی بیوی کی طرف سے ہو تو پھر اس کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند سے روک رکھے، سفر کے بارے میں فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے (ت)

اسی طرح فتاوٰی ابراہیم شاہی وفتاوٰی حمادیہ میں اس سے نقل کیا، یہ ہے اس بارے میں کلام اجمالی، اور قدرے تفصیل ان مباحث کی ہمارے فتاوائے تاتار میں آتی ہے وباللہ التوفیق، بالجملہ صورت مستفسرہ میں عند التحقیق مفتی وقاضی کے لئے قولِ امام ہی پر اعتماد ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

جواب سوال دوم

اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق اس تقریر میں **امر اول** ایک سخت حیرت انگیز بات ہے، درمختار میں اس مطلب کا کہیں پتا نہیں بلکہ اس میں صراحۃً اس کا خلاف مصرح کتاب القضا میں فرماتے ہیں،

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق[3]۔ قاضی بھی مفتی کی طرح مطلقاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کا قول لے گا۔ (ت)

پھر منیۃ المفتی وفتاوٰی سراجیہ سے نقل کیا ہو الاصح[4] (وہی زیادہ صحیح ہے۔ ت) ہاں ایک قول حاوی قدسی سے یہ لائے کہ قوت دلیل پر مدار ہے پھر اُسے بھی برقرار نہ رکھا، اور نہر الفائق سے نقل فرمایا: الاول اضبط[5] (وہی

---

[1] بحرالرائق فصل فی تقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۶۹-۷۰
[2] تہذیب
[3] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲
[4] و [5] " " " "

زیادہ مضبوط ہے۔ ت) اور تحقیق و توفیق وہ ہے جو ماتن نے فرمایا کہ لایخیر الا اذا کان مجتھدا یعنی جو خود مجتہد ہو وہ قوتِ دلیل پر نظر کرے اور ہم پر وہی ترتیب لازم کہ علی الاطلاق مذہبِ امام پر افتا و قضا کریں جب تک کوئی مانع قوی وعظیم نہ پایا جائے کما سنذکرہ ان شاء اللہ تعالٰی (ان شاء اللہ تعالٰی اس کو عنقریب ہم ذکر کریں گے۔ ت)

امر دوم کے جواب میں **اوّلاً** عبارتِ درمختار کہ ابھی گزری اور وہ عبارت کثیرہ کہ ان شاء اللہ تعالٰی لکھتا ہوں بس ہیں۔

ثانیاً کلماتِ علماء میں نہ عموماً نہ بعد تخصیص معاملاتِ دُنیوی کہیں اس کا نشان نہیں کہ جب امام ابویوسف کے ساتھ حضرات طرفین سے ایک رائے اور ہو تو ان کی تجربہ کاری کے باعث اُس کا قبول قاعدہ مسلّمہ ہے، ہاں علماء نے مسائلِ وقف و قضاء کی نسبت بیشک فرمایا کہ وہاں غالباً قولِ ثانی پر فتوٰی ہے، اس سے ہر وہ امر کہ زیرِ قضا آسکے مراد نہیں تاکہ امثال صوم وصلوٰۃ کے سوا نکاح و بیع و ہبہ و اجارہ و رہن وغیرہا تمام ابوابِ فقہ کو عام ہوجائے یوں تو وقف بھی اسی قبیل سے تھا، پھر خاص اُسے الگ گننے کے کیا معنی، نہ ہرگز عالَم میں کوئی عالِم اس کا قائل، اور خود ہزاراں ہزار کتبِ فقہ اس کے خلاف پر گواہ عادل کہ لاکھوں مسائل معاملات میں بھی قولِ امام ہی پر فتوٰی ہے اگرچہ رائے امام ابویوسف سے امام محمد بھی موافق ہوں بلکہ یہ امر خاص اُن مسائل میں اکثری طور پر ہے جنھیں فقہاء کتاب القضاء و کتاب الوقف میں لکھتے ہیں اشباہ والنظائر میں جہاں یہ قاعدہ زیرِ قاعدہ المشقۃ تجلب التیسیر (مشقت کے سبب حکم میں آسانی ہوجایا کرتی ہے) لکھا وہاں یہی مسائل شمار کئے۔ حیث قال،

ووسع ابویوسف رحمۃ اللہ تعالٰی فی القضاء والوقف والفتوی علی قولہ فیما یتعلق بھما فجوز للقاضی تلقین الشاھد وجوز کتاب القاضی الی القاضی من غیر سفر ولم یشترط فیہ شیئا مما شرطہ الامام وصحح الوقف علی النفس وعلی جھۃ تنقطع ووقف المشاع ولم یشترط التسلیم الی المتولی ولا حکم القاضی وجوز استبدالہ عند الحاجۃ

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے قضاء و وقف کے متعلق وسعت پیدا کی ہے، ان دونوں بابوں میں ان کے قول پر فتوٰی ہوگا، انھوں نے گواہ کو قاضی کی تلقین، قاضی کا قاضی کو بغیر سفر خط، بغیر ان شرائط کے جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے لگائی ہیں کو جائز قرار دیا ہے، انھوں نے وقف علی النفس (یعنی اپنی جائداد یوں وقف کرے کہ تاحیات وہ خود اسکی آمدنی سے متمتع رہیگا) اور وقف علی جہۃ منقطعہ اور غیر منقسم حصے کے وقف کو جائز کہا ہے اور متولی کو سونپ دینے کی شرط نہیں لگائی اور نہ ہی

الیه بلاشرط وجوزه مع الشرط ترغیبا فی الوقف وتیسیرًا علی المسلمین[1]۔

انھوں نے وقف کے لئے قاضی کے حکم کی شرط لگائی ہے، اور انھوں نے وقف کو ضرورت کے وقت تبدیل کرنے کو بلا شرط جائز قرار دیا ہے اور بلا ضرورت اس کے تبدیل کرنے کو مع الشرط جائز قرار دیا ہے تاکہ وقف کرنے میں ترغیب اور مسلمانوں کے لئے آسانی ہو۔ (ت)

ثالثًا ان مسائل میں تو موافقت رائے دیگر کی بھی حاجت نہیں کما یظھر بالمراجعة (جیساکہ کتب کی طرف سے مراجعت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ت) تو کلماتِ علماء اس قید کے مساعد نہیں۔

رابعًا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ امام ابویوسف علمًا امام اعظم کے ہم پلّہ ہیں، امام سے بے اذن لئے ان کے مجلس درس منعقد کرنے پر امام کا کسی کو پانچ سوال دے کر بھیجنا اُن کے ہر مسئلے میں مختلف جواب دینا، ہر جواب پر سائل کی طرف سے تخطیہ ہونا آخر متحیّر ہو کر خدمتِ امام میں رجوع لانا مشہور اور اشباہ والنظائر وغیرہا میں مذکور۔ علماء فرماتے ہیں جو مسئلہ امام کے حضور طے نہ ہولیا قیامت تک مضطرب رہے گا، امام ابویوسف بعض مسائل میں پریشان ہو کر فرماتے: جہاں ہمارے استاد کا کوئی قول نہیں اس میں ہمارا یہی حال (پریشان) ہے۔ بحرالرائق کے مفسدات الصلوٰۃ میں ہے:

لقد صدق صاحب الفتاوی الظھیریة حیث قال فی الفصل الثالث فی قراءة القراٰن ان کل مالم یروعن ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی فیه قول بقی کذٰلك مضطربا الٰی یوم القیامة وحکی عن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی انه کان یضطرب فی بعض المسائل وکان یقول کل مسئلة لیس لشیخنا فیھا قول فنحن فیھا ھکذا[2] انتھی۔

فتاوٰی ظہیریہ والے نے درست فرمایا، جو انھوں نے قراءتِ قرآن کی فصل ثالث میں فرمایا کہ جس معاملہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کوئی قول مروی نہ ہو وہ معاملہ قیامت تک باعثِ اضطراب ہی رہے گا اور امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی سے منقول ہے کہ وہ بعض مسائل میں مضطرب ہتے تو انھوں نے فرمایا، جس معاملہ میں ہمارے شیخ کا کوئی قول نہ ہو تو اس میں ہمارا یہی حال ہوتا ہے انتہی۔ (ت)

امام ابویوسف سے منقول ہے میں بعض مسائل میں جانتا حدیث میری طرف ہے تنقیح کے بعد کھُلتا کہ امام نے جس حدیث سے فرمایا وہ میری خواب میں نہ تھی اوکما قال رحمہ اللہ تعالٰی۔

---

[1] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الرابعۃ المشقۃ تجلب التیسیر ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۱۱۴-۱۵

[2] بحرالرائق باب مفسدات الصلوٰۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۱۴

امرِ سوم میں فتاوٰی عالمگیری کو سب کتب پر ترجیح دی گئی حالانکہ وہ ایک فتاوٰی ہے ، اور علماء ارشاد فرماتے ہیں : عمدہ ترین کتبِ مذہب متون ہیں پھر شروح پھر فتاوٰی عند التخالف متون سب پر مقدم ہیں اور فتاوٰی سب سے مؤخر ۔ پھر کیونکر روا ہو کہ سب میں مفضول کو سب سے افضل قرار دیجئے ۔ ردالمحتار میں ہے :

ما فی الفتاوٰی اذا خالف ما فی المشاھیر عن الشروح لا یقبل[1]

فتاوٰی میں جو کہا گیا ہو وہ مشہور شروحات کے مخالف ہو تو قبول نہ ہوگا ۔ (ت)

درمختار میں ہے :

حیث تعارض متنہ و شرحہ فالعمل علی المتون کما تقرر مرارا[2]۔

جب متن و شروح میں تعارض ہو تو متن پر عمل ہوگا ، جیسا کہ کئی دفعہ گزرا ۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے :

اذا تعارض ما فی المتون والفتاوٰی فالمعتمد ما فی المتون کما فی انفع الوسائل وکذا یقدم ما فی الشروح علٰی ما فی الفتاوٰی اھ[3] نقلہ الشامی من القضاء فی فصل الحبس ۔

اگر متون اور فتاوٰی میں مذکور کا تعارض ہو تو متون کا ذکر کردہ قابلِ اعتماد ہے جیسا کہ انفع المسائل میں ہے ، اور یونہی جو شروحات میں ہو وہ فتاوٰی سے مقدم ہے اھ اس کو علامہ شامی نے کتاب القضاء، فصل فی الحبس سے نقل کیا ہے ۔ (ت)

حموی شرح اشباہ میں ہے :

غیر خاف ان ما فی المتون والشروح ولو کان بطریق المفھوم مقدم علی ما فی فتاوی وان لم یکن فی عبارتھا اضطراب[4]۔

یہ چیز مخفی نہیں کہ جو متون اور شروح میں ہو اگرچہ بطریقِ مفہوم ہی ہو وہ فتاوٰی میں مذکور پر مقدم ہے اگرچہ فتاوٰی کی عبارات میں اضطراب نہ بھی ہو (ت)

---

[1] ردالمحتار | باب الرضاع | | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۱۲
[2] درمختار | کتاب القضاء | مسائل شتی | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۸۶
[3] ردالمحتار | 〃 | فصل فی الحبس | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۴/۳۱۷
بحرالرائق | 〃 | 〃 〃 〃 | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۶/۲۸۵
[4] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الحجر والماذون | ادارۃ القرآن کراچی | ۲/۲۸۰

رہا امام صفار کا دربارۂ وطی قول صاحبین اختیار فرمانا، اس کا جواب ہمارے فتوائے سابقہ سے مل سکتا ہے جس سے ظاہر کہ قولِ امام کو کتنی وجہ سے ترجیح ہے:

اولاً قوت دلیل جس کی کچھ تفصیل ان شاء اللہ تعالٰی عنقریب ظاہر ہوگی۔

ثانیاً کثرت مفیدان و مسلمانِ ترجیح جن میں ایک امام برہان الحق والدین فرغانی صاحب ہدایہ جن کی جلالتِ شان آفتابِ نیم رُوز و ماہتابِ نیم ماہ سے اظہر، ایک امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام ہیں جن کی نسبت علماء کی تصریح کہ پایۂ اجتہاد رکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے بعض معاصر اُنہیں لائقِ اجتہاد کہتے حالانکہ معاصرت دلیلِ منافرت ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

قدمنا غیر مرۃ ان الکمال من اھل الترجیح کما افادہ فی قضاء البحر بل صرح بعض معاصریہ بانہ من اھل الاجتہاد[1]۔

ہم متعدد بار پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ امام کمال اہلِ ترجیح سے ہیں جیسا کہ بحر کے قضاء کے باب میں افادہ کیا ہے بلکہ ان کے بعض معاصرین نے تصریح کی ہے کہ وہ اہلِ اجتہاد میں سے ہیں۔ (ت)

ایک امام علامہ فقیہ النفس قاضی خاں ہیں جن کی نسبت علماء فرماتے ہیں ان کی تصحیح اوروں کی تصحیح پر مقدم ہے، غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ان مایصححہ قاضی خان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس[2]۔

علامہ قاسم کی تصحیح القدوری میں ہے کہ جس کو امام قاضی خان صحیح قرار دیں، وہ قول دوسروں کے اقوال پر مقدم ہے کیونکہ آپ فقیہ النفس ہیں۔ (ت)

اور فرماتے ہیں ان کی تصحیح سے عدول نہ کیا جائے، ردالمحتار میں ہے:

کن علی ذکر مما قالوا لایعدل عن تصحیح قاضی خاں فانہ فقیہ النفس[3]۔

فقہاء کرام نے جو فرمایا اسے یاد رکھو کہ امام قاضی خاں کی تصحیح سے عدول جائز نہیں کیونکہ وہ فقیہ النفس ہیں۔ (ت)

ثالثاً اجماع متون جن کی عظمتِ مکان ابھی سُن چکے پھر اُن کا اطباق و اتفاق کیسا ہوگا و لہٰذا بارہا

---

[1] ردالمحتار کتاب العتق باب التدبیر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۵

[2] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب الاجارات الفن الثانی ادارۃ القرآن کراچی ۲/۵۵-۵۶

[3] ردالمحتار کتاب الھبۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/۵۱۲

دیکھا ہے کہ علماء نے شروح وفتاوٰی کی بعض صریح تصحیحیں صرف اس بنا پر رَد کر دی ہیں کہ متون اس کے خلاف پر ہیں، درمختار کی کتاب القسمۃ میں ہے:

قال فی الخانیۃ وعلیہ الفتوی لکن المتون علی الاول فعلیہ المعول[1]	خانیہ میں فرمایا کہ فتوٰی اسی پر ہے لیکن متون پہلے قول پر ہیں تو اسی پر اعتماد ہوگا۔ (ت)

دیکھو امام اجل قاضی خاں سا مرجّح اور علیہ الفتوی سا لفظ ترجیح جسے علما آکد الفاظِ تصحیح سے شمار کرتے ہیں باایں ہمہ کہا گیا کہ متون اوّل پر ہیں تو وہی معتمد ہے، امام کے نزدیک عصبات کے بعد ولایتِ نکاح ماں کو ہے۔ قہستانی شرح مختصر الوقایہ میں لکھا صاحبین کے نزدیک غیر عصبہ ولی نہیں، اور یہی ایک روایت امام سے ہے[2] پھر مضمرات شرح قدوری سے نقل کیا، وعلیہ الفتوٰی[3] (اور اسی پر فتوٰی ہے۔ ت) مگر محققین نے نہ مانا کہ خلافِ متون ہے۔ بحرالرائق ونہر الفائق دونوں میں فرمایا:

ماقیل من ان الفتوی علی الثانی غریب لمخالفتہ المتون الموضوعۃ لبیان الفتوی[4] اھ۔	جو کہا جاتا ہے کہ فتوٰی ثانی پر ہے یہ غریب ہے کیونکہ یہ متون کے مخالف ہے جو کہ فتوٰی کو بیان کرنے کیلئے وضع کئے گئے ہیں اھ (ت)

علامہ شامی نے ردالمحتار میں اسے نقل کرکے مقرر رکھا۔ کنویں سے نجاست نکلے اور وقتِ وقوع معلوم نہ ہو تو امام ایک یا تین دن سے نجس مانتے ہیں اور صاحبین فی الحال صاحبِ محیط کہ ائمہ ترجیح سے ہیں دربارۂ وضو وغسل وعجین قولِ امام اور ان کے ماورا میں قول صاحبین اختیار کرتے اور وہ اور امام زیلعی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں اسی تفصیل کو ھوالصحیح (یہی صحیح ہے۔ ت) کہتے ہیں اور اسی پر بحرالرائق و منح الغفار وتنویر الابصار و درمختار میں جزم کیا، باایں ہمہ علامہ شامی اسے رَد کرتے اور عدمِ تسلیم کی پہلی وجہ یہی لکھتے ہیں کہ مخالف لاطلاق المتون قاطبۃ[5] (یہ تمام متون کے اطلاق کے مخالف ہے۔ ت) حموی شرح اشباہ میں ایک مسئلے کی نسبت جس میں روایتِ ابی یوسف کو حاوی قدسی میں علیہ الفتوی اور اشباہ میں الصحیح المعتمد کہا، فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار — کتاب القسمۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] جامع الرموز — فصل الولی والکفو — مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۶۷

[3] بحرالرائق — باب الاولیاء والاکفاء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۲۴

[4] ردالمحتار بحوالہ البحر والنہر — باب الولی — داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۱۲

[5] ردالمحتار — فصل فی البئر — " " " " " ۱/ ۱۴۶

مجرد دعوی الحاوی ان الفتوی علیہ لایقتضی انہ المصحح المعتمد فی المذھب کیف و اصحاب المتون قاطبۃ والشروح ماشون علی قولھما (یعنی الطرفین) ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان ما فی المتون والشروح مقدم علی ما فی الفتاوی[1]۔

حاوی کا صرف یہ دعوٰی کردینا کہ اسی پر فتوٰی ہے' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی تصحیح شدہ اور قابلِ اعتماد ہو، یہ کیسے ہوسکتا ہے جبکہ تمام متون اور شروح طرفین کے قول پر ہیں، اور تمام متون اس تصحیح کا التزام کیے ہوئے ہیں کہ متون وشروح کے مسائل فتاوٰی کے مسائل پر مقدم ہیں۔ (ت)

رابعاً یہی مذہبِ امام ہے، اور علماء فرماتے ہیں قولِ امام ہی پر اعتماد ضرور ہے اگرچہ صاحبین خلاف پر ہوں اگرچہ مشائخ کرام مذہبِ صاحبین کی تصحیح کریں کما یاتی انشاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ عنقریب آئیگا ان شاء اللہ تعالٰی۔ ت)

امر چہارم میں جس قاعدہ کا ذکر ہُوا جب سے مذہبِ حنفی عالَم میں آیا کسی عالِم نے دربارۂ اختلافِ امام وصاحبین اُسے جاری نہ کیا نہ ہرگز تمام دنیا میں کوئی اس کا قائل، بلکہ سلف وخلف کا اجماع کامل اُس کے برخلاف پر گواہِ عادل، ہزارہا مسائل میں صاحبین نے خلاف کیا، پھر شرق وغرب سے کتبِ فقہ جمع کرکے دیکھئے قولِ صاحبین معدودے جگہ مفتٰی بہ ملے گا جہاں اختلافِ زمانہ کے سبب تغیرِ حکم ہوا یا تعامل و دفعِ حرج کے مثل کوئی ایسی ہی ضرورت پیش آئی، علامہ طحطاوی پھر علامہ شامی حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں:

حصل المخالفۃ من الصاحبین فی نحو ثلث المذھب ولکن الاکثر فی الاعتماد علی قول الامام[2]۔

صاحبین کا تقریباً ایک تہائی مذہب میں اختلاف ہے لیکن اکثر اعتماد امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے مسلک پر ہے۔ (ت)

میں یہاں ائمہ محققین کی بعض عبارات پر اقتصار کرتا ہُوں جن سے کالشمس ظاہر کہ سوا مواضع معدودہ کے قولِ امام ہی پر اعتماد لازم، اور اس کے خلاف کثرتِ رائے، بلکہ فتوائے مشائخ پر بھی التفات نہیں کہ ایک آفتاب لاکھ ستاروں کو چھپالیتا ہے، اُسی سب سے عمدہ خلاصہ سب سے حال کی مستند کتاب" فتاوٰی عالمگیری میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

اذا اختلفوا فیما بینھم قال عبد اللہ بن

جب احناف کا آپس میں اختلاف ہو تو عبداللہ بن مبارک

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی احکام الجمعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۸
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار مقدمۃ الکتاب دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۴۸

المبارك يؤخذ بقول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی لانه کان من التابعین وزاحمهم فی الفتوی[1]

کے قول کے مطابق امام ابوحنیفہ کا قول قابلِ عمل ہوتا ہے کیونکہ وہ تابعی ہیں اور دیگر تابعین کے فتاوٰی کے مقابل اُنھوں نے فتاوٰی پیش کئے۔ (ت)

تنویر الابصار میں ہے:

یاخذ بقول ابی حنیفة علی الاطلاق[2]

قاضی مطلقاً امام ابوحنیفہ کے قول کو لے گا۔ (ت)

درمختار کا ملتقیٰ وسراجیہ سے نقل کرنا گزرا ھو الاصح (وہی زیادہ صحیح ہے۔ ت) اور یہ بھی کہ القاضی کالمفتی (قاضی مفتی کی مثل ہے۔ ت) اور یہ بھی کہ نہرالفائق میں اسی کو اضبط کہا، اسی کی کتاب ادب المقال میں تصحیح کی، کمافی الحاشیة الطحطاویة (جیسا کہ حاشیہ طحطاوی میں ہے۔ ت) اسی پر امام محقق علی الاطلاق نے جزم فرمایا، اور بعض مشائخ جو کہیں قولِ صاحبین پر افتا کر دیتے ہیں اُسے بلاوجہ قوی محض نامقبول ٹھہرایا۔ حاشیہ شامیہ میں ہے:

رد المحقق ابن الھمام علی بعض المشائخ حیث افتوا بقول الامامین بانه لایعدل عن قول الامام الا لضعف دلیله[3]

بعض مشائخ نے صاحبین کے قول پر فتوٰی دیا تو محقق ابن ہمام نے ان کا رَد کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ابوحنیفہ کے قول سے اعراض نہیں کیا جاسکتا الّا یہ کہ ان کی دلیل کمزور ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

قد صححوا ان الافتاء بقول الامام فینتج من ھذا انه یجب علینا الافتاء بقول الامام وان افتی المشائخ بخلافه[4] اھ نقله العلامة الطحطاوی اول القضاء۔

مشائخ نے تصحیح فرمائی ہے کہ فتوٰی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ہم پر امام کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے اگرچہ مشائخ نے قولِ امام کے خلاف فتوٰی دیا ہو اھ اس کو طحطاوی نے باب قضاء کی ابتداء میں نقل کیا ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثالث فی ترتیب الدلائل للعمل بہا نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۱۲

[2] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۲

[3] رد المحتار مطلب عن الامام اذا صح الحدیث الخ داراحیاء التراث بیروت ۱/ ۴۶

[4] بحرالرائق کتاب القضاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۷۰-۲۶۹

فتاوٰی خیریہ[1] کی کتاب الشہادات مسئلہ شہادۃ الاعمٰی میں ہے:

المقرر ایضا عندنا انه لایفتی ولایعمل الا بقول الامام الاعظم ولایعدل عنه الی قولهما او قول احدهما او غیرهما الا لضرورۃ (من ضعف دلیل او تعامل بخلافه) کمسئلة المزارعة وان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولهما لانه صاحب المذهب والامام المقدم

اذا قالت حذام فصدقوها
فان القول ما قالت حذام[1]

یہ طے شدہ ہے کہ ہمارے ہاں امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہی عمل و فتوٰی ہوگا، اور صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کے قول یا کسی اور کے قول پر بغیر ضرورت فتوٰی نہ ہوگا (اور ضرورت کی مثال ضعیف دلیل یا عرف و تعامل کا اس کے خلاف ہونا ہے) جیسا کہ مزارعت کا مسئلہ ہے اگرچہ مشائخ تصریح کرچکے ہوں کہ فتوٰی صاحبین کے قول پر ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ صاحبِ مذہب ہیں اور سب سے مقدم امام ہیں (شعر کا ترجمہ) جب حذام کچھ کہے تو اس کی تصدیق کرو، کیونکہ بات وہی ہے جو حذام کہتی ہے۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح بحرالرائق کی کتاب الصلوٰۃ بحث اوقات میں تصریح فرمائی اور اس سے ردالمحتار و حاشیہ طحطاوی میں نقل کرکے مقرر رکھا، امام المحققین شیخ الاسلام برہان الدین صاحبِ ہدایہ کتاب التجنیس والمزید میں فرماتے ہیں:

الواجب عندی ان یفتی بقول ابی حنیفة علی کل حال[2]

میرے نزدیک ہر حال میں امام ابوحنیفہ کے قول پر فتوٰی دینا واجب ہے۔ (ت)

مسئلہ وقتِ عشا میں جو قول صاحبین کو دُرر میں مفتٰی بہ بتایا علامہ نوح آفندی نے اس پر فرمایا:

لایجوز الاعتماد علیه لانه لایرجح قولهما علی قوله الا بموجب من ضعف دلیل او ضرورۃ او تعامل او اختلاف زمان ولم یوجد شیئ من ذلك فالعمل علی قوله[3] اھ نقلهما

اس پر اعتماد درست نہیں کیونکہ امام صاحب کے مقابلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح نہیں ہوسکتی مگر جب کوئی سبب ہو مثلاً دلیل کا ضعف، ضرورت، تعامل یا اختلافِ زمان میں سے کوئی چیز ہو، اور جبکہ ان میں سے کچھ بھی نہیں تو امام کے قول پر عمل ہوگا اھ

---

[1] فتاوٰی خیریہ — کتاب الشہادات — دارالمعرفۃ بیروت — ۲/ ۳۳
[2] و [3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار — کتاب الصلوٰۃ — دارالمعرفۃ بیروت — ۱/ ۱۷۵

العلامة الطحطاوی فی مبحث اوقات الصلوٰۃ۔ علامہ طحطاوی نے ان دونوں عبارتوں کو اوقاتِ صلوٰۃ کی بحث میں ذکر کیا ہے (ت)

پھر یہ ضعیف دلیل جسے علمائے عدول فرماتے ہیں اس کے معنی بھی سمجھ لیجئے یہ وُہ ہے کہ اعاظم ائمہ مجتہدانِ فتویٰ اُس کے ضعف پر تنصیص کریں، نہ وُہ جسے من و تو اپنے اذہانِ قاصرہ سے ضعیف سمجھ لیں کہ اوّل تو یہ دلائل جو مصنفین لکھتے ہیں کیا معلوم کہ امام کی نظر انھیں پر تھی اور ہو بھی تو ہم کیا اور ہمارا ضعیف سمجھنا کیا ؎

گدائے خاک نشینی تو حافظا مخروش
نظام مملکت خویش خسرواں دانند

(اے حافظ! گدائے خاک نشین کو مت چھیڑ کہ ملک کے نظام کو چلانا خود بادشاہ ہی جانتا ہے)

علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

انہ قد یظھر قوۃ لہ بحسب ادراکہ ویکون الواقع بخلافہ او بحسب دلیل ویکون لصاحب المذھب دلیل اٰخر لم یطلع علیہ[1] انتھی۔ کبھی امام کی دلیل کی قوت ظاہر ہوتی ہے جس کا ادراک کرلیا جاتا ہے اور واقع میں اس کے خلاف ہوتا ہے، یا یہ ہوتا ہے یہ کچھ دلیل سمجھے حالانکہ صاحبِ مذہب (امام صاحب) کی دلیل کچھ اور ہے جس پر اطلاع نہ ہوئی انتہی (ت)

اب مجھے اس تحقیقِ انیق کے بعد اصلاً ضرورت نہ رہی کہ امرِ پنجم کی طرف توجہ کروں، میرا یہی کلام ہرگونہ دلائل کے جواب میں بس ہے معہذا جو کچھ اُس میں بیان ہُوا اُسی دلیل سے ماخوذ ہے جو ہدایہ و شرح وقایہ و کافی و اختیار و مستخلص وغیرہا میں مذہبِ صاحبین پر ظاہر کی گئی اور اُس کے ساتھ ہی انھیں کتابوں میں اُس کا نفیس جواب بھی دے دیا جہاں تک میری نظر ہے کوئی کتاب مستند ایسی نہ ملے گی جس میں یہ تقریر مسطور اور اُس کا جواب نہ مذکور ہو میں یہاں صرف درمختار کے وُہ مختصر لفظ جو اُنھوں نے امام صدر الشریعۃ وغیرہ سے اخذ کرکے لکھے نقل کرنا کافی سمجھتا ہُوں دلیلِ امام میں فرماتے ہیں:

کل وطأۃ معقود علیھا فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی[2]۔ ہر وطی مہر کا بدل ہے تو بعض مہر کا سونپنا باقی کے سونپنے کا موجب نہیں بنتا ہے۔ (ت)

اس مرام نفیس کی توضیح و تلخیص یہ ہے کہ بیع عین پر وارد ہوتی ہے وُہ ایک بار سپرد ہوکر کیا باقی ہے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب القضاء مطبع دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۱۷۶

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

کہ محبوس ہو بخلاف نکاح کہ عورت کے گوشت پوست پر وارد نہیں منافع بضع پر ہے اور وہ متجدد تو بعض کی تسلیم کل کی تسلیم نہیں، نہ بعض پر رضا سے کل پر رضا لازم، وبعبارۃ اُخری شرع نے حق حبس دیا ہے نہ اختیارِ استرداد، اور مبیع میں تجدید منع بشکلِ استرداد ہی معقول، اور نکاح میں منفعت ماضیہ کی واپسی محال تو نہ ہوگا مگر حبس منفعت آئندہ، ولہذا اگر بیع میں بھی چند چیزیں ایک عقد میں بیچیں اور بعض بخوشی دے دیں بعض باقی کو روک سکتا ہے جب تک تمام ثمن وصول نہ ہو کہ یہاں بھی بوجہ تعدد اقباض بعض اقباض کل نہیں، کفایہ میں ہے:

لوسلم البائع بعض المبیع الی المشتری لایسقط حقہ فی حبس مابقی منہ[1]۔

اگر بائع مشتری کو کچھ مبیع سونپ دے تو باقی کو روک رکھنے کا حق اس سے ساقط نہیں ہوگا۔ (ت)

پس فرق واضح ہوگیا اور استدلال ساقط، مَیں یہاں تطویلِ کلام نہیں چاہتا کہ یہ امر تو علما پہلے ہی طے فرما چکے مگر شاید اتنا کہنا بیکار نہ ہو کہ خود امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی بیع و نکاح کے اس مسئلے میں زمین و آسمان کا فرق رکھتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے نزدیک مہر مؤجل کے لئے بھی عورت کو حقِ منع حاصل، اور ثمن مؤجل ہو تو استحقاق حبس بالاجماع زائل، وُہ فرماتے ہیں حقِ حبس بیع میں اصل عقد کا مقتضٰی نہیں اور نکاح میں بحالت اطلاق نفس عقد کا مقتضٰی ہے ولہذا شوہر پر تقدیم تسلیم مطلقاً لازم اگرچہ مہر اشیائے متعینہ سے ہو جیسے عبد یا دار یا ثوب، اور بیع میں مشتری پر تقدیم اسی حالت میں ضرور کہ مبیع عین ہو اور ثمن دین، جیسے درہم و دینار، امام سغناقی نہایہ میں کہ ہدایہ کی پہلی شرح ہے تقریر مذہب ابی یوسف میں فرماتے ہیں:

قال ان موجب النکاح عند الاطلاق تسلیم المھر عینا کان اودینا فحین قبل الزوج الاجل مع علمہ بموجب العقد فقد رضی بتاخیر حقہ الی ان یوفی المھر بعد حلول الاجل وبہ فارق البیع لان تسلیم الثمن اولا لیس من موجبات البیع لامحالۃ الاتری ان البیع لوکان مقایضۃ لاتجب تسلیم احد

انھوں نے کہا کہ نکاح کا موجب مطلقاً مہر کا ادا کرنا ہے خواہ نقد ہو یا دین ہو، تو جب خاوند نے مہر کے لئے مدتِ مقررہ قبول کرلی جبکہ وُہ نکاح کے موجب کو جانتا ہو تو گویا اس نے مدت مقررہ گزرنے تک اپنے حق کو مؤخر کرنا تسلیم کرلیا، اسی نکتہ کی بنا پر نکاح اور بیع میں فرق واضح ہوگیا، کیونکہ بیع میں اوّلاً ثمن کی ادائیگی اس کا موجب لازمی نہیں ہے، آپ جانتے ہیں کہ بیع مقایضہ (سامان کا سامان سے سودا) میں کسی بدل کا

---

[1] کفایہ مع فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۵۰

البدلین اولا فلم یکن المشتری راضیا بتاخیر حقه فی المبیع الی ان یوفی الثمن وجعل الفتوی علی قول ابی یوسف[1]

بھی ادا کرنا ابتداءً ضروری نہیں، لہذا بیع میں ثمن کی ادائیگی تک مشتری بیع کی تاخیر پر راضی نہ ہوا اور فتوی امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔ (ت)

اسی طرح فتح القدیر وغیرہ شروح ہدایہ میں ہے پھر باوجود اس قدر تفرقوں کے کیونکر مانا جائے کہ نکاح میں یہ حکم محض مشابہت بیع ہی پر مبنی ہے کہ اس کے احکام سے کہیں تفاوت نہ کرسکے، یہ مسئلہ ایک مبسوط رسالے کے قابل تھا،

وفیما ذکرنا کفایۃ لاھل الدرایۃ واللہ ولی الھدایۃ منہ البدایۃ والیہ النھایۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس میں اہل فہم کے لئے کفایت ہے، اللہ تعالٰی ہی ہدایت کا مالک اور اسی سے ابتداء اور انتہا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳ از سہسوان ۲۵ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے صرف نکاح کرکے چلا گیا، رخصت نہ ہوئی، نہ ایک نے دوسرے کی صورت دیکھی، دو برس بعد ہندہ نے اس پر نالش کی رخصت کرائے یا طلاق دے۔ وہ کچہری میں آیا اور حاکم کے سامنے طلاق نامہ لکھ دیا، پدر ہندہ نے کل مہر ہندہ بے اجازت ہندہ معاف کردیا، ہندہ اس معافی کو نامنظور کرتی اور اپنا نصف مہر مانگتی ہے، اس صورت میں ہندہ پر عدت لازم ہے یا نہیں؟ اور اس کا دعوٰی مہر صحیح ہے یا نہیں؟ اور باپ کے معاف کئے سے مہر معاف ہوگیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

باپ کو کسی طرح اپنی بیٹی کے مہر معاف کردینے کا اختیار نہیں، نہ ہرگز اس کے معاف کئے معاف ہوسکے

فان البنت ان کانت بالغۃ فلا ولایۃ للاب علیھا اصلا وان کانت صغیرۃ فالولایۃ للنظر ولا نظر فیما تمحض للضرر وکتب المذھب طافحۃ بھذا۔

اگر بیٹی بالغ ہو تو باپ کو اس پر بالکل ولایت نہیں اور اگر نابالغہ ہو تو پھر باپ کی ولایت شفقت پر مبنی ہے تو جو چیز محض ضرر ہو وہ شفقت نہیں ہوسکتی مذہب کی کتب اس بیان میں بھرپور ہیں۔ (ت)

---

[1] العنایۃ حاشیۃ علی الہدایۃ مع فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۴۹

ف: خط کشیدہ عبارت عنایہ میں نہیں، یہ نہایہ کی ہے، اور نہایہ دستیاب نہیں۔ نذیر احمد

پس اگر زید نے بلا شرط معافیٔ مہر طلاق دی تھی تو بیشک ہندہ پر طلاق بائن واقع ہوئی جس کے سبب وہ زید کے نکاح سے نکل گئی اور از انجا کہ ہنوز خلوت نہ ہوئی تھی عدت کی بھی حاجت نہیں،

فی مجمع الانہر طلق غیر المدخول بھا بانت لا الی عدۃ[1] اھ ملتقطا۔ مجمع الانہر میں ہے غیر مدخول بہا کو طلاق دی تو عورت بائنہ ہوجائے گی اور عدت نہ ہوگی اھ ملتقطا (ت)

اور اسی لئے نصف مہرِ ہندہ زید پر واجب الادا، جس کے دعوٰی کا اسے ہر وقت اختیار،

اذ لاحالۃ تنتظر بعد الافتراق بموت او طلاق۔ کیونکہ موت یا طلاق کی وجہ سے افتراق کے بعد کوئی حالت قابلِ انتظار نہیں۔ (ت)

اور اگر اُس نے یُوں کہا کہ میں نے ہندہ کو اس شرط پر طلاق دی کہ مجھے مہر معاف ہوجائے تو صورتِ مسئولہ میں نہ مہر معاف ہُوا نہ طلاق پڑی اذا فات الشرط فات المشروط (جب شرط فوت ہوجائے تو مشروط بھی فوت ہوجاتا ہے۔ ت) اس تقدیر پر دعوٰی مہر میں وہی حکم ہوگا جو عورت کو بحالتِ زوجیت دیا جاتا ہے کہ مہر معجل ہو تو فی الفور لے سکتی ہے اور کچھ وعدہ مقرر ہُوا ہو تو میعاد معلوم تک نہیں مانگ سکتی اور کچھ نہ ٹھہرا ہو تو اُس شہر کے رواج پر چھوڑیں گے یعنی ایسی حالت میں جو وہاں کا عُرف ہو اُسی پر عمل ہے۔

فی النقایۃ المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم نقایہ میں ہے کہ اگر معجل یا مؤجل بیان کردے تو بہتر ورنہ جو عرف میں ہو وہ ٹھہریگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ از سہسوان مرسلہ حافظ علی محمد صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا نکاح اُس کی رضاعی بہن کے ساتھ بوجہ لاعلمیت کے ہُوا اور وُہ اس کے تصرف میں بھی رہی، تو اس صورت میں زید پر دین مہر واجب الادا ہے یا نہیں؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں پُورا مہر مثل واجب ہے اگرچہ مہر مسمی سے زائد ہو، ردالمحتار و طحطاوی علی الدر المختار میں زیرِ قول شارح ویجب مہر المثل فی نکاح فاسد بالوطء ولو یزد علی المسمی لرضاھا بالحط (نکاح فاسد میں وطی کرلینے سے مہر مثل واجب ہوتا ہے اور وہ مقررہ سے زائد نہیں ہونا چاہئے کیونکہ وہ ساقط

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر فصل فی طلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰۰

[2] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

پر راضی تھی۔ت) فرمایا:

وفی الخانیۃ لوتزوج محرمہ لاحد علیہ عند الامام وعلیہ مھر مثلھا بالغا ما بلغ[1] اھ فھی مستثناۃ الا ان یقال ان نکاح المحارم باطل لافاسد الخ ای فلا استثناء۔

خانیہ میں ہے کہ اگر کسی نے محرم عورت سے نکاح کیا تو امام صاحب کے ہاں اس پر حد نہیں، ہاں اس عورت کا مہر مثل جتنا بھی گراں ہو خاوند پر لازم ہوگا اھ تو یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں، ہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ محارم سے نکاح فاسد نہیں بلکہ ابتداء ہی باطل ہے الخ تو استثناء نہ ہوا۔(ت)

خانیہ میں اس کی امثلہ میں فرمایا:

نحو الام والبنت والاخت والعمۃ والخالۃ اوتزوج بامرأۃ ابیہ وابنہ[2] الخ فذکر محرمات الصھر ایضا فافاد شمول محرمات الرضاع بالاولی وقال فی رد المحتار تحت قولہ شبھۃ العقد کوطء محرم نکحھا مانصہ اطلق فی المحرم فشمل المحرم نسبا ورضاعا وصھریۃ[3] واللہ تعالٰی اعلم

جیسے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، یا باپ کی بیوی یا بیٹے کی بیوی الخ تو اس میں انھوں نے سسرالی رشتے بھی ذکر کئے، تو اس سے رضاعی محرمات کا شامل ہونا بطریقِ اولیٰ واضح ہوگیا۔ رد المحتار میں شبہۂ عقد کی مثال لکھی ہے جیسے محرم عورت سے نکاح کرکے وطی کرلی ہو، اس عبارت میں انھوں نے محرمات نسبیۂ رضاعیہ، صہریہ سب کو شامل کیا ہے(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵ ازمارہرہ مطہرہ باغ پختہ مرسلہ حضرت سید ابراہیم میاں صاحب یکم ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ تعداد مہر شرع محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چہ مقدار است؟ بینوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں مہر کی مقدار کیا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

مہر را در شرع مطہر جانب کمی حدے معین ست

شریعت پاک میں مہر کی کم از کم مقدار دس درہم مقرر ہے

---

[1] رد المحتار باب المہر مطلب فی نکاح الفاسد دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۱
[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۵
[3] رد المحتار کتاب الحدود مطلب فی بیان شبہۃ العقد دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۳

یعنی دہ درہم اما جانب زیادت ہیچ تحدید نیست ہر چہ کہ بستہ شود ہماں قدر بحکم شرع محمدی لازم آید صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم، قال اللہ تعالٰی وآتیتم احدٰھن قنطارا[1]، پس تعیین نتواں کرد کہ ہمیں قدر مقدار مہر شرعی است نہ غیر او آرے ایں لفظ در بسیارے از عوام اہل حرفہ ایں بلاد شائع و ذائع است مانا کہ اورا مقابل رسم شرفاء و متمولانِ ہند نہادہ باشند آناں در مہور مغالات و افراط را از حد گزرانیدہ برگردن کم مایہ پنجاہ ہزار و صد ہزار و ازاں ہم فزوں تر بار می نہادند ایناں بتقلیل گرانیدہ مہر کمی سہل الحصول می بستند و ایں را بمقاصد شرع مطہر نزدیک تر دانستہ مہر شرع محمدی می گفتند تا رفتہ رفتہ تسمیہ و تعیین از میان برخاست و در بسیارے از عقود ایشاں ہمیں لفظ بر زبانہا ماند اگر پرسی چہ قدر مہر بستہ شد گویند شرع محمدی و گر ہیچ و چوں ایں لفظ اصطلاح خاص ایشاں ست واجب ست در فہم مرادش رجوع ہم ایشاں کردن فانہ یجب ان یحمل کلام کل عاقد وحالف وموص وواقف علٰی عرفہ[2] کما فی ردالمحتار وغیرہ

لیکن زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر نہیں بلکہ جتنا بھی مقرر کردیا جائے وُہ شریعتِ محمدی میں لازم ہوگا صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلٰی آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے، اور تم ان عورتوں میں سے بعض کو بہت زیادہ مال دیتے ہو، اس لئے کوئی تعیین نہیں کی جاسکتی کہ یہ مقدارِ شرعی ہے اور یہ نہیں ہے' ہاں شرعی مہر کا لفظ اس علاقے کے اہلِ ہُنر لوگوں میں مشہور ہے تاکہ اس کو بڑے مالدار لوگوں اور معزز خاندانوں کی رسم کے برابر رکھا جائے جو اپنے ہاں بہت بھاری مہر مقرر کرتے تھے اور وُہ اس حد تک بڑھ گئے کہ وہ اپنے سے کم مایہ لوگوں کی گردن پر بھی پچاس ہزار پچپن ہزار اور لاکھ اور اس سے بھی زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں، تو اہلِ ہنر نے مہر کا بوجھ کم کرنے کے لئے اور سہل الحصول بنانے کے لئے اس کو شرعی مہر کا نام دیا اور سہل اور معتدل کام کو شریعت کے قریب تر خیال کرکے اس کو شرعی مہر کہنا شروع کردیا اور آہستہ آہستہ یہ نام مشہور ہوگیا اور اکثر طور پر نکاح میں جب پوچھا جائے کہ کتنا مہر ہے تو جواب میں شرعی کہہ دیتے ہیں جب یہ لفظ خاص لوگوں کی اصطلاح بن گیا تو اب لازماً اس کی مراد یا مقدار کا تعین معلوم کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوا کیونکہ عقد، قسم، وصیت اور وقف کرنے والے لوگوں کے کلام کو ان کے عرف پر محمول کرنا ہوتا ہے جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے،

---

[1] القرآن الکریم ۴/۲۰

[2] ردالمحتار باب التعلیق ۲/۴۹۹، باب الایلاء ۲/۵۵۳، کتاب البیوع ۴/۱۴ دار احیاء التراث العربی بیروت

پس اگر مراد و متعارف ایشاں یا گروہے از ایشاں ازیں لفظ ہماں اقل مقادیر مہر ست دراں گروہ دہ درہم لازم آید و قومے راکہ مقصود و مفہوم مہر سرادق عفت فلک رفعت کنیزان درگاہ طہارت پناہ حضرت بتول زہرا صلوات اللہ وسلامہ علٰی ابیہا الکریم وعلیہا باشد آنجا چارصد مثقال سیم کہ بسکہ وقت یک صد و شصت روپیہ است واجب شود وکسانیکہ خود اذہان ایشاں نیز از معنی ایں لفظ خالی ست ہمیں سخنے ست کہ بر زباں رانند و مفہوم و مرادش خود ندانند (ومی ترسم کہ غالب ہمچنیں باشد) تا آنگاہ ظاہر آنکہ مہر مثل لازم گردد اذھو الاصل اذھو الاعدل فلاعدول عنہ الا عند صحۃ التسمیۃ وقد فسدت لمکان الجہالۃ فوجب المصیر الی الاصل وراجع الھدایۃ وغیرھا من الکتب المعللۃ۔

واللہ تعالٰی اعلم

لہٰذا اس لفظ کو استعمال کرنے والے لوگوں سے معلوم کیا جائے، اگر اس سے ان کا مقصد مہر کی کم از کم مقدار ہے تو دس درہم مراد ہوں گے اور اگر کسی قوم کا مقصد حضرت بتول زہرا جناب عزت مآب فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ہے تو یہ چارسو مثقال چاندی مراد ہوگی جو آج کل کے سکّہ کے حساب سے ایک سو ساٹھ (۱۶۰) روپے ہوں گے، اور اگر اس لفظ کو استعمال کرنے والے کچھ لوگ خالی ذہن ہیں اور کوئی مراد معین نہیں ویسے ہی بات پر یہ لفظ لاتے ہیں اسکے مفہوم و مراد کو نہیں جانتے، میرے خیال میں اکثریت ایسی ہی ہے جو ایسی صورت میں نکاح ہو تو مہر مثل لازم ہوگا اس لئے کہ وہی اصل اور معتدل ہے اس سے عدول جائز نہیں ہے جب تک مقرر شدہ جہاں معلوم مہر ہو اور مقرر شدہ یہاں مفقود ہے کیونکہ مجہول ہے تو لازمی طور پر اصل کی طرف رجوع کرنا ہوگا جو کہ مہر مثل ہے۔ ہدایہ وغیرہ جو احکام کی علت کو بیان کرنے والی کتب ہیں انکی طرف رجوع کرو۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر معرا بیان تعجیل و تاجیل سے قبل از موت و طلاق واجب الادا فی الحال ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں نہ عموماً وجوب ادا فی الحال ہے نہ کلیۃً عدم، بلکہ مدار عرف و عادت پر ہے، اگر عرف یہ ہے کہ قبل از موت و طلاق ادا کردیتے ہیں تو فی الحال ادا لازم ہے ورنہ نہیں،

فی مختصر الوقایۃ والمعجل والمؤجل ان بینا والا فالمتعارف[1] وفی شرحہا

مختصر الوقایہ میں ہے کہ معجّل یا مؤجّل مہر کو بیان کیا گیا ہو تو بہتر ورنہ عرف میں جو مراد ہو وہی ٹھہرے گا، اسکی شرح میں ہے

[1] مختصر الوقایۃ کتاب النکاح نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

والمختار ھذا فان المتأخرین اختاروا ھذا بناءً علی التعارف[1] واللّٰہ اعلم بالصواب وعندہ تعالٰی ام الکتاب۔

یہی مختار ہے کیونکہ متاخرین نے مہر کو عرف پر مبنی قرار دیا ہے۔ (ت) واللّٰہ اعلم بالصواب وعندہ تعالٰی ام الکتاب۔

مسئلہ از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب یکم جمادی الاولٰی ۱۳۰۷ھ

چہ مے فرمایند علمائے شریعت پناہ دریں مسئلہ کہ اگر زن فاسقہ گردد و مرد بوجہ فسق او طلاقش دہد مہر ساقط شود یا نہ وبچہ کار تمام مہر عورت دور میشود وبچہ کار نصف مے ماند۔ بینوا بیانا شافیا اجرکم اللّٰہ تعالٰی اجرا وافیا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے شریعت اس مسئلہ میں کہ اگر بیوی کو فاسقہ ہوجانے کی وجہ سے مرد نے طلاق دے دی ہو تو کیا اس کا مہر ساقط ہوجائے گا یا نہیں، اور کس وجہ سے پورا مہر ختم ہوجاتا ہے اور کس وجہ سے نصف مہر جاتا ہے، مکمل بیان فرمائیں، اللّٰہ تعالٰی آپ کو پورا اجر عطا فرمائے۔ (ت)

الجواب

مہر بنفس عقد زن شوئی واجب شود وبوطی یا خلوت صحیحہ یا موت احد الزوجین تاکد وتقرر یابد کہ بعد وقوع یکے ازینہا ہیچ وجہ پارہ ازاں بے ادا یا ابراء ساقط نگردد واگرچہ زن معاذ اللّٰہ فسق وفجور ورزد یا عیاذًا باللّٰہ مرتدہ شود فی الدر المختار یتاکد عند وطء او خلوۃ صحت او موت احدھما[2] وفی رد المحتار افاد ان المھر وجب بنفس العقد لکن مع احتمال سقوطہ بردتھا او تقبیلھا ابنہ او تنصفہ بطلاقھا قبل الدخول وانما یتاکد لزوم تمامہ بالوطی

مہر محض نکاح سے لازم ہوجاتا ہے اور وطی یا خلوتِ صحیحہ یا فریقین میں سے کسی کے فوت ہوجانے سے مہر پکا ہوجاتا ہے اور مذکورہ امور کے بعد مہر میں سے کوئی حصّہ بغیر ادائیگی یا بغیر معاف کئے ساقط نہ ہوگا اگرچہ بیوی فاسقہ فاجرہ یا معاذ اللّٰہ مرتدہ بن جائے، درمختار میں ہے: وطی یا خلوتِ صحیحہ یا زوجین میں سے کسی کے فوت ہوجانے پر مہر پکا ہوجاتا ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مہر محض نکاح سے واجب ہوجاتا ہے لیکن مرتد ہوجانے یا خاوند کے بیٹے کو بوس وکنار کرنے سے ساقط ہوجانے کا احتمال باقی رہتا ہے یا دخول سے قبل طلاق ہوجانے کی

---

[1] شرح الوقایہ باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۲/۴۷
[2] درمختار " " " " " ۱/۱۹۷

ونحوہ (الیٰ قولہ) قال فی البدائع واذا تأکد المھر بما ذکر لایسقط بعد ذٰلک وان کانت الفرقۃ من قبلھا لان البدل بعد تأکدہ لا یحتمل السقوط الا بالابراء کالثمن اذا تأکد بقبض المبیع[1] اھ

آرے اگر پیش از وقوع چیزے از مؤکدات ثلثہ مذکور زن معاذ اللہ ارتداد کند یا با پدر یا پسر شوہر یعنی اصل یا فرعش زنا نماید یا بشہوت پدر یا پسر شوئے را بوسہ دہد یا دست بذکر آناں رساند یا ذکر شاں را بشہوت نظر کند یا ضرّہ صغیرہ خود را شیر دہد یا احد الزوجین بخیار بلوغ فسخ نکاح اختیار کند یا در عقد فاسد پیش از وطی حقیقی متارکہ شود دریں صور ہمہ مہر ساقط گردد و اگر شوئے معاذ اللہ مرتد شود یا با مادر یا دختر زن یعنی اصل یا فرعش زنا کند یا بشہوت مادر یا دختر زن را بوسہ چیند یا مساس کند یا در بر کشد یا فرج اندرونی آنہا بیند، در صور نیم مہر سقوط پذیرد وغیر ایں صور صورتہائے دیگر نیز ہست کہ اگر در جملہ انہا بتفصیل کلام و تحقیق احکام و تنقیح مرام پردازیم رسالۂ مستقلہ مے باید نوشت۔ فی الدر المختار یجب نصفہ بطلاق قبل وطء او خلوۃ[2] فی رد المحتار لو قال بکل فرقۃ

بنا پر نصف مہر کا احتمال ہو سکتا ہے اور وطی وغیرہ سے پُورا مہر پکّا ہو جاتا ہے، یہ بیان انھوں نے یہاں تک فرمایا کہ بدائع میں فرمایا کہ جب مہر مذکور پکّا ہو جائے تو اس کے بعد ساقط نہ ہوگا اگرچہ بیوی کی طرف سے فرقت ہو، کیونکہ بدل (وطی) حاصل ہو جانے کے بعد اس کا بدل (مہر) ساقط ہونے کا احتمال نہ رکھے گا مگر جب عورت معاف کر دے جیسا کہ بیع میں مبیعہ پر قبضہ سے ثمن لازم ہو جاتا ہے اھ ہاں اگر مہر کو پکّا کرنے والی مذکورہ تین چیزوں سے قبل عورت معاذ اللہ مرتد ہو جائے یا خاوند کے باپ یا بیٹے سے یعنی اس کے اصول و فروع میں سے کسی کے ساتھ زنا کیا یا ان میں کسی کا شہوت سے بوسہ لیا یا دیا یا اُن کی شرمگاہ کو چھُو لیا یا ان کی شرمگاہ کو شہوت کے ساتھ دیکھا یا اپنی شیرخوار سوتن کو دُودھ پلایا، یا زوجین میں سے کسی کو خیار بلوغ تھا تو اس اختیار سے نکاح فسخ کر دیا، یا نکاح فاسد تھا تو حقیقی وطی سے قبل متارکہ ہو گیا، تو ان تمام صورتوں میں پُورا مہر ساقط ہو جائے گا، اور اگر خاوند معاذ اللہ مرتد ہو گیا یا اس نے بیوی کی اصل یا فرع یعنی ماں یا بیٹی کو شہوت سے چھُو لیا یا ان سے زنا کر لیا یا بوس و کنار کر لیا یا دبوچ لیا یا اُن کی اندرونی فرج کو دیکھ لیا تو ان تمام صورتوں میں نصف مہر ساقط ہو جائے گا ان مذکور صورتوں کے علاوہ اور بھی ایسے امور ہیں جن سے مہر کُل یا نصف ساقط ہو جاتا ہے، اگر ان تمام امور کی تفصیل اور ان کے احکام کی تحقیق اور مقاصد کی

---

[1] رد المحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۳۰
[2] در مختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۷

من قبله لشمل مثل ردته وزناه وتقبيله ومعانقته لام امرأته وبنتها قبل الخلوة قهستانی عن النظم[1] اھ وفیه عن البحر عن القنية طلقها قبل الدخول اوجاءت الفرقة من قبلها يعود نصف المهر فی الاول والکل فی الثانی الی ملك الزوج[2] الخ وفی التنویر للموطوءة کل مهرها ولغیرها نصفه لوارتد ولاشیئ لوارتدت[3] اھ وفی الدرالمختار لوارضعت الکبیرة ضرتها الصغیرة حرمتا ولامهر للکبیرة ان لم توطأ لمجیئ الفرقة منها وللصغیرة نصفه لعدم الدخول[4] اھ ملخصا، وفی ردالمحتار فی النکاح الفاسد بعدم الشهود مثلا، مهرالمثل ان یکن دخل اما

تنقیح کی جائے تو اس سے ایک مستقل کتاب بن جائے۔ درمختار میں ہے کہ دخول سے قبل یا خلوت سے قبل طلاق دینے سے نصف مہر واجب ہوگا۔ اور ردالمحتار میں کہا کہ اگر مصنف، طلاق کی بجائے، خاوند کی طرف سے فرقت کہہ دیتے تو اس میں خاوند کا مرتد ہونا، زنا، بوس وکنار، بیوی کی ماں یا بیٹی سے معانقہ، قبل از خلوت تمام کو شامل ہوجاتا (یہ قہستانی نے نظم سے نقل کیا ہے) اھ اور اس میں بحر سے اس نے قنیہ سے نقل کیا ہے کہ اگر خاوند نے قبل از دخول طلاق دی تو نصف مہر، اور اگر عورت کی طرف سے فرقت کی وجہ پائی جائے تو پُورا مہر خاوند کی ملکیت میں آجائے گا الخ، تنویر الابصار میں ہے: وطی سے پُورا اور بغیر وطی نصف مہر دینا ہوگا اگر خاوند مرتد ہوجائے، اور اگر وطی سے قبل عورت مرتد ہوجائے تو اس کو کچھ مہر نہ ملے گا اھ، درمختار میں ہے: اگر بڑی بیوی نے شیرخوار سوکن کو دُودھ پلایا تو دونوں حرام ہوجائیں گی، اور بڑی سے اگر وطی نہ ہوئی تو اس کا پُورا مہر ساقط ہوجائے گا کیونکہ فرقت کی وجہ اس نے پیدا کی ہے اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا کیونکہ اس سے دخول نہیں کیا گیا، ملخصاً۔ ردالمحتار میں ہے: نکاح فاسد مثلاً بغیر گواہوں کے ہوا نکاح

---

[1] ردالمحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۳۲
[2] " " " " " ۲/۳۳۲
[3] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۰
[4] " " " باب الرضاع ۱/۲۱۳

9

اذا لم یدخل لایجب شیئ اھ[1] ملتقطا وفی الدر المختار لصغیر وصغیرۃ خیار الفسخ بالبلوغ بشرط القضاء للفسخ فیتوارثان فیه ویلزم کل المھر[2] الخ وفی الشامیۃ قوله ویلزم کل المھر لان المھر کما یلزم جمیعه بالدخول ولو حکما کالخلوۃ الصحیحۃ کذٰلك یلزم بموت احدھما قبل الدخول اما بدون ذٰلك فیسقط ولو الخیار منه لان الفرقۃ بالخیار فسخ للعقد والعقد اذا انفسخ یجعل کانه لم یکن کما فی النھر[3] اھ ھذا واعلم ان من العلماء من قرر له ضابطۃ وھی ان کل فرقۃ جاءت من قبل الزوج قبل الدخول فانها تنصف المھر وکل فرقۃ اتت من قبلها تسقط و ھو الذی یبتنی علیه ما ذکر الشامی عن القھستانی عن النظم ومنهم من استثنٰی منها خیار البلوغ لما مر انه وان کان منه لا ینصف بل یسقط

اگر دخول کیا گیا ہو تو مہر مثل لازم ہوگا اور دخول نہ کیا ہو تو کوئی مہر نہ ہوگا اھ ملتقطاً، درمختار میں ہے: بالغ لڑکے یا لڑکی کو خیار فسخ بالبلوغ ہو تو یہ فسخ قاضی کی قضاء کی شرط سے مؤثر ہوگا (پھر اگر ان دونوں میں سے کوئی بھی فسخ سے قبل فوت ہوگیا) تو ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور پُورا مہر بھی لازم ہوگا الخ، شامی میں ہے کہ مصنف کا قول کہ کل مہر لازم ہوگا اس لئے کہ کل مہر دخول حقیقی یا حکمی مثلاً خلوتِ صحیحہ کے ساتھ لازم ہوجاتا ہے یونہی دخول سے قبل کسی کے مرجانے سے کل مہر لازم ہوتا ہے اور اس دخول یا موت کے بغیر مہر ساقط ہوجائے گا اگرچہ یہ فرقت لڑکے کے خیار بلوغ کی وجہ سے ہو کیونکہ فرقتِ خیار کی وجہ سے نکاح فسخ ہوتا ہے اور جب نکاح فسخ ہو تو کالعدم ہوجاتا ہے جیسا کہ نہر میں ہے۔ اس کو محفوظ کرلو۔ واضح رہے کہ بعض علماء نے اس مسئلہ میں ضابطہ بنایا کہ اگر دخول سے قبل فرقت کی وجہ عورت کی طرف سے ہو تو پُورا مہر ساقط ہوگا اور خاوند کی طرف سے ہو تو مہر نصف ہوگا۔ اسی ضابطہ کی بناء پر علامہ شامی نے نظم سے منقول علامہ قہستانی کا قول بیان کیا ہے، اور بعض نے اس ضابطہ سے لڑکے کے خیار بلوغ کی صورت کو مستثنٰی قرار دیا کہ اگر یہ خیار بلوغ لڑکے کی طرف سے ہو تو نصف مہر نہ ہوگا بلکہ ساقط

---

[1] ردالمحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۲

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۲-۹۳

[3] ردالمحتار " " " " ۲/۳۰۱

وهو الذی اختارہ فی الدر المختار ولکن ردھا فی الذخیرۃ بما اذا ملك الزوجۃ قبل الدخول بشراء مثلا حیث ینفسخ النکاح ویسقط المھر کلہ مع انھا فرقۃ جاءت من قبلہ، وحقق الضابطۃ بان کل فرقۃ جاءت من قبلہ وھی طلاق فانھا تنصف وکل ماجاءت وھی فسخ فانھا تسقط وردہ فی البحر بردۃ الزوج حیث تنصف کما علمت مع انھا فسخ جاء من قبلہ ثم قال فالحق ان لایجعل لھذہ المسألۃ ضابط بل یحکم فی کل فرد بما افادہ الدلیل[1] اھ ھذا ھوالذی حمل العبد الضعیف علی الاقتصار علی ذکر بعض الصور وعدم التعرض لضابط۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

ہوگا، اسی کو دُرمختار میں اختیار کیا، لیکن ذخیرہ میں اس کو رد کیا ہے مثلاً اگر کسی نے (لونڈی) بیوی کو دخول سے قبل خرید لیا اور اس کا مالک بن گیا تو یہ نکاح فسخ ہوگیا اور پورا مہر ساقط ہوا، حالانکہ وجہِ فرقت خاوند کی طرف سے ہے، اس کے بعد انھوں نے نیا ضابطہ یہ بتایا کہ اگر خاوند کی طرف سے فرقت کی وجہ ہو اور وُہ وجہِ طلاق بنے تو مہر نصف ہوگا اور جو فرقت فسخ بنے تو مہر ساقط ہوجائے گا، پھر اس ضابطہ کو بحر میں رَد کیا کہ جب خاوند مرتد ہوجائے تو قبل دخول مہر نصف ہوگا حالانکہ یہ فرقت مرد کی طرف سے فسخ ہے طلاق نہیں، جیسا کہ تمھیں معلوم ہے، پھر بحر نے کہا کہ حق یہ ہے کہ اس مسئلہ کے لئے کوئی ضابطہ نہ بنایا جائے بلکہ ہر جزیہ کا جواب اس کی دلیل کے مطابق علیحدہ دیا جائے اھ، اسی بناء پر اس عبدِ ضعیف نے بعض جزئیات کے ذکر پر اکتفاء کیا اور کسی ضابطہ کو بیان نہیں کیا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ از اٹاوہ قریب کچہری منصفی مرسلہ مولوی حبیب علی صاحب علوی ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی اس صورت میں کہ زید نے اپنی دخترِ نابالغہ کا نکاح شرعی دو ہزار روپے مہر پر بکر بالغ کے ساتھ کیا، قضارا دختر مذکورہ بعد نکاح کے ایامِ نابالغی میں زید کے گھر مرگئی اب زید پدر و دیگر وارثانِ شرعی متوفاۃ مذکورہ کو دعوٰی مہر مذکور کا بکر شوہر دختر متوفاۃ پر شرعاً پہنچتا ہے تو کس قدر کا، بحوالہ کتب معتبرہ فقہ حنفی جواب مرحمت ہو، گو اس مسئلہ کا جواب اصول سے بہت صاف دیا جاسکتا ہے مگر مستفتی کو اصرار ہے کہ بحوالہ کتاب اس صورتِ خاص میں حکم دیا جائے۔ میرے پاس جو کتابیں ہیں ان میں باوصف تلاش یہ صورتِ خاص نہ ملی، چونکہ آپ کا کتب خانہ بہت بڑا ہے

---

[1] بحرالرائق باب الاولیاء والاکفاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۲۱

اور نظر آپ کی اکثر کتب پر بہت وسیع ہے اس واسطے صورتِ مسئلہ تحریر کی جاتی ہے جواب سے جس قدر جلد مشرف فرمائیے گا ممنون ہوں گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگرچہ موت احدالزوجین کے سبب مہر کا متأکد ہوجانا اور تمام وکمال لازم آنا یونہی علی وجہ الاطلاق جمیع کتبِ مذہب متون وشروح وفتاوٰی میں مبین جس میں بالغ ونابالغ و دخول وعدمِ دخول کی اصلاً کوئی تقیید وتخصیص نہیں اور صرف اسی قدر جواب مسئلہ میں قطعاً بس، تاہم اگر یہ صورت خاص معینہ ہی درکار ہے کہ عورت نابالغہ ہو اور ولی اس کا نکاح ایک مہر پر کردے اور وہ قبل بلوغ شوہر نادیدہ مرجائے تو یہ جزئیہ بھی بہت کتب میں صاف صاف مصرح اور حکم اس کا وہی کہ بوجہ موت کل مہر لازم بلکہ علماء نے اس صورت میں اس کی تصریح فرمائی کہ ولی مزوج غیراب وجد ہو جہاں نکاح لازم نہیں ہوتا اور بعد بلوغ صغیر وصغیرہ کو اختیار طلب فسخ دیا جاتا ہے تو شاید کسی کو عدمِ تأکد کا توہم ہوتا نہ کہ تزویج پدر کہ قطعاً لازم و ناقابلِ فسخ ہے یہاں کسی کو بھی اس کا وہم گزرنا اصلاً معقول نہیں۔ ملتقی الابحر اور اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے:

للولی انکاح الصغیر والصغیرۃ فان مات احدھما ورثہ الاٰخر بلغا اولا ویجب المھر کلہ وان مات قبل الدخول[1] اھ ملتقطا قلت ومعلوم ان ضمیر مات الی احدھما الشامل للزوج والزوجۃ کما لایخفی۔

ولی کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کے نکاح کر دینے کا اختیار ہے، پھر اگر دونوں میاں بیوی میں سے کوئی فوت ہوجائے تو دوسرا وارث ہوگا اور پورا مہر واجب ہوگا بالغ ہوں یا نابالغ، اگرچہ وہ دخول سے قبل ہی فوت ہوگیا ہو اھ ملتقطا قلت مات کی ضمیر دونوں میں سے ایک کے لئے ہے جو خاوند بیوی دونوں کو شامل ہے، جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے (ت)

درمختار میں ہے:

یتوارثان فیہ (یعنی الصغیر والصغیرۃ) ویلزم کل المھر[2]

اس صورت میں دونوں نابالغ لڑکا اور لڑکی باہم وارث بنیں گے اور پورا مہر لازم ہوگا (ت)

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے:

---

[1] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب الاولیاء والاکفاء دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۳۲۵

[2] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۳

وتوارثا قبل الفسخ لان النکاح صحیح والملک بہ ثابت فان مات احدھما فقد انتھی النکاح سواء مات قبل البلوغ او بعدہ لان الفرقۃ بینھما لاتقع الا بقضاء القاضی فیتوارثان ویجب المھر کلہ وان مات قبل الدخول[1] الخ۔

قبل از فسخ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے کیونکہ نکاح صحیح ہے، اور اس سے ملکیت ثابت پس جب کوئی مرگیا تو نکاح تو مکمل چکا، یہ موت بلوغ سے قبل ہو یا بعد، کیونکہ ان میں فرقت ہوتی تو قضاء قاضی سے ہوتی، اس لئے آپس میں وارث بنیں گے اور پورا مہر لازم ہوگا اگرچہ دخول سے قبل مرا ہو الخ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں کل مہر مسمّٰی ذمہ بکر لازم ہُوا جس میں نصف یعنی ایک ہزار روپے کا وہ خود وارث ہے بقیہ ورثا ہزار روپے کا اس پر دعوٰی کرسکتے ہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید بکر کی زوجہ منکوحہ کو اُس کی غیبت میں بھگا کرلے گیا اور اُس سے زنا کرتا ہے اور واسطے برارت الزام تعزیرات ہند کے دعوٰی دلاپانے دین مہر شرعی زوجہ بکر کی جانب سے بصیغہ دیوانی دائر کراکر بیان کرایا کہ مجھ کو بکر نے طلاق دے دی میرا مہر شرعی بکر زوج میرے سے دلایا جائے۔ اس صورت میں از رُوئے شرع شریف زوجہ ہندہ مفرورہ کو وصول پانی مہر کا استحقاق ہے یا نہیں اور مہر ہندہ کا موجل ہے اور کوئی میعاد معین قرار نہ پائی اور بکر نے طلاق بھی نہیں دی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جب تک موت یا طلاق واقع نہ ہو عورت کو ہرگز مطالبہ مہر کا استحقاق نہیں کہ جب مہر موجل بندھا اور میعاد کی کوئی شرح بیان میں نہ آئی کہ سال بھر بعد ادا کیا جائے گا یا دس برس تو شرعًا اُس کی میعاد موت یا طلاق قرار پاتی ہے، فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

لاخلاف لاحد ان تأجیل المھر الی غایۃ معلومۃ نحو شھر او سنۃ صحیح وان کان لا الی غایۃ معلومۃ فقد اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم یصح وھو الصحیح وھذا لان الغایۃ معلومۃ فی نفسھا

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مہر کے لئے مدت مقرر کی جاسکتی ہے مثلاً مہینہ یا سال وغیرہ، یہ صحیح ہے اور اگر مدت معلوم نہ ہو تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے، بعض نے فرمایا صحیح ہے اور یہی اصح ہے کیونکہ انتہا معلوم ہے کہ وہ طلاق یا موت ہے،

---

[1] تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق باب الاولیاء والاکفاء مطبعۃ الکبرٰی الامیریہ بولاق مصر ۲/ ۱۲۵

وهو الطلاق او الموت الایری ان تاجیل البعض صحیح وان لم ینص علی غایۃ معلومۃ کذا فی المحیط[1]۔

دیکھا نہیں کہ بعض مہر کو مؤخر کرنا صحیح ہے اگرچہ اس کی انتہائی مدت معلوم نہ ہو، محیط میں یونہی ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بالف علی ان کل الالف مؤجل ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح، واذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدر ما یتعارفہ اھل البلدۃ فیؤخذ منہ الباقی بعد الطلاق او بعد الموت ولا یجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولا یحبسہ[2]۔

ایک شخص نے عورت سے نکاح کیا ہزار مہر پر اور مکمل ہزار مؤخر کیا، تو اگر انتہائی مدت معلوم ہے تو صحیح ہے، اگر معلوم نہیں تو صحیح نہیں، تو جب صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائے گا کہ عرف کے لحاظ سے جتنا ہو سکے فوری ادا کرو اور باقی اس سے طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائے گا، اور قاضی اس پر باقی کی وصولی پر جبر نہ کرے گا اور نہ ہی اس کو قید کرے گا۔ (ت)

پس میعاد سے پہلے دین کا مطالبہ ہرگز روا نہیں، نہ ایسا دعوٰی مسموع ہو سکے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از سجول ضلع بہرائچ مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب تاجر ۷ رمضان ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلاوجہ شرعی اپنی زوجہ ہندہ کو طلاق دے دی، جب ہندہ کے ولی یعنی خالد اس کے باپ نے زید سے مہر طلب کیا تو زید مدعی اس امر کا ہُوا کہ میرا مہر دس درم کا تھا، اور صورت یہ واقع ہُوئی ہے کہ تعداد مہر کی نہ ہندہ اور نہ اُس کے ولی خالد کو یاد ہے اور نہ قاضی نکاح خواں اور نہ وکیل کو یاد ہے اور نہ یہ امر یاد ہے کہ وقتِ نکاح کون کون گواہ مقرر ہُوئے تھے لیکن اُس قوم میں ادنٰی ادنٰی عورتوں کا بھی مہر کم درجہ پانچ سو روپے اور دو دینار سُرخ اکثر ہیں اور دس درہم مہر جیسا کہ دعوٰی زید کا ہے اُس قوم میں کسی کا نہیں بلکہ غالباً اُس شہر میں بھی جہاں یہ دونوں طلاق دہندہ اور مطلقہ رہتی ہے شاید کسی کا بھی نہ ہو اور اسی اعتبار سے کہ اکثر عرف قوم میں ادنٰی درجہ پانچسو روپے اور دو دینار سُرخ ہے، خالد ولی ہندہ مدعی اور طالب پانچسو روپے اور دو دینار سُرخ کا ہے پس ایسی شکل میں ہندہ بقول اپنے زوج طلاق دہندہ کے دس درم پائے گی یا بموجب عرف اپنی قوم کے حسب دعوٰی اپنے ولی خالد

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل الحادی عشر فی منع المرأۃ نفسہا نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۱۸

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۳

کے پانچ سو روپیہ اور دو دینار سُرخ پانے کی مستحق ہوگی۔ بینوا توجروا

الجواب

عبارتِ سوال سے واضح کہ یہ طلاق بعد رخصت وخلوتِ زن وشو واقع ہُوئی، پس اگر واقع ایسا ہی ہے تو صورتِ مستفسرہ میں زوج وزوجہ میں جو اپنے دعوے پر گواہان عدول شرعی قائم کردے گا اُسی کے موافق فیصلہ کردیا جائے گا اور اگر دونوں اپنے اپنے مطابق گواہ شرعی دے دیں تو عورت کے مہرِ مثل پر نظر کرینگے اگر وُہ پانچسو روپے دو دینار سرخ یا اس سے زائد ہو تو دس درم کی ڈگری ہوگی، اور اگر دس درم ہو تو پانچسو روپے اور دو دینار سُرخ کی اور اگر دس درم سے زائد اور پانچسو روپے دو دینار سے کم ہو تو جتنا مہرِ مثل ہو اسی قدر دلایا جائے گا، اور اگر ان میں سے کوئی اپنے دعوے پر گواہ نہ لاسکے تو بھی مہرِ مثل کو دیکھیں گے، اگر پانچسو روپے دو دینار یا اس سے زائد ہُوا تو عورت سے قسم لیں گے واللہ میرا نکاح اس کے ساتھ دس درم نہ ہوا، اگر قسم کھالے گی تو پانچسو روپے دو دینار سُرخ کی ڈگری ہوگی، اور قسم سے انکار کرے گی تو دس درم پائے گی، اور اگر مہرِ مثل دس درم ہُوا تو مرد سے قسم لیں گے واللہ میں اس عورت کو پانچسو روپے دو دینار پر اپنے نکاح میں نہ لایا، اگر قسم کھالے گا دس درم کی ڈگری ہوگی، اور انکار کیا تو پانچسو روپے دو دینار دینے ہوں گے، اور اگر دس درم سے زائد اور پانچسو روپے دو دینار سے کم ہو تو مرد و زن دونوں سے قسم ہائے مذکورہ لیں گے، اور اولٰی یہ کہ شوہر سے ابتدا کریں، اگر وُہ قسم سے انکار کرے پانچسو روپے دو دینار دلائیں اور قسم کھائے تو عورت سے قسم لیں اگر وُہ انکار کرے دس درم پائے اگر وُہ بھی کھالے تو مہرِ مثل دلائیں۔

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار ان اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح (ای قبل الدخول او بعدہ وکذا بعد الطلاق والدخول رحمتی) فالقول لمن شہد لہ مہر المثل بیمینہ وای اقام بینۃ قبلت سواء شہد مہر المثل لہ او لہا او لا وان اقاما فبینتہا مقدمۃ ان شہد لہ وبینتہ ان شہد لہا، لان البینات لاثبات خلاف الظاھر

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہُوا، یہ اختلاف قیامِ نکاح کے دوران ہوا ہو (یعنی قبل از دخول یا بعد از دخول اور یوُں ہی یہ اختلاف طلاق و دخول کے بعد ہوا ہو، رحمتی)، تو دونوں میں سے جس کی مہرِ مثل تائید کرے اس کی بات معتبر ہوگی اور ساتھ قسم بھی لی جائیگی؛ اور دونوں میں سے جس نے گواہ پیش کئے تو گواہی قبول کرلی جائے گی خواہ مہرِ مثل زوج یا زوجہ کی موافقت کرے یا نہ کرے اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو بیوی کے گواہ مقدم ہوں گے اگر مہرِ مثل خاوند کی تائید کرے اور

وان کان مهر المثل بینهما تحالفا (والاولی البداءۃ بتحلیف الزوج فایهما نکل لزمه دعوی الاخر) فان حلفا او برھنا قضی به (ای بمهر المثل)[1] اھ ملتقطا قلت و فی عبارۃ الدر ھٰھنا تقصیر نبه علیه الشامی وایضاح المسئلۃ فی الخانیۃ والھندیۃ وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خاوند کے گواہ مقدم ہوں گے اگرچہ مثل بیوی کی تائید کرے کیونکہ گواہی خلافِ ظاہر کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور اگر مہر مثل دونوں کے دعووں کے بین بین ہے تو دونوں سے قسم لی جائے گی (بہتر ہے کہ پہلے خاوند کی قسم لی جائے، تو جو قسم سے انکار کرے اس پر دوسرے کا دعوٰی لازم ہوجائے گا) اور اگر دونوں نے قسم دے دی یا گواہ پیش کر دئے تو پھر قاضی مہر مثل پر فیصلہ دے اھ ملتقطا قلت (میں کہتا ہوں کہ) یہاں دُر کی عبارت میں کوتاہی ہے جس پر علامہ شامی نے توجہ دلائی ہے اور مسئلہ کی وضاحت خانیہ اور ہندیہ وغیرہما میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۱: از بریلی مرسلہ نواب مولوی سلطان احمد خاں صاحب ۱۳ رمضان مبارک ۱۳۱۰ھ

مہر ازواجِ مطہرات حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کس قدر تھا؟ اور مہر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا کس قدر مع تعداد درہم و دینار و تطبیق سکہ رائج الوقت ارشاد ہو اور وزن درہم و دینار موافق وزن اس وقت کے کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عامۂ ازواجِ مطہرات و بنات مکرمات حضور پُرنور سیدالکائنات علیہ وعلیہن افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کا مہر اقدس پانچسو درہم سے زائد نہ تھا۔

مسلم فی صحیحہ عن ابی سلمۃ قال سألت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا کم کان صداق النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قالت کان صداقہ لازواجہ ثنتی عشرۃ اوقیۃ ونش، قالت اتدری ماالنش،

صحیح مسلم شریف میں ہے ابوسلمہ نے فرمایا کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی سے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتنا مہر رکھا تھا تو انھوں نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج کیلئے بارہ اوقیہ (چالیس درہم فی اوقیہ) اور ایک نش مقرر فرمایا

---

[1] در مختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲-۲۰۳
رد المحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۱-۳۶۲

قلت لا قالت نصف اوقیة فتلك خمس مائة درهم[1]، احمد والدارمی والاربعة عن امیر المؤمنین عمر الفاروق الاعظم رضی الله تعالٰی عنه قال ما علمت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم نکح شیئا من نسائه ولا انکح شیئا من بناته علی اکثر من اثنتی عشرة اوقیة[2]۔

توآپ نے پُوچھا کہ تمھیں معلوم ہے نش کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، توآپ نے فرمایا: نش نصف اوقیہ کو کہتے ہیں، تو یہ کل پانسو درہم ہُوئے۔ امام احمد، دارمی اور سُنن اربعہ (ابوداؤد، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ) نے امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انھوں نے فرمایا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ازواج یا صاحبزادیوں کا نکاح بارہ اوقیہ سے زیادہ پر کیا ہو یہ مجھے معلوم نہیں۔ (ت)

مگر اُم المؤمنین اُم حبیبہ بنت ابی سفیان خواہر جناب امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کہ ان کا مہر ایک روایت پر چار ہزار درہم[3] کما فی سنن ابی داؤد (جیسا کہ سُنن ابی داؤد میں ہے۔ت) دوسری میں چار ہزار دینار تھا[4]

کما فی المستدرك صححه الحاکم واقره الذهبی ولا یخالف هذا امر من حدیثی ام المؤمنین وامیر المؤمنین رضی الله تعالٰی عنهما فان هذه الامهار لم یکن من رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم بل من ملك الحبشة سیدنا النجاشی رضی الله تعالٰی عنه۔

جیسا کہ مستدرک میں امام حاکم نے اس کی تصحیح کی اور ذہبی نے اس کو ثابت مانا، اور یہ حضرت ام المؤمنین اور عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی کا مخالف نہیں ہے کیونکہ یہ مہر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر نہیں کیا بلکہ حبشہ کے بادشاہ حضرت سیدنا نجاشی رضی اللہ عنہ نے مقرر کیا تھا۔ (ت)

اور حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر اقدس چار سو مثقال چاندی[5] علی ما ذکر فی المرقاة الجزم به عن روضة الاحباب والمواهب (جیسا کہ مرقاۃ میں ذکر فرمایا کہ روضۃ الاحباب اور مواہب نے اس پر جزم کیا ہے۔ت) درہم شرعی کا وزن ۳ ماشے ۱ ۱/۵ سُرخ چاندی ہے کما حققنا فی الزکوۃ

۱؎ صحیح مسلم کتاب النکاح باب الصداق قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۵۸
۲؎ جامع الترمذی ابواب النکاح امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی ۱/۱۳۲
۳؎ سُنن ابی داؤد کتاب النکاح باب الصداق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۷
۴؎ المستدرک للحاکم " مہر ام حبیبہ دار الفکر بیروت ۲/۱۸۱
۵؎ مرقاۃ المفاتیح " فصل ثانی حدیث ۳۲۰۴ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۶/۳۶۰

من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کی کتاب الزکوٰۃ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) اور دینار ایک مثقال یعنی ساڑھے چار ماشے سونا، یہی وزن سبعہ ہے یعنی سات مثقال وزن میں برابر دس درہم کے، فی تنویر الابصار کل عشرۃ دراھم وزن سبعۃ مثاقیل[1] (تنویر الابصار میں ہے کہ ہر دس درہم کا وزن سات مثقال ہے۔ ت) اور باعتبار قیمت ایک دینار شرعی دس درہم کا تھا،

فی ردالمحتار فی الھدایۃ کل دینار عشرۃ دراھم فی الشرع قال فی الفتح ای یقوم فی الشرع بعشرۃ کذا کان فی الابتداء اھ[2]

ردالمحتار میں ہے کہ ہدایہ میں ہے کہ ہر دینار دس درہم ہے شرع میں، فتح میں فرمایا ہے کہ شرع میں ہر دینار کی قیمت دس درہم مقرر ہوئی جیسا کہ ابتداء میں تھا۔ (ت)

یہاں کا روپیہ ۱۱ ماشہ ۲ سُرخ ہے تو درہم اس کا ۶/۲۵ ہے کہ مجنس کرنے سے درہم ایک سو چھبیس روپیہ ۲۵۰ ہوا تو درہم روپے کا ۱۲۶/۲۵۰ یعنی ۶۳/۱۲۵ ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہے کہ ۶۳ روپے برابر ۱۲۵ درہم کے یا ایک روپیہ برابر ۱ ۶۲/۶۳ درم کے، ولہٰذا نصاب فضہ کہ دو سو ۲۰۰ درم ہے اس روپے سے ۵۶ آتی ہے صما ۲۰۰ درم کے مالغ ۱۰۰ ہوئے اور چار سو ۴۰۰ مثقال کے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے، دس درہم اقل مقدار مہر ہے ۵ ۳/۵ پائی یعنی دو ۲ روپے پونے تیرہ آنہ اور پانچواں حصہ پیسے کا، چار ہزار درم کے یہاں کے سکّہ سے ایک ہزار ایک سو بیس ۱۱۲۰ روپے ہوئے، اور ہر دینار دس ۱۰ درم کا ہے، لہٰذا چار ہزار دینار کے گیارہ ہزار دو سو روپے۔ اس حساب سے ظاہر ہوا کہ زمانہ اقدس رسالت میں سونے کی قیمت ساڑھے سات روپے تولہ سے بھی کم تھی کہ جب دینار یعنی ساڑھے چار ماشہ سونا دس درم یعنی دو ۲ روپے بارہ ۱۲ آنے ۹ ۳/۵ پائی کا تھا تو بحساب اربعہ ایک تولہ سونا ۵ ۳/۵ پائی کا ہوا، یہ برکات دنیا تھیں علاوہ برکات دینیہ کے جن کا شمار اللہ عزّوجل کے سوا کوئی نہیں کرسکتا وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا[3] (اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کرسکو گے۔ ت)

مسئلہ ۱۲: از بڑودہ گجرات کلاں محلہ بھوتنی کا جھانپہ نظام پورہ مرسلہ امراؤ مائی بنت غلام حسین

۱۶ رجب ۱۳۱۱ھ

عورت کا مہر سوا دس ہزار روپے کا ہے، مرد نے نان ونفقہ بند کر دیا ہے، عورت نے مہر کا دعوٰی کیا ہے، اس صورت میں مہر اسے دلایا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب زکوٰۃ المال مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۳۴
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۱
[3] القرآن الکریم ۱۶/۱۸

الجواب

اگر مہر پیشگی یعنی شوہر کے پاس جانے سے پہلے دینا قرار پایا تھا یا کوئی میعاد معین ٹھہری تھی کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا اور وہ مدت گزر گئی جب تو عورت ابھی دعوٰی کر سکتی ہے اور مہر فوراً دلایا جائے گا، اور اگر کچھ مدت مقرر نہ ہوئی تھی تو وہاں اُس شہر کے عرف و عادت پر عمل ہوگا اگر وہاں کا عرف یہ ہے کہ ایسی صورت میں عورت جب طلب کرے ادا کیا جاتا ہے تو دعوٰی قابلِ سماعت ہے مہر ابھی دلایا جائے، اور اگر عرف یہ ہے کہ ایسی حالت میں جب مرد و عورت میں کسی کا انتقال ہو یا مرد طلاق دے دے اُس وقت مہر کا مطالبہ ہوتا ہے تو اُسی وقت ملے گا اس سے پہلے دعوٰی نہ سنا جائے گا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بینا فذاك و الا فالمتعارف[1]۔ مہر معجّل یا مؤجّل کی مدت بیان کردی گئی ہو تو وہی مراد ہے ورنہ جو عرف میں ہو وہی مراد ہوگا (ت)

ہمارے شہروں کا عرف یہی ہے تو یہاں عورت کو پیش از طلاق یا موت مطالبۂ مہر کا اختیار نہیں، ایسے ہی عرف کے سبب ردالمحتار کتاب القضا میں ہے:

حق طلبہ انما ثبت لہا بعد الموت و الطلاق[2] واللہ تعالٰی اعلم۔ بیوی کو مہر کے مطالبہ کا حق طلاق یا موت کے بعد ثابت ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳: ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر بوقتِ نکاح تصریح مہر معجّل و مؤجّل نہیں ہوئی تو کس وقت میں مہر ذمۂ شوہر واجب الادا ہوگا؟

الجواب

جب طلاق یا زن و شوہر میں کسی کی موت واقع ہو اُس وقت واجب الادا ہوگا اس سے پہلے عورت مطالبہ نہیں کرسکتی،

ھو المتعارف فی بلادنا فی ردالمحتار حق طلبہ انما ثبت لہا بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح[3] واللہ تعالٰی اعلم۔ ہمارے علاقہ میں یہی متعارف ہے، ردالمحتار میں ہے کہ بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق طلاق یا موت کے بعد ہوگا، نکاح کے وقت سے نہیں ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ فصل اقل المہر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶
[2] و [3] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

مسئلہ ۱۴: از بڑودہ پہلی پلٹن تیسری کمپنی مکان شیخ امام صوبہ دار مرسلہ رحمت بی ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۱ھ

شرع محمدی حنفیہ مذاہب کا اس سوال کے جواب میں کیا حکم ہے میرا مہر سات سو روپے کا تھا میں نے اپنے شوہر کو معاف کر دیا میں نے نیک کام کیا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بیشک نیک کام کیا اور اس میں بڑے ثواب کی امید ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من نفس عن غریمہ او محی عنہ کان فی ظل العرش یوم القیامۃ[1] رواہ الامام احمد ومسلم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ والامام البغوی فی شرح السنۃ عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال ھذا حدیث حسن۔

جو اپنے مدیون کو مہلت دے یا معاف کر دے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہو۔ (اسے امام احمد اور مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنۃ میں ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔ ت)

اگلی اُمتوں میں ایک گنہگار آدمی اپنے مدیونوں سے درگزر کیا کرتا تھا جب وہ مرا اللہ تعالٰی نے اُس کے گناہوں سے درگزر فرمائی[2] رواہ الشیخان عن حذیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ (اس کو بخاری اور مسلم نے حذیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) اور اُسے جنت میں جگہ بخشی[3] رواہ عنہ وعن ابی مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہما (انھوں نے اس سے اور ابومسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ت)، مولٰی تعالٰی نے فرمایا: جب یہ اپنے مدیون سے درگزر کرتا تھا تو مجھے تو زیادہ لائق ہے کہ درگزر فرماؤں[4] رواہ مسلم عن ابی مسعود وعن عقبۃ بن عامر رضی اللہ عنہما کلھم عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم (اس کو مسلم نے ابومسعود اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ان سب نے نبی پاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ صغیرہ نابالغہ کا

---

[1] مسند امام احمد حدیث ابوقتادہ انصاری مطبع دارالفکر ۵/۳۰۸
[2] صحیح مسلم کتاب المساقاۃ والمزارعۃ فصل انظار المعسر الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۸
[3،4] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″

نکاح عمرو کے ساتھ کرنا چاہا، وقت نکاح کے وکیلِ نکاح نے تعدادِ مہر کی مبلغ دس ہزار روپے اور دو دینار سُرخ ظاہر کی، اس پر عمرو کی طرف سے لوگوں نے کہا کہ تعدادِ مہر کی بہت ہے، عمرو کی حیثیت اتنی بھی نہیں کہ دسواں حصّہ اس کا ادا کرسکے، تعدادِ مہر کی کم کرنا چاہیے، وکیلِ نکاح نے جواب دیا کہ تعدادِ مہر کم کرنے کا مجھ کو اختیار نہیں ہے مگر یہ مہر ایسا نہیں ہے جو دونوں کی زندگی میں لیا دیا جائے، جبکہ اس مہر پر نکاح ہوگیا اور ہندہ باپ کے گھر سے آکر عمرو کے گھر دو تین مہینے رہی مگر بوجہ صغیرہ و نابالغہ ہونے ہندہ کے عمرو کو استمتاع وطی نہیں ہوا بعدہٗ زید ہندہ کو بلا مرضی عمرو کے اپنے گھر لے گیا اور اب عمرو کے گھر نہیں آنے دیتا ہے اور دعوٰی بعض مہر کا بہ ترک بعض مہر کے منجانب ہندہ کے بولایت اپنے بوجہ نابالغی ہندہ کے کرتا ہے پس اس صورت میں مہر عمرو سے دلایا جائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر میں جب نہ یہ شرط کی جائے کہ کُل یا اس قدر پیشگی لیں گے جسے معجل کہتے ہیں، نہ اُس کے ادا کے لئے کوئی میعاد معیّن کی جائے، مثلاً سال دو سال، یا جو قرار پائے، جسے مؤجّل کہتے ہیں، تو وہ عرفِ بلد پر رہے گا، جس شہر میں عام طور پر یہ رواج ہو کہ مثلاً نصف یا ربع یا کسی قدر بغیر تصریح تعجیل کے بھی پیشگی لیتے ہیں وہاں اُتنا پیشگی دینا ہوگا، اور جہاں عرف یُوں ہے کہ بے موت یا طلاق لیا دیا نہیں ہوتا وہاں جب تک زوجین میں کسی کا انتقال یا طلاق واقع نہ ہو اختیارِ مطالبہ نہ دیں گے۔ مختصر الوقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[1]

اگر مہر معجل و مؤجل کی مدت بیان کی گئی ہو تو بہتر ورنہ متعارف مراد ہوگا۔ (ت)

ہمارے بلاد میں عام مہور بیان تعجیل و تاجیل سے خالی ہوتے ہیں اور رواج یہ ہے کہ اُس کے لزوم ادا کو موت یا طلاق پر موقوف رکھا جاتا ہے، پس صورتِ مسئولہ میں اگر وکیلِ نکاح اس مضمون کی تصریح بھی نہ کرتا کہ یہ وہ مہر نہیں جو زندگی میں لیا دیا جائے تاہم پدرِ ہندہ بحالتِ نابالغی اور خود ہندہ بعد بلوغ تاوقتیکہ موت یا طلاق نہ ہو عمرو سے کسی جزوِ مہر کا مطالبہ نہیں کرسکتے۔ ردالمحتار میں ہے:

حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح[2]

بیوی کو مہر کے مطالبے کا حق موت یا طلاق کے بعد ہوگا، نکاح کے وقت سے نہیں ہوگا۔ (ت)

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ فصل اقل المہر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۳۴۳/۴

یہاں کہ وکیلِ نکاح نے وقتِ نکاح اس مضمون کی صاف تصریح کردی بدرجۂ اولٰی کسی کو اختیارِ مطالبہ نہیں۔ واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا کہ زنا سے حاملہ تھی نکاح غیر زانی سے کہ اُسے اس کے حمل سے اطلاع نہ تھی ہوگیا، آیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ عذر مرد کا کہ میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا نہ حاملہ، اسقاطِ مہر کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

صورتِ مسئولہ میں نکاح صحیح ہے اب نکاح کرنے کی ضرورت نہیں، مگر جس صورت میں حمل اس مرد سے نہیں رہا تو اُسے قبل از وضعِ حمل مباشرت اور اس کے دواعی اس عورت کے ساتھ جائز نہیں۔

درمختار میں ہے:

وصح نکاح حبلی من زنا لا حبلی من غیرہ ای الزنا لثبوت نسبہ ولو من حربی او سیدھا المقر بہ وان حرم وطؤھا ودواعیہ حتی تضع[1]

زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح ہے، غیر زنا سے حاملہ کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ اس کی نسب ثابت ہوگی خواہ حربی سے یا مالک سے جب وُہ اقرار کرے اگرچہ زنا کی حاملہ سے نکاح جائز مگر جماع اور دواعی حرام ہیں جب تک وُہ بچّہ کو جنم نہ دے۔ (ت)

اور یہ عذر کہ میں نے باکرہ سمجھ کر نکاح کیا تھا نہ کہ حاملہ، مہر کو ساقط نہ کرے گا کہ کفاءت عورت کی طرف سے معتبر نہیں۔ کتاب مذکور میں ہے:

لا تعتبر من جانبھا لان الزوج مستفرش فلا تغیظہ دناءۃ الفراش وھذا عند الکل فی الصحیح[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

عورت کی طرف سے کفاءت معتبر نہیں کیونکہ خاوند کے لئے بیوی بستر بنتی ہے تو اسے کم تر مفروش سے رنج وغیظ نہیں آتا۔ صحیح مذہب میں اس پر سب کا اتفاق ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۷: از محلہ ذخیرہ مسئولہ مولوی برکات احمد صاحب وکیل دیوانی

مولانا صاحب دام عنایتکم، سلام مسنون کے بعد عارض ہوں ایک مسئلہ شرعی بتا دیجئے، وُہ یہ ہے

---

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۹

[2] درمختار باب الکفاءۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۴

کہ مہر کب واجب ہوتا ہے، اگر معجل ہو تو کس وقت؟ خلوتِ صحیحہ مہر کے واسطے ضروری ہے یا نہیں؟ اور خلوتِ صحیحہ کس کو کہتے ہیں اس کی تعریف کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر معجّل وُہ مہر یا پارہ مہر کا ہے جس کا ادا کرنا فوراً قرار پایا ہو خواہ از رُوئے شرط کہ نفس عقد نکاح میں تعجیل مذکور ہو یا عقد کے بعد شرطِ تعجیل ٹھہری خواہ از روئے عرف جبکہ وُہ شرطِ صحیح کے مخالف نہ واقع ہو یہ مہر فوراً واجب الادا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے ادا سے پہلے شوہر عورت کو بے اس کی رضا کے ہاتھ نہیں لگاسکتا بلکہ رخصت نہیں کرا سکتا، اور مؤجّل وہ جس کے لئے کوئی میعاد معیّن قرار دی گئی ہو مثلاً ایک سال، دس سال، یا جس قدر ٹھہرائیں، یہ اُس وقت واجب الادا ہوگا جب وعدے کا وقت آجائے اُس سے پہلے عورت اس کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔ جامع الرموز میں ہے:

المھر المعجل والمؤجل ان بینا ای بین فی العقد ان کلہ او بعضہ یکون معجلا او مؤجلا فذاک المبین واجب اداؤہ علی ما بین[1]

مہر معجّل اور مؤجّل اگر بوقتِ عقد بیان ہو چکے ہیں یعنی تمام یا بعض معجّل ہوگا یا مؤجّل ہوگا، تو اس بیان کے مطابق ادائیگی واجب ہوگی۔ (ت)

اور اگر مؤجّل کہا اور کوئی میعاد اصلاً نہ بیان کی تو وُہ طلاق یا موت تک مؤجّل ٹھہرے گا اور بعد فرقت ہی واجب الادا ہوگا اس سے پہلے مطالبہ کا عورت کو اصلاً استحقاق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

من اول الفروع المذکورۃ فی کتاب القضاء قبل باب التحکیم مسئلۃ عدم سماع الدعوی بعد مرور کذا سنۃ لومات زوج المرأۃ او طلقھا بعد عشرین سنۃ مثلاً من وقت النکاح فلھا طلب موخر المھر لان حق طلبہ انما ثبت لھا بعد الموت او الطلاق لامن وقت النکاح[2]

کتاب القضاء میں تحکیم کے باب سے قبل سب سے پہلا جزئیہ یہ مذکور ہے کہ اتنے سال گزرجانے کے بعد دعوٰی قابلِ سماعت نہیں ہوتا، اس پر تفریع یہ ہے کہ نکاح کے وقت سے مثلاً بیس سال بعد خاوند فوت ہوجائے یا طلاق دے دے تو بیوی کو مؤخر شدہ مہر کے مطالبہ کا حق ہے، کیونکہ مہر مؤجّل میں بیوی کو مطالبہ کا حق موت یا طلاق کے بعد ہی ہوتا ہے نکاح کے وقت سے مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔ (ت)

---

[1] جامع الرموز — باب المہر — مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران — ۱/ ۴۸۳

[2] ردالمحتار — کتاب القضاء — داراحیاء التراث بیروت — ۴/ ۳۴۳

اسی طرح جس پارہ مہر یا کُل مہر کی نسبت تعجیل و تاجیل کا کچھ ذکر نہ آیا وہ بھی موت یا طلاق تک مؤجل ٹھہرے گا کہ ایسی صورت میں مدار عرفِ بلد پر ہے اور یہاں عام عرف شائع فی البلاد یہی ہے کہ جس مہر کی تعجیل مشروط نہ ہوئی اُس کا مطالبہ تاوقت فرقت نہیں کیا جاتا۔ نقایہ میں ہے:

المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[1] معجل اور مؤجل کی مدت بیان ہوچکی تو بہتر ورنہ اس میں عرف کا اعتبار ہوگا کہ کتنا مؤجل ہے یا معجل۔ (ت)

اور خلوتِ صحیحہ یہ ہے کہ زن و شو تنہائی کے مکان میں جہاں کسی کے آنے جانے یا نظر پڑنے سے اطمینان ہو، یُوں متفق ہوں کہ اُن کے ساتھ کوئی تیسرا الیسا نہ ہو جو ان کے افعال کو سمجھ سکے، نہ اُن میں کسی کو مقاربت مانع شرعی یا حسّی ہو مثلاً مرد یا عورت کی ایسی کم سنی جس میں صلاحیتِ قربت و قابلیتِ صحبت نہ ہو یا شوہر کی ناسازیِ طبع یا عورت کا حیض یا نفاس یا ایسے مرض میں ہونا جس کے سبب وقت وقوعِ فعل قربت سے آسے مضرت پہنچے یا ان میں کسی کا نماز فرض یا ماہِ رمضان میں روزہ فرض سے مشغول ہونا کل ذلك فی الخانیۃ والدرالمختار وحواشیہ (یہ تمام بحث خانیہ، درمختار اور اس کے حواشی میں ہے۔ ت) اور خلوتِ صحیحہ وجوبِ مہر کی شرط نہیں، وجوبِ مہر تو عقدِ نکاح سے ہوتا ہے، ہاں خلوت سے مہر متاکد ہو جاتا ہے بایں معنی کہ اگر پیش از وطی و خلوتِ صحیحہ طلاق دیتا تو نصف مہر لازم آتا، اب کہ خلوت واقع ہوگئی کُل لازم آئے گا۔ نقایہ میں ہے:

یجب نصفہ بطلاق قبلہا ای قبل خلوۃ الصحیحۃ[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ نصف مہر طلاق قبل از خلوتِ صحیحہ سے واجب ہوتا ہے اھ ملخصاً۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کا ہندہ سے نکاح ہُوا اور خلوتِ صحیحہ برضائے زوجہ واقع ہوگئی اور مہر مؤجل قرار پایا تھا اب ہندہ مطالبہ کرتی ہے اور زید کے پاس نہیں جاتی، اور زید در صورت نہ آنے ہندہ کے مہر دینے سے منکر ہے، اس صورت میں یہ مطالبہ صحیح اور بوجہ نہ آنے ہندہ کے مہر ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

کوئی جزو مہر کا بعد وقوع خلوتِ صحیحہ ذمہ شوہر سے ساقط نہیں ہوسکتا اور تمامی مہر کا ادا کرنا زید

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ فصل اوّل المہر نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۵۶

[2] " " " " " " " " ص ۵۵

پرلازم، مگر بندہ کو بوجہ تاجیل و وقوع خلوت برضائے زوجہ بالاتفاق مطالبہ مہر و منع نفس کا اختیار حاصل نہیں، امام ابویوسف سے کہ مہر مؤجل میں تخییر منع منقول ہے قبل از تسلیم نفس و وقوع وطی یا خلوت صحیحہ برضائے زوجہ پرمحمول ہے کہ وہ بعد از تسلیم مہر معجل میں بھی اختیارِ منع نہیں دیتے حالانکہ وہاں بوجہ تعجیل حق منع و مطالبہ مؤکد ہوچکا ہے پس مؤجل میں کہ ایسا نہیں بالاولی نہ دیں گے۔

فی الهدایة وللمرأة ان تمنع نفسها حتی تأخذ المهر ای المعجل ولوکان المهرکله مؤجلا لیس لها ان تمنع نفسها لاسقاطها حقها بالتأجیل کما فی البیع وفیه خلاف ابی یوسف وان دخل بها فکذٰلك الجواب عند ابی حنیفة وقالا لیس لها ان تمنع نفسها[1] انتهی ملخصا ومثله فی غیرها من کتب الفقه۔ والله سبحٰنه وتعالٰی اعلم وعلمه اتم واحکم۔

ہدایہ میں ہے، بیوی کو مہر معجل کی صورت میں اپنے سے خاوند کو منع کرنے کا حق ہوتا ہے جب تک وصول نہ کرے، اور اگر تمام مہر مؤجل ہو تو پھر اس کو اپنے سے خاوند کو روکنے کا حق نہیں کیونکہ اس نے مہر مؤجل کرکے اپنے مطالبہ کا حق ساقط کردیا ہے جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے، اس میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کا اختلاف ہے اور مہر معجل کی صورت میں اگر دخول ہوچکا ہو تو عورت کو منع کا حق ہے مہر معجل وصول کرنے تک یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مسلک ہے۔ اس میں صاحبین کا قول یہ ہے کہ اس کو اس کے منع کا حق نہیں ہے انتہی ملخصا، اسی طرح دوسری کتب میں بھی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۹ : ۲۵ محرم ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت بغیر اجازت شوہر کے کئی مرتبہ اپنے میکے چلی گئی اور اپنے شوہر سے اکثر لڑتی رہتی ہے اور اب کی دفعہ اُس نے اپنے شوہر کو مارا بھی، اگر شوہر مہر اُس کا ان وجوہ کے سبب نہ دے تو مواخذہ ہوگا یا نہیں اور اُس کو اپنے گھر رکھے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

وہ عورت فاسقہ ہے سخت گنہگار ہے، مگر ان حرکات کے سبب مہر ساقط نہ ہوگا، رکھنے نہ رکھنے کا مرد کو اختیار ہے مگر اگر نہ رکھنا چاہے تو طلاق دے دے یہ جائز نہیں کہ نکال دے اور طلاق بھی نہ دے اور اور خبرگیری بھی نہ کرے ہاں وہ خود ہی نکل جائے تو اس پر نان ونفقہ واجب نہیں جب تک واپس نہ آئے لانها ناشزة ولا نفقة للناشزة وقال کیونکہ نافرمان ہے اور اس کے لئے خاوند پر نفقہ

---

[1] ہدایہ باب المہر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۳۱۴

تعالیٰ فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف[1] واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

واجب نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کو پاس رکھو بھلائی سے یا ان کو چھوڑ دو بھلائی سے۔ (ت) واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۷ صفر ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر ایجاب وقبول مہر فاطمی پر بلا تصریح و تعیین دراہم وسکہ وغیرہ ہو یعنی بوقتِ نکاح صرف مہر فاطمی کا لفظ کہا جائے یہ نہ کہا جائے کہ مہر فاطمی پر جس کے اس قدر دراہم شرعی یا سکہ رائج الوقت ہوتے ہیں تو اس صورت میں مہر فاطمی ہی رہے گا یا مہر مثل کی طرف عود کرجائیگا بوجہ اختلافِ روایات کے جو دربارہ مہر جناب فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وارد ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر فاطمی ہی رہے گا۔ ذخیرہ پھر بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے:

واللفظ للبحر لیس من صور عدم التسمیۃ مالو تزوجت بمثل مھر امھا والزوج لایعلم مقدار مھر امھا فانہ جائز بمقدار مھر امھا[2] الخ۔

الفاظ بحر کے ہیں، مہر مقررہ نہ ہونے کی یہ صورت نہیں ہے کہ بیوی کا مہر اس کی ماں کے مہر کے برابر ہو اور خاوند کو ماں کے مہر کا علم نہ ہو کیونکہ بیوی کی ماں کے مہر کی مقدار پر مہر رکھنا جائز ہے الخ (ت)

مہر اقدس حضرت سیدۃ النساء بتول زہرا صلے اللہ تعالٰی علی ابیہا الکریم وعلیہا وسلم میں اگرچہ روایات بظاہر مختلف ہیں مگر بتوفیق اللہ تعالٰی اُن سب میں تطبیق بروجہ نفیس ودقیق حاصل ہے **فاقول** و باللہ التوفیق اس بارے میں روایات مسندہ معتد بہا تین ہیں:

اوّل یہ کہ مہر مبارک درم ودینار نہ تھے بلکہ ایک زرہ کہ حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت امیر المومنین مولی المسلمین کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کو عطا فرمائی تھی وہی مہر میں دی گئی،

اخرج ابن سعد فی طبقاتہ اخبرنا خالد بن مخلد ثنا سلیمٰن ھو ابن بلال ثنی جعفر بن محمد عن ابیہ

ابن سعد نے طبقات میں تخریج کی ہے کہ خالد بن مخلد نے بیان کیا ان کو سلیمان ابن بلال نے حدیث بیان کی کہ جعفر بن محمد نے اپنے والد سے بیان کیا کہ حضرت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

[2] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۴۶

اصدق علی فاطمه درعا من حدید و عن عارم عن حماد بن زید عن ایوب عن عکرمة ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قال لعلی حین زوجه فاطمة اعطها درعك الحطمیة[1]، قال الحافظ فی الاصابة هذا مرسل صحیح الاسناد[2]، وابوداؤد فی سننه عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنهما قال لما تزوج علی فاطمة رضی اللہ تعالٰی عنهما قال له رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم اعطها شیئا قال ما عندی شیئ قال این درعك الحطمیة[3] واحمد فی مسنده من طریق ابن ابی نجیح عن ابیه عن رجل سمع علیا یقول اردت ان اخطب الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابنته فقلت مالی من شیئ ثم ذکرت صلته وعائدته وخطبتها الیه

علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر ایک لوہے کی درع دی، عارم سے انھوں نے حماد بن زید سے انھوں نے ایوب سے انھوں نے عکرمہ سے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب حضرت فاطمہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے فرمایا تو اپنی حطمی درع (تلواروں کو توڑنے والی زرہ) مہر میں دے دے۔ حافظ نے اصابہ میں کہا یہ حدیث مرسل صحیح ہے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علی (رضی اللہ عنہما) سے کیا تو فرمایا: اس کو مہر میں کچھ دو۔ تو انھوں نے عرض کی: میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیری حطمی زرہ کہاں ہے؟ احمد نے اپنی مسند میں ابن ابی نجیح وہ اپنے والد اور انھوں نے ایک ایسے شخص سے روایت کیا جس نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا ہے کہ وہ فرمارہے تھے کہ میرا ارادہ ہوا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کی صاحبزادی کا رشتہ طلب کروں تو مجھے خیال آیا کہ میرے پاس تو کچھ نہیں، پھر مجھے آپ کی شفقت اور مہربانی یاد آئی، پس میں نے رشتہ طلب کیا تو

---

[1] الطبقات الکبرٰی لابن سعد — باب ذکر بنات رسول صلی اللہ علیہ وسلم — دار صادر بیروت — ۸/۲۱

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ — ترجمہ ۸۳۰ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا — ″ ″ ″ ″ — ۴/۳۷۷

[3] سنن ابوداؤد — کتاب النکاح — آفتاب عالم پریس لاہور — ۱/۲۸۹

فقال وهل عندك شیئ قلت لا، قال فاین درعك الحطمیة التی اعطیتك یوم کذا وکذا، قلت هو عندی، قال فاعطها ایاه[1] وابن اسحٰق فی السیرة الکبری حدثنی ابن نجیح عن مجاهد عن علی کرم الله تعالٰی وجهه انه خطب فاطمة رضی الله تعالٰی عنها، فقال له النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم هل عندك من شیئ، قلت لا، قال فما فعلت الدرع التی سلحتکها یعنی من مغانم بدر[2]۔

آپ نے فرمایا: کیا تیرے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا، کچھ نہیں۔ تو فرمایا: تیری حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تجھے اسلحہ کے طور پر فلاں موقعہ پر (یعنی بدر کے روز) غنیمت میں سے دی تھی؟ میں نے عرض کیا: وہ میرے پاس ہی ہے۔ تو آپ نے فرمایا: وہ اسے دے دو۔ ابن اسحاق نے سیرت کبرٰی میں یوں بیان کیا کہ ابن نجیح نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے منگنی کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا تیرے پاس کچھ ہے؟ تو میں نے کہا: کچھ نہیں۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیری وہ زرہ کہاں ہے جو میں نے تجھے بدر کی غنیمت میں سے دی تھی۔ (ت)

دوم چار سو اَسّی ۴۸۰ درم تھے۔

اخرجه الائمة احمد فی المناقب و ابوداؤد و ابوحاتم الرازی وابن حبان فی صحیحه کلهم عن انس رضی الله تعالٰی عنه بعضهم اتم سیاقا من بعض، قال جاء ابوبکر ثم عمر یخطبان فاطمة الی النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم، فسکت ولم یرجع الیهما شیئا فانطلقا الی علی رضی الله تعالٰی عنه یأمرانه بطلب ذٰلك

امام احمد نے مناقب میں اور ابوداؤد اور ابو حاتم رازی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں، ان تمام نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا بعض کا سیاق بعض سے اتم ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ مانگنے آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سکوت فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا، تو یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے انھیں رشتہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل مروی از علی رضی اللہ عنہ دارالفکر بیروت ۱/ ۸۰

[2] السنن الکبرٰی مروی عن محمد بن اسحٰق کتاب الصداق دار صادر بیروت ۷/ ۲۳۵

قال علی فنبهانی لامرکنت عنہ غافلا فقمت اجر ردائی حتی اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقلت تزوجنی فاطمۃ، قال عندك شیئ، فقلت فرسی وبُدنی، قال اما فرسك فلابد لك منھا واما بدنك فبعھا فبعتھا باربع مائۃ وثمانین درھما فجئتہ بھا فوضعتھا فی حجرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقبض منھا قبضۃ فقال ای بلال ابتع بھا لنا طیبا وامرھم ان یجھزوھا فجعل لھا سریرا مشرطا بالشرط ووسادۃ من ادم حشوھا لیف وقال لعلی اذا اتتك فلا تحدث شیئا حتی اٰتیك فجاءت مع ام ایمن حتی قعدت فی جانب البیت وانا فی جانب وجاء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الحدیث، وفی الخمیس فی روایۃ خطبھا فزوجھا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ

طلب کرنے کو کہا تو حضرت علی فرماتے ہیں کہ انھوں نے مجھے ایسے معاملے کی طرف متوجہ کیا جس سے میں غافل تھا تو میں فوراً چادر سنبھالتے ہوئے اُٹھا حتی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم! فاطمہ کا نکاح مجھ سے کر دیں۔ آپ نے پوچھا: تیرے پاس کچھ ہے؟ میں نے عرض کی، گھوڑا ہے اور ایک اونٹ ہے۔ تو آپ نے فرمایا: گھوڑا تو تیرے لئے ضروری ہے لیکن اُونٹ کو فروخت کر دو۔ تو میں نے اس کو چار سو اَسّی درہم میں فروخت کر دیا اور وہ آپ کے پاس لا کر میں نے آپ کی گود میں ڈال دئے۔ تو آپ نے ان میں سے ایک مُٹھی بھر اُٹھا کر فرمایا: اے بلال رضی اللہ عنہ! اس کی خوشبو خرید لاؤ۔ اور فرمایا: اس رقم سے جہیز تیار کرو۔ تو ایک بُنی ہوئی چارپائی اور ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجی بھری تھی تیار کئے گئے، تو آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! جب تیرے پاس فاطمہ پہنچ جائے تو کوئی بات نہ کرنا جب تک میں نہ پہنچ جاؤں۔ تو حضرت فاطمہ حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا کے ہمراہ آئیں حتی کہ وہ کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ گئیں اور دُوسری جانب میں تھا تو اتنے میں رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف لے گئے، الحدیث۔ اور خمیس میں ہے کہ ایک روایت ہے کہ منگنی کی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سے

لے کنز العمال بحوالہ مسند انس حدیث ۳۷۷۵۵ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۳/۸۵-۶۸۴

وسلم علی اربعمائة وثمانین درهما[1] الخ
وفیه قیل انه باع الدرع باثنتی
عشرة اوقیة والاوقیة اربعون درهما
وکان ذٰلک مهر فاطمة من علی
رضی اللہ تعالٰی عنهما[2]۔

نکاح کردیا اور مہر چار سو[۴۸۰] اسی درہم تھا، اور خمیس میں
یہ بھی ہے کہ کہا گیا ہے کہ انھوں نے زرہ فروخت
کی بارہ اوقیہ کے عوض میں۔ اوقیہ چالیس درہم کا
ہوتا ہے۔ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر
حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف سے تھا (ت)

سوم چارسو مثقال چاندی،

اخرج الحافظ رضی الدین ابو الخیر
احمد بن اسمٰعیل القزوینی الحاکمی و
ابو علی الحسن بن شاذان عن انس ایضا
رضی اللہ تعالٰی عنه فی حدیث طویل قال
فیه فی خطبة النبی صلی اللہ تعالٰی
علیه وسلم ثم ان اللہ تعالٰی امرنی ان
ازوج فاطمة من علی ابن ابی طالب فاشهدوا
انی قد زوجته علی اربعمائة مثقال فضة
ان رضی بذٰلک علی ثم دعا النبی صلی
اللہ تعالٰی علیه وسلم بطبق من بسر ثم قال
انتهبوا فانتهبنا ودخل علی فتبسم النبی
صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی وجهه
ثم قال ان اللہ عزوجل امرنی ان ازوجک
فاطمة علی اربعمائة مثقال فضة ارضیت
بذٰلک، فقال قد رضیت بذٰلک یا رسول اللہ،
فقال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم جمع اللہ

حافظ رضی الدین ابو الخیر احمد بن اسمٰعیل قزوینی
حاکمی اور ابو علی حسن بن شاذان نے بھی انس
رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس کو روایت کیا طویل حدیث ہے
جس میں یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ
میں فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں
فاطمہ کا نکاح علی مرتضٰی (رضی اللہ تعالٰی عنہما)
سے کروں، تو گواہ ہوجاؤ کہ میں نے یہ نکاح چار سو
مثقال چاندی پر کردیا ہے بشرطیکہ علی رضی اللہ عنہ
اس پر راضی ہوں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے بُسر کھجوروں کا بڑا ٹوکرا طلب فرمایا اور فرمایا:
اس میں سے چُن چُن کر کھاؤ۔ تو ہم نے کھائیں۔ اتنے
میں حضرت علی آئے تو آپ نے ان کی آمد پر تبسم فرمایا اور
فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے مجھے حکم فرمایا کہ میں فاطمہ کا نکاح تجھ
سے کروں چار سو مثقال چاندی پر، کیا تو راضی ہے؟
تو حضرت علی نے عرض کیا: میں اس پر راضی ہوں۔
تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کرتے ہوئے

---

[1] تاریخ الخمیس تزوج علی بفاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا موسسۃ شعبان بیروت ۱/ ۳۶۱

[2] " " " " " " " " " ۱/ ۳۶۲

شملکما و اعزجدکما و بارك علیکما و اخرج منکما کثیرا طیبا ، قال انس فواللّٰہ لقد اخرج منھما الکثیر الطیب[1]، ورواہ ابن عساکر نحوہ من طریق محمد بن شھاب بن ابی الحیاء عن عبد الملك بن عمرو عن یحیی بن معین عن محمد بن دینار عن ھشیم عن یونس بن عبد عن الحسین عن انس رضی اللہ تعالٰی عنھما و ذکرہ محمد بن طاھر فی تکملۃ الکامل لابن عدی کما نقلہ الحافظ فی لسان المیزان۔

فرمایا: اللہ تعالٰی تم دونوں کے حال متفق فرمائے اور تمھاری بزرگی کو باعزت بنائے اور تم دونوں پر برکتیں نازل فرمائے اور تم میں سے اللہ تعالٰی کثیر طیب پیدا فرمائے۔ تو حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: خدا کی قسم اللہ تعالٰی نے ان دونوں سے کثیر طیب پیدا فرمائے۔ اور ابن عساکر نے اسی طرح کی روایت محمد بن شہاب بن ابو الحیاء سے انھوں نے عبد الملک بن عمر سے انھوں نے یحیی بن معین سے انھوں نے محمد بن دینار سے انھوں نے ہشیم سے انھوں نے یونس بن عبد سے انھوں نے حسین سے انھوں نے انس (رضی اللہ تعالٰی عنہما) سے، اسے محمد بن طاہر (ابن القیسرانی) نے تکملہ کامل ابن عدی میں ذکر کیا ہے، جیسا کہ اس کو حافظ نے لسان المیزان میں ذکر فرمایا ہے۔ (ت)

ان کے سوا جو اقاویل مجہولہ ہیں کہ پانسو درم مہر تھا یا چالیس مثقال سونا،

نقلھما فی الرحمانیۃ عن بعض حواشی شرح الوقایۃ۔

ان دونوں روایتوں کو شرح وقایہ کے بعض حاشیوں سے رحمانیہ میں نقل کیا ہے (ت)

یا انیس (۱۹) مثقال ذہب،

ذکرہ فی المرقاۃ انہ اشتھر بین اھل مکۃ قال ولا اصل لہ[2]۔

اس کو مرقاۃ میں ذکر کیا ہے کہ یہ اہل مکہ میں مشہور ہے جس کی کوئی اصل نہیں (ت)

سب بے اصل ہیں۔

اما ماحاول القاری من توجیہ ھذا المشھور بقولہ اللھم الا ان یقال ان ھذا المبلغ قیمۃ درع علی رضی اللہ

لیکن ملا علی قاری نے جو اس روایت کی مشہور توجیہ اپنے اس قول سے فرمائی، مگر یہ ہوسکتا ہے کہ یوں کہا جائے کہ علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی زرہ کی یہ

---

[1] المواہب اللدنیہ بحوالہ حدیث انس رضی اللہ عنہ زواج علی من فاطمہ رضی اللہ عنہما المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۳۸۵

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

تعالٰی عنہ[1] فاقول لایلتئم لما علمت انہا بیعت باربعمائۃ وثمانین درھما وتسعۃ عشر مثقالا من الذھب لاتبلغ بسعر ذاک الزمن المبارک الامائۃ و تسعین درھما اذکل دینار مثقال وکل دینار بعشرۃ دراھم نعم یجوز ان یکون ھذا التقدیر ببعض الاسعار الواقعۃ فی البلدۃ الکریمۃ فی بعض الازمنۃ المتاخرۃ واللہ تعالٰی اعلم وکذا ماحاول ھو رحمہ اللہ تعالٰی من الجمع بین تقدیری الدراھم والمثاقیل بان عشرۃ دراھم سبعۃ مثاقیل مع عدم اعتبار الکسور[2] فاقول لایتجہ ایضا فان اربعمائۃ مثقال فضۃ علی ھذا خمس مائۃ واحد و سبعون درھما وکسر، و اربع مائۃ و ثمانون درھما ثلث مائۃ وستۃ وثلاثون مثقالا فالکسر فی الاول ازید من النصف فلا یحذف وفی الثانی اقل فلا یرفع علی انہ لامعنی لاسقاط الزیادۃ فی الدراھم والقصر علی ثمانین بل لو کان لقیل خمسمائۃ کما لایخفی فلیتامل لعل لکلامہ وجھا اٰخر۔

قیمت تھی فاقول (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ بنتا نہیں جیسا کہ تجھے معلوم ہوچکا کہ وہ زرہ چارسواسی[480] درہم میں فروخت ہوئی تھی، جبکہ ۱۹ مثقال سونا اس زمانہ مبارک کے بھاؤ سے صرف ایکسو نوّے[190] درہم کا بنتا ہے، کیونکہ ایک دینار مثقال کا اور ہر دینار دس درہم کا تھا، ہاں ہوسکتا ہے کہ یہ اندازہ بعد کے زمانے میں مدینہ منورہ کے کسی بھاؤ کا ہو، واللہ تعالٰی اعلم۔ اور یونہی ان کی وہ تاویل جس میں وُہ درہم اور مثقال کے وزنوں کو جمع کرتے ہُوئے فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ دس[10] درہم سات مثقال میں کچھ کسریں ہوں جن کا اعتبار نہ کیا گیا ہو فاقول (تو میں کہتا ہوں۔ت) یہ بھی قابلِ توجہ نہیں کیونکہ اس طرح چارسو[400] مثقال چاندی پانچسو اکہتر[571] درہم اور کچھ کسر ہوتے ہیں اور چارسواسی[480] درھم تین سوچھتیس[336] مثقال ہیں تو پہلے میں کسر نصف سے زائد ہوئی جس کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، اور دوسرے میں نہایت ہی کم ہے تو اس کو قابلِ لحاظ نہیں کہا جاسکتا اس کے علاوہ دراہم میں زیادتی کو ساقط کرنے اور صرف اسّی پر اکتفار کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے بلکہ اگر ایسا ہوتا تو پُورا پانچسو[500] کہنا چاہئے تھا جیسا کہ مخفی نہیں ہے، غور کرو، ہوسکتا ہے انکے کلام کی کوئی دوسری وجہ بن سکے (ت)

اب بتوفیقہ تعالٰی توفیق سُنئے، پہلی دو[2] روایتوں میں وجہِ تطبیق ظاہر ہے کہ مہر میں زرہ دی کہ چارسواسی[480] کو بکی، اب چاہے زرہ کہئے خواہ اتنے درم، حافظ محب الدین احمد بن عبداللہ طبری نے دونوں روایت میں اسی طرح توفیق کی، ذخائر العقبٰے فی مناقب ذوی القربٰے میں فرماتے ہیں:

---

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۳۶۰

اختلف فی صداقہا رضی اللہ تعالٰی عنہا کیف کان فقیل کان الدرع ولم یکن اذ ذاك بیضاء ولاصفراء وقیل کان اربع مائۃ و ثمانین وورد ما یدل لکلا القولین ویشبہ ان العقد وقع علی الدرع وانہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعطاھا علیا لیبیعھا فباعھا واتاہ بثمنھا فلا تضاد بین الحدیثین[1] اھ ملخصا

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مہر کے متعلق اختلاف ہے کہ کیا تھا، بعض نے کہا کہ زرہ تھی اور درہم یا دینار نہ تھے۔ اور بعض نے کہا کہ چار سو اسی درہم تھے، دونوں باتوں پر دلالت کرنے والی مناسب اور مشابہ بات یہ ہے کہ نکاح کا انعقاد زرہ پر ہوا اور بعد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہی زرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دے دی کہ فروخت کر دو، تو انھوں نے فروخت کرکے قیمت آپ کو پیش کر دی، تو دونوں حدیثوں میں تضاد نہ رہا اھ ملخصاً (ت)

اور پُر ظاہر کہ روایت مسندۂ ثانیہ کے الفاظ ہی خود اس تطبیق کے شاہد ہیں ولہذا علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ میں کلام طبری نقل کرکے فرمایا:

ھذا الجمع مدلول الحدیث السابق[2] یہ پہلی حدیث کا مدلول ہے جو دونوں کو جمع کرتا ہے۔ (ت)

اور روایت ثالثہ سے ان کی توفیق یوں کہ حدیث زرہ کو ہمارے علمائے کرام نے مہر معجل پر محمول فرمایا جو وقت زفاف اقدس ادا کیا گیا۔

قلت ویشھد لہ ایضا الحدیث المذکور حیث ذکرانہ جاء بالدراھم فامرصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بشراء الطیب وان تجھز و قال لعلی ما قال فان ذٰلك انما کان حین زفت لاحین العقد کما لایخفی۔

میں کہتا ہوں کہ اس پر مذکورہ حدیث بھی شاہد ہے، جس میں ذکر ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے دراہم پیش کئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوشبو اور جہیز خریدنے کا حکم فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے جو گفتگو فرمائی وہ زفاف کے وقت ہے نہ کہ نکاح کے وقت کی جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

مولانا علی قاری مرقاۃ میں زرہ کی نسبت فرماتے ہیں دفعھا الیھا مھرا معجلا[3] (یہ مہر معجل کے طور پر دی گئی تھی۔ ت)
امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر پھر علامہ علی قاری مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

---

[1] شرح الزرقانی علی المواهب بحوالہ ذخائر العقبٰی ذکر تزویج علی بفاطمہ رضی اللہ عنہا دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۶
[2] " " " "
[3] مرقاۃ المفاتیح کتاب النکاح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۳۶۰

ان العادۃ عندھم کان تعجیل بعض المھر قبل الدخول، حتی ذھب بعض العلماء الی انہ لایدخل بھا حتی یقدم شیئا لھا[1] نقل عن ابن عباس وابن عمر والزھری وقتادہ تمسکا بمنعہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیا فیما رواہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما) ان علیا رضی اللہ تعالٰی عنہ لما تزوج بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اراد ان یدخل بھا فمنعہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حتی یعطیھا شیئا فقال یارسول اللہ لیس لی شیئ فقال "اعطھا درعک" فاعطاھا درعہ ثم دخل بھا اللفظ لابی داؤد ورواہ النسائی ومعلوم ان الصداق کان اربع مائۃ درھم وھی فضۃ الخ۔ **قلت** وحدیث ابی داؤد کما تری نص صریح لایقبل التاویل ان ھذا کان حین البناء ومعلوم ان البناء کان بعد عدۃ اشھر من حین العقد، ثم الروایۃ الثالثۃ مصرحۃ بان العقد وقع علی اربعمائۃ مثقال فضۃ ولیس فی الروایات الاولٰی ما یصرح بصدور العقد علی الدرع ومن مارس

ان کے ہاں عادت تھی کہ مہر کا کچھ حصّہ دخول سے قبل معجّل طور پر دے دیا جاتا تھا، حتی کہ بعض علماء نے اسی بناء پر فرمایا کہ پہلے کچھ ادائیگی کے بغیر دخول جائز نہیں۔ ابن عباس، ابن عمر، زہری، قتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول کو وُہ حضرت علی کو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے منع فرمانے کی دلیل قرار دیتے ہیں جو اس روایت میں ہے جس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کی صاحبزادی سے نکاح کیا تو انھوں نے دخول کا ارادہ فرمایا تو حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے ان کو پہلے کچھ ادا کئے بغیر دخول سے منع فرمایا، تو اُنھوں نے عرض کی میرے پاس تو کچھ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ اپنی زرہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) کو دے دو۔ چنانچہ انھوں نے زرہ دے دی اور اس کے بعد دخول کیا۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں، اور اسی کو نسائی نے روایت کیا ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ مہر چار سو دراہم تھا جو کہ چاندی ہے الخ۔ **قلت** (میں کہتا ہوں) ابوداؤد والی حدیث صریح نص ہے جو اس "تاویل" کو قبول نہیں کرتی جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ یہ واقعہ بناء یعنی دخول کا ہے جس کے متعلق معلوم ہے کہ وُہ نکاح سے چند ماہ بعد ہوا ہے۔ پھر تیسری روایت تصریح کررہی ہے کہ نکاح چار سو مثقال چاندی پر ہُوا ہے، اور پہلی روایات میں یہ تصریح نہیں ہے کہ نکاح زرہ پر ہُوا ہے۔ جو شخص حدیث میں

[1] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل اول المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۳۵۶

الاحادیث علم ان الرواۃ ربما یختصرون الاشیاء فلابد من رد المحتمل الی المنصوص والجمع متعین مہما امکن فکیف وھو واضح جلی ثم قول المحقق معلوم ان الصداق کان اربع مائۃ درھم استشکلہ فی المرقاۃ لمخالفتہ لحدیثی المثاقیل والدراھم جمیعا، **اقول** ولا اشکال فان الدراھم کانت مختلفۃ علی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعھد ابی بکرن الصدیق الی زمن امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما فمنھا ما کان زنۃ مثقال ومنھا دون ذٰلک ثم ان عمر ھو الذی ردھا الٰی وزن سبعۃ فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن منح الغفار اعلم ان الدراھم کانت فی عھد عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ مختلفۃ فمنھا عشرۃ دراھم علی وزن عشرۃ مثاقیل وعشرۃ علی ستۃ مثاقیل وعشرۃ علی خمسۃ مثاقیل فاخذ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ من کل نوع ثلثا کی لا تظھر الخصومۃ فی الاخذ والعطاء فالمجموع سبعۃ ولذا کانت الدراھم العشرۃ وزن سبعۃ اھ[1] ملخصا، وفی خزانۃ المفتین برمز ظ لفتاوی الامام ظھیر الدین ان الاوزان فی عھد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ممارست رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ راوی حضرات بعض چیزوں کو مختصر کرجاتے ہیں، تو اس لئے ضروری ہے کہ قابل احتمال کو منصوص کی طرف پھیرا جائے جبکہ مختلف روایات کو حتی الامکان جمع پر محمول کرنا طے شدہ بات ہے، یہ بات بالکل واضح ہے۔ پھر محقق کا یہ قول کہ یہ بات معلوم ہے کہ مہر چار سو درہم تھے اس کو مرقاۃ میں مشکل قرار دیا کیونکہ مثقال اور دراہم والی دونوں حدیثوں میں اس کی مخالفت ہے۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) کوئی اشکال نہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد اور ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے عہد تک مختلف دراہم تھے تو کچھ کا وزن ایک مثقال اور کچھ کا اس سے کم تھا، پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک وزن سبعہ پر مقرر کیا۔ ردالمحتار میں طحطاوی سے انہوں نے منح الغفار سے نقل کیا کہ جاننا چاہئے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں دراہم مختلف تھے بعض دس دراہم کا وزن دس مثقال تھا اور بعض دس کا چھ مثقال، اور بعض دس کا وزن پانچ مثقال تھا، تو عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تینوں قسموں میں سے ہر ایک کا ثلث لیا تاکہ لینے دینے میں جھگڑا نہ ہو، تو مجموع کا وزن سات ہوا اس لئے دس درہم کا وزن سات مثقال قرار پایا اھ ملخصا۔ اور خزانۃ المفتین میں ظ کے رمز سے امام ظہیر الدین کے فتاوٰی کی طرف اشارہ کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں وزن مختلف تھے، بعض دراہم بیس قیراط تھے

---

[1] ردالمحتار باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۸ و ۲۹

وعہد ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کانت مختلفۃ فمنہا ماکان الدرھم عشرون قیراطا، ومنہا ماکان عشرۃ قیراطا وھو الذی یسمی وزن خمسۃ ومنہا ماکان اثنی عشر قیراطا وھو الذی یسمی وزن ستۃ فلما کان فی زمن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ طلبوا منہ ان یجمع الناس علی نقد واحد فاخذ من کل نوع الخ[1] ومن الدلیل علی ذٰلک ان المحقق جعل الدرع ما عجل من المھر وقد بیعت باربعمائۃ وثمانین فکیف یکون المعجل من اربع مائۃ اربعمائۃ وثمانین۔

اور بعض کا وزن دس قیراط تھا جن کو پانچ کا وزن کہتے تھے، اور بعض کا وزن بارہ قیراط تھا جن کو چھ کا وزن کہتے تھے، تو جب عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کا عہد آیا تو لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ایک سکہ ہونا چاہئے، تو آپ نے ہر ایک میں سے کچھ لیا الخ اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ محقق علیہ الرحمۃ نے زرہ کو مہر معجل قرار دیا جو کہ چار سو اسی دراہم میں فروخت ہوئی، تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کل چار سو میں سے چار سو اسی معجل ہوں۔ (ت)

پس حاصل یہ قرار پایا کہ اصل مہر کریم جس پر عقدِ اقدس واقع ہوا چار سو مثقال چاندی تھی۔ ولہذا علماء سیر نے اس پر جزم فرمایا، مرقاۃ میں ہے:

ذکر السید جمال الدین المحدث فی روضۃ الاحباب ان صداق فاطمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا کان اربع مائۃ مثقال فضۃ وکذا ذکرہ صاحب المواھب الخ[2]

سید جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں ذکر کیا کہ فاطمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھی۔ اسی کو صاحبِ مواہب نے ذکر کیا ہے الخ۔ (ت)

زرہ برسم پیشگی وقت زفاف دی گئی کہ بحکم اقدس چار سو اسی درم کو بکی،

وبہ ظھر ما فی قول العلامۃ المحب الطبری یشبہ ان العقد وقع علی الدرع وانما حقہ ان یقال ان المعجل کانت الدرع ولعل حاملہ علیہ ذھولہ عن

اسی سے علامہ محب طبری کے قول پر اعتراض بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے کہا کہ "حق کے مشابہ یہ ہے کہ نکاح زرہ پر ہوا" جبکہ حق بات یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ زرہ مہر معجل تھی، ہوسکتا ہے کہ انھوں نے یہ

---

[1] خزانۃ المفتین فصل فی مال تجارۃ قلمی نسخہ ۱/۴۱ و ۴۲

[2] مرقاۃ المفاتیح باب الصداق فصل ثانی المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/۳۶۰

حدیث الشاقیل المصرح بان العقد انما وقع علیها لاعلی الدرع ولاعلی الدراھم ولذا لم یذکرا لاقولین کما رأیت۔

اندازاس حدیث سے ذہول کی وجہ سے اختیار کیا جس میں شاقیل کے بارے میں تصریح ہے کہ نکاح ان پر ہُوا نہ کہ زرہ پر اور نہ ہی دراہم پر ہوا۔ اسی لئے انھوں نے صرف دو قول ہی ذکر کئے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے (ت)

مثقال ساڑھے چار ماشہ ہے، اور یہاں کا روپیہ سوا گیارہ ماشے، تو چار سو مثقال کے پورے ایک سو ساٹھ روپے ہُوئے فاحفظہ فلعلك لا تجد ھذا التحریر فی غیر ھذا التحریر (اس کو محفوظ کرلو ہوسکتا ہے کہ آپ کو یہ تحریر دُوسری جگہ نہ ملے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱: از پیلی بھیت محلہ بشیر خاں مسئولہ احمد حسین خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ ۲۳ صفر ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت مسلمان سے ایک مسلمان کا نکاح ہوا اُس کے بعد نکاح کنندہ کو معلوم ہُوا کہ اُس عورت کے باپ سے مجھ کو رشتہ شیر خوارگی ہے یعنی میری ماں نے اس کے باپ کو دُودھ پلایا ہے اور اس زمانہ میں بوجہ عدم واقفیت ہمبستری بھی ہوگئی، ایسی صورت میں نسبت جوازِ نکاح کے کیا حکم ہوگا اور مہر کی نسبت کیا حکم فرمایا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ امر مذکور معلوم وثابت ہولیا تو ظاہر ہُوا کہ وُہ عورت اس شخص کی بھتیجی ہے اور نکاح ناجائز وفاسد۔

فی رد المحتار یحرم من الرضاع اصولہ وفروعہ وفروع ابویہ وفروعہ[1]

ردالمحتار میں ہے کہ رضاعت سے اس کے اصول و فروع اور اس کے والدین کے فروع اور فروع کے فروع ہوجاتے ہیں۔ (ت)

اس پر فرض ہے کہ فوراً اسے ترک کردے اور اُس سے جُدا ہوجائے زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑا یا تیرے نکاح کو ترک کیا،

فی رد المحتار فی البزازیۃ المتارکۃ فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الابالقول کخلیت سبیلك او ترکتك[2] الخ۔

ردالمحتار میں ہے بزازیہ میں ہے کہ نکاح فاسد میں دخول کے بعد متارکہ صرف قول (مثلاً میں نے تیرا راستہ آزاد کیا یا تجھے چھوڑدیا ہے) سے ہوتا ہے الخ (ت)

---

[1] ردالمحتار فصل فی المحرمات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۷۹

[2] ؍؍ باب المہر مطلب فی النکاح الفاسد ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۵۲-۳۵۱

اور از انجا کہ ہمبستری یعنی مجامعت واقع ہولی عورت کے لئے مہر مثل تمام وکمال لازم آیا اگرچہ مہر مسمی سے زائد ہو، نکاح فاسد میں ضرور یہ حکم ہے کہ جب مہر کچھ معین کیا گیا تو لازم تو مہر مثل ہی آئے گا مگر قرار یافتہ سے زیادہ نہ دلایا جائے گا، مثلاً ہزار روپیہ مہر ٹھہرا تھا تو اگر مہر مثل ہزار یا ہزار سے زائد ہے تو ہزار ہی دلائے جائیں گے اور مہر مثل ہزار سے کم ہے تو صرف اُسی قدر دلائیں گے ہزار تک نہ بڑھائیں گے، لیکن بعض صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں ازاں جملہ نکاح محارم کہ نادانستہ وقوع میں آیا وہاں بعد وطی مہر مثل پورا لازم آتا ہے اگرچہ مسمی سے زائد ہو مسمی کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے گا اور یہاں یہی صورت واقع ہے کہ وہ اس کی بھتیجی اور محرم رضاعی ہے۔

فی تنویر الابصار یجب مهر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لا بغیرہ ولم یزد علی المسمّٰی۔[1] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

تنویر الابصار میں ہے: نکاح فاسد میں مہر مثل صرف جماع سے لازم آتا ہے کسی غیر جماع سے نہیں، وہ مہر مثل بھی مقررہ سے زیادہ نہ ہو۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ (ت)

مسئلہ ۲۲   ۵ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح ایام نابالغی میں زید کے ساتھ ہوا اور نکاح کے روز سے ایک لمحہ کو بھی ہندہ زید کے گھر نہیں گئی اور نہ ہم صحبت ہوئی اس صورت میں ہندہ مہر چاہے تو پاسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ زن وشو نے انتقال کیا اور اُن میں ایک کا مرجانا بھی مہر کو مؤکد کرتا ہے، پس صورتِ مذکورہ میں کُل مہر ہندہ ترکہ زید پر لازم ہے جبکہ وہ نکاح لازم واقع ہُوا جیسا کہ اب وجد نے کیا یا نافذ غیر لازم تھا اور پیش از رد احد الزوجین کا انتقال ہوگیا۔

فی الدرالمختار یتأکد عند وطء او خلوۃ صحت او موت احدھما الخ۔[2]

درمختار میں ہے: وطی یا خلوت صحیحہ یا دونوں میں سے کسی کی موت سے مہر لازم ہوجاتا ہے الخ (ت)

اور اگر نکاح منعقد ہی نہ ہُوا تھا جیسے غیر اب وجد نے نابالغِ ہندہ میں غیر کفو سے یا مہر مثل میں کمی فاحش کے ساتھ نکاح کردیا کہ شرعاً ایسا نکاح باطل ہے یا موقوفاً منعقد ہُوا اور ہنوز نافذ نہ ہونے پایا تھا کہ

---

[1] درمختار   باب المہر   مطبع مجتبائی دہلی   ۱/۲۰۱

[2] ؍؍   ؍؍   ؍؍ ؍؍ ؍؍   ۱/۱۹۷

اُن میں ایک نے انتقال کیا جیسے بحالتِ ولایتِ پدر اُس کے غیر نے بے اس کی اجازت نکاح کردیا اور ہنوز باپ نے جائز نہ کیا تھا کہ احدالزوجین نے وفات پائی تو اس صورت میں اصلاً کچھ مہر وغیرہ نہ ملے گا۔

فی ردالمحتار المھر کما یلزم جمیعہ بالدخول والخلوۃ کذٰلک بموت احدھما قبل الدخول اما بدون ذٰلک فیسقط لان العقد اذا انفسخ یجعل کانہ لم یکن نھر[1] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے کہ جس طرح دخول اور خلوتِ صحیحہ سے پُورا مہر لازم ہوجاتا ہے ایسے ہی دونوں میں سے کسی کی موت قبل از دخول سے بھی لازم ہوجاتا ہے، اگر مذکورہ صُورتیں نہ واقع ہُوئی ہوں تو مہر ساقط ہوجاتا ہے کیونکہ جب نکاح فسخ ہو تو وُہ کالعدم ہوجاتا ہے، نہر اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳

۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت سے نکاح کیا، اُس عورت کو مرد کے قابل نہ پایا، اُس کے جسم میں ہڈی ہے، ایک زمانے کے بعد زید نے اُسے طلاق دے دی، اب اس کا مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں آدھا مہر دینا آئے گا۔ درمختار میں ہے:

یجب نصفہ بطلاق قبل وطء او خلوۃ[2]۔

طلاق قبل از دخول یا قبل از خلوت نصف مہر لازم ہوتا ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

الخلوۃ بلامانع کرتق التلاحم (وقرن) عظم (وعفل) غدۃ (کالوطء فی تاکد المھر[3] اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم

خلوت ایسی کہ جہاں کوئی مانع نہ ہو۔ مثلاً شرمگاہ میں گوشت پُر ہوجائے، ہڈی ہوجائے، غدود ہوجائے ان موانع کے بغیر خلوت ہو تو وہ وطی کے حکم میں ہے اور مہر لازم ہوجاتا ہے اھ ملتقطا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] ردالمحتار باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۷
[2] درمختار باب المھر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۷
[3] ″ ″ ″ ۱/۱۹۹

مسئلہ ۲۴ از ریاست ریواں محلہ گھوگھر مرسلہ عبداللہ خاں صاحب چابک سوار ۱۰ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو باشتباہِ زنا اپنے مکان سے نکال دیا، چار ماہ سے زائد ہوتا ہے کہ نان نفقہ مطلقاً نہ دیا، قریب ایک ماہ کے ہوتا ہے کہ جلسہ واحد میں تین طلاق دیئے مگر نہ رُوبرو عورت کے بلکہ دوسرے اشخاص کے۔ دین مہر عورت کا ؎ قرار پایا تھا شوہر نے قطعہ مکان مالیتی ؎ بعوض دین مہر جسٹری کرا کر دخل دے دیا تھا اب بے دخل کرکے نکال دیا اپنے دیئے ہوئے زیورات کا مسماۃ سے بجبر و اکراہ بنالش کچہری دعویدار ہے۔ پس صورت مسئولہ میں آیا مرد مجاز ہے کہ علاوہ دین مہر کے جو اشیاء از قسم زیورات وغیرہ عورت کو بنوا دیا تھا جبراً واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ جواب بحوالہ کتب معتبرہ مع ترجمہ عبارات عربی بجلد مرحمت فرمایا جائے۔ بینوا توجروا

الجواب

تینوں طلاقیں ہوگئیں، عورت کے رُوبرو ہونا کچھ شرط نہیں، قطعہ مکان کہ بعوض دین مہر دیا تھا ملک عورت ہے عورت بذریعہ نالش واپس لے سکتی ہے، علاوہ مہر جو اشیاء مثل زیور وغیرہ زید نے ہندہ کو دیں اگر گواہان عادل شرعی یا اقرار زید سے ثابت ہو کہ وہ چیزیں زید نے ہندہ کو ہبہ کردی تھیں تو زید ان کی واپسی کا اختیار نہیں رکھتا۔ فتاوٰی قاضی خاں و فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

اذا وھب احد الزوجین لصاحبہ لایرجع فی الھبۃ وان انقطع النکاح بینھما[1]

جب میاں بیوی نے ایک دُوسرے کو کوئی ہبہ دیا تو رجوع کا اختیار نہیں اگرچہ بعد کو نکاح منقطع ہوجائے۔ (ت)

یُونہی جس چیز کی نسبت بثبوت شرعی ثابت ہو کہ اُن بلاد میں شوہر اپنی زوجہ کو یہ شَے بطور ہبہ ہی دیتے ہیں عرفاً عورتیں تملیک شوہر اُس کی مالک سمجھی جاتی ہیں اُس میں بھی زید کو اختیار واپسی نہیں۔ علماء فرماتے ہیں: المعھود عرفا کالمشروط نصاً (عرف میں ثابت ایسے ہے جیسا کہ نص کرکے مشروط کیا ہو۔ ت) مگر جبکہ اس قسم دوم کی چیز میں زید گواہان شرعی سے ثابت کردے کہ میں نے دیتے وقت جتا دیا تھا کہ برتنے کے لئے دیتا ہوں تجھے مالک نہیں کرتا، تو البتہ وہ چیز ملک شوہر سمجھی جائے گی اور وہ بالجبر واپس لے سکتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں: الصریح یفوق الدلالۃ (صراحت کو دلالت پر فوقیت حاصل ہے۔ ت) اسی طرح زیور کپڑا وغیرہ ہر وہ چیز کہ شوہر نے دی اور تملیک صراحۃً خواہ عرفاً کسی طرح ثابت نہ ہُوئی اس میں بھی قول شوہر کا معتبر ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الخامس فی الرجوع فی الھبۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۸۶

جبراً واپس لے سکے گا اور بلا تملیک شوہر عورت کے برتنے، پہننے، استعمال کرنے سے مِلکِ عورت ثابت نہیں ہوسکتی البتہ گھر میں پہننے کے کپڑے جن کا دینا بحکمِ نفقہ شوہر پر واجب ہوچکا ہو وہ دے کر اگر دعوٰی کرے کہ میں نے عورت کو مالک نہ کیا تھا تو اس میں شوہر کا قول معتبر نہ ہونا چاہئے۔ عقود الدریہ میں ہے:

قال فی البحر وفی البدائع اقرت بالملك لزوجها ثم ادعت الانتقال الیہا لایثبت الانتقال الا بالبینۃ اھ، ولابد من بینۃ علی الانتقال الیہا منہ بہبۃ او نحو ذٰلك ولایکون استمتاعہا بمشتریہ ورضاہ بذٰلك دلیلا علی انہ ملکہا ذٰلك کما تفہمہ النساء والعوام وقد افتیت بذٰلك مرارا اھ، وینبغی تقییدہ بمالم یکن من ثیاب الکسوۃ الواجبۃ علی الزوج[1] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بحر میں فرمایا کہ بدائع میں ہے کہ بیوی نے خاوند کی ملکیت کا اقرار کیا اور پھر اس کے اپنی طرف منتقل ہوجانے کا دعوٰی کیا تو اب بیوی کی ملکیت شہادت کے بغیر ثابت نہ ہوگی اھ، گواہ ضروری ہیں کہ شوہر نے بذریعہ ہبہ وغیرہ عورت کو مالک کردیا بیوی کا خاوند کی خریدی ہوئی چیز سے فائدہ پانا اگرچہ خاوند کی رضامندی سے ہو، یہ بیوی کی ملکیت کی دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ عام طور پر عورتیں اور عوام سمجھ لیتے ہیں کہ یہ خاوند کی طرف سے ملکیت کردی گئی ہے میں نے کئی بار یہ فتوٰی جاری کیا اھ یہاں یہ قید مناسب ہے کہ وہ دی ہوئی چیز پہننے کے کپڑے نہ ہوں جن کا دینا شوہر پر واجب ہوچکا تھا اھ ملخصاً (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵: از کٹرہ ڈاک خانہ اودرہ ضلع گیا مرسلہ مولوی سید کریم رضا صاحب غرہ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص جاہل نے بدون طلاق اپنی زوجہ کی رضاعی بہن سے نکاح کرلیا، جب اس کو معلوم ہُوا کہ جمع بین الاختین حرام ہے تب اس نے ثانیہ کو طلاق دینا چاہا، ثانیہ نے کہا اگر مجھ کو طلاق دینا چاہتے ہو تو میرا مہر ادا کرو۔ تو اس صورت میں بسبب ناجوازی نکاح زوجہ ثانیہ کے زوجہ ثانیہ کے حق میں صرف تفریق ہی معتبر ہے یا اس پر طلاق واقع ہوگا اور مہر زوجہ ثانیہ زوج پر باوجود عدم جوازِ نکاح لازم آئے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ایک بہن جب نکاح میں ہو تو دوسری سے نکاح نکاحِ فاسد ہے، متارکہ یعنی چھوڑ دینا جُدا کردینا واجب ہے، اور وہ طلاق نہیں بلکہ فسخ ہے، یہاں تک کہ اگر الفاظِ طلاق کہے گا جب بھی متارکہ ہی ٹھہرے گا طلاق

---

[1] عقود الدریۃ کتاب الفرائض حاجی عبدالغفار و پسران تاجرانِ کتب قندھار افغانستان ۲/ ۳۵۰

میں شمار نہ ہوگا، پھر اگر اس دوسری سے حقیقۃً وطی یعنی خاص فرج داخل میں بقدر حشفہ ایلاج ذکر کرچکا تھا تو مہر مثل و مہر مسمّی سے جو کم ہو لازم آئے گا ورنہ کچھ نہیں اگرچہ خلوت بلکہ بوس و کنار بہ شہوت بلکہ غیر فرج میں ادخال کرچکا ہو۔

فی الدرالمختار یجب مھر المثل فی نکاح فاسد وھوالذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود بالوطئ فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ لحرمۃ وطئھا ولم یزد علی المسمی ولو کان دون المسمی لزم مھر المثل[1] اھ باختصار وفی ردالمحتار قولہ کشھود ومثلہ تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت قولہ فی القبل فلو فی الدبر لایلزمہ مھر خلاصۃ وقنیۃ فلا یجب بالمس والتقبیل بشھوۃ شیئ بالاولی کما صرحوا بہ ایضا بحر[2] اھ ملتقطا وفی الدرمن العدۃ الخلوۃ فی النکاح الفاسد لا توجب العدۃ والطلاق فیہ لاینقص عدد الطلاق لانہ فسخ جوھرۃ[3] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

دُرِمختار میں ہے کہ نکاح فاسد میں صرف شرمگاہ میں وطی سے مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ نکاح فاسد وُہ ہے کہ جس میں صحتِ نکاح کی شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو، مثلاً بے شہود نکاح اور مہر مثل بھی مقررہ مہر سے زیادہ نہ ہوگا، اور اگر مہر مثل کم ہو مہر مسمّی سے تو بھی مہر مثل ہی لازم ہوگا، یہاں خلوت وغیرہ سے مہر واجب نہیں ہوتا کیونکہ یہ وطی کے قائم مقام نہیں ہے کیونکہ نکاحِ فاسد میں وطی خود حرام ہے اھ اختصارًا۔ اور ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول "جیسے گواہ" اور اسی طرح اگر دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا ہو یا ایک بہن کی عدت میں دوسری بہن سے نکاح کیا ہو، ماتن کا قول کہ صرف شرمگاہ میں وطی سے مہر لازم ہوتا ہے تو دُبر میں وطی کرنے سے مہر لازم نہ ہوگا، خلاصہ اور قنیہ یونہی مَس اور بوس و کنار شہوت سے کئے ہوں تو بھی مہر بطریق اولٰی لازم نہ ہوگا' جیسا کہ فقہاء نے اس کی بھی تصریح کی ہے، بحر اھ ملتقطا۔ درمختار کی عدت کی بحث میں ہے کہ نکاحِ فاسد میں خلوت' عدت کو واجب نہیں کرتی اور نکاح فاسد میں طلاق سے عددِ طلاق کم نہ ہوگا کیونکہ یہ فسخ ہے، جوہرہ اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶: از جنگل کوکرہ ڈاکخانہ گولا ضلع کھیری مرسلہ عبدالرحمٰن خاں صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح بعوض دس درہم مہر کے کیا تو

---

[1] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۱
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۵۱-۳۵۰
[3] درمختار | باب العدۃ | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۵۸

ایسی صورت میں کہ ملک ہند میں رواج درہم کا نہیں ہے، بجائے دس درہم کے دس درہم چاندی کافی ہوگی یا تعداد اُس کی روپے آنے سے پُوری کرنی ہوگی، اگر روپے آنے مہر کے تجویز کئے جائیں گے تو کس قدر رہوں گے؟ اور کم سے کم کتنا مہر ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

چاندی کافی ہے، سکہ ہونے کی کچھ ضرورت نہیں، کم سے کم مہر دس ہی درہم ہے یعنی دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی اُس تولے سے جس کے حساب میں یہ انگریزی روپیہ سوا گیارہ ماشے کا ہے، نہ روپیہ بھر کا تولہ جو بعض بلاد میں معروف ہے، مہر خود اس قدر چاندی ہو یا چاندی کے سوا اور کوئی شے اتنی ہی چاندی کی قیمت کی،

فی الدر المختار اقلہ عشرۃ دراھم فضۃ وزن سبعۃ مثاقیل مضروبۃ کانت اولا ولودینا او عرضا قیمتہ عشرۃ وقت العقد[1] فی رد المحتار فلوسمی عشرۃ تبرا او عرضا قیمتہ عشرۃ تبرا لا مضروبۃ صح[2]

درمختار میں ہے کہ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم چاندی جس کا وزن سات مثقال ہو، یہ چاندی سکے کی شکل میں ہو یا بے سکہ اگرچہ قرض ہو یا کوئی سامان ہو جس کی قیمت دس درہم بوقت نکاح ہو۔ ردالمحتار میں ہے اگر دس ٹکڑیاں مہر قرار دیا یا سامان جس کی قیمت دس ٹکڑیوں کے برابر ہو دس سکوں کے برابر نہ ہو تو بھی جائز ہے (ت)

وزن کے اعتبار سے دس درم کے دو روپے ایک اٹھنی ایک چوانی اور ۹ $\frac{3}{5}$ پائی ہوئے یعنی کچھ کم دو روپے تیرہ آنے، اگر روپے اٹھنی چوانی دے تو اسی قدر دینا ہوگا، لان الجنس لا معتبر فیہ للقیمۃ (کیونکہ جنس میں قیمت کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ت) اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز دے تو دو تولے ساڑھے سات ماشے چاندی کی قیمت معتبر ہوگی مثلاً چاندی ۱۲- تولہ ہو تو ایک روپے ساڑھے پندرہ آنے کی قیمتی شے کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷

شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا نکاح زید سے بتعین ۲۵۰۰۰ ہزار مہر کے ہُوا زید کو مہر میں اضافہ کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس کے لئے کیا شرائط لازم و ضروری ہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۰

[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۳۰

الجواب

شوہر کو ہروقت زوجہ کے مہر میں زیادت کرنے کا اختیار ہے اور اب مہر یہی قرار پائے گا جو بعد اس زیادت کے مقرر ہُوا اور اس کے لئے تجدید نکاح کی حاجت نہیں بلا تجدید بھی زیادت کر سکتا ہے، نہ گواہوں کی ضرورت، تنہائی میں باہم اضافہ کرلینا صحیح ہوجائے گا، نہ زیادت جنسِ مہر سے ہونی لازم، خلافِ جنس بھی صحیح ہے، مثلاً روپے مہر تھے اب کوئی جائداد اضافہ کر دی وہ روپے اور یہ جائداد سب کا مجموعہ مہر ہوجائے گا، نہ اگلے مہر کا باقی ہونا شرط، اگر ادا کر دیا معاف ہوچکا ہے تو اس کے بعد بھی زیادت روا ہے، صحتِ زیادت کے لئے صرف تین[۳] شرطیں درکار ہیں، دو بالاتفاق۔ ایک[۱] تو اُس زیادت کا معلوم ومعین ہونا مثلاً یہ کہا کہ میں نے تیرے مہر میں کچھ بڑھا دیا تو یہ زیادت باطل، دوسرے[۲] اسی جلسہ میں عورت کا اُسے قبول کرلینا، اگر عورت نے قبول نہ کیا یا بعد مجلس بدلنے کے قبول کیا زیادت صحیح نہ ہوگی، تیسری[۳] شرط مختلف فیہ بقائے نکاح ہے اگر بعد زوال نکاح بموت زوجہ یا طلاق بائن یا انقضائے عدت بعد طلاق رجعی زیادت کی تو ایک روایت پر صحیح نہ ہوگی۔ نہر الفائق میں اسی کو ظاہر الروایۃ قرار دیا۔ درمختار میں ہے:

نزید علی ما سمی فانها تلزمه بشرط قبولها فی المجلس اوقبول ولی الصغیرة ومعرفة قدرها وبقاء الزوجیة علی الظاهر نهر[۱]۔

اگر مقررہ مہر پر زیادہ کیا ہو تو خاوند پر یہ زائد مہر لازم ہوجائیگا بشرطیکہ بیوی نے مجلس میں قبول کرلیا ہو یا اس کے ولی نے جب یہ نابالغہ ہو۔ اور مقدار بھی معلوم ہو اور زوجیت کا موجود رہنا بھی شرط ہے ظاہر مذہب میں، نہر۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

افاد انها صحیحة ولو بلا شهود او بعد هبة المهر والابراء منه وهی من جنس المهر او من غیر جنسه بحر، وفی انفع الوسائل لایشترط فیها لفظ الزیادة بل تصح بلفظها وبقوله

اس عبارت نے یہ فائدہ دیا کہ یہ زیادتی جائز ہے خواہ گواہوں کے بغیر اور مہر ادا کردینے کے بعد یا مہر سے معاف کرنے کے بعد ہو، یہ زیادتی جنس مہر سے ہو یا غیر جنس مہر سے ہو، بحر۔ اور انفع الوسائل میں ہے اس کے لئے "زیادہ" کا لفظ بھی ضروری نہیں بلکہ اس لفظ سے اور اس قول سے بھی صحیح ہے کہ میں نے

---

[۱] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

راجعتك بكذا ان قبلت وكذا تجديد النكاح وان لم يكن بلفظ الزيادة على خلاف فيه وكذا لو أقرلها وجته بمهر وكانت قد وهبته له فانه يصح ان قبلت فى مجلس الاقرار وان لم يكن بلفظ الزيادة اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اتنوں کے ساتھ تجھ پر رجوع کیا اگر تجھے قبول ہو، اور یُوں ہی تجدیدِ نکاح سے اگرچہ اس میں زیادہ کا لفظ نہ بھی ہو اس میں خلاف ہے، اور یُونہی اگر بیوی نے خاوند کو مہر ہبہ کردیا اور بعد میں خاوند بیوی کے لئے کسی مہر کا اقرار کرلے، جب بیوی نے اقرار والی مجلس میں قبول کرلیا ہو اگرچہ زیادہ کا لفظ نہ بھی ہو تو یہ زیادتی صحیح ہے اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸: ۶ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے مہر معجل سے ششم حصہ بکر شوہر نے وقتِ نکاح ادا کردیا اب ہندہ کو بقیہ پانچ حصّوں کا مطالبہ قبل افتراق زن وشو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اور اگر رخصت بلاخلوت صحیحہ واقع ہُوئی ہو تو دعوٰی کا اختیار رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں بالاتفاق ہندہ کو قبل افتراق بموت یا طلاق بقیہ مہر معجل کا دعوی اور جب تک تمام وکمال وصول نہ کرلے شوہر کے گھر جانے سے باز رہنا اور اپنے نفس کو شوہر سے روکنا پہنچتا ہے اور اصل مذہب یہ ہے کہ اگر خلوت بلکہ قربت برضائے زوجہ واقع ہولی تو اس کے بعد بھی زوجہ کو ہر وقت اختیار دعوٰی ومطالبہ ومنع نفس حاصل ہے جب چاہے رُک جائے اور شوہر کو ہاتھ نہ لگانے دے اور اُس کے گھر جانے سے انکار کرے جب تک مہر معجل نہ لے لے۔ درمختار میں ہے:

لها منعه من الوطئ ودواعيه والسفر بها ولو بعد وطئ وخلوة رضيتهما لان كل وطأة معقود عليها فتسليم البعض لا يوجب تسليم الباقى لاخذ ما بيّن تعجيله من المهر كله او بعضه او اخذ قدر ما يعجل لمثلها عرفا به يفتى۔[2]

بیوی کو مہر معجل وصول کرنے کے لئے خاوند کو وطی سے اور اس کے دواعی سے اور سفر میں ساتھ لے جانے سے منع کا حق ہے اگرچہ برضائے زوجہ وطی یا خلوت کرلی گئی ہو کیونکہ ہر وطی مہر پر معقود ہوتی ہے، تو کچھ دے دینے سے باقی کو بھی دے دینا ثابت نہیں کرتا، یہ منع کا حق اس واسطے ہے کہ عورت وُہ مہر وصول کرلے جس کا جلد دینا بیان ہوچکا وہ کل مہر ہو یا بعض، یا اس قدر مہر وصول کرلے جتنا اس جیسی عورتوں کو عرف میں جلد دیا جاتا ہے فتوٰی اسی پر ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المهر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۳۸

[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

اُسی میں ہے :

لها السفر والخروج من بیت زوجها للحاجة وزیارة اهلها بلا اذنه مالم تقبض المعجل[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہرِ معجل وصول کرنے تک بی بی کو سفر کرنا اور خاوند کے گھر سے اس کی اجازت کے بغیر کسی حاجت یا والدین کی زیارت کے لئے نکلنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹ ۲۶ محرم الحرام ۱۳۱۸ھ

مہر کی تعداد شرع پیغمبری کیا ہے؟ اور حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا مہر کیا تھا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر شرعی کی کوئی تعداد مقرر نہیں، صرف کمی کی طرف حد معین ہے کہ دس درم یعنی تقریباً دو روپے تیرہ آنے سے کم نہ ہو اور زیادتی کی کوئی حد نہیں، جس قدر باندھا جائے لازم آئے گا۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا مہر اقدس چار سو مثقال چاندی تھا کہ یہاں کے روپے سے ایک سو ساٹھ روپے بھر ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۳۰ از فرید پور ضلع بریلی مرسلہ قاضی محمد نبی جان صاحب ۲۷ رمضان شریف ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے مہر شرعی پر نکاح کیا مگر اب وُہ طلاق دیتا ہے بوجہ نافرمانی کے، اور وہ تخمین مالغہ ۲۵ روپے کا قرضدار ہے اور قرض سودی ہے وہ اس کے مہر سے کس صورت سے ادا ہووے اور کتنا دیوے بموجب حکم خدا اور رسول سے؟ تحریر فرمائیے۔

الجواب

مہر شرعی جو لوگ یہ سمجھ کر باندھتے ہیں کہ سب سے کم درجے کا مہر جو شریعت میں مقرر ہے تو اس صورت میں دو تولے سات ماشے چار رتی چاندی دینی آئے گی، اور جو یہ سمجھ کر باندھتے ہوں کہ جو مہر حضرت خاتونِ جنت کا تھا تو ڈیڑھ سو تولے چاندی آئے گی یعنی انگریزی روپے سے ایک سو ساٹھ روپے بھر، اور جس کی سمجھ میں کچھ معنی نہیں خالی ایک لفظ بول دیتے ہیں تو وہاں مہر مثل لازم آنا چاہئے یعنی اس عورت کے دُدھیال میں جو عورت اس کی ہم عمر اور صورت شکل اور کنواری یا بیاہی ہوتے میں اور اُن باتوں میں جن سے مہر کم بیش ہو جاتا ہے اس عورت کی مانند ہو اس کا جو مہر بندھا ہو وُہ دینا آئے گا، اور رجا ہوں

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۲

میں ایسی عورت نہ ملے تو بیگانوں سے دیکھیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱ تا ۳۲ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

سوال اوّل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر نابالغہ کا نکاح ساتھ عمرو کے عوض مہر پانچ ہزار روپے اور دو دینار سرخ کر دیا تھا اور یہ بات قرار پاگئی تھی اور وکیل نکاح نے تصریح کر دی تھی کہ مہر نہ تو اس وقت نقد لیا جائے گا اور نہ رخصت کے وقت' اور نہ کوئی وعدہ ادائے مہر کا ہے، اور ہنوز رخصت نہیں ہوئی ہے، تو ہندہ مذکور یا اس کے باپ کو کس وقت میں طلب کرنے جزو یا کُل مہر کا اختیار حاصل ہوگا اور اس مہر کو کون سا مہر کہا جائے گا؟ بینوا توجروا

الجواب

ایسے مہر کا مطالبہ بعد موتِ زوج یا زوجہ یا بعد طلاق ہوسکتا ہے اس سے قبل نہیں، یہ نہ معجل ہے کہ قبل رخصت دینا قرار نہ پایا نہ مؤجل کہ کوئی اجل یعنی میعاد مقرر نہ کی گئی بلکہ عرفاً مؤخر ہے، ردالمحتار میں ہے:

لومات زوج المرأۃ اوطلقها بعد عشرین سنۃ من وقت النکاح فلها طلب مؤخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لا من وقت النکاح[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر بیوی کا خاوند بیس سال بعد فوت ہوجائے یا طلاق دے دے تو بیوی کو مؤخر کیا ہُوا مہر طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ بیوی کو اس مہر کے مطالبے کا حق مرنے یا طلاق دینے کے بعد ثابت ہوتا ہے وقت نکاح سے مطالبہ کا حق نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

سوال دوم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر مؤجل کے کیا معنے ہیں اور غیر مؤجل کے کیا معنے ہیں؟ اور معجل جس کا حرف ثانی عین مہملہ ہے کیا معنی ہیں اور ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ ت) اور دینار سُرخ کتنے روپے کا ہوتا ہے؟

الجواب

مہر مؤجل وُہ جس کے لئے کوئی میعاد مقرر کی ہو مثلاً دس برس بعد دیا جائے گا، اور غیر مؤجل وُہ کہ تعیین وتقریر میعاد نہ ہو فان کان مع نفی الاجل کان معجلا والا فلا (اگر میعاد کی نفی کی ہو تو معجل ہے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

ورنہ نہیں۔ت) اور معجّل وہ جس کا قبل رخصت ادا کرنا قرار پایا ہو۔ مؤجّل کا مطالبہ میعاد آنے پر ہو سکتا ہے اس سے پہلے اختیار نہیں، اور معجّل کو عورت فوراً مانگ سکتی ہے، اور جب تک نہ ملے رخصت سے انکار کا اسے اختیار ہے، اور جو نہ معجّل اور نہ مؤجّل وُہ بحکمِ عرف طلاق یا موت تک مؤخر ہے اس سے پہلے اختیارِ مطالبہ نہیں۔

فی النقایۃ المعجل والمؤجل ان بینا فذاك والا فالمتعارف[1] واللہ تعالٰی اعلم

نقایہ میں ہے، مہر معجّل اور مؤجّل کی مدت بیان کردی گئی تو بہتر، ورنہ عرف کے لحاظ سے مہر ادا کیا جائیگا (ت) واللہ تعالٰی اعلم

دینار شرعی دس درم شرعی کا ہوتا ہے، دس درم انگریزی روپے سے دو روپے تیرہ ۱۳ آنے ہوتے ہیں پانچواں حصّہ پیسہ کا کم، کما حققنا فی الزکوٰۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی کے باب زکوٰۃ میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۳: علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص کی لڑکی کا نکاح تھا اور قاضی صاحب نے نکاح پڑھا دیا، کلمہ و دعائے قنوت اور دونوں اٰمنتُ باللہ پڑھا کر اقرار پڑھایا تھا اور فاتحہ کے لئے جب حاضرینِ محفل پڑھنے کو ہُوئے تب ایک قاضی دیگر جگہ کے تھے وہ اس نکاح میں گواہ تھے لڑکی کی طرف سے، اور درجہ دوم شرعِ پیغمبری قائم کیا گیا تھا تو نکاح پڑھانے والے قاضی نے کہا کہ مجھ کو اس کی تعداد معلوم نہیں ہے کہ کتنی تعداد ہے، وُہ جو قاضی گواہ تھے اُس نکاح کے وُہ کہنے لگے ۶۵ روپے، درجہ دوم کی میں خلاصہ کردیں تاکہ محفل میں اور لوگوں کو معلوم ہوجائے، پڑھانے والے نے کہا کہ درجہ اول درجہ دوم درجہ سوم درجہ چہارم کی تعداد مجھ کو معلوم نہیں مع نام درجہ تعداد روپیہ کے آگاہی ہوجائے۔

الجواب

شریعت میں مہر کی کم سے کم تعداد مقرر ہے کہ دس درم سے کم نہ ہو جس کے اس روپے سے کچھ کوڑیاں کم دو روپے تیرہ ۱۳ آنے بھر چاندی ہُوئی یعنی دو روپے بارہ ۱۲ آنے ۹ ۳/۵ پائی بھر اس کے سوا شریعت میں مہر کا کوئی درجہ مقرر نہیں فرمایا ہے، یہ ان قاضیوں کی گھڑت ہے ۶۵ روپے کا کوئی درجہ مہر کا نہیں ہے، اکثر ازواجِ مطہرات کا مہر پانسو ۵۰۰ درم تھا کہ یہاں کے روپوں سے ایک سو چالیس ۱۴۰ ہُوئے، اور حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا جس کے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر چاندی ہوئی، اور حضرت اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مہر چار ہزار درم یا دینار تھا جس کے گیارہ سو بیس ۱۱۲۰ یا گیارہ ہزار دو سو ۱۱۲۰۰

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ   فصل اوّل المہر   نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی   ص ۵۶

روپے ہوئے مہر معیّن کردینا چاہئے، فقط شرع پیغمبری یا اس کا فلاں درجہ کہنا بیوقوفی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر میں تجھ کو طلاق دُوں تو سَو روپے مہر کے ادا کروں اور اگر مجھ سے خود طلاق چاہے گی تو تجھ کو مبلغ تین روپے میں دُوں گا اور کچھ نہ دُوں گا، اب خود ہندہ نے درخواست طلاق کی زید اپنے شوہر سے رُوبرو وکیل اور رُوبرو گواہانِ نکاح مسمیان عظیم اللہ اور رحمٰن کے حسب درخواست ہندہ کے زید نے ہندہ کو طلاق دے دی آیا ہندہ اس صورت میں سَو روپے پانے کی مستحق ہوگی یا تین روپے پانے کی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

نہ تین روپے نہ سَو روپے بلکہ اُس عورت کا مہرمثل دیکھا جائے، وُہ اگر سَو روپے یا سَو سے زائد ہو تو سَو روپے دئے جائیں، اور اگر تین روپے یا بالفرض تین روپے سے دو تین آنے کم ہوں کہ یہاں تک کمی کی گنجائش ہے تو تین روپے دئے جائیں، اور اگر تین روپے سے زائد اور سَو روپے سے کم ہوں تو پورا مہرمثل دیا جائے، درمختار میں ہے:

نکحھا علی الف ان اقام بھا وعلی الفین ان اخرجھا فان اقام بھا فلھا الالف لرضاھا بہ، والا فمھر المثل لایزاد علی الفین ولاینقص عن الف لاتفاقھما علی ذٰلک بخلاف مالو تزوجھا علی الف ان کانت قبیحۃ والفین ان جمیلۃ فانہ یصح لقلۃ الجھالۃ الی آخرہ[1] مختصرا **اقول** وفیما نحن فیہ الجھالۃ اشد من الصورۃ الاولٰی فثمہ احد الشرطین حاصل والثانی علی الخطر وھھنا کان کل علی الخطر لجواز ان لایقع شیئ منھا فلایطلق

بیوی کے شہر میں رہنے پر ایک ہزار اور وہاں سے لے جانے پر دو ہزار مہر پر نکاح کیا، تو اگر مرد عورت کے شہر میں رہے تو ایک ہزار بیوی کو دے گا کیونکہ وُہ اس پر راضی ہُوئی تھی، اگر وہاں سے باہر لے جائے تو پھر مہرمثل ہوگا جو دو ہزار سے زائد نہ ہو اور ایک ہزار سے کم نہ ہو کیونکہ اس پر دونوں کی رضامندی تھی، یہ صورت اس کے خلاف ہے جب کہ کر نکاح کیا ہو کہ اگر بدشکل ہو تو ایک ہزار اور خوبصورت ہو تو دو ہزار مہر ہے تو یہ دونوں شرطیں صحیح ہیں کیونکہ اس میں جہالت کے مواقع بہت کم ہیں، مختصراً۔ **اقول** (میں کہتا ہُوں کہ) ہماری بحث میں پہلی صورت سے بھی زیادہ جہالت ہے کیونکہ وہاں ایک شرط تو حاصل ہے دوسری میں ہونے نہ ہونے کا احتمال ہے، اور

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۰

ولا تسأل فتمكنت الجہالۃ ففسد التسمیتان فوجب مہر المثل مطلقا ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہاں تو دونوں میں ہونے نہ ہونے کا احتمال ہے کیونکہ ممکن ہے کہ دونوں میں کوئی بھی حاصل نہ ہو، مثلاً نہ مرد طلاق دے اور نہ عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو جہالت موثر ہوگئی، اور دونوں شرطیں مفقود ہوں گی، لہذا مہر مثل واجب ہوگا مطلقاً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۵ ازلاہور مسئولہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۳ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت منکوحہ کو کسی قبالہ میں یہ عبارت لکھ دی (جو کچھ تقریبات شادی وغمی خانگی اور خاندانی میں تھوڑا یا بہت صرف ہوگا اس کے سرانجام کا صرفہ میرا ہے اور آمدنی تنخواہ ودیہی جاگیر سے کچھ علاقہ نہیں) پس تحریر کے بعد قبالہ نویس خود یا بعد وفات قبالہ نویس کے اُس کی اولاد اس شرط کی وفا نہ کرے بلکہ زوجہ مذکورہ کو جو کچھ دیا جائے وہ اُس کے دین مہر وغیرہ میں شمار کیا جائے تو شرعاً کیا حکم ہے آیا قاضی شریعت اس شرط کی ایفا پر قبالہ نویس یا اُس کی اولاد کو مجبور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ دیا ہوا اس کے دین مہر میں محسوب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الواقع اُس وعدہ کی وفا پر شرعاً جبر نہیں کما نص علیہ فی الاشباہ والنظائر وجامع الفصولین (جیسا کہ الاشباہ والنظائر اور جامع الفصولین میں اس پر نص ہے۔ ت) شوہر نے جو کچھ دیا اگر دینے کے وقت مہر کے سوا اور کسی وجہ کا نام لیا جس پر وہ جانبِ شوہر سے ہبہ وعطیہ قرار پاسکے جب تو اُسے مہر میں محسوب کرنے کا اختیار نہیں، یُوں ہی نان ونفقہ واجبہ کو اُس میں محسوب نہ کرسکے گا اگرچہ دیتے وقت نامِ نفقہ نہ لیا ہو، بلکہ وہ نفقہ ہی ٹھہرے گا۔ یُونہی اور اشیاء جو از رُوئے عرف ہدیہ قرار پاتی ہیں اور جو ان تینوں صورتوں سے جُدا ہے اُس میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر بقسم کہہ دے گا کہ میں نے مہر میں دیا تھا مہر میں محسوب ہوگا، یُونہی بعد شوہر اولادِ شوہر جو کچھ بھیجے اور ظاہر حال بسبب عُرف و رسمِ قوم منافی ارادہ مہر نہ ہو، نہ اُنھوں نے صراحۃً غیر مہر کسی اور وجہ کے لئے اُسے قرار دیا ہو تو اُن کا قول بھی معتبر ہے۔

لان المملك ادری بجھۃ التملیك کما فی عقود الدریۃ وغیرھا۔

کیونکہ مالک بنانے والا ملکیت کی وجہ کو بہتر جانتا ہے، جیسا کہ عقود الدریہ میں ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لو بعث الی امرأتہ شیئا ولم یذکر جھۃ عند الدفع غیر المھر کقولہ لشمع او حناء ثم قال انہ من المھر لم یقبل لوقوعہ ھدیۃ فلا ینقلب مھرا فقالت ھدیۃ وقال من المھر فالقول لہ بیمینہ والبینۃ لھا فی غیر المھیأ للاکل ولھا فی المھیأ لہ لان الظاھر یکذبہ ولذا قال الفقیہ المختار انہ یصدق فیما لا تجب علیہ کخف وملاءۃ لا فیما یجب کخمار ودرع[1] اھ مختصرا۔

خاوند نے بیوی کو کوئی چیز ارسال کی اور دیتے وقت مہر کے علاوہ کسی وجہ کو ذکر نہ کیا ہو مثلاً شمع اور مہندی۔ پھر بعد میں کہا کہ یہ مہر ہے تو خاوند کی بات مقبول نہ ہوگی کیونکہ وُہ ہدیہ ہوچکی جو اب مہر نہیں بن سکتا، پھر بیوی کہے یہ ہدیہ ہے اور خاوند مہر کہے تو خاوند کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کرلی جائے گی ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا نہیں کیں اور اگر دونوں نے گواہ پیش کئے تو عورت کے گواہ مقدم ہونگے اور عورت کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا ان چیزوں میں جو کھانے کے واسطے مہیا کیں کیونکہ زوج کا ظاہر حال جھٹلاتا ہے اسی لئے فقیہ نے فرمایا کہ مختار یہ ہے کہ خاوند کی بات کی تصدیق اس صورت میں کی جائے گی جب وُہ چیز نفقہ واجبہ میں سے نہ ہو، مثلاً موزہ یا باریک کپڑا اور جو چیز زوج پر واجب ہے اس میں زوج کی تصدیق نہ کی جائے، جیسے دوپٹہ اور قمیص۔ اھ مختصراً (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی الفتح الذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیع ماذکر من الحنطۃ واللوز والدقیق والسکر والشاۃ الحیۃ وباقیھا یکون القول فیھا قول المرأۃ لان المتعارف فی ذٰلک کلہ ان یرسلہ ھدیۃ والظاھر معھا لا معہ ولا یکون القول قولہ الا فی نحو الثیاب والجاریۃ وذکر تائیدہ فی البحر وتقییدہ عن النھر[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

فتح میں ہے: ہمارے علاقے میں جن چیزوں میں بیوی کی بات معتبر ہوگی وُہ یہ مذکور ہیں مثلاً گندم، اخروٹ، آٹا، شکر اور زندہ بکری وغیرہ (جو چیز مہینہ بھر باقی رہنے سے خراب ہو) کیونکہ ان تمام چیزوں کو ہمارے عرف میں ہدیۃً دیا جاتا ہے لہذا ظاہر بیوی کا ساتھ دے گا، خاوند کا نہیں، اور خاوند کا قول معتبر نہ ہوگا مگر لونڈی، کپڑا وغیرہ میں ــــــ اس کی تائید بحر میں اور اس کی تقیید نہر سے ذکر کی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۶۰: مسئولہ مولوی عبدالغنی صاحب از حسن پور ضلع مراد آباد محلہ چاہ کنکر ۸ رمضان ۱۳۲۴ھ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلٰوۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین،

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و متوجهان شرع متین دربارہ مہر معجل و مؤجل، مہر معجل کے کیا معنی ہیں اور منکوحہ کو کس وقت زرِ مہر کا مجاز وصول کرنے کا ہے اور کوئی سبب ہے یا نہیں، اور اس کی کچھ تعداد ہے یا نہیں۔ مہر مؤجل کے کیا معنی اور کس وقت منکوحہ کو زرِ مہر وصول کرنے کا مجاز ہے اور اس کی کوئی تعداد بھی ہے یا نہیں، اور کوئی سبب ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر تین قسم ہے:

معجل کہ پیش از رخصت دینا قرار پالیا ہو اُس کے لئے عورت کو اختیار رہے کہ جب تک وصول نہ کرلے رخصت نہ ہو، اور اگر رخصت ہوگئی تو اسے اب بھی اختیار ہے کہ جب چاہے مطالبہ کرے اور اس کے وصول تک اپنے نفس کو شوہر سے روک لے اگرچہ رخصت کو بیس برس گزر گئے ہوں۔

دوسرا مؤجل جس کی میعاد قرار پائی ہو کہ دس برس یا بیس برس یا پانچ دن کے بعد ادا کیا جائے گا اس میں جب تک وُہ میعاد نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں اور بعد انقضائے میعاد ہر وقت مطالبہ کرسکتی ہے۔

تیسرا مؤخر کہ نہ پیشگی کی شرط ٹھہری ہو نہ کوئی میعاد معین کی گئی ہو، یُونہی مطلق و مبہم طور پر بندھا ہو جیسا کہ آج کل عام مہر یوں ہی بندھتے ہیں اس میں تا وقتیکہ موت یا طلاق نہ ہو عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں مہر معجل و مؤجل کے لئے شرع مطہر نے کوئی تعداد معین نہ فرمائی جتنا پیشگی دینا ٹھہرے اس قدر معجل ہوگا باقی کی کوئی میعاد قرار پائی تو اتنا مؤجل ہوگا ورنہ مؤخر رہے گا، ہاں اگر کسی قوم یا شہر کا رواج عام ہو کہ اگرچہ تصریح نہ کریں مگر اس قدر پیشگی دینا ہوتا ہے تو بلا قرار دادِ صریح بھی اُتنا معجل ہوجائے گا باقی بدستور مؤجل یا مؤخر رہے گا۔ درمختار میں ہے:

لها منعه من الوطی و دواعیه ولو بعد وطء و خلوة رضیتهما لاخذ ما بیّن تعجیله من المهر کله او بعضه او اخذ قدر ما یعجل لمثلها عرفا به یفتی ان لم یؤجل او یعجل کله فکما شرطا۔[1]

بیوی کو مہر معجل کل یا بعض جتنا بیان ہُوا یا عرف میں جتنی مقدار معجل ہوتی ہے وصول کرنے کے لئے خاوند کو وطی اور اس کے دواعی سے منع کرنے کا حق ہے اگرچہ زوجہ کی رضامندی سے پہلے وطی یا خلوت ہوچکی ہے اسی پر فتوٰی ہے (یعنی رواج کا اعتبار رہے اگر کل مہر کی مدت یا تعجیل مقرر نہ کی گئی ہو، اگر مدت یا تعجیل مقرر ہوچکی ہو) تو ویسا ہی کرنا چاہئے جیسا کہ دونوں نے شرط کیا۔ (ت)

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی ۱/ ۲۰۲

ردالمحتار میں ہے :

لومات زوج المرأة او طلقها بعد عشرين سنة مثلا من وقت النكاح فلها طلب مؤخر المهر لان حق طلبه انما ثبت لها بعد الموت او الطلاق لا من وقت النكاح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر خاوند فوت ہوجائے یا نکاح سے بیس سال بعد فوت ہو یا اس نے طلاق دی ہو تو بیوی کو مؤخر کردہ مہر طلب کرنے کا حق ہے کیونکہ بیوی کے لئے موت یا طلاق کے بعد ہی مہر کے طلب کا حق ثابت ہوتا ہے نہ کہ وقتِ نکاح سے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷ تا ۴۲

سوال اوّل

حضور ! اوّل یہ بتادیجئے کہ بلاتعیینِ مہر نکاح ہوگا یا نہیں، اگر لفظ شرعی مہر کہا جائے اور کوئی تشریح نہ کی جائے تو کس قدر مہر سمجھا جائے گا، بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح بلاتعیینِ مہر بلکہ نفیِ مہر کے ساتھ بھی صحیح ہوجاتا ہے اور مہرِ مثل دینا آتا ہے یونہی مہر شرعی کہنے سے بھی، جبکہ ان کی اصطلاح میں اس سے کوئی خاص مقدار مثلاً اقل درجہ مہر یا مہر حضور بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا مراد نہ ہو ورنہ جو ان کی اصطلاح معروف ہے وہی لازم آئے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال دوم

مہر شرعی جو بنات صالحات کا لکھا ہے چار سو مثقال چاندی کا، آج کل کے سکہ سے کس قدر روپے ہوتے ہیں ؟

الجواب

چار سو مثقال چاندی مہر حضرت خاتونِ جنّت رضی اللہ تعالٰی عنہا تھا یہاں کے سکّے سے ایک سو ساٹھ ۱۶۰ روپے بھر چاندی۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال سوم

مہر ازواج مطہرات کا پانچ سو درہم کا سوائے بی بی اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے کہ دو ہزار اوقیہ یا پانچ سو دینار کا لکھا ہے سکہ مروجہ سے کس قدر ہوتے ہیں ؟ وزن درم اور اوقیہ اور مثقال اور دینار کی صراحت فرمادیجئے۔

الجواب

پانچسو درم کے اس سکہ رائجہ سے ایک سو چالیس روپے ہوتے ہیں۔ درم شرعی تین ماشے ایک رتی اور

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۳۴۳

پانچواں حصہ رتی کا، اور مثقال کہ وہی وزن دینار شرعی ہے ساڑھے چار ماشے، ایک اوقیہ چالیس درم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال چہارم

قل درجہ دس درم شرعی کے سکہ مروجہ سے کتنے روپے ہوتے ہیں؟

الجواب

دس درم کے اس سکہ سے دو روپے تیرہ آنے ایک پیسے کا پانچواں حصہ۔ دو سو درم کے پورے چھپن روپے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال پنجم

آج کل جو حیثیت سے زیادہ مہر باندھا جاتا ہے جس کے ادا کی کوئی صورت حالت موجودہ سے نہیں ہے دل میں یہ خیال کرلینا کہ کچھ دینا تو نہیں پڑتا ہے صرف زبانی جمع خرچ ہے قبول کرلو ایسے خیال سے کوئی نکاح میں تو نقص نہ آئے گا؟

الجواب

نکاح میں کوئی نقص نہیں مگر ایسا خیال عنداللہ سخت قبیح و شنیع ہے یہاں تک کہ حدیث میں ارشاد ہوا جو مرد و عورت نکاح کریں اور مہر کے دینے لینے کی نیت نہ رکھیں یعنی اُسے دین نہ سمجھیں وہ روزِ قیامت زانی و زانیہ اٹھائے جائیں گے[1]۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال ششم

وہ کون سی صورت طلاق کی ہے کہ ایک جوڑی کپڑے پانے کی زوجہ مستحق ہے۔

الجواب

نکاح جب بلا تعیین مہر ہوا اور عورت کو قبل خلوت طلاق دی جائے تو ایک جوڑا واجب آتا ہے جس کی قیمت پانچ درم شرعی سے کم نہ ہو اور عورت کے نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو ان دو حدوں کے اندر اگر مرد و زن دونوں غنی ہوں اعلٰی درجہ کا واجب ہوگا اور دونوں فقیر تو ادنٰی اور ایک فقیر ایک غنی تو اوسط۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۳ از موضع دیورنیا ضلع بریلی مسئولہ مسیح الدین صاحب ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید کی بی بی ہندہ کو اس کے میکے والوں نے محض جھوٹی خبر پر کہ ہندہ کو سسرال والے زہر دے دیں گے روک رکھا ہے اور اُن کا یہ ارادہ ہے کہ ہندہ کا دین مہر وصول کر کے ہندہ کی شادی دوسری جگہ کردیں، آیا قبل طلاق دینے شوہر کے ہندہ کے دین مہر کا مطالبہ جائز ہے یا نہیں، اور اس کا دوسری جگہ نکاح کردینا جائز ہے یا نہیں، اور اسے

---

[1] السنن الکبرٰی، باب ما جاء فی حبس، دار صادر بیروت ۷/ ۲۴۲، کنز العمال، حدیث ۴۴۷۲۶ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۶/ ۳۲۳

روک رکھنا جائز ہے یا نہیں، ہندہ کا مہر سوا لاکھ روپیہ ہے جس میں نصف معجل ہے اور نصف غیر معجل، مگر معجل میں زمانے کی کوئی حد نہیں ہے۔

الجواب

آدھا مہر یعنی ساڑھے باسٹھ ہزار روپیہ جب تک ادا نہ کرے زید کو ہندہ کے بلانے کا کوئی اختیار نہیں، اور میکے والے ہندہ کو روک سکتے ہیں قبل طلاق اگر نکاح کردیا جائے حرام و زنا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۴۵ ازمراد آباد محلہ مقبرہ مرسلہ حاجی کریم بخش صاحب ۱۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

(۱) زوج نے زوجہ کے نام کچھ زمین مہر معجل میں دے دی اور غیر معجل مہر شوہر کے ذمہ ہے، زوج سے لڑکی تولد ہوئی یا لڑکا تولد ہوا، اب زوج زوجہ سے ناراض ہے اور طلاق دیتا ہے، اب وہ معاملہ برادری کے پنچوں میں ہے، اگر پنچ مہر معجل واپس کرلیں اور غیر معجل بھی نہ دلائیں اور کچھ زوپے مسماۃ کو دے کر رضامند کرلیں اور زوج سے طلاق دلوادیں تو ایسے پنچوں پر کیا حکم ہے، اور زوجہ سے مہر معجل واپس کرنے کا کچھ گناہ ہے یا نہیں، اور پنچوں کو کس بات کا زیادہ لحاظ رکھنا لازم ہے، اور اگر پنچ کسی کی رعایت کرکے فیصلہ کریں تو کیا کچھ گناہ ہے؟

(۲) جو معاملات برادری کے متعلق طے ہوں اور شریعت سے باہر ہوں تو کیا گناہ ہے؟

الجواب

یہ معاملہ رضامندی پر ہے جبکہ وہ جانے کہ باہم نباہ نہ ہوگا تو زوجہ اپنی خلاصی کے لئے کُل مہر چھوڑ دے اور لیا ہُوا واپس دے اور اُس کے سوا اور روپے بھی دے سب جائز ہے، قال تعالٰی: فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ[1] (عورت اگر فدیہ دے تو خاوند بیوی دونوں پر کوئی حرج نہیں ت) ہاں اگر پنچوں نے اُسے ناجائز طور پر دبایا تو گنہگار ہُوئے اور عورت کے حق میں گرفتار جن معاملات میں شریعت مطہرہ نے اپنے حق کے لئے کوئی حکم خاص فرمایا ہے اُس کا اتباع مسلمانوں پر فرض، کسی کی رضامندی اس کی مخالفت کو جائز نہیں کرتی جیسے سُود کہ اگر لینے دینے والا دونوں راضی ہوں جب بھی حرام قطعی ہے اور جن امور میں شرع نے اپنے حق کیلئے کوئی حکم نہ فرمایا جو ممانعت ہے وہ بندہ کے حق کے سبب ہے اُن میں اگر صاحبِ حق راضی ہو جائے تو ممانعت نہ رہے گی جیسے پرایا مال چُرا لینا حرام اور اُس کی خوشی سے حلال۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

مسئلہ ۴۶ از شہسرام ضلع گیا مرسلہ سراج الدین احمد صاحب ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

(۱) اصناف تعین مہر میں کہ معجل و مؤجل ومثل ہے۔ معجل میں کلام نہیں اور مؤجل میں کا بین کا لکھنا ضرور ہے یا نہیں؟ ہے تو موافق شریعت کے مضمون کیا ہے؟

(۲) مہر مثل ازواجِ مطہرات رسول علیہ التحیۃ والصلٰوۃ کہ امہات المؤمنین والمومنات ہیں کا افضل یا خاندانی مثل ام وعمہ، عروس وداماد۔

الجواب

(۱) مہر معجل وُہ ہے جو پیشگی دینا ٹھہرے، اور مؤجل وہ جس کی ایک میعاد معین قرار پائے کہ اتنے زمانے کے بعد ادا کیا جائے گا، اور مؤخر وُہ کہ نہ پیشگی دینا ٹھہرا نہ اُس کا کوئی وقت معین کیا گیا، مہر مثل کوئی ان کی مقابل قسم نہیں، مؤجل کی دستاویز لکھنا بہتر ہے۔ قال تعالٰی:

یایھا الذین اٰمنوا اذا تداینتم بدین الٰی اجل مسمّی فاکتبوہ۔[1] اے ایمان والو! جب تم ادھار لین دین مقررہ مدت پر کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ (ت)

تفسیر احمدی میں ہے:

فی الزاھدی ان الاٰیۃ عامۃ فی السلم وکل دین یصح فیہ الاجل۔[2] زاہدی میں ہے کہ یہ آیہ کریمہ بیع سلم اور ہر ادھار سودا جس میں مدت مقرر کرنا صحیح ہو سب کو شامل ہے۔ (ت)

مدارک التنزیل میں ہے: الامر للندب[3] (آیہ کریمہ میں امر استحباب کے لئے ہے۔ ت) لباب التاویل میں ہے: وھو قول جمھور العلماء[4] (یہی جمہور علماء کا قول ہے۔ ت) اور مضمون میں وہی طریقہ معہودہ کافی ہے جو تمسکات میں رائج ہے کہ میں فلاں بن فلاں بن فلاں ہوں میں نے فلاں تاریخ فلانہ بنت فلاں بن فلاں سے اتنے مہر پر نکاح کیا جس کی ادا اتنے دنوں بعد قرار پائی ہے اقرار کرتا ہُوں کہ مہر مذکور میعادِ مذکور پر ادا کروں گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) ازواجِ مطہرات کا مہر کس کے لئے مہر مثل ہو سکتا ہے، ان کے مثل کون ہے، مہر مثل سے اپنے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۸۲

[2] تفسیر احمدیہ تحت آیۃ اذا تداینتم بدین الخ (پ ۳) مطبعہ کریمیہ، بمبئی، بھارت ص ۱۷۵

[3] مدارک التنزیل (تفسیر النسفی) تحت آیہ مذکورہ دار الکتاب العربی بیروت ۱/ ۱۳۹

[4] لباب التاویل (تفسیر خازن) مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۰۵

خاندانِ پدری کا مہر مراد ہے بہن پھوپھی وغیرہ جو عمر و مال و جمال و بکارت وغیرہا میں اس کے مثل ہیں، ازواج مطہرات امہات المومنین ہیں امہات المومنات نہیں، ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا فرماتی ہیں:

انا ام رجالکم ولست ام نساءکم[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

میں تم مردوں کی ماں ہوں تمھاری عورتوں کی ماں نہیں ہوں۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۸: از بجواڑا کاٹھیاواڑ مرسلہ حاجی عبداللطیف صاحب ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

تجدید نکاح میں مہر کم از کم کتنا باندھنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مہر کی مقدار کم از کم دس درم بھر چاندی ہے جس کی مقدار تقریباً دو روپے پونے تیرہ آنے بھر ہوئی، باقی جو احکام مہر کے ابتدائی نکاح میں ہیں وہی تجدید نکاح میں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۹: از موضع میونڈی بزرگ مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی نا کتخدا کا نکاح کسی شخص سے کردیا اور وہ شخص بلا قربت کئے اسی بی بی کے مرگیا اور کسی طرح کی کوئی بات چیت نہیں کی یعنی کسی طرح کا کوئی فعل نہیں کیا اب علمائے دین فرمائیں کہ اس لڑکی نا کتخدا کا کتنا مہر اس کے شوہر کے مال یا جائداد وغیرہ سے چاہیے نصف یا پورا، اور اگر اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کرنا چاہیں تو کتنے دنوں کے بعد کیا جائے، بعض شخص کہتے ہیں کہ ایسے نکاح کی عدت نہیں ہوتی ہے کیونکہ جب اس کے شوہر نے اس سے قربت ہی نہیں کی تو عدت کس چیز کی کرنا چاہیے، اور بعض کہتے ہیں کہ تین ماہ کی عدت کے بعد نکاح ایسے کا جائز، اب علمائے دین فرمادیں کہ یہ لوگ غلطی پر ہیں یا صحیح پر، اور جو لوگ غلطی پر ہوں اور شریعت کو نہ مانتے ہوں ان کے لئے کیا سزا شرع اطہر میں ہے فقط، بینوا توجروا۔

الجواب

سزا پوچھنا لغو ہے، آج کون کس کو سزا دے سکتا ہے جو شریعت کو نہ مانے جہنم میں سزا پائے گا، جب شوہر مرجائے پورا مہر واجب ہوتا ہے اگرچہ ایک نے دوسرے کی صورت نہ دیکھی ہو اور چار مہینے دس دن کی عدت فرض ہے اس سے پہلے نکاح حرام ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] درمنثور بحوالہ ابن سعد وابن المنذر والبیہقی تحت آیۃ النبی اولٰی بالمؤمنین الخ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی المرعشی ایران ۵/ ۱۸۳

مسئلہ ۵۰ ازبلرام پور ضلع گونڈہ مرسلہ سکنڈ ماسٹر مڈل اسکول ۲ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

بکر اپنی لڑکی کا نکاح زید کے ساتھ کردینے کے لئے چند شرائط پر تیار ہے زید جو بسلسلۂ ملازمت بیس روپیہ ماہوار سے زائد حیثیت نہیں رکھتا ہے حسب حیثیت تنخواہ زائد سے زائد کتنے روپیہ پر اُس کا مہر شرعی ہونا جائز ہے اور حیثیت سے زائد مہر ہونے پر کیا مواخذہ ہے؟

الجواب

حیثیت سے زائد مہر نامناسب ہے کوئی گناہ نہیں جس پر مواخذہ ہو فان المال غاد و رائح (مال آنے جانے والی چیز ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۱ ازشہر بریلی محلہ صندل بازار مرسلہ نواب نثار احمد خاں صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی عورت فوت ہوجائے تو اس کے ورثا شرعی سے مہر عورت مذکورہ متوفیہ کا شوہر یا ورثاء شوہر بخشوالیں تو شرعاً جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب

وارثانِ زن میں جو عاقل بالغ معاف کرے گا اُس کا حصّہ معاف ہوجائے گا' اگر سب عاقل بالغ ہوں اور سب معاف کردیں تو سب معاف ہوجائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۲ ۲۰ رجب المرجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک فاحشہ سے توبہ کراکے نکاح کیا بروقت عقدِ نکاح مہر شرعی پیمبری صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر مقرر ہُوا تھا اور اُس کے قبیلہ کی کوئی عورت نہیں بلکہ اُن کا نکاح بھی نامعلوم، اب مہر مثل معلوم نہیں ہوسکتا، زید نے اُس کو قرآن مجید پڑھوایا، اب بعد فوت زید کے وہ عورت زید کو سخت سخت گالیاں دیتی ہے، یہاں تک کہ ولدالزنا بھی کہہ دیتی ہے، وہ لوگ کہ زندگیِ زید میں اُس کے سامنے نہ آتے تھے اب برابر آتے ہیں، راتوں کو گھومتی ہے، وکیلوں کے پاس جاتی ہے، اب وہ کل اشیاء پر دعوٰی کرتی ہے، مکان بیچنا چاہتی ہے تو اب اُس کا کتنا مہر ازرُوئے شرع شریف نکلتا ہے اور اس کی گفتگو ہے کہ وہ کہتی ہے مرگیا وہ جہنمی جو مجھ کو یہاں چھوڑ گیا، پڑیں اس کے لاشے میں کیڑے، تین بھائی اور والدین اور ایک ہمشیرہ بھی ہے۔

الجواب

اُس کے اقوال افعال کی سزا اللہ کے یہاں ہے اس سے اُس کا مہر یا حصّہ نہیں جاتا مہر شرعی پیمبری سے اگر لوگوں کے عرف میں اقل مقدارِ مہر مراد ہوتی ہے تو وہ دس درم ہے یعنی دو روپے پونے تیرہ آنے اور ۵/۳ پائی

اور اگر اُن کی مراد مہرِ حضرت بتول زہرا رضی اللہ تعالٰی عنہا ہوتی ہے تو وہ چار سو مثقال چاندی یعنی یہاں کے ایک سو ساٹھ روپے بھر، اور اگر مہرِ ازواجِ مطہرات مراد ہے تو پانسو درم یعنی یہاں کے ایک سو چالیس روپے، اور اگر کوئی خاص رقم ان کے ذہن میں نہیں تو مہر مثل لازم آئے گا جو ایک سو ساٹھ روپے بھر چاندی یا ایک سو چالیس روپے سے زائد نہ ہو کہ یہ قلت ضرور مراد ہوتی ہے، یہاں کے کثیر التعداد مہروں سے بھاگنے کے لئے یہ لفظ عوام نے وضع کیا ہے تو اُن سے زیادہ نہ دیا جائے گا وارث اگر کمی کا دعوٰی کریں تو بحلف کہیں کہ ایسی عمر و شکل کی بازاری عورت کا مہر مثل اتنا ہوتا ہے یا حاکم تجویز کرے جو اس مقدار سے زائد نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۳: از ضلع رائے پور سی پی مرسلہ سردار خاں صاحب کلرک مہاندی ڈویژن دفتر ۱۱ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مہر معجل کی شرط ادا کیا ہے، اور زید کا نکاح ہندہ سے بمہر معجل قرار پایا لیکن عرصہ دراز تقریباً ۲۵ سال کا گزرا کہ وہ مہر معجل ادا نہ ہوا ایسی حالت میں کیا معجل مؤجل ہوسکتا ہے یا اس مہر کا استحقاق جاتا رہا، در صورت حبطِ استحقاق آیا زید اور ہندہ کی خلوت صحیح ہوئی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ادا نہ ہونے سے مہر کا استحقاق کبھی نہیں جاسکتا اور جو مہر معجل ٹھہرا ہے وہ ہمیشہ معجل ہی رہے گا جب تک عورت اُسے اپنی رضا سے مؤجل نہ کردے، پچیس برس مطالبہ نہ کرنا اُس کے حق میں فرق نہیں لاتا، وہ اب بھی جس وقت چاہے اپنے مہر معجل کا مطالبہ کرسکتی ہے اور جب تک نہ ملے اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

(ولها منعه من الوطی) ودواعیه شرح مجمع (والسفر بها ولو بعد وطئ وخلوة رضیتها) لان کل وطأة معقود علیها فتسلیم البعض لایوجب تسلیم الباقی (لاخذ ما بین تعجیله من المهر کله او بعضه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیوی کو وطی اور اس کے دواعی سے خاوند کو منع کرنے کا حق ہے۔ شرح مجمع، سفر سے بھی، اگرچہ برضائے زوجہ وطی اور خلوت ہوچکی ہو کیونکہ ہر وطی مہر پر معقود ہوتی ہے (یعنی ہر وطی پر جداجدا مہر لازم آتا ہے) تو بعض بدل دینے سے باقی کا دے دینا ثابت نہیں ہوتا، جتنا مہر معجل بیان کیا ہو اس کی وصولی کے لئے وہ کل مہر ہو یا بعض، عورت اپنے نفس کو شوہر سے روک سکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

مسئلہ ۵۴ از مدن پور مرسلہ عزیز الدین صاحب ۲ رجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ دیہات میں ہمارے یہاں رواج ہے کہ مہر کی تفصیل نہیں ہوتی، اور بعض لوگ کرتے بھی ہیں تو اس طرح کہ زیور وغیرہ مہر معجل دیتے ہیں اور بعض قاضی مہر معجل نام رکھ دیتے ہیں ورنہ علی العموم نہ معجل نام رکھتے ہیں نہ مؤجل، تو ایسی حالت میں ہندہ اپنے شوہر زید سے مطالبہ دَین مہر کرسکتی ہے یا نہیں کہ پہلے میرا مہر ادا کردو تو میں اپنے والدین کے یہاں سے رخصت ہوں تمہارے گھر چلوں گی، اور حال یہ ہے کہ فی الحال زید کو مہر ادا کرنے کی مقدرت بھی نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ نہ مہر معجل ٹھہرا کر رخصت سے پہلے ادا کیا جائے نہ مؤجل کہ اتنی مدت معین گزرنے پر دیا جائے یا جتنا معجل ٹھہرا تھا وہ زیور وغیرہ دے کر ادا ہوچکا ہو، باقی نہ معجل ٹھہرا نہ مؤجل خواہ قاضی نے غیر معجل کہہ دیا یا کچھ نہ کہا ہو تو اب ہندہ کو جب تک طلاق یا دونوں میں سے ایک کی موت نہ واقع ہو ہرگز مطالبۂ مہر کا کچھ حق تھا نہ وہ اس لئے رخصت سے انکار کرسکتی ہے اگرچہ زید کو فی الحال ادائے مہر کی لاکھ مقدرت ہو۔ ردالمحتار کتاب القضا میں قبیل باب التحکیم ہے:

لومات زوج المرأۃ او طلقہا بعد عشرین سنۃ مثلا من وقت النکاح فلہا طلب مؤخر المہر لان حق طلبہ انما ثبت لہا بعد الموت او الطلاق لا من وقت النکاح[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اگر خاوند فوت ہوجائے یا نکاح سے بیس سال بعد طلاق دے تو بیوی کو مؤخر کردہ مہر طلب کرنے کا حق ہے، کیونکہ اس مہر کے مطالبہ کا حق موت یا طلاق کے بعد ہی ثابت ہوتا ہے نہ کہ نکاح کے وقت سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۵۵ از رچھا مرسلہ رفیق احمد صاحب ۸ رجب شریف یوم دوشنبہ ۱۳۳۸ھ

ایک عورت سے اس کے خاوند نے کہا تو اپنا مہر معاف کردے، اس نے کہا کہ میں معاف نہیں کرتی، اس پر اس کے خاوند نے سخت پریشان کیا اور تنگ رکھا اور ساس سسر نے بھی بُرا بھلا کہا لہٰذا وہ عورت اپنے ماں باپ کے یہاں آگئی ہے اس کا خاوند لینے آیا تو اس نے سوال کیا کہ میں اپنا مہر جب تک کُل نہ لُوں گی جب تک نہ جاؤں گی، اس کے خاوند نے کہا کہ ہم تم کو زبردستی پکڑلے جائیں گے، اور یہ بھی کہا کہ تو مہر کا کیا کرے گی، تو اس نے کہا کہ میں مسجد بنواؤں گی۔ اب عرض یہ ہے کہ پنچ لوگ بلا مہر ادا کرائے

---

[1] ردالمحتار کتاب القضا دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

اس کو زبردستی لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ میاں بیوی میں نااتفاقی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بیانِ سائل سے معلوم ہُوا کہ مہر بلا میعادی ہے، لہٰذا قبل موت یا طلاق اُس کے مطالبہ کا عورت کو کچھ اختیار نہیں، نہ اس کی وجہ سے اپنے آپ کو شوہر سے روک سکتی ہے، اُسے شوہر کے یہاں جبراً جانا ہوگا اور شوہر پر حرام قطعی ہے کہ اس پر معافی مہر کا جبر کرے، اور اگر جبر کرکے معاف کرالے گا معاف نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۶: از رامسہ تحصیل گوجرخاں ڈاکخانہ جاتلی ضلع راولپنڈی مرسلہ قاضی تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

ایک مرد اور زوجہ صرف اوّل روز ایک کوٹھے میں رہے ہیں اور دشمن گرد گرد کوٹھے کے مارنے کے لئے کھڑے رہے ہیں، اور زوجین کو بھی یہ حالت معلوم تھی، علی الصباح اس مرد نے عورت کو طلاق دے دی ہے، مرد دخول کا مقر اور عورت منکر ہے، اب یہ دخول یا خلوت صحیحہ قابل اعتبار ہے یا نہیں۔

الجواب

اگر کوٹھے کا دروازہ اندر سے بند ہے اور مسقف ہے یا دیواریں بلند ہیں کہ دشمنوں کے گھس آنے کا اندیشہ نہیں تو خلوت صحیح ہے ورنہ نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

تصح علی سطح کا نا فوقہ وحدھما وامنا من صعود احد الیھما[1] اھ ملتقطا۔

ایسی سطح ہو جس پر صرف دونوں میاں بیوی ہوں اور کسی تیسرے کے وہاں چڑھنے سے بے فکر ہوں تو خلوت صحیح ہے اھ ملتقطا (ت)

صورت اگر پہلی تھی تو عورت کا دخول سے انکار بیکار رہے کہ مہر کامل بہرحال لازم ہوگیا دخول ہُوا یا نہیں، ہاں صورتِ ثانیہ میں شوہر کا کہنا کہ دخول ہُوا کُل مہر لازم ہونے کا اقرار ہے اور عورت کا انکار اس کا رَد ہے اور اقرار مقرلہ کے انکار سے رَد ہوجاتا ہے تو صرف نصف مہر پائے گی ھذا ما ظھر لی (یہ جو مجھے معلوم ہوا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۷: از پنڈول بزرگ ڈاکخانہ رائے پور ضلع مظفر پور مسئولہ نعمت اللہ شاہ صاحب خاکی بورایا ۹ محرم ۱۳۳۹ھ

اگر کسی نے بی بی کے نزع کے وقت اس سے کہا کہ میرا دَین مہر معاف کیا اس نے زبان سے بوجہ

---

[1] ردالمحتار باب المہر مطلب فی احکام الخلوۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۴۰/۲

آواز بند ہوجانے کے جواب نہ دیا لیکن سر ہلادیا تو اس کا دین مہر معاف ہُوا یا نہیں ؟

الجواب

مرض الموت میں مہر کی معافی بے اجازت دیگر ورثاء معتبر نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۸ از اودیپور میواڑ ہاتھی دروازہ مدرسہ شرفیہ مسئولہ عبدالرحیم خلف مولوی شرف شاہ صاحب ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

ایک شخص وزیر خاں نے دو عورتیں کیں اور ہر دو عورتوں کے تین تین بچے ہیں ، سابق عورت کو بوجہ معمولی لڑائی کے طلاق دے کر ایک طلاق کی تحریر لکھ دی اس میں یہ مضمون درج کیا کہ جو کہ تیرا مہر ہے اُس میں تیرے بطن کے دونوں بچے تجھ کو مہر میں دئے ، اور حمل سے بھی تھی ، بعد طلاق کے لڑکی بھی پیدا ہُوئی ، وزیر خاں فوت ہوگیا ، بعد عدت کے اس عورت نے نکاح ثانی کرلیا ، اب یہ اس وقت بالکل بچے بالغ ہیں اور آوارہ ہیں سو یہ لڑکے جدی حق پانے کے حقدار ہیں یا نہیں ۔

الجواب

دونوں لڑکے اور وُہ لڑکی اپنے باپ کے مال میں حصہ پائیں گے اور طلاق شدہ اگرچہ حصہ نہ پائے گی مگر مہر کی مستحق ہے ، اور وُہ جو کہہ دیا تھا کہ دونوں بیٹے تیرے مہر میں دئے فضول تھا اس سے مہر ادا نہیں ہوتا ، ہاں اگر عورت نے یہ کہہ دیا ہو کہ دونوں بیٹے میرے دو میں نے مہر چھوڑا ، تو مہر نہ پائے گی ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۵۹ از کریلی گنج ضلع نرسنگ پور ڈاک خانہ و تحصیل نرسنگ پور مسئولہ الٰہی بخش صاحب ۶ محرم ۱۳۳۹ھ

زید اپنی عورت ہندہ کو عرصہ تقریباً پانچ سال سے علیحدہ کئے ہُوئے ہے ، ہندہ کے ماں باپ اس عرصہ مذکورہ میں چند مرتبہ اپنی لڑکی کو زید کے گھر چھوڑ آئے لیکن بوجہ عدم توجہی زید، زید کی ماں بہن ہندہ کو اقسام اقسام کی تکالیف دیتے ہیں جو اس سے برداشت نہیں ہوسکتیں ، مزید برآں نان نفقہ کی بھی کفالت نہیں کرتا ، نہ اس کو رخصت دیتا کہ وُہ اپنا دوسرا تدارک کرے اور مہر ہندہ کا تعدادی پانچ ہزار از قسم معجل ہے ، اب ہندہ اپنے ماں باپ کے یہاں ہے ، پس ایسی صورت میں ہندہ زرمہر کچہری سے پانے کی مستحق ہوسکتی ہے یا نہیں اور اپنے نفس کو اُس سے علیحدہ کرسکتی ہے یا نہیں ؟ کیونکہ زید کی نیت صرف اُس کو اور اُس کے ماں باپ کو اذیت پہنچانی ہے ، ورنہ اُس کا وجہ کفاف ایسا ہے کہ وُہ اپنی زوجہ کو متوسط حالت پر نان نفقہ کی کافی طور پر امداد پہنچاسکتا ہے ، اس لئے عرض ہے کہ موافق شرع شریف جو ہندہ کے حق میں انسب ہو اس سے ابلاغ فرمایا جائے ۔

الجواب

مہر اگر واقعی معجل بندھا ہے تو ہندہ ہر وقت اس کا مطالبہ کرسکتی ہے، زید نہ دے تو بذریعہ نالش وصول کرے، اور جب تک نہ ملے ہندہ کو اختیار ہے کہ اپنے نفس کو زید سے روکے اور اس کے گھر نہ جائے، اور اس روکنے کی وجہ سے ہندہ کا نان نفقہ زید پر سے ساقط نہ ہوگا،

لانہا منعت بحق فلم تکن ناشزۃ والمسئلۃ فی الدر المختار من الاسفار۔

کیونکہ بیوی نے اپنے حق کے لئے خاوند کو منع کیا ہے لہٰذا نافرمان نہ ہوگی اور مسئلہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ (ت)

ہاں یہ ناممکن ہے کہ ہندہ بغیر طلاق یا موتِ شوہر وانقضائے عدت دوسرے سے نکاح کرسکے، قال تعالٰی: والمحصنٰت من النسآء[1] (شادی شدہ عورتیں تم پر حرام ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۰: از شہر محلہ برہمپورہ مسئولہ حاجی شاہ محمد عرف کمال اللہ شاہ صاحب ۲۶ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ معصومن زوجہ لعل محمد کے مہر کا حال اس طرح معلوم ہوا ہے کہ وہ خود کہتی ہے کہ میرا ایک سو دس روپیہ کا مہر ہے اور وکیل وگواہ نکاح مسماۃ مذکورہ کے فوت ہوگئے کوئی زندہ نہیں ہے، اس کی چچازاد بہنیں چار ہیں جن میں سے تین کے مہر کی تعداد معلوم نہیں، سب یہی کہتے ہیں کہ شرع پیغمبری تھا اور ایک چچازاد بہن کا مہر مبلغ پانچسو روپیہ ہونا معلوم ہوا ہے جو کہ مسمّی ننھے کی زوجہ ہے، ایسی صورت میں مسماۃ معصومن کا مہر کیا قائم کیا جائے گا؟

الجواب

جبکہ عورت ایک سو دس روپے اپنا مہر بتاتی ہے اور اس سے زائد بھی اُس کے خاندان میں باندھا گیا ہے اور اس کے خلاف پر کوئی شہادت نہیں تو اس پر اس سے حلف لیا جائے، اگر حلف سے کہہ دے کہ میرا مہر ایک سو دس روپے بندھا تھا تو ایک سو دس دلائے جائیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

امرأۃ ادعت علٰی زوجہا بعد موتہ ان لہا علیہ الف درہم من مہرہا فالقول قولہا الٰی تمام مہر

اگر خاوند کے فوت ہوجانے کے بعد بیوی نے دعوٰی کیا کہ میرے مہر کے ہزار درہم اس کے ذمہ ہیں تو اس کی بات مہر مثل کی حد تک قابل قبول ہوگی محیط السرخسی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

مثلہا[۱] کذا فی محیط السرخسی۔ واللہ تعالٰی اعلم میں ایسے ہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱ از شہر محلہ بہاری پور مسئولہ حاجی کفایت اللہ صاحب ۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں کہ ہندہ بہت محتاج ہے اور خانہ ویران بظاہر کوئی حیلہ رزق نہیں رکھتی، اس کا بھائی زید مزدوری کرکے لاتا ہے اس میں دونوں گزر کرلیتے ہیں، ہندہ کے خسر نے بعد اپنی موت کے ایک مکان تقریباً ڈیڑھ سوگز وسعت کا چھوڑا جو اب ٹوٹ پھوٹ گیا، اس کے دو وارث ہوئے، ہندہ کا شوہر اور دوسرا ہندہ کا جیٹھ، ہندہ کے جیٹھ نے اپنا حصہ اپنے لڑکے کو دے دیا، اب ہندہ کے شوہر کے حصے پر قبضہ کرکے بیچنا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں ہندہ کا کیا حق ہے اس واسطے کہ میرے بھائی کو غائب ہوئے تقریباً تیس برس ہوگئے، غالباً مرگیا، کیونکہ پانچ چھ برس سے اُس کی خبر نہیں، اور قانون کہتا ہے کہ تیس برس کے بعد دعوٰی مہر نہیں چل سکتا ہے اور وکیل کہتا ہے کہ دعوٰی مہر کو تم کو ملے گا، اور وکیل یہ رائے دیتا ہے کہ تمہارا دعوٰی چلے گا اس صورت میں کہ ہندہ کہے میرے شوہر کے مرنے کی خبر تو تم نے مجھے آج دی ہے میں ابھی تک اپنے آپ کو بیوہ نہیں جانتی تھی میں جانتی تھی کہ وہ زندہ ہے اگر اب تم کہتے ہو کہ مرگیا تو آج سے تین برس تک مہر طلب کرنے کا مجھ کو حق ہے ہندہ کے عزیزوں میں سے کسی کو مہر کی تعداد یاد نہیں اس نکاح کو کم وبیش چالیس برس ہوئے ہوں گے ہندہ کو خوب یاد ہے کہ میرا مہر دو سو روپے تھا اور میں سُنتی ہوں کہ میری والدہ اور پھوپی کا مہر بھی دو سو روپے تھا اور اب میری بھتیجیوں اور میرے بھائیوں کا مہر بھی دو سو روپے ہے اب ہندہ کے اقوال پر اُن کا حق شرعی دلانے کے لئے اہل محلہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مہر دو سو روپے کا تھا ان کے لئے کچہری میں اس کا حق شرعی دلانے کے لئے یہ کہہ دینا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہاں دو سو روپے تھا، ان لوگوں کی گواہی پر اگر اُس کا حق ان شاء اللہ تعالٰی ملے گا تو اس کا جینا اور مرنا باآسانی ہوجائے گا کسی وقت ہندہ کے جیٹھ نے ہندہ کی خبر نہیں لی کہ وہ کس حالت میں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہندہ جبکہ دو سو روپے مہر بیان کرتی ہے اور اُس وقت کا کوئی گواہ نہیں اور ثابت ہو کہ یہ اس کا خاندانی مہر مثل ہے تو ضرور دو سو روپے دلائے جائیں گے، گواہوں کی گواہی یہ جائز نہ ہوگی ہمارے سامنے دو سو روپے کا مہر بندھا تھا، بلکہ یہ گواہی دینا کہ اس کا مہر مثل دو سو روپے ہے، یہی گواہی اس کی ڈگری کے لئے کافی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[۱] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۲۲

مسئلہ ۶۲ حفیظ اللہ خاں صاحب محلہ ٹیکور قصبہ چنار پوسٹ آفس چنار ضلع مرزا پور ۸ جمادی الآخر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص سال بھر اور تین ماہ پردیس رہا بعدہٗ جب اپنے مکان پر واپس آیا تو معلوم ہوا کہ اس کی بیوی کو آٹھ مہینے کا حمل ہے موقع سے وہ شخص مذکور طلاق دینے پر آمادہ وتیار ہے ایسی حالت میں بعد طلاق کے وہ عورت کچہری مجازمیں مہر کا دعوٰی کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور شرعًا مہر پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اس وجہ سے اُس کا طلاق پر آمادہ ہونا محض ناواقفی ہے، شریعت میں حمل کی مدت دو برس کامل ہے اتنی مدت تک بچہ پیٹ میں رہ سکتا ہے اور دایہ وغیرہ کی یہ شناخت کہ آٹھ مہینے کا ہے کچھ معتبر نہیں، بہرحال اگر طلاق دے گا مہر واجب الادا ہوگا اور اگر مرد کی جھوٹی بدگمانی بالفرض صحیح ہو جب بھی عورت مہر کی مستحق ہے کہ معاذ اللہ زنا سے مہر ساقط نہیں ہوتا، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۳ ۱۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا اور اس کی حیات میں اس کی چھوٹی بہن کے ساتھ نکاح کیا، نکاح دوم جائز ہے یا ناجائز؟ اور ان دونوں عورتوں سے جو اولاد ہوگی وہ کیسی ہوگی؟ اور زید کا متروکہ پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اور یہ دونوں عورتیں مہر پانے کی مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب

زوجہ جب تک زوجیت یا عدت میں ہے اس کی بہن سے نکاح حرام قطعی ہے۔ قال تعالٰی: وان تجمعوا بین الاختین[1] (حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو۔ ت) اس سے جو اولاد ہوگی شرعًا اولاد حرام ہے مگر ولد الزنا نہیں اسے ولد حرام بمعنی ولد الزنا کہنا جائز نہیں جب تک اس دوسری کو ہاتھ نہ لگایا تھا پہلی حلال تھی اس وقت تک کے جماع سے جو اولاد پہلی سے ہوئی ولد حلال ہے اور بعد کے جماع سے جو اولاد ہو وہ بھی شرعًا اولاد حرام ہے مگر ولد الزنا نہیں، دونوں عورتوں کی سب اولادیں کہ زید سے ہوئیں زید کا ترکہ پائیں گی کہ نسب ثابت ہے، ہاں زوجہ ثانیہ ترکہ نہ پائے گی کہ نکاح فاسد ہے، دونوں عورتیں مہر کی مستحق ہیں پہلی مطلقًا اور دوسری اس صورت میں کہ حقیقۃً اس سے جماع کیا ہو فقط خلوت کافی نہیں، پھر پہلی اپنا پورا مہر پائے گی اور دوسری مہر مثل، اور جو مہر بندھا تھا ان دونوں میں سے جو کم ہو وہ پائے گی، درمختار میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۳

یجب مهر المثل فی نکاح فاسد وھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود[1] (ومثلہ تزوج الاختین معا ونکاح الاخت فی عدۃ الاخت[2] اھ ش) بالوطئ فی القبل لابغیرہ کالخلوۃ و لم یزد علی المسمی لرضاھا بالحط ولوکان دون المسمی لزم مہر المثل[3]۔

نکاحِ فاسد میں مہرِ مثل واجب ہوتا ہے نکاحِ فاسد وہ ہے جس میں صحتِ نکاح کی کوئی شرط مفقود ہوجیسے گواہ نہ ہوں، اوراسی طرح ہے دو بہنوں سے اکٹھا نکاح کرنا، اور ایک بہن کی عدت میں دوسری سے نکاح کرنا اھ ش) نکاحِ فاسد میں مہرِ مثل واجب ہوتا ہے اور صرف وطی سے واجب ہوتا ہے کسی اور چیز سے نہیں مثلاً خلوت سے نہیں اور یہ مہرِ مثل، مقررہ سے زائد نہ ہوگا بسبب راضی ہوجانے عورت کے کمیِ مہر پر اور اگر مہرِ مثل کم ہو مہرِ مسمّی سے تو بھی مہرِ مثل ہی لازم آئے گا۔(ت)

ہدایہ باب نکاح الرقیق میں ہے:

بعض المقاصد فی النکاح الفاسد حاصل کالنسب ووجوب المھر والعدۃ[4]۔

بعض مقاصد نکاحِ فاسد میں حاصل ہوجاتے ہیں، جیسا کہ نسب، وجوب مہر اور عدت (ت)

درمختار میں ہے:

یستحق الارث بنکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولا باطل اجماعا[5]۔ واللہ تعالٰی اعلم

وراثت کا استحقاق صحیح نکاح سے ہوتا ہے لہذا فاسد یا باطل نکاح سے وراثت کا استحقاق بالاجماع نہ ہوگا۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۶۴: از رامپور مدرسہ انوار العلوم مسئولہ جلال الدین پٹھان ۱۶ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ مدعیہ نے اپنے گواہان سے یہ ثابت کیا کہ میرا دین مہر ایک لاکھ روپے کا تھا، فریق ثانی نے گواہان سے اس امر کا ثبوت پیش کیا کہ ہندہ کا دین مہر دس ہزار روپے کا تھا، صورتِ مسئولہ میں گواہان کمیِ مہر کے معتبر ہوں گے یا زیادتی

---

[1] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۱
[2] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۳۵
[3] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۱
[4] ہدایہ | باب نکاح الرقیق | مکتبہ عربیہ کراچی | ۱/۳۲۰
[5] درمختار | کتاب الفرائض | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۳۵۲

کے - بینوا توجروا

الجواب

اگر شوہر زندہ اور نکاح قائم ہے یا طلاق بعد خلوت ہوئی ہے یا شوہر مرگیا اور عورت کی نزاع اُس کے وارثوں سے ہے ان سب صورتوں میں دیکھا جائے کہ عورت کا مہر مثل دس ہزار خواہ کم ہے یا ایک لاکھ خواہ زائد یا دس ہزار سے زیادہ ایک لاکھ سے کم ہے - پہلی صورت میں عورت کے گواہ معتبر ہیں لاکھ روپے کی ڈگری ہوگی - دوسری صورت میں فریق ثانی کے گواہ معتبر ہیں دس ہزار دلائے جائیں گے - تیسری صورت میں جتنا مہر مثل ہے اُتنے کی ڈگری دیں گے - یہ سب اُس حال میں ہے کہ دونوں کے گواہ قابل قبول شرع ہوں اور وجہ شرع پر شہادت ادا کی ہو، اور اگر اُن میں ایک ہی فریق کے گواہ ایسے ہیں تو مطلق انھیں کا اعتبار ہوگا خواہ لاکھ کے ہوں یا دس ہزار کے، دوسرے فریق کی شہادت کالعدم ہوگی، اور اگر دونوں فریق کی شہادت شرعاً کالعدم ہو تو پہلی صورت میں فریق شوہر سے حلف لیں گے کہ لاکھ روپے مہر نہ بندھا تھا اگر قاضی کے حضور حلف سے انکار کردے گا لاکھ کی ڈگری ہوگی اور حلف کرلے گا تو دس ہزار کی - دوسری صورت میں ہندہ سے حلف لیں گے کہ دس ہزار مہر نہ بندھا تھا، اگر قاضی کے سامنے حلف سے انکار کردے گی دس ہزار پائے گی اور حلف کرلے گی تو لاکھ، اور تیسری صورت میں دونوں فریق پر حلف رکھیں گے جو قاضی کے یہاں حلف سے انکار کرے گا دوسرے کا دعویٰ ثابت ہوجائے گا اور دونوں حلف کرلیں گے مہر مثل دلایا جائیگا، اگر زن و شو میں طلاق قبل خلوت کے بعد اختلاف ہوا تو مطلقاً قولِ شوہر حلف سے معتبر ہے - جس طرح بعد موت زوجین اُن کے ورثہ میں اختلاف ہو تو مطلقاً وارثانِ شوہر کا قول معتبر ہے - درمختار میں ہے :

(ان اختلفا) فی المھر (فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شھد لہ مھر المثل) بیمینہ (وای اقام بینۃ قبلت سواء (شھد لہ اولھا اولا وان اقاما فبینتھا) مقدمۃ (ان شھد لہ وبینتہ ان شھد لھا و ان کان بینھما تحالفا فان حلفا او برھنا قضی بہ وان برھن احدھما قبل

نکاح کے دوران اگر خاوند بیوی کا مہر کی مقدار میں اختلاف ہوا تو مہر مثل کی بنیاد پر فیصلہ ہوگا لہذا مہر مثل جس کی تائید کرے گا اس کی بات قسم لے کر تسلیم کی جائے گی، اور جس نے گواہ پیش کردیئے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی، مہر مثل بیوی یا خاوند کی تائید کرے یا کسی کی نہ کرے، ہر طرح گواہی مقبول ہوگی، اگر دونوں نے گواہ پیش کردیئے تو بیوی کے گواہوں کو اولیت ہوگی اگر مہر مثل خاوند کی تائید کرے اور خاوند کی شہادت کو اولیت

برھانہ) لانہ نور دعواہ اھ (ملخصاً) **اقول** قولہ وان کان بینھما مسألۃ مستانفۃ غیر داخلۃ تحت قولہ "وان اقاما" جمع فیہ ما اذا برھن احدھما او کلاھما او لا احد فبین احکام الصور الثلاث وقد اختار قول ابی بکر الرازی الذی صححہ قاضیخان فی شرح الجامع الصغیر والسغناقی فی النھایۃ وجزم بہ فی الملتقی وقدمہ فی الھدایۃ و التبیین وغیرھما أن لا تحالف الا اذا کان المھر بینھما أفسقط کلا اعتراضی العلامۃ الشامی انہ کان علیہ حذف قولہ "تحالفا" لانہ اذا برھنا لا تحالف وان قولہ "وان برھن احدھما" یغنی عنہ قولہ قبلہ "وای اقام بینۃ قبلت" فللہ درہ ما امھرہ کو قول الکرخی انھما یتحالفان مطلقا سواء شھد المھر لہ اولھا او لا وصححہ فی المبسوط والمحیط وجزم بہ فی الکنز فی باب التحالف **اقول** لکن الاول ھو المذکور فی الجامع الصغیر کما فی ش فترجح بہ بعد تکافؤ التصحیحین خلافا لما فی البحر انہ لم یر من رجح الاول فلذا جعلنا علیہ المحول وباللہ التوفیق۔

ہوگی اگر مہرِ مثل بیوی کی تائید کرے اور مہرِ مثل دونوں کے مابین ہو یعنی کسی کی تائید نہ کرے تو دونوں سے قسم لی جائیگی پھر اگر دونوں نے قسم کھائی یا دونوں نے گواہ پیش کئے تو قاضی مہرِ مثل کا فیصلہ کرے اور اگر صرف ایک نے شہادت پیش کی تو قاضی اس کی شہادت پر فیصلہ دے کیونکہ اس نے اپنے دعوٰی کو روشن کردیا اھ (ملخصاً) **اقول** اس کا قول "ان کان بینھما" سے نیا مسئلہ شروع کیا ہے یہ پہلے مذکورہ ان اقاما" کے تحت داخل نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں انھوں نے تین صورتوں کو جمع کیا ہے کہ کسی نے گواہ پیش نہ کئے، یا ایک نے کئے، یا دونوں نے کئے، تو تینوں صورتوں کے احکام بیان کئے اور ابوبکر رازی کے قول کو مختار رکھا جس کو قاضی خاں نے شرح جامع صغیر میں اور سغناقی نے نہایہ میں صحیح قرار دیا ہے، اور اس پر ملتقی میں جزم کیا ہے، اور اسی کو ہدایہ میں اور تبیین وغیرہما میں مقدم رکھا کہ جب مہرِ مثل دونوں کے دعووں کے درمیان ہو تو دونوں سے قسم صرف اسی صورت میں لی جائیگی، تو اس سے علامہ شامی کے دونوں اعتراض ساقط ہوگئے کہ مصنّف پر لازم تھا کہ وہ "تحالفا" کو حذف کرتے، کیونکہ جب دونوں نے گواہ پیش کردئے تو اب دونوں پر قسم نہیں ہوگی۔ اور دُوسرا یہ اعتراض کہ اس کا قول "ان برھن احدھما" سے ان کا پہلا قول "وای اقام بینۃ قبلت" مستغنی کرتا ہے الخ تو اللہ تعالٰی کے لئے ہی مصنّف کی بھلائی ہے انھوں نے کیا مہارت دکھائی۔ اور امام کرخی کا قول ہے کہ مطلقاً دونوں قسم دیں، مہرِ مثل دونوں سے کسی کی تائید کرے یا نہ کرے اس کو مبسوط و محیط میں صحیح قرار دیا، اور کنز کے

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳-۲۰۲

باب تحالف میں اس پر جزم کیا، **اقول** لیکن پہلا قول جامع صغیر میں مذکور ہے جیسا کہ شرح میں ہے تو دونوں تصحیحات کے مساوی ہونے کے بعد یہ ترجیح بن جائے گی، بحر میں اس کے خلاف ہے، انھوں نے پہلے کو ترجیح دینے والا کوئی نہ پایا' تو اسی بنا پر ہم نے اس پر نشان وہی کر دی، توفیق من جانب اللہ ہے۔ (ت)

بدائع وہندیہ میں ہے:

ولو اختلفا بعد الطلاق بعد الدخول او الخلوۃ فکما لو اختلفا حال قیام النکاح' وان کان قبل الدخول والخلوۃ والمھر دین فاختلفا فی الالف والالفین فالقول قول الزوج ویتنصف ما یقول الزوج ولم یذکر الخلاف ذکرہ الکرخی وحکی الاجماع وقال نصف الالف فی قولھم[1] اھ وصححہ فی البدائع وشرح الطحاوی ورجحہ فی الفتح۔

اگر خاوند بیوی نے طلاق کے بعد اختلاف کیا جبکہ دخول یا خلوت ہو چکی تھی تو حکم وہی ہے جو حالت نکاح میں اختلاف کا تھا، اور اگر یہ اختلاف طلاق قبل از دخول و خلوت کے بعد ہوا اور مہر دین ہو تو ہزار اور دو ہزار میں اختلاف ہوا تو اس میں خاوند کا قول معتبر ہے، لہذا خاوند کے بیان کردہ کا نصف دیا جائے' اور انھوں نے کرخی کا بیان کردہ خلاف ذکر نہیں کیا اور اجماع کو حکایت کرکے یہ کہہ دیا کہ سب کے قول میں ہزار کا نصف ہوگا اھ اس کو بدائع میں اور شرح طحاوی میں صحیح کہا، اور فتح میں اس کو راجح قرار دیا۔ (ت)

تبیین الحقائق وعالمگیریہ میں ہے:

فان مات الزوجان ووقع الاختلاف بین الورثۃ فی مقدار المسمی فالقول قول ورثۃ الزوج[2]

اگر خاوند بیوی دونوں فوت ہو جائیں اور ان کے وارثوں میں مقررہ مہر کے بارے میں اختلاف ہوا تو خاوند کے ورثاء کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فیلزمھم ما اعترفوا بہ بحر، ولا یحکم بمھر المثل لان اعتبارہ یسقط عند ابی حنیفۃ بعد موتھما درر اھ[3]، کذا ھو فی نسختی بمھر المثل

تو ان پر اپنے اقرار کے مطابق لازم ہوگا، بحر۔ اور مہر مثل پر فیصلہ نہ دیا جائے گا، کیونکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں دونوں کی فوتگی کے بعد مہر مثل کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے، درر، اھ۔ اور

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی عشر اختلاف الزوجین فی المھر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۲۱

[2] " " " " " "

[3] ردالمحتار باب المھر مسائل الاختلاف فی المھر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۲

اقول میرے پاس نسخہ میں "بمھر المثل" باء کے ساتھ ہے باء کو ساقط کرنا اولٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اقول والاولی اسقاط الباء۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۵ و ۶۶ ازریاست جاورہ لال اہلی مسئولہ ممتاز علی خاں صاحب اہلکار محکمہ حساب ۲ شوال ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے لئے مہر کا ہونا لازم ہے جو عموماً متعین ہوتا ہے مہر کی نقد اُدھار بھی ضروری ہے اگر عورت چاہے تو کیا سب مہر کو مثل نقد یا مثل اپنے مطالبہ یا قرضہ کے حاصل کرسکتی ہے اس کی حسب ذیل تشریح فرمادی ہے:

(الف) مہر معجل کی یہ تعریف ہے کہ تاوقتیکہ زوجہ تمام وکمال مہر معجل وصول نہ کرے اُسے اختیار ہے کہ خواہ وہ زوج کے گھر جائے یا نہ جائے یا اس سے بات چیت کرے یا نہ کرے، پس اگر زوج نے دھوکے سے منجملہ مہر معجل جو زیور ہندہ کو دیا تھا وہ نکاح کے بعد جب دُلھن گھر گئی واپس لے لیا پس اب زوج بھی اس کا مقروض سمجھا جائے گا یا نہیں اور زوج نے منجملہ مہر معجل کے پانسو روپیہ کا مکان حسب منشاء زوجہ خود خرید کردینے کا تحریری اقرار کیا تھا تو کیا ہندہ اب مہر معجل پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیا جب تک اُسے مہر معجل نہ پہنچے اسے زوج کے گھر جانا چاہئے یا نہیں، اگر اسے اختیار ہے تو کیا جب تک شوہر مہر معجل ادا نہ کردے وہ نان و نفقہ پاسکتی ہے یا نہیں؟

(ب) مہر غیر معجل نکاح اور خلوتِ صحیحہ کے بعد کب سے کب تک زوجہ پاسکتی ہے کیونکہ مہر غیر معجل کے لئے کوئی زمانہ مقرر نہیں، اگر بعد خلوتِ صحیحہ ہر وقت مہر پانے کی مستحق ہے تو جب تک اپنا مہر اتنا نہ وصول کرلے زوج کے گھر رہنے سے انکار کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نکاح کے لئے مہر لازم ہے بایں معنی کہ مہر کا ذکر نکاح میں ہو یا نہ ہو بلکہ مہر کی نفی شرط کرلی ہو جب بھی مہر دینا آئے گا تعیین مہر نکاح کے لئے کچھ ضرور نہیں، اگر تعیین نہ ہوگی مہر مثل دینا پڑے گا، مہر کہ نکاح میں مقرر کیا جاتا ہے تین قسم ہے:

معجل، مؤجل، مؤخر۔

معجل وہ کہ قبل رخصت دینا قرار پائے۔ عورت کو اختیار ہے کہ جب تک اُسے تمام وکمال وصول نہ کرلے شوہر کے یہاں نہ جائے، اور اس نہ جانے سے وہ نفقہ سے محروم نہ ہوگی، پانسو روپیہ کا مکان اگر منجملہ مہر قرار پایا تھا تو اس کے وصول تک بھی ہندہ اپنے آپ کو روک سکتی ہے۔ زیورات جو مہر معجل میں دئے گئے تھے وہ مہر ادا ہوگیا، پھر اگر زوج نے دھوکا دے کر واپس لے لئے تو اس سے مہر معجل اس کے ذمہ عود نہ کرے گا

اور اس کی وجہ سے عورت کو اپنے نفس کے روکنے کا اختیار نہ ہوگا کہ مہر تو زیور پر قبضۂ زن سے ادا ہولیا تھا، اب یہ عورت کا ایک مال ہے جو زوج نے غصب کرلیا، اگر بعینہٖ باقی ہے اُس کا واپس دینا فرض ہے اور ہلاک ہوگیا تو اس کا تاوان دے۔

اور مہر مؤجل وُہ جس کے ادا کی ایک میعاد معین قرار پائی ہو، مثلاً سال بھر بعد یا دس برس بعد، میعاد جب تک نہ گزرے عورت کو مطالبہ کا اختیار نہیں، بعد انقضائے میعاد مطالبہ کرسکے گی اور میعاد آنے پر اگر شوہر دینے میں تاخیر کرے تو اس کے لئے اپنے نفس کو نہیں روک سکتی خصوصاً جبکہ رخصت ہوچکی ہو۔

شرح جامع صغیر امام قاضی خاں میں ہے:

لوکان المھر مؤجلا لیس لھا المنع قبل حلول الاجل ولا بعدہ وعلی قول ابی یوسف لھا المنع الی استیفاء الاجل اذا لم یکن دخل بھا[1]

اگر مہر معجل ہو تو مقررہ مدت ختم ہونے سے قبل یا بعد بیوی کو منع کا حق نہیں ہے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے ایک قول پر غیر مدخول بہا کو مدت مقررہ آنے تک بیوی کو منع حق ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

وبہ یفتی استحسانا، والوالجیۃ[2]

اسی پر فتوٰی دیا جائے گا استحساناً، والوالجیہ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وفی البحر عن الفتح ھذا کلہ اذا لم یشترط الدخول قبل حلول الاجل فلو شرطہ ورضیت بہ لیس لھا الامتناع اتفاقا[3]

بحر میں فتح سے ہے یہ جب ہے کہ مقررہ مدت پوری ہونے سے قبل دخول کی شرط نہ لگائی ہو اور اگر یہ شرط لگائی گئی ہو اور بیوی کی رضامندی سے دخول ہوچکا ہو تو پھر بالاتفاق اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ (ت)

اس پر حاشیۂ فقیر جد الممتار میں ہے:

اقول وعرف بلادنا الدخول قبل اداشئی منہ والمعروف کالمشروط فلا یکون لھا الامتناع

اقول اور ہمارے علاقے کا عرف یہ ہے کہ مہر کا حصہ ادا کرنے سے قبل دخول ہوتا ہے، تو معروف

---

[1] ردالمحتار بحوالہ شرح الجامع الصغیر امام قاضیخان باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۰

[2] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۲

[3] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۵۹

اجماعا بالاتفاق[1] | مشروط کی طرح ہوتا ہے اس لئے ہمارے علاقہ میں بالاجماع بیوی کو منع کا حق نہیں ہوگا۔ (ت)

مؤخر وُہ کہ نہ پیشگی دینا ٹھہرا ہو، نہ اُس کی کوئی میعاد مقرر کی ہو اُس کا مطالبہ نہیں ہوسکتا، مگر بعد موت یا طلاق نہ اُس کے لئے کسی وقت اپنے نفس کو روک سکتی ہے۔ فتاوٰی خانیہ میں ہے:

اذا لم یصح التاجیل یؤمر الزوج بتعجیل قدر ما یتعارفہ اھل البلدۃ فیؤخذ منہ الباقی بعد الطلاق اوالموت ولا یجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولا یحبسہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب مہلت دینا صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائے گا کہ عرف کے مطابق جو قدر معجل ہو وہ ادا کرے اور باقی طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائے گا، اس سے قبل قاضی اس کو تمام مہر ادا کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا اور نہ ہی قاضی اسے قید کرسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۶۷: از قصبہ زہرہ ڈاکخانہ چڑوہ ضلع شیخاواٹی محلہ پیرزادگان مرسلہ منشی محمد علی صاحب آرم ہدرس ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

اس مسئلہ میں شریعت غرائے اسلام کا کیا حکم ہے ایک شخص نے اپنا نکاح ثانی کیا اور اپنی تمام جائداد کا مہر مقرر کیا جائداد علی التوریث چلی آرہی ہے جس میں ایک کھیت زمین بارانی مکان سکنی، آمدنی خانقاہ ہر قسم حصہ خود ایک گاؤں سے کچھ نقد رقم آتی ہے وُہ رقم حصہ خود، غرض سب جائداد منقولہ غیر منقولہ کا مہر مقرر کرکے اپنی بیوی کے نام ہبہ کردی، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا مہر لازم آئے گا؟ اُس کے ایک حقیقی بہن بھی ہے مگر یہاں رواج ہمشیر کو حصہ کا نہیں، رشتہ کے بھتیجے موجود ہیں جو حسب دستور اُس کے بعد مستحق جائداد وغیرہ ہیں، عمر ساٹھ برس ہے جو مکان اور جائداد مہر ہوکر ہبہ ہوچکی اس کے سوا اور کوئی مکان رہنے کو اور نان نفقہ کو کوئی وجہ معاش نہیں، یہاں نکاح ثانی نہیں ہوتا اب بکوشش جاری ہوا ہے یہی وجہ زیادتی مہر ہے، ان سب صورتوں میں یہ شخص یا ہر شخص ایسا مہر مقرر کرسکتا ہے؟

الجواب

جس قدر جائداد اُس شخص کو متروکہ پدری یا مادری سے پہنچی اُس میں سے جس قدر اس کا حصہ ہے

---

[1] جد الممتار حاشیہ ۱۷۱ المجمع الاسلامی مبارکپور، انڈیا ۲/ ۲۱۷

[2] قاضیخان باب فی ذکر مسائل المہر نولکشور لکھنؤ ۱/ ۱۷۳-۷۴

وُہ مہر میں ملکِ زوجہ ہوگیا اور جتنا حصہ اس کی بہن کا ہے اگر وُہ اجازت دے دے تو وہ بھی ملکِ زوجہ ہوگیا، اور اگر وُہ اجازت نہ دے تو حصّۂ خواہر کی جتنی قیمت ہے وہ اسے مہر میں دینا پڑے گی۔ عالمگیریہ میں ہے:

فاذا تزوجها علٰی ھذا العبد وھو ملک الغیر او علی ھذہ الدار وھی ملک الغیر فالنکاح جائز والتسمیۃ صحیحۃ فبعد ذٰلک ینظر ان اجاز صاحب الدار وصاحب العبد ذٰلک فلھا عین المسمی وان لم یجز المستحق لایبطل النکاح ولا التسمیۃ حتی لا یجب مھر المثل وانما تجب قیمۃ المسمی کذا فی المحیط۔[1]

جب کسی نے ایک خاص عبد یا ایک مکان بطور مہر پر نکاح کیا جبکہ وُہ عبد اور مکان کسی غیر کی ملکیت ہوں تو یہ نکاح جائز ہوگا، اور مہر کے طور پر ان کا ذکر صحیح ہے، بعد میں دیکھا جائے کہ اس عبد یا مکان کا مالک دینے پر تیار ہے تو وہی عبد یا مکان مذکور دیا جائے گا اور مالک دینے پر تیار نہ ہو تو پھر بھی نکاح اور مہر باطل نہ ہوگا حتی کہ مہرِ مثل واجب نہ ہوگا بلکہ اب اس عبد یا مکان کی قیمت دی جائے۔ محیط میں یُونہی ہے (ت)

آمدنی خانقاہ جیسے نذور وغیرہا کہ فی الحال معدوم ہیں وُہ داخل مہر نہ ہُوئیں مگر ان چیزوں کے نکل جانے سے جائداد کے حصص موجودہ کہ مہر کئے گئے اُن پر اثر نہ پڑے گا وُہ مہر میں ہو چکے، نہ اس کی وجہ سے مہرِ مثل لازم آئے بلکہ وہی حصص موجودہ مہر میں دے کئے جائیں گے۔ عالمگیری میں ہے:

واذا سمی فی العقد ما ھو معدوم فی الحال بان تزوجھا علی مایثمر نخیلہ العام اوعلی ماتخرج ارضہ العام او علی مایکتسب غلامہ لایصح التسمیۃ و کان لھا مھر المثل۔[2]

اگر نکاح میں ایسی چیز کو مہر ذکر کیا جو فی الحال معدوم ہے مثلاً اس سال کھجوریں یا زمین جو فصل دیں گی، یا میرا غلام اس سال جو کمائے گا وغیرہ، تو مہر میں ان کا ذکر صحیح نہیں لہذا مہرِ مثل واجب ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوسمی عشرۃ دراھم ورطل خمر فلھا المسمی ولایکمل مھر المثل بحر۔[3]

اگر مہر میں دس درم اور ایک رطل شراب مقرر کیا ہو تو بیوی کو مقررہ مہر دیا جائیگا اور مہرِ مثل کو پُورا نہ کیا جائیگا، بحر (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۰۳
[2] " " " " " "
[3] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۳۵

بھتیجے اس کے وارث ہونا یا نفقہ کے لئے کچھ پاس نہ رہنا مانع صحت مہر نہیں جو مہر میں دے چکا دے چکا، اور جو کوئی ایسا مہر باندھے گا اس کا یہی حکم ہوگا اگرچہ ایسا کرنا عقل سے بعید ہے اور وہ رواج کہ بہن کو نزکہ نہیں دیتے باطل و مردود ہے، اس سے اس کا حق ساقط نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶: از آمہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

رئیس المحققین عمدۃ الامین محافظ الدین دام لطفہ، تسلیم کے بعد عرض خدمت ہے کہ:

(۱) اگر طالق اور مطلقہ دونوں کہتے ہیں کہ نہ ہم نے وطی کی ہے نہ ایک جگہ تنہائی میں بیٹھے ہیں، اب حضور انور بتائیں کہ ان کے کہنے پر اعتماد کرکے بغیر عدت کے نکاح کیا جائے تو کچھ نکاح خواں پر تو گناہ نہیں ہے یا ہے؟

(۲) اگر محض عورت طالق کے دخول اور خلوت صحیحہ سے منکرہ ہے، اور طالق کہتا ہے میں نے دخول کیا ہے، یا برعکس ہو تو کس کے قول پر اعتماد کرکے بغیر عدت کے دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کیا جائے یا نہیں؟

(۳) ثبوت خلوت صحیحہ اور دخول کا گواہان سے ہوگا یا طالق مطلقہ نے سند فقہا مع عبارت کتب و اسم کتاب ارشاد ہو قیمت رقیمہ دی جائے گی، بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) جبکہ ظاہر حال ان کے قول کا مکذب نہ ہو تو اس کا اعتبار کیا جائے گا نکاح خواں پر کوئی الزام نہ ہوگا واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) اگر عورت خلوت صحیحہ ہونا بیان کرتی ہے اور شوہر منکر ہو تو عورت کا قول معتبر ہے۔ تنویر میں ہے:

ولو افترقا فقالت بعد الدخول وقال الزوج قبل الدخول فالقول لها[1]۔

جب دونوں میں مفارقت ہوئی تو بیوی نے کہا کہ دخول کے بعد ہوئی ہے اور خاوند نے کہا دخول سے قبل مفارقت ہوئی ہے، تو بیوی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ فقالت بعد الدخول المراد هنا الاختلاف فی الخلوۃ[2]۔

اس کے قول کہ "بیوی نے دخول کے بعد کہا" سے مراد خلوت میں اختلاف ہے۔ (ت)

اور اگر عکس ہو تو قول شوہر بدرجہ اولٰی معتبر ہے کہ وہ مقر ہے اور عورت انکار سے متعنت۔

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۰

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۳

درمختار میں ہے :

والاصل ان من خرج کلامه تعنتاً فالقول لصاحبه بالاتفاق[1]

ضابطہ یہ ہے کہ جو بھی اپنے مفاد کے خلاف بات کرے تو دُوسرے فریق کی بات معتبر ہوگی بالاتفاق۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے، تعنتاً بان ینکر ماینفعه[2] (تعنت یہ ہے کہ وُہ اپنے مفاد کے خلاف بات کرے۔ ت)

بہرحال اُن میں جو کوئی خلوت صحیحہ ہونا بیان کرتا ہو دوسرے کو قبل عدّت نکاح پر اقدام نہ چاہئے، قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم کیف وقد قیل[3] (حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام نے فرمایا، کیا کیا جائے جب بات کہہ دی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) دربارۂ دخول تو ظاہر ہے کہ گواہوں کو کچھ دخل نہیں کہ وُہ اس پر مطلع نہیں اور ظاہراً خلوت صحیحہ بھی شہادت سے جُدا۔ اُن کا علم اگر محیط ہوسکتا ہے تو صرف اتنی بات کو کہ ہمارے سامنے یہ دونوں تنہا مکان میں گئے اُس میں کوئی اور نہ تھا اور کواڑ بند کرلئے اس پر اگر ثابت ہُوئی تو صرف خلوت صحیحہ کے لئے تو یہ بھی لازم ہے کہ کوئی مانع نہ حسی ہو نہ شرعی نہ طبعی۔ اس پر شہادت نفی پر شہادت ہوگی اور وہ معتبر نہیں خصوصاً بعض موانع وُہ ہیں جو شاہدوں کی اطلاع سے ورا ہیں معہذا اگر شوہر خلوت صحیحہ ہونا بیان کرتا ہے تو وُہ مقر ہے اقرار کے ساتھ شہادت کیسی۔ اور اگر عورت بیان کرتی ہے تو وُہ منکرہ ہے اور گواہ منکر سے نہیں لئے جاتے بلکہ مدعی سے، ہاں یہ صورت متصور ہے کہ عورت اپنے اوپر سے دفع حلف کے لئے اقرار شوہر کے گواہ دے جو شہادت دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خلوت صحیحہ ہونے کا اقرار کیا،

هذا کله ماقلته تفقها والفقیر الاٰن متنزه علی جبل بعید عن وطنی وکتبی فان اصبت فمن ربی وعنده العلم بالحق وهو حسبی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ جو کچھ میں نے کہا ہے محض فہم کی بنا پر کہا ہے اس وقت میں دُور ایک پہاڑ پر تفریح میں ہُوں، اپنی کتب اور وطن سے دُور ہُوں، لہٰذا اگر یہ درست ہو تو میرے رب کی طرف سے ہے اور اس کے پاس ہی حق کا علم ہے، وہی مجھے کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسائل پر بفضلہ تعالٰی یہاں کبھی کوئی اُجرت نہیں لی جاتی اور اس کو سخت عیب سمجھا جاتا ہے ما اسئلکم

---

[1] درمختار	کتاب البیوع	باب السلم	مطبع مجتبائی دہلی	۲/۴۹
[2] ردالمحتار		" "	داراحیاء التراث العربی بیروت	۴/۲۱۱
[3] صحیح البخاری		باب الرحلۃ فی المسألۃ النازلۃ	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱/۱۹

علیہ من اجر ان اجری الا علی رب العلمین[1] (تم سے کسی اجر کا سوال نہیں میرا اجر اللہ تعالٰی کے ہاں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۲: از کانپور طلاق محال مکان ابوالضیا حکیم نور الدین صاحب مسئولہ عبید اللہ صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

(۱) کسی قبیلہ میں یہ رسم ہے کہ عقد کے پیشتر جو کچھ شرائط متعلق عقد کرنا ہوتے ہیں نوشاہ سے بتوسط والدین یا کسی دیگر عزیز قریب کے اس طرح پر طے کرتے ہیں کہ نوشاہ بالکل خاموش بیٹھا رہتا ہے اور دوسرے لوگ جو کچھ اس کے واسطے طے کر دیتے ہیں اس کا وہ پابند سمجھا جاتا ہے اور پابندی بھی کرتا ہے تو کیا زید کو جو اسی قبیلہ کا ہے اور اس سے بھی اس رسم قبیلہ کے مطابق یہ طے کیا گیا ہے کہ وہ بعد بلوغ زوجہ کے سسرال میں رہ کر نان ونفقہ کی خبرگیری کرتا رہے گا اور بعوض دین مہر جس کی تعداد پانچ ہزار پانچسو ۵۵۰۰ ہے جائداد غیر منقولہ بنام زوجہ خود دو سال کے اندر خرید دے گا یا نقد ادا کر دے گا مگر بعد عقد کے زید ان معاہدوں کو پورا کرنے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے معاہدہ میرے والد سے ہوا تھا نہ کہ مجھ سے، حالانکہ معاہدہ کے وقت زید بھی موجود تھا اور باوجود بالغ ہونے کے اُس نے معاہدہ کے کسی جُز سے انکار نہیں کیا، تو کیا ایسی صورت میں حسبِ رواجِ قبیلہ زید ان معاہدوں کے پورا کرنے کا ذمہ دار ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۲) ہندہ کا عقد زید سے اس طرح پر ہوا کہ حسبِ رواجِ قبیلہ عقد سے چار یوم پیشتر زید سے بتوسط والدین یہ طے پایا تھا کہ مہر مؤجل بااجل دو سال مقرر ہے اس طرح پر کہ جاہے دو سال کے اندر بعوض دین مہر مبلغ ساڑھے پانچہزار روپیہ کے جائداد غیر منقولہ بنام ہندہ خرید کر دی جائے گی یا مبلغ ساڑھے پانچ ہزار روپیہ نقد بابت دین مہر ادا کر دیا جائے گا مگر بروقت عقد یہ تفصیل دہرائی نہیں گئی صرف اتنا کہا گیا کہ مہر مؤجل تعداد ساڑھے پانچہزار روپیہ تو کیا یہ مہر مطلق میں شمار کیا جائے گا یا باجل دو سال مؤجل ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) شرع مطہر کا قاعدہ عامہ ہے کہ المعروف کالمشروط (عرف کا رواج مشروط کی طرح ہے۔ت) جبکہ ان لوگوں میں عام رواج یہی ہے اور شوہر کے سامنے شرائط کئے جاتے ہیں اور وہ ساکت رہتا ہے اور اس کا سکوت ہی قبول قرار پاتا ہے اور ان شرائط کی پابندی کرتا ہے تو زید کہ انھیں لوگوں میں سے ہے اس قاعدہ سے مستثنٰی نہیں ہوسکتا مگر پہلا معاہدہ بیکار ہے سسرال میں رہنا ایک وعدہ ہے جس کی وفا پر جبر نہیں اور زوجہ کو اپنے پاس

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۱۰۶

رکھنا حقِ شوہر و حکمِ شرعی ہے۔ قال تعالیٰ:

واسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم[1] ان کو سکونت دو جہاں تم ساکن ہو اپنی گنجائش کے مطابق (ت)

شوہر جب چاہے اس حق کا مطالبہ کرسکتا ہے کمن ترکت قسمہا لہا ان تعود متی تشاء (جیسا کہ بیوی اپنی باری چھوڑ دے تو اس کو واپس لینے کا حق ہے جب چاہے۔ ت) اور دوسرے معاہدہ سے مہر دو برس کے لئے مؤجل ہوگا اس پر لازم ہے کہ دو برس کے اندر ادا کرے خواہ جائداد خرید کر یا نقد۔ اگر صرف جائداد خرید دینے کا معاہدہ ہوتا تو وہ بھی محض ایک وعدہ ہوتا زوجہ کو دو برس کے بعد مطالبہ مہر ہی کا استحقاق ہوتا نہ بالخصوص جائداد کا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) اگر شوہر تسلیم کرے کہ عقد اسی قرارداد کی بناء پر ہوا تھا اور مؤجل سے وہی اجل مراد تھی تو دو سال میں ادا کرنا لازم ہوگا ورنہ اطلاق لفظ اپنا عمل کرے گا اور یہ مہر مؤخر رہے گا کہ قبل موت و طلاق مطالبہ کا اختیار نہ ہوگا کہ تاجیل بوجہ جہالت اجل صحیح نہ ہوئی۔ فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأۃ بالف علی ان کل الالف مؤجل ان کان الاجل معلوما صح التاجیل وان لم یکن لایصح واذا لم یصح التاجیل یؤمر بالتعجیل قدر ما یتعارفہ اھل البلدۃ فیوخذ منہ الباقی بعد الطلاق او بعد الموت ولایجبرہ القاضی علی تسلیم الباقی ولایحبسہ[2]

ایک شخص نے کسی عورت سے ایک ہزار پر نکاح کیا اور کہا کہ پورا ہزار مؤجل ہے، تو اگر اس کی مدت معلوم ہو تو مہلت دینا صحیح ہے اور اگر مدت معلوم نہ ہو تو مہلت دینا صحیح نہیں اور جب مہلت دینا صحیح نہ ہو تو خاوند کو کہا جائیگا کہ علاقہ کے عرف کے مطابق کچھ معجل طور پہلے دے دے اور باقی اس سے طلاق یا موت کے بعد وصول کیا جائیگا اور قاضی اس پر باقی کی ادائیگی میں جبر نہ کرے گا اور نہ قید کرے گا۔ (ت)

عالمگیریہ میں ہے:

تاجیل المھر الی غایۃ معلومۃ یصح ھو الصحیح لان الغایۃ معلومۃ فی نفسہا وھو الطلاق او الموت کذا فی المحیط[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مہر کی مہلت، مدتِ غیر معین تک ہو تو صحیح ہے، یہی صحیح ہے، کیونکہ انتہائی مدت خود بخود معلوم ہے، اور وہ طلاق یا موت ہے۔ محیط میں یونہی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۶/۵۶

[2] فتاوٰی قاضی خاں باب فی مسائل ذکر المہر نولکشور لکھنؤ ۱/۱۷۳-۷۴

[3] فتاوٰی ہندیہ باب المہر فصل الحادی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۱۸

مسئلہ ۴۲ از سرائے صالحہ ضلع ہزارہ تحصیل ہری پور مرسلہ حاجی عبدالعزیز خاں صاحب ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے نواسہ خالد کی منگنی میں جرگہ عام میں ایک زیور از قسم طلائی اس کے والد عمرو کو دے کر بطورِ ہبہ کہا کہ یہ تمھارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی لڑکی کو پہناتا ہوں، اس وقت عمرو کا لڑکا خالد نابالغ تھا اور عمرو نے وہ زیور زید سے قبول کرلیا لڑکی کے ہاتھ میں خالد کی طرف سے پہنایا گیا، اب وہ دونوں یعنی لڑکا اور لڑکی بالغ ہیں کسی خاص وجہ سے لڑکی کی طرف سے وہ زیور وغیرہ اور پارچات واپس ہوکر طلاق ہونے پر فریقین تیار ہیں لیکن وہ زیور جو زید نے اپنی طرف سے نواسہ کو دیا ہے اور لڑکی کو اس کی طرف سے پہنایا گیا تھا زید کہتا ہے کہ وہ مجھ کو واپس ہوئے اور لڑکا کہتا ہے کہ میں اب بالغ ہوں مجھ کو ملے اور عمرو لڑکے کا والد کہتا ہے مجھ کو ملنا چاہئے، اس لئے صاحبانِ شرع شریف سے مفصل طور پر دریافت کیا جاتا ہے کہ آیا اس صورت میں اس زیور کے لینے کا شرعًا کون مستحق ہے، کیا نانا یا باپ یا خود لڑکا جس کی منگنی ہوئی تھی؟ جواب باصواب عنایت فرماکر اجر دارین حاصل فرمادیں، بینوا توجروا، اگر صورتِ مسئولہ میں ہبہ ہے تو نانا نواسے سے وہ زیور شرعًا واپس لینے کا حقدار ہے یا نہ؟

الجواب

ایسے زیور یا پارچہ کو ہمارے عرف میں چڑھاوا کہتے ہیں اسے دولہا کی طرف سے دلھن کو دینے میں اگرچہ عرف وعادات ناس کا اختلاف ہے بعض ہبۃً دیتے ہیں بعض عاریۃً، مگر وہ جو دولہا کے اقارب دولہا کے یہاں بھیجتے ہیں اس میں اصلًا اختلاف نہیں وہ یقینًا بطور ہبہ وامداد ہی ہوتا ہے، کسی حالت میں انھیں اس کی واپسی کا دعوٰی نہیں ہوتا، اولاد کی شادیوں میں جو ایسی اعانت کی جاتی ہے اس میں اعانت کرنے والا اگر تصریح کردے کہ میں نے ہبہ کی جب تو وہ اس کی ہے، اور تصریح نہ کرے تو وہ چیز اگر اولاد کے مناسب ہے تو ان کی ہے ورنہ اگر یہ امداد کرنے والا باپ کے اقارب یا شناساؤں میں سے ہے تو وہ ہبہ باپ کے لئے ہے اور ماں کے اقارب سے یا شناساؤں میں سے ہے تو ماں کے لئے، مگر یہ کہ امداد کرنے والے نے اس وقت کچھ نہ کہا، اور اب وہ موجود ہے اور بیان کرے کہ میں نے فلاں کو ہبہ کیا تھا مثلًا باپ یا ماں یا اولاد کو تو اُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ عالمگیریہ میں ہے:

اذا اتخذ الرجل عذيرة للختان فاهدى الناس هدايا ووضعوا بين يدى الولد فسواء قال المهدى هذا للولد اولم يقل فان كانت الهدية تصلح للولد

جب کسی نے ختنے کے لئے سامان تیار کیا تو لوگوں نے اس موقعہ پر ہدیے پیش کئے اور ہدیے بچّے کے پاس رکھے، پھر یہ برابر ہے کہ ہدیہ دینے والوں نے "یہ بچّے کے لئے ہے" کہا ہو یا نہ کہا ہو تو اگر وہ ہدیے بچّے کے مناسب ہوں

مثل ثیاب الصبیان اوشیئ یستعملہ الصبیان
مثل الصولجان و الکرۃ فھو للصبی لان
ھذا تملیک للصبی عادۃ وان کانت الھدیۃ لاتصلح
للصبی عادۃ کالدراھم والدنانیر ینظر الی
المھدی فان کان من اقارب الاب او معارفہ
فھو للاب وان کان من اقارب الام او معارفھا
فھو للام لان التملیک ھنا من الام عرفا
وھناک من الاب فکان التحویل علی العرف
حتی لو وجد سبب او وجہ یستدل بہ علی
غیر ما قلنا یعتمد علی ذلک، وکذلک اذا
اتخذ ولیمۃ لزفاف ابنتہ فاھدی الناس
ھدایا فھو علی ما ذکرنا من التقسیم، و
ھذا کلہ اذا لم یقل المھدی شیئا وتعذر
الرجوع الی قولہ اما اذا قال اھدیت للاب او
للام او للزوج او للمرأۃ فالقول للمھدی
کذا فی الظھیریۃ۔[1]

مثلاً بچے کے کپڑے، یا وُہ شیئ جو بچے استعمال کرتے ہیں جیسے ہاکی اور گیند
تو یہ بچے کیلئے ہی ہونگے کیونکہ ایسی چیزیں عادۃً بچے کی ملکیت کیجاتی ہیں، اور اگر
وُہ ہدیے بچے کے مناسب نہ ہوں جیسا کہ دراہم و
دینار وغیرہ، تو پھر ہدیہ دینے والوں کو دیکھا جائے گا
کہ وُہ والد کے قریبی اور واقفیت والے ہیں یا
ماں کے، اگر وُہ والد کے تعلق والے ہوں تو وہ والد
کے لئے ہوں گے، اور اگر ماں کے تعلق والے ہوں
تو وُہ ماں کے لئے ہوں گے، کیونکہ عرفاً یہاں ماں کی طرف سے
تملیک سمجھی جاتی ہے اور وہاں باپ کی طرف سے سمجھے جاتے ہیں،
لہذا عرف پر اعتماد کرنا ہوگا، ہاں اگر کوئی ایسا سبب یا وجہ
پائی جائے جو ہمارے بتائے ہوئے عرف کے خلاف قرینہ ہے تو پھر
اسی قرینہ پر اعتماد کیا جائے، اور یُونہی اگر کسی نے بیٹی کے
زفاف کے لئے ولیمہ کا انتظام کیا تو لوگوں نے ہدیے
دئے تو وہ اسی تقسیم پر ہوں گے جو ہم نے ذکر کی ہے،
یہ تمام گفتگو اس صورت میں ہے جب ہدیہ دینے والے
نے کوئی تصریح نہ کی ہو، اور اس سے معلوم کرنے
کے لئے رجوع بھی مشکل ہو، لیکن جب اس نے کہہ دیا کہ یہ باپ یا ماں یا خاوند یا بیوی کے لئے ہیں تو پھر
اس کے قول کے مطابق حکم ہوگا، ظہیریہ میں یُونہی ہے۔ (ت)

بالجملہ زید کی طرف سے وہ زیور ہبہ ہونے میں کلام نہیں اور جبکہ اس کے لفظ وُہ ہیں جو سوال میں مذکور
ہوئے کہ یہ تمہارے لڑکے کی طرف سے بطور نشانی تو یہ نواسے کو ہبہ ہُوا اور وُہ اس وقت نابالغ تھا اور اس
کے باپ نے قبول کرکے قبضہ کرلیا تو ہبہ تمام ہوگیا اور نواسہ اس کا مالک ہوگیا، اس میں نہ باپ کا
حق ہے نہ نانا کا، نہ نانا اسے کسی طرح واپس لے سکتا ہے کہ قرابت محرمہ مانع رجوع ہے،
درمختار میں ہے:

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ باب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۸۳

لو وھب لذی رحم محرم منہ نسبا ولو ذمیا او مستامنا لایرجع[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کسی نے اپنے ذی محرم نسبی کو ہبہ دیا تو وہ خواہ کافر ذمی ہو یا امن لے کر آیا ہو تو واپس نہ لے سکے گا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از چاندہ پار ڈاک خانہ شہرت گنج ضلع بستی مسئولہ محمد یار علی صاحب نائب مدرس ٹریننگ اسکول ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح کے وقت لڑکی بالغہ کے والدین نے بخیال دنیا اس قدر وسیع مہر بندھوایا کہ لڑکا بالغ اپنے والدین کی جائداد موجودہ سے کسی صورت ادا نہیں کر سکتا، لڑکے نے اس خیال پر کہ اگر منظور نہ کروں گا نکاح نہ ہوگا مجبورًا محض اللہ کے بھروسے پر اپنے نزدیک نکاح جائز سمجھ کر منظور کر لیا جب مکان پر ہمراہ رہنے کا دونوں کا اتفاق ہوا تو اسی ہفتہ کے اندر لڑکی بالغہ نے بخوشی و رضامندی بغیر کسی مجبوری اور دباؤ شوہر کے سامنے اللہ کو شہید و بصیر جان کر جمیع انبیاء و ملائکہ کا واسطہ دلا کر معاف کر دیا، جب سے آج تک ایک سال کا زمانہ گزرا میاں بی بی دونوں ساتھ ہیں اب چند روز سے لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ نکاح ناجائز و حرام ہوا اور یہ صحبت حرامکاری ہے لڑکا بخوف عقبیٰ اپنی برات کے لئے ہر صورت سے راضی ہے گو کہ بی بی اس کو بہت محبوب ہے مگر شرعی فتوٰی پر کاربند ہونے کو دل وجان سے تیار ہے، مہر جو بندھا ہے اس کی تعداد ایک ہزار دو اشرفی لڑکے کے والدین کی جائداد تقریبًا پانچ سو روپے سکہ رائج الوقت، بینوا توجروا۔

الجواب

اگر لڑکے کے پاس ایک پیسے کا سہارا نہ ہوتا اور دس کروڑ اشرفی کا مہر باندھا جاتا جب بھی نکاح صحیح تھا اور معاذ اللہ اسے حرام کاری سے کچھ تعلق نہ تھا، یہ جو حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ جن کا نکاح ہوا ان کی نیت میں ادائے مہر نہیں وہ روز قیامت زانی و زانیہ اٹھائے جائیں گے[2]، یہ ان کے واسطے ہے جو محض برائے نام جھوٹے طور پر ایک لغو رسم سمجھ کر مہر باندھیں شرعًا نکاح ان کا بھی ہو جائے گا اور وہ بحکم شریعت زانی و زانیہ نہیں زن و شو ہیں اگرچہ قیامت میں ان پر اس بدنیت کا وبال مثل زنا ہو کہ انہوں نے حکم الٰہی کو ہلکا سمجھا یہاں کہ لڑکے نے اللہ عزوجل پر بھروسا کر کے قبول کیا تو اس صورت سے کچھ علاقہ نہ ہوا پھر جبکہ لڑکی بالغہ نے بے کسی دباؤ کے بخوشی معاف کر دیا معاف ہو گیا، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۳

[2] السنن الکبرٰی، باب ما جاء فی حبس الصداق الخ، دار صادر بیروت ۷/ ۲۴۲ و کنز العمال، حدیث ۴۴۷۲۶، بیروت ۱۶/ ۳۲۳

باب الجهاز

(جہیز کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۵۷ ۲۵ صفر ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا اور جہیز میں اُس کو کچھ زیور یا اسباب یا جائداد دی تو اُس مال کا مالک اس لڑکی کے حینِ حیات میں اس کا شوہر ہو سکتا ہے یا وہ لڑکی ہی مالک ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وہ مال تمام وکمال خاص مِلکِ عورت ہے دوسرے کا اس میں کچھ حق نہیں،

فی ردالمحتار کل احد یعلم ان الجهاز ملك المرأة وانه اذا طلقها تاخذه کله واذا ماتت یورث عنها ولا یختص بشیئ منه[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور جب شوہر اس کو طلاق دے دے وہ تمام جہیز لے لے گی، اور اگر عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو دیا جائے گا شوہر اس میں سے اپنے لئے کچھ بھی مختص نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب النفقہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

مسئلہ ۷۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے جو زیور اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا اس کی مالک دخترِ زید ہے یا اس کا شوہر، اور اگر شوہر بے اذنِ زوجہ اس میں تصرف کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

زیور وغیرہ جہیز کہ زید نے اپنی بیٹی کو دیا خاص مِلکِ دختر ہے شوہر کو کسی طرح کا استحقاقِ مالکانہ اُس میں نہیں، نہ اس کا تصرف بے رضا و اذنِ زوجہ نافذ ہوسکے۔

فی الدر المختار جھز ابنتہ بجھاز و سلمھا ذٰلک لیس لہ الاسترداد منھا ولا لورثتہ بعدہٖ ان سلمھا ذٰلک فی صحتہ بل تختص بہ و بہ یفتی[1]

درمختار میں ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیٹی کو کچھ جہیز دیا اور وہ اس کے سپرد بھی کردیا تو اب اس سے واپس نہیں لے سکتا، اور نہ ہی اس کے مرنے کے بعد اُس کے وارث واپس لے سکتے ہیں بلکہ وہ خاص عورت کی ملکیت ہے، اور اسی پر فتوٰی دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس نے یہ جہیز حالتِ صحت میں بیٹی کے سپرد کیا ہو (یعنی مرض الموت میں نہ دیا ہو)۔ (ت)

علامہ شامی فرماتے ہیں:

کل احد یعلم ان الجھاز ملک المرأۃ لاحق لاحد فیہ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی اور کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۷۷: ۳۰ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے علمائے دین اس صورت میں کہ یہ جو متعارف ان شہروں میں ہے کہ دولہا کی طرف سے جوڑا وغیرہ دُلھن کو بھیجا جاتا ہے بایں اُمید کہ اُدھر سے بہت زیور وغیرہ ملے گا لہذا بامید عوض جوڑے گراں قیمت سو روپے دو سو روپے کے اور دیگر اسباب قیمتی مناسب اس کے بھیجتے ہیں اور یہ صراحت بھی ہوتی ہے کہ ادھر سے دو سو کا مال جائے گا تو اس کے عوض میں چار سو کا مال ملے گا، ایسا ہی دُلھن کی طرف سے دُولہا کے واسطے جوڑا وغیرہ گراں قیمت بھیجا جاتا ہے، پھر جب زوجین میں جُدائی ہوگئی اور زوجہ کی طرف سے طلب اپنے دئے کی ہوئی، اور زوج کی طرف سے بمقتضائے ایمان داری جو کچھ اُدھر سے آیا تھا جوڑا وغیرہ سب دے دیا اور رسید اُن اشیاء کی لکھوالی، اس صورت میں زوج کی طرف سے جو کچھ جوڑا و زیور وغیرہ گیا تھا واپس ہوسکتا ہے یا

---

[1] درمختار | باب المہر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۰۳

[2] ردالمحتار | باب النفقہ | احیاء التراث العربی بیروت | ۲/۶۵۳

نہیں۔ اور اگر ہلاک کرڈالے ایک شخص ان دونوں میں سے جو دیا تھا اس کو دوسرے نے، تو اس صورت میں ہلاک کر دینے والے سے وُہ دوسرا شخص جس کا مال ہلاک کیا لے سکتا ہے یا نہیں۔ والدینِ زوج نے اپنے پسر کی زوجہ کو کچھ زیور وغیرہ واسطے تالیفِ قلوب کے بایں غرض کہ ہمارے گھر میں رہے گا اور ہر وقت ہمارے اختیار میں جس وقت چاہیں گے اس کو دوسرے کام میں لائیں گے اور جب چاہیں گے بنا دیں گے جیسا کہ تاجروں میں ہے کہ بطور عاریت کے ایسا مال دیا کرتے ہیں واسطے زیبائش اپنے گھر کے، نہ بطور تملیک کے، اس صورت میں مالک اُس مال کے والدین ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جہیز ہمارے بلاد کے عرفِ عام شائع سے خاص مِلکِ زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہُوئی تو کُل لے گئی، اور مرگئی تو اسی کے ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ ردالمحتار میں ہے:

کل احد یعلم ان الجھاز للمرأۃ وانہ اذا طلقھا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا۔[1]

ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام جہیز لے لے گی اور جب عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو دیا جائے گا۔ (ت)

ہاں مرد بحالت یکجائی اُن کے والدین بھی بعض اشیائے جہیز مثل ظروف و فروش وغیرہا اپنے استعمال میں لاتے ہیں اور عرفاً اس سے ممانعت نہیں ہوتی اس کی بنا ملک شوہر یا والدینِ شوہر پر نہیں بلکہ باہمی انبساط کہ زن وشو کے املاک میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا جیسے عورتیں بے تکلف اموال شوہر استعمال میں رکھتی ہیں اس سے وہ اُن کی مِلک نہ ہوگئے۔ عقود الدریہ کتاب الدعوٰی و کتاب الفرائض میں بحر الرائق سے ہے:

لایکون استمتاعھا بمشریہ و رضاہ بذلك دلیلا علی انہ ملکھا ذلك کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذلك مرارا۔[2]

شوہر کے خریدے ہُوئے مال سے عورت کا نفع حاصل کرنا اور شوہر کا اس پر رضامند ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عورت اس مال کی مالک ہوگئی جیسا کہ عورتیں اور عام لوگ سمجھتے ہیں اور تحقیق میں اس پر متعدد بار فتوٰی دے چکا ہُوں۔ (ت)

یہاں سے ظاہر کہ جانب شوہر کی بری اگرچہ بامید کثرت جہیز گراں بہا بنے معاوضہ نہیں کہ اگر یہ اشیاء اپنے ملک پر رکھتے اور وقت پر برائے نام بھیج دیتے ہوں کہ ہماری چیز پھر ہمارے گھر آجائے گی جب تو ظاہر کہ

---

[1] ردالمحتار باب النفقہ احیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۵۳

[2] العقود الدریۃ تنقیح فی فتاوی حامدیۃ، کتاب الدعوی ۲/۳۵، کتاب الفرائض ۲/۳۵۰ حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان

جانب شوہر سے کوئی تملیک نہ ہُوئی اور تملیک ہی قصد کرتے اور دُلھن کو اس گہنے جوڑے کا مالک جانتے ہوں تاہم معاوضہ نہ ہُوا کہ اس کے عوض میں جس شے کی امید رکھتے ہیں یعنی جہیز وہ بھی تو ملک زوجہ ہی ہوگا اور عوض و معوض ایک ملک میں جمع نہیں ہوسکتے۔ ہاں کثرت جہیز کی امید پر بھاری جوڑے گہنے بھیجتے ہیں مگر نہ اس لئے کہ ہم یہ دے کر جہیز کے مالک ہوں گے بلکہ اس خیال سے کہ بسببِ انبساط مذکور ہمیں بھی تمتع و انتفاع ملے گا ہمارے گھر کی زیب آرائش ہوگی نام ہوگا آرام ہوگا وقتِ حاجت ہرگونہ کاربرآری کی توقع ہے کہ یہاں کی نیک بیبیاں غالباً اپنا مال خصوصاً ہنگامِ ضرورت اپنے شوہروں سے دریغ نہیں رکھتیں، یہ وجوہ اس طرح پر باعث ہوتی ہیں کہ ادھر سے دو سَو کا جائے گا تو چار سَو کا آئے گا جیسے بلادِ شام وغیرہ میں اسی اُمید پر مہر بڑھاتے ہیں۔

فی رد المحتار کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأة ولا یختص بشیئ منه وانما المعروف انه یزید فی المھر لتاتی بجھاز کثیر لیزین به بیته وینتفع به باذنھا ویرثه ھو و اولادہ اذا ماتت کما یزید ہ فی مھر الغنیة لاجل ذٰلك لا لیکون الجھاز کله او بعضه ملکا له، ولا لیملك الانتفاع به وان لم تاذن[1]

ردالمحتار میں ہے ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اور شوہر اس میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتا، اور بیشک متعارف ہے کہ شوہر مہر میں اس توقع پر اضافہ کرتا ہے کہ عورت بھی زیادہ جہیز لائے گی تاکہ اس سے گھر کی زینت و آرائش ہو اور عورت کی اجازت سے شوہر اس سے نفع اٹھائے گا اور عورت کے مرنے کے بعد وُہ اور اس کی اولاد جہیز کی وارث بنے گی جیساکہ اسی غرض سے وہ غنی عورت کے مہر میں اضافہ کرتا ہے، اس لئے نہیں کہ وُہ تمام یا بعض جہیز کا مالک بن جائے گا یا عورت کی اجازت کے بغیر اس سے نفع حاصل کرسکے گا۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں جہیز تو ذرہ ذرہ دینا واجب ہی تھا اور اُس کی واپسی سے بری کی واپسی لازم نہیں کہ وُہ اس کا عوض نہ تھی بلکہ اُس کا حکم آگے آتا ہے شوہر کا جوڑا کہ ادھر سے آتا ہے بعد قبضہ قطعاً مِلکِ شوہر ہوجاتا ہے کہ لوگ اُس سے تملیک ہی کا قصد کرتے ہیں وذٰلك واضح لاخفاء به (اور یہ واضح ہے اس میں کسی قسم کی پوشیدگی نہیں۔ ت) پس اگر وہ اس نے ہلاک کردیا خواہ ہلاک ہوگیا تو اُدھر والے اس کا کوئی تاوان اس سے نہیں لے سکتے کہ ہلاکِ موہوب مطلقاً مانع رجوع ہے۔ یونہی اگر جوڑا عورت کے والد یا والدہ نے اپنے مال سے بناکر بھیجا جیسا کہ ان بلاد میں اکثر یہی متعارف ہے اور یہ شخص نسباً اس کا محرم مثلاً بھتیجا بھانجا ہے یا نکاح پہلے ہولیا بعدہٗ جوڑا مال زوجہ

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

سے برضائے زوجہ بنا کر بھیجا گیا تو ان صورتوں میں بھی واپس لینے کا اصلاً اختیار نہیں اگرچہ جوڑا سلامت موجود ہو کہ قرابت محرمہ وزوجیت دونوں مانع رجوع ہیں،

فی الدرالمختار ورد المحتار یمنع الرجوع فیہا حروف **دمع خزقہ** فالزاء الزوجیۃ وقت الھبۃ فلو وھب لامرأۃ ثم نکحہا رجع ولو وھب لامرأتہ لا کعکسہ ای لو وھبت لرجل ثم نکحہا رجعت ولو لزوجہا لا والقاف القرابۃ فلو وھب لذی رحم محرم منہ نسبا لا یرجع والھاء ھلاک العین الموھوبۃ وکذا اذا استھلکت کما ھو ظاھر صرح بہ اصحاب الفتاوٰی رملی[1] اھ ملتقطین۔

درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ہبہ میں رجوع سے مانع یہ حروف ہیں: **دمع خزقہ**، پس (ان سات حروف میں سے) زاء سے مراد زوجیت ہے جو وقتِ ہبہ موجود ہو لہٰذا اگر کسی عورت کو بطور ہبہ کچھ دیا پھر اس عورت سے نکاح کرلیا تو ہبہ سے رجوع کرسکتا ہے اور اگر اپنی بیوی کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع نہیں کرسکتا، ایسا ہی اس کے برعکس میں بھی ہے یعنی اگر عورت نے کسی مرد کو بطور ہبہ کچھ دیا پھر اس سے نکاح کیا تو رجوع کرسکتی ہے، اور اگر اپنے شوہر کو بطور ہبہ کچھ دیا تو رجوع نہیں کرسکتی۔ اور قاف سے مراد قرابت ہے لہٰذا اگر کسی ایسے ذی رحم رشتہ دار کو بطور ہبہ کچھ دیا جو اس کے لئے محرم نسبی ہے تو رجوع نہیں کرسکتا۔ اور ہاء سے مراد موہوب شیئ کا ہلاک ہونا ہے اور اسی طرح ہلاک کرنا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے اصحابِ فتاوٰی نے اس کی تصریح کی، رملی اھ ملتقطین۔ (ت)

فتح القدیر وغیرہ میں ہے:

لو بعث ابوھا من مالہ فلہ الرجوع لو قائما والا فلا ولو من مالہا باذنہا فلا رجوع لانہ ھبۃ منہا والمرأۃ لا ترجع فی ھبۃ زوجہا[2]۔

اگر زوجہ کے باپ نے اپنے مال سے کچھ بھیجا تو اگر وہ موہوب شیئ شوہر کے پاس موجود ہے تو رجوع کرسکتا ہے ورنہ نہیں، اور زوجہ کے مال سے اس کی اجازت سے بھیجا تو رجوع نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ زوجہ کی طرف سے ہبہ ہے اور زوجہ کو زوج کے ہبہ میں رجوع کا حق نہیں۔ (ت)

ہاں اگر جوڑا ملکِ شوہر میں موجود اور باقی موانع رجوع بھی مفقود ہوں مثلاً والدینِ زن نے بنایا تو اُن سے قرابت محرمہ نسبیہ نہ ہو یا مالِ زوجہ سے بنا تو پیش از نکاح بھیجا گیا ہو تو شوہر کی رضا یا قاضی کی قضا سے رجوع کا اختیار رہو گا کہ طرفین سے جوڑوں کا جانا بحکمِ عرف دونوں جانب کی مستقل رسم ہے نہ ایک دوسرے کے عوض

---

[1] ردالمحتار باب الرجوع فی الھبۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۱۵-۱۸-۱۹
درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱
[2] فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۶-۲۵۵

ہیں، ولہذا اگر ایک جانب سے مثلاً بوجہ افلاس جوڑا نہ آئے تو بھی دوسری طرف والے بھیجتے ہیں تو عوض صریح کہ موانع رجوع سے ہے متحقق نہیں، پھر دُولھا کی جانب سے بری میں ہرگز اُس جوڑے کا خیال نہیں جو دُولھا کو ملتا ہے بلکہ محض ناموری یا وہی کثرتِ جہیز کی طمع پروری بہرحال یہ ہبہ معاوضہ سے خالی ہے تو بشرائط مذکورہ دُلھن والوں کو رجوع کا اختیار، مگر گنہگار رہوں گے۔ حضور پُرنور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

العائد فی ھبتہ کالعائد فی قیئہ[1]۔ رواہ الائمۃ احمد والستۃ بالفاظ شتی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

دے کر پھیرنے والا ایسا ہے جیسے کتّا کہ قے کرکے پھر کھالے (اس کو امام احمد اور اصحاب صحاح ستّہ نے مختلف الفاظ کے ساتھ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

درمختار میں ہے:

(کرہ) الرجوع (تحریما) وقیل تنزیھا نھایۃ[2] اھ اقول والاول الذی جزم بہ فی المتن واشار الشارح الٰی تضعیف خلافہ فانہ ھو الصحیح الذی لامعدل عنہ لقول رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل للرجل ان یعطی عطیۃ فیرجع فیہا[3]، رواہ الائمۃ احمد و الاربعۃ عن ابن عمر وابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم قال فی المنتقی صححہ الترمذی۔

(ہبہ میں) رجوع مکروہِ تحریمی ہے، اور کہا گیا ہے کہ مکروہِ تنزیہی ہے نہایہ اھ اقول (میں کہتا ہوں) اول جس پر متن میں جزم کیا اور شارح نے اس کے خلاف کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا وہی صحیح ہے اس سے اعراض کا کوئی سبب نہیں بسبب فرمان رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے کہ کسی مرد کے لئے جائز نہیں کہ کچھ عطیہ دے کر اس میں رجوع کرے۔ اسے امام احمد اور اصحاب سُنَنِ اربعہ نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا، منتقی میں فرمایا کہ امام ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا۔ (ت)

اس صورت میں شوہر نے اگر یہ جوڑا واپس کردیا تو رجوع صحیح ہوگئی اور اس کی ملک سے خارج ہوگیا لتحقق الرجوع بالتراضی (باہمی رضامندی سے رجوع متحقق ہونے کی وجہ سے۔ ت) اور اگر موجودہ صورت اولٰی ہے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الھبۃ باب التحریم فی الصدقۃ مطبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۳۶/۲
[2] درمختار باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۶۱/۲
[3] مسند امام احمد بن حنبل مروی از ابن عمر و ابن عباس دارالفکر بیروت ۲۷/۲

یعنی قرابت و زوجیت وغیرہما کوئی مانع تو اس حال میں بھی اگر اس نے برضائے خود جوڑا انھیں ہبہ کرنے کے ارادہ سے واپس کر دیا ہبہ صحیح ہوگیا۔

فی الدر المختار اتفق الواھب والموھوب لہ علی الرجوع فی موضع لایصح رجوعہ من المواضع السبعۃ السابقۃ کالھبۃ لقرابتہ جاز ھذا الاتفاق منھما جوھرۃ وفی المجتبی لاتجوز الاقالۃ فی الھبۃ والصدقۃ فی المحارم الا بالقبض لانھا ھبۃ[1]۔

درمختار میں ہے کہ واہب اور موہوب لہٗ ہبہ کے رجوع پر متفق ہوگئے، مذکورۃ الصدر ان سات مواضع میں سے کسی موضع پر جن میں رجوع صحیح نہیں جیسے ہبہ بوجہ قرابت تو ان دونوں کا یہ اتفاق جائز ہے (جوہرہ) اور مجتبٰی میں ہے کہ محارم کے ہبہ وصدقہ میں بلا قبضہ اقالہ جائز نہیں کیونکہ (اقالہ) ہبہ ہے۔ (ت)

اور اگر اس گمان پر واپس دیا کہ جوڑا بھی مثل جہیز ہے بعد فراق اس کی واپسی بھی مجھ پر لازم تو یہ واپس دینا معتبر نہ ہوگا نہ وہ جوڑا ملک شوہر سے نکلے گا، اُسے اختیار ہے اب واپس لے لے، اور ان پر لازم کہ واپس دیں

لان الرجوع حیث لایصح انما یصح ھبتہ مبتدأۃ کما تقدم واذ لاھبۃ فلا صحۃ ولاعبرۃ بالظن البین خطؤہ قال فی العقود الدریۃ من کتاب الشرکۃ من دفع شیئا لیس بواجب علیہ فلہ استردادہ الا اذا دفعہ علی وجہ الھبۃ واستھلکہ القابض کما فی شرح النظم للوھبانی وغیرہ من المعتبرات[2] اھ وفی الخیریۃ من الوقف قد صرحوا بان من ظن ان علیہ دینا فبان خلافہ یرجع بما ادی ولو کان قد استھلکہ رجع ببدلہ[3] اھ۔

کیونکہ جہاں رجوع صحیح نہ ہو وہاں نئے سرے سے ہبہ صحیح ہوتا ہے جیسا کہ گزرا، جب ہبہ نہیں تو صحت نہیں اور اس گمان کا کوئی اعتبار نہیں جس کی خطاء واضح ہے۔ عقود الدریہ کی کتاب الشرکۃ میں فرمایا کہ جس نے کسی کو ایسی شئی دی جس کا دینا واجب نہ تھا تو اس کو واپس لینے کا حق ہے سوائے اس کے کہ جب بطور ہبہ دی ہو اور قابض نے اس کو ہلاک کر ڈالا ہو جیسا کہ وہبانی کی شرح النظم اور دیگر معتبر کتابوں میں ہے اھ اور خیریہ کے کتاب الوقف میں تحقیق انھوں نے تصریح کی اس بات کی کہ کسی شخص نے گمان کیا کہ اس پر قرض ہے پھر اس کے خلاف ظاہر ہُوا تو جو کچھ ادا کرچکا ہے واپس لے سکتا ہے، اور اگر لینے والے نے اس کو ہلاک کر دیا ہے تو اس کا بدل لے سکتا ہے اھ (ت)

---

[1] درمختار باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۴

[2] العقود الدریۃ تنقیح فی فتاوٰی حامدیۃ کتاب الشرکۃ حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۹۱

[3] فتاوٰی خیریۃ کتاب الوقف دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۳۱-۱۳۰

دُلھن کا گہنا جوڑا جو بری میں جاتا ہے اگر نصاً یا عرفاً اس میں بھی تملیک مقصود ہوتی ہو جیسے شکر، میوہ، عطر پھلیل وغیرہ میں، مطلقاً ہوتی ہے تو وہ بھی قبضہ منکوحہ ملک منکوحہ ہوگا، ہمارے یہاں شرفا کا عرف ظاہر یہی ہے ولہذا بعد رخصت اس کے واپس لینے کو سخت معیوب وموجب مطعونی جانتے ہیں اور اگر لے لیں تو طعنہ زن یہی کہتے ہیں کہ دے کر پھیر لیا یا صرف دکھانے کو دیا تھا جب دُلھن آگئی چھین لیا یعنی یہاں کی رسم معہود کے خلاف ہے اس صورت میں تو اُس کے لئے بھی بعینہٖ وہی احکام ہوں گے جو دولہا کے جوڑے میں گزرے کہ بعد ہلاک دُلھن سے تاوان لینے کا اصلاً اختیار نہیں جیسے شکر میوہ کا تاوان بٹ جانے کے بعد نہیں مل سکتا اگرچہ ہنوز کھانے میں نہ آیا ہو،

فان الخروج عن ملك الموهوب له ايضا من الموانع[1] كما فی الدر وسائر الاسفار الغر.

اس لئے کہ بیشک موہوب لہ کی ملک سے ہبہ کا نکل جانا بھی رجوع کے موانع میں سے ہے جیسا کہ دُر اور دیگر عظیم الشان روشن کتابوں میں ہے (ت)۔

یُونہی اگر وہ جوڑا گہنا بحالتِ قرابت محرم والدین شوہر یا بعد نکاح شوہر نے بنا کر بھیجا تو رجوع نامتصور، ورنہ بحالت بقائے موہوب وفقدان موانع برضائے زوجہ یا قضائے قاضی واپسی گناہ کے ساتھ ممکن، ہاں جہاں عرف تملیک نہ ہو بلکہ صرف پہنانے کے لئے بھیجا جاتا اور بھیجنے والوں ہی کی ملک سمجھا جاتا ہو وہاں دُلھن کی ملک نہیں ایک عاریت ہے کہ بحالتِ بقا جس سے ہر وقت رجوع جائز وحلال اور بحال ہلاک اگر قبل افتراق زوجہ کے پاس بے اُس کے فعل کے تلف ہوگیا مثلاً چور لے گیا گر پڑا دُلھن کے پہننے برتنے میں ٹوٹا بگڑا خراب ہوگیا بشرطیکہ وہیں تک اپنے استعمال میں لائی ہو جہاں تک کے پہننے پر عرفاً رضامندی سمجھی جاتی ہو تو ان صورتوں میں دُلھن پر تاوان نہیں،

فان العواری لاتضمن بالھلاك من غير تعد[2] كما فی التنوير وغيره وفی الهندية عن الفصول العمادية اذا انتقص عين المستعار فی حالة الاستعمال لا يجب الضمان بسبب النقصان اذا استعمله

اس لئے کہ بے شک مستعار اشیاء پر بلا تعدی ہلاکت کی صورت میں ضمان نہیں جیسا کہ تنویر وغیرہ میں ہے۔ ہندیہ میں فصول عمادیہ سے ہے کہ جب مستعار شئی میں استعمال کی حالت میں کوئی نقص پیدا ہوجائے تو اس نقصان کے سبب سے ضمان واجب نہیں

---

[1] درمختار — باب الرجوع فی الھبۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱۶۳/۲
[2] درمختار — کتاب العاریۃ — " " " — ۱۵۶/۲

استعمالاً معہوداً[1]۔ ہوتا بشرطیکہ استعمال عادت وعرف کے مطابق ہو۔ (ت)

14

اور اگر خلاف عرف وعادت بے طوری سے پہننے میں خراب کیا مثلاً بھاری جوڑے یا موتیوں کے نازک جڑاؤ گہنے راتوں کو پہنے سویا کی، یا صرف آنے جانے میں پہننے کا عرف تھا یہ گھر میں پہنتی ہے تو نقصان کا تاوان دے گی، یونہی اگر بے احتیاطی بے پروائی سے گما دیا یا بعد طلاق اپنے گھر لے آئی اور یہاں کسی طرح تلف ہوگیا تو قیمت دینی آئے گی،

لان العاریۃ کانت موقتۃ دلالۃ الی بقاء الزوجیۃ فانتھت کانتھائھا فامساکھا بعد ذلک تعد منھا وان لم تستعمل فی جامع الفصولین لوکانت العاریۃ موقتۃ فامسکھا بعد الوقت مع امکان الرد ضمن وان لم یستعملھا بعد الوقت ھو المختار سواء توقتت نصا اودلالۃ الخ[2] اقول ھذا ھو المنصوص علیہ فی الاصل کما فی الھندیۃ فیترجح علی ما فیھا ان من مشائخنا من قال بان ھذا اذا انتفع بھا بعد الوقت فان لم ینتفع بھا لم یضمن وھو المختار[3] الخ فان الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی ظاھر الروایۃ بل ھھنا اولٰی کما لا یخفی۔

اس لئے کہ یہ عاریت، دلالت کے اعتبار سے بقاء زوجیت تک مؤقت تھی لہٰذا زوجیت کے ختم ہونے کے ساتھ ہی یہ بھی ختم ہوگئی چنانچہ اب اس کے بعد عورت کا اس کو روکے رکھنا عورت کی طرف سے تعدی ہے اگرچہ اسے استعمال نہ کرے جامع الفصولین میں ہے کہ اگر عاریت موقت ہو اور وقت گزر جانے کے بعد امکان رد کے باوجود اُسے روکے رکھے توضامن ہوگا اگرچہ وقت گزرنے کے بعد اس کو استعمال نہ کرے یہی مختار ہے برابر ہے کہ توقیت باعتبار نص کے ہو یا باعتبار دلالت کے الخ ——— اقول (میں کہتا ہوں) یہ وہی ہے جس پر اصل میں نص کی گئی جیسا کہ ہندیہ میں ہے پس اس کو ترجیح ہوگی اس پر جو اس میں ہے کہ بیشک ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ تحقیق یہ حکم تب ہے جب وقت گزرنے کے بعد اس سے نفع اٹھائے، اور اگر نفع نہیں اٹھایا تو ضامن نہ ہوگا یہی مختار ہے الخ اس لئے کہ جب فتوٰی میں اختلاف واقع ہو جائے تو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع ہوتا ہے بلکہ یہاں پر اولٰی ہے جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

اور وہ زیور وغیرہ کہ والدین زوج اپنی بہو کے پہننے برتنے کو بنا دیتے ہیں جس میں نصاً یا عرفاً کسی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۶۸

[2] جامع الفصولین الفصل الثالث والثلاثون فی انواع الضمانات الواجبۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۱۵۹

[3] فتاوٰی ہندیہ کتاب العاریۃ الباب الخامس فی تضییع العاریۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۶۷

طرح مالک کردینا مقصود نہیں ہوتا وہ بدستور ملک والدین پر ہے بہو کا اُس میں کچھ حق نہیں کما تقدم فی استمتاع المرأۃ بمشری الزوج (جیسا کہ عورت کے لئے شوہر کے خریدے ہُوئے مال سے نفع حاصل کرنے کی صورت میں گزر چکا ہے۔ ت) اس کے احکام وہی احکام عاریت ہیں کہ مفصلاً مذکور ہُوئے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مسمی زید نے اپنے پسر ابو محمد کی شادی ساتھ حبیبہ بنت خالد کے بصرف زر اپنے کے کی خالد نے بطریق جہیز اسباب و زیور وغیرہ دے کر زوجہ ابو محمد کو بدستور معروف رخصت کیا بعد چند روز کے زید نے اپنی خوشی سے ابو محمد اور اس کی زوجہ کا کھانا پینا علیحدہ کیا اُس وقت اُس کی زوجہ نے اپنا مال واسباب جو اس کے والدین نے اُسے دیا تھا زید یعنی خسر سے طلب کیا زید نے کہا وہ مال ہمارا ہے ہم نے بالعوض اُس روپے کے جو شادی ابو محمد میں صَرف ہوا رکھ لیا ہے اب فرمائیے کہ عندالشرع اس مال واسباب کی مالک زوجہ ابو محمد ہے یا زید والد ابو محمد ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

وُہ زیور واسباب کہ زوجہ ابو محمد اپنے جہیز میں لائی خاص اُس کی مِلک ہے ابو محمد یا اُس کے باپ کا اس میں کچھ حق نہیں اور وُہ روپیہ کہ زید نے ابو محمد کی شادی میں صَرف کیا بحکم عرف شائع وعام تبرع واحسان قرار پائیگا کہ زید اس کا مطالبہ کسی سے نہیں کرسکتا اور اگر قرض بھی ٹھہرے مثلاً ابو محمد بالغ نے خود استدعا کی کہ میری شادی کے مصارف آپ میری طرف سے ادا کر دیجئے میں واپس دُوں گا، یا زید ہی نے اس سے کہا کہ یہ صرف تیری طرف سے بطور قرض کروں گا، اُس نے قبول کرلیا یا ابو محمد نابالغ تھا زید نے قبلِ صَرف لوگوں کو گواہ کرلیا کہ یہ خرچ میں طرف ابو محمد بطور قرض اٹھاتا ہُوں میں اس سے واپس لُوں گا' اور اس صورت میں صَرف وہی کیا جو رسم وعادت وحیثیت کے موافق تھا، ان سب صُورتوں میں جو اٹھا یا وہ قرض ہے مگر اُس کا تقاضا ابو محمد سے کرے، زیور واسباب کو مِلکِ زوجہ ہے کہ اُس روپے کے عوض کیونکر لے سکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۷۹ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید ایک زوجہ اور ایک پسر بالغ اور ایک دختر بالغہ اور دو لڑکیاں نابالغہ چھوڑ کر فوت ہوا، نابالغ بہنیں اپنے جوان بھائی بکر کی پرورش میں رہیں (جب وہ بالغ ہوئیں تو بکر نے ان کی شادیاں معمولی خرچ سے کردیں اور جو بڑی بہن بکر کی تھی اس کی شادی زید نے خود اپنی زندگی میں کردی تھی اس کی پرورش یا شادی کا خرچ بکر کے پاس سے نہ ہوا) صرف دو بہنوں کا خرچ پرورش وشادی اس نے مال متروکہ ومشترکہ سے کیا اس صورت میں یہ خرچ بکر کو ان دونوں چھوٹی بہنوں سے مجرا مل سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) خرچ پرورش

(۲) شادی کے مصارف بالائی یعنی جہیز کے سوا جو اور خرچ ہوتے ہیں جیسے برات کا کھانا، خدمتیوں کا انعام، سمدھیانے کے جوڑے، دولہا کی سلامی، سواریوں کا کرایہ، برات کے پان چھالیا وغیرذلک۔

(۳) دُلھن کا جہیز

بتوفیق اللہ تعالیٰ ہر ایک کا حکم علیحدہ سُنئے :

خرچِ پرورش بے شک بحکم دیانت بحالت عدم وصی، وارثانِ کبیر کو وارثانِ صغیر کی پرورش کرنا اور اُن کے کھانے پہننے وغیرہ ضروریات کی چیزیں اُن کے لئے خریدنا اور ان امور میں ان کا مال بے اسراف و تبذیر اُن پر اُٹھانا شرعاً جائز ہے جبکہ وُہ بچے اُن کے پاس ہوں اگرچہ یہ اُن پر وصایت و ولایت مالیہ نہ رکھیں۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار وغیرہا اسفار میں ہے :

جاز شراء مالابد للصغیر منه (کالنفقة و الکسوة واستئجار الظئر، منح) و بیعه ای بیع مالابد للصغیر منه لاخ وعم وام وملتقط هو فی حجرهم ای فی کنفهم والا لا۔[۱]

چھوٹے بچے کے مال سے اس کی ضرورت کی اشیاء خریدنا (جیسے کھانا، لباس اور اجرت پر دایہ حاصل کرنا، منح) اور ضرورت کے تحت اس کے مال سے کچھ بیچنا بھائی، چچا، ماں اور گم شدہ بچے کو پانے والے کے لئے جائز ہے بشرطیکہ وُہ ان کی زیرِ حفاظت و پرورش ہو ورنہ نہیں۔ (ت)

علامہ شامی قولِ درمختار لایجوز التصرف فی مال غیره بلا اذنه ولا ولایته الا فی مسائل (غیر کے مال میں بے اذن و ولایت تصرف ناجائز سوائے چند مسائل کے۔ ت) کی شرح میں بر ضمن مسائل استثنا ارشاد فرماتے ہیں :

کذا لو انفق بعض اهل المحلة علی مسجد لا متولی له من غلته لحصیر ونحوه او انفق الورثة الکبار علی الصغار ولا وصی لهم فلا ضمان فی الکل دیانة[۲] اھ ملخصا **اقول** ولا یخالفه بل ربما یؤیده ما فی شهادة الاوصیاء من الطحطاوی من الفصول حیث قال ورثة صغار وکبار وفی الترکة دین وعقار

جیسے بعض اہلِ محلہ کسی ایسی مسجد پر مسجد کے مال سے خرچ کرے جس کا کوئی متولی نہیں مثلاً چٹائی وغیرہ کا انتظام کرے یُوں ہی بڑے وارث ایسے چھوٹے وارثوں پر جس کا کوئی وصی نہیں ان کا مال خرچ کریں تو اس تمام میں دیانۃً ضمان نہیں (تلخیص) **میں کہتا ہُوں** یہ اس کے مخالف نہیں بلکہ اس کی تائید کرتا ہے وہ جو طحطاوی میں بحوالہ فصول شہادۃ الاوصیاء کے بارے میں ہے جہاں فرمایا کہ

---

[۱] درمختار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۴۶
ردالمحتار " " " " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۵۰
[۲] ردالمحتار کتاب الغصب " " " " ۵/۱۲۷

فھلك بعض المال وانفق الکبار البعض علٰی انفسھم وعلی الصغار فما ھلك فھو علی کلھم وما انفقہ الکبار ضمنوا حصۃ الصغار ان کانوا انفقوا بغیر امر القاضی او الوصی وما انفقوہ بامر احدھما حسب لھم الی نفقۃ مثلھم[1] اھ فان ھذا عند وجود الوصی وما مر فعند عدمہ لاسیما فی بلادنا فافھم۔

اگر وارث بڑے اور چھوٹے ہیں اور ترکہ میں دین و عقار ہے پھر بعض مال ہلاک ہوگیا اور بڑے وارثوں نے کچھ مال اپنے آپ پر اور چھوٹے وارثوں پر خرچ کردیا تو جو مال ہلاک ہُوا وہ سب پر ہے اور جو بڑوں نے چھوٹوں پر خرچ کیا اگر قاضی اور وصی کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے تو ضامن ہوں گے، اور اگر ان دونوں میں سے کسی کی اجازت سے خرچ کیا ہے تو نفقۂ مثل کی مقدار مجرا پائیں گے اس لئے بے شک یہ حکم وصی کے موجود ہونے کی صورت میں ہے اور جو حکم ماقبل گزرا وہ اس کی عدم موجودگی کی صورت میں ہے خاص طور پر ہمارے علاقے میں۔ پس سمجھ۔ (ت)

پس جو کچھ بکر نے اُن لڑکیوں کی پرورش میں صرف کیا اگر نفقۂ مثل کا دعوٰی کرے تو بیشک دیانۃً مجرا پائے گا،

فانہ کان ماذونا لہ فی ذٰلك من جھۃ الشرع فلا یکون ضمینا بل امینا مقبول القول مالم یدع ما یکذبہ الظاھر، الاتری الٰی ما قدمنا عن الفصول حیث حکم بالاحتساب الٰی نفقۃ المثل عند وجود الاذن ممن لہ الاذن کالوصی والقاضی والشرع المطھر احق من لہ الاذن وقد وجد منہ الاذن فی مسئلتنا وان لم یوجد من وصی او قاض لفقد انھما ھٰھنا راسًا و انت تعلم عن المفتی انما یفتی بالدیانۃ

کیونکہ اس کو شرع کی طرف سے ایسا کرنے کا اذن حاصل تھا لہذا وہ ضامن نہیں بلکہ ایسا امین ہوگا کہ جب تک وہ خلافِ ظاہر دعوٰی نہ کرے اس کے قول کو تسلیم کیا جائے گا، کیا تُو نے نہیں دیکھا جس کا ذکر ہم فصول کے حوالے سے پہلے کرچکے ہیں کہ نفقۂ مثل تک مجرا پانے کا حکم کیا گیا جبکہ وصی یا قاضی وغیرہ جنہیں اختیارِ اذن ہے میں سے کسی کا اذن پایا جائے، اور شرع مطہر زیادہ حقدار ہے کہ اس کو اختیارِ اذن ہو، اور ہمارے زیرِ بحث مسئلہ میں شرع کی طرف سے اذن پایا گیا اگرچہ وصی یا قاضی کی طرف سے اذن نہیں پایا گیا کیونکہ اس صورت میں وہ سرے سے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار فصل فی شہادۃ الاوصیاء دارالمعرفۃ بیروت ۴/۳۴۵

بل قد اثبتنا عرش التحقیق بتوفیق المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ فی کتاب الوصایا من العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ان الابن الکبیر فی امصارنا ھذہ فی اعصارنا ھذہ یقوم مقام وصی ابیہ علی الاولاد الصغار من دون حاجۃ الی تصریح بالوصایا لوجود الاذن و التفویض دلالۃ بحکم العرف الفاشی المطرد مع تحقق الضرورۃ الملجئۃ الی اعتبار تلک الدلالۃ واللہ یعلم المفسد من المصلح ومن لم یعرف اھل زمانہ و لم یراع فی الفتیا حال مکانہ فھو جاھل مبطل فی قولہ وبیانہ وقد بینا المسئلۃ بحول القدیر جل مجدہ بما یتعین المراجعۃ الیہ وحینئذ فالامر اظھر۔

موجود ہی نہیں ہیں۔ اور تُو جانتا ہے کہ مفتی دیانت پر فتوٰی دیتا ہے بلکہ ہم نے مولٰی سبحانہٗ تعالٰی کی توفیق سے العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ کی کتاب الوصایا میں بلند ترین تحقیق کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ہمارے شہروں میں موجودہ زمانے میں تصریح وصیت کے بغیر بھی بڑا بیٹا باپ کے وصی کے قائمقام ہوتا ہے کیونکہ ہمارے عام و رائج عرف و عادت کے مطابق بطور دلالت اذن تفویض موجود ہے باوجودیکہ ایسی ضرورت بھی متحقق ہے جو اس دلالت کا اعتبار کرنے پر مجبور کرنے والی ہے۔ اللہ تعالٰی مفسد اور مصلح کو جانتا ہے جو شخص اپنے اہلِ زمانہ کو نہ پہچانے اور فتوٰی میں اپنے علاقے کے احوال کا لحاظ نہ رکھے وُہ جاہل ہے اور اس کا قول و بیان باطل ہے، اور ہم نے اللہ قدیر جل مجدہٗ کی طاقت سے مسئلہ کو اس اسلوب سے بیان کر دیا جس کی طرف رجوع کرنا متعین ہے، اس صورت میں معاملہ زیادہ ظاہر ہوا۔ (ت)

اور نفقۂ مثل کے یہ معنی کہ اتنی مدت میں ایسے بچّوں پر اتنے مال والوں میں متوسط صرف بے تنگی و اسراف کس قدر ہوتا ہے اتنا مجرا پائے گا۔ عالمگیری میں ہے:

نفقۃ المثل مایکون بین الاسراف والتقتیر کذا فی المحیط[1]۔

نفقۂ مثل وہ ہے جو فضول خرچی اور تنگی کے درمیان ہو، ایسا ہی محیط میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ماینفق علی مثلھم فی تلک المدۃ[2]۔

جو اُن کی مثل بچّوں پر اتنی مدت میں خرچ کیا جاتا ہو۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۵

[2] ردالمحتار فصل فی شہادۃ الاوصیاء داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۶۰

مصارفِ شادی عبارتِ سوال میں مذکور کہ دونوں قاصرہ وقت شادی جوان تھیں اور سائل نے بعدِ استفسار بذریعہ تحریر اظہار کیا کہ مصارف عروسی و جہیز عروس سب بکر نے محض اپنی رائے سے کئے والدہ کا انتقال دونوں قاصرہ کی شادی سے پہلے ہوا اور بہنیں ان کی شادیوں میں عام بیگانوں کی طرح شریک ہوئیں نہ ان سے دربارۂ صرف کوئی استفسار ہوا نہ اُن کا کوئی اذن نہ قاصرات سے کہا گیا کہ ہم یہ صرف تمہارے حصّہ سے کرتے یا جہیز تمہارے حصّے میں دیتے ہیں اور واقعی ہمارے بلاد میں مصارفِ شادی کنواریوں سے پُوچھ کر نہیں ہوتے نہ اُن سے اس امر میں کوئی اذن لیا جاتا ہے پس اگر بیانِ مذکور صحیح ہے تو جو کچھ مصارف بالائی جس قاصرہ کی شادی میں ہُوئے وہ دُلھن کے حصّہ سے مجرا نہیں ہوسکتے،

لانا وان قلنا بوصایۃ بکر دلالۃ کما اشرنا الیہ فقد انقطعت الولایۃ بالبلوغ۔

کیونکہ بیشک ہم نے اگرچہ بکر کے لئے باعتبار دلالت وصی ہونے کا قول کیا ہے جیسا کہ ہم اس کی طرف اشارہ کرچکے ہیں مگر وہ ولایت بالغ ہونے کے ساتھ منقطع ہوگئی۔ (ت)

ردالمحتار میں عنایہ سے ہے:

انھم (یعنی ورثۃ الکبار) اذا کانوا حضورا لیس للوصی التصرف فی الترکۃ اصلا الا اذا[1]

بے شک وہ (یعنی بڑے ورثار) جب حاضر ہوں تو وصی کو ترکہ میں تصرف کا کوئی حق نہیں مگر جب الخ (ت)

تو ان مصارف میں جو کچھ بکر نے صرف کیا بہنوں کے ساتھ تبرع واحسان ہوا جو کسی سے مُجرا نہ پائے گا سب صرف اسی کے حصہ پر پڑے گا خواہ ضمانًا خواہ قصاصًا دوسرے ورثہ جنھوں نے نہ خود صرف کیا نہ صراحۃً اذن دیا بری رہیں گے اگرچہ اُنھوں نے صرف ہوتے دیکھا اور خاموش رہے ہوں اذ لاینسب الی ساکت قول (خاموش رہنے والے کی طرف قول کی نسبت نہیں کی جاتی۔ ت) اشباہ میں ہے:

لو رأی غیرہ یتلف مالہ فسکت لایکون اذنا باتلافہ۔[2]

اگر کوئی کسی کو اپنا مال تلف کرتا دیکھ کر خاموش رہے تو خاموشی اتلاف کی اجازت نہ ہوگی۔ (ت)

خصوصًا اگر اُن میں کوئی اس وقت نابالغہ ہو کہ نابالغ کا اذن بھی معتبر نہیں،

فانہ لیس من اھل التبرع ولا لاحد ان یتبرع من مالہ۔

کیونکہ وُہ اہلِ تبرع میں سے نہیں اور نہ ہی کسی اور کو یہ حق ہے کہ اس کے مال میں تبرع کرے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۵۴

[2] الاشباہ والنظائر القاعدۃ الثانیۃ عشر لاینسب الی ساکت قول ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/۱۸۵

بزازیہ وبحرالرائق و ردالمحتار وتنویرالابصار وسراج وہاج وغیرہا میں ہے :

الھبة والقرض وماکان اتلافا للمال او تملیکا من غیر عوض فانہ لایجوز مالم یصرح بہ نصا[1] اھ اقول ھذا افادوہ فی شریکی العنان والمفاوضۃ مع ان کلا منھما وکیل عن صاحبہ وماذون التصرف فی المال من جانبہ فکیف بالشریك شرکۃ العین فانہ اجنبی صرف عن حصۃ اخیہ لیس لہ التصرف فیہ کما نصوا علیہ۔

ہبہ وقرض اور جو مال کا اتلاف یا بے عوض تملیک ہو وُہ جائز نہیں جب تک شریک بنص صریح اس کی اجازت نہ دے دے اھ اقول (میں کہتا ہُوں) یہ وُہ ہے جس کا انھوں نے شرکت عنان و مفاوضہ کے شریکوں کے بارے میں افادہ فرمایا باوجودیکہ شرکتِ عنان اور شرکتِ مفاوضہ میں شریک ایک دوسرے کے وکیل اور ایک دوسرے کی طرف سے تصرف کے مجاز ہوتے ہیں تو یہ حکم شرکت عین کے شریک کیلئے کیسے ہوسکتا ہے کہ اس میں تو شریک دوسرے کے حصہ سے محض اجنبی ہوتا ہے اُسے دوسرے کے حصہ میں تصرف حلال نہیں جیسا کہ اُنھوں نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

حاشیہ طحطاویہ میں ہے :

التجھیز لایدخل فیہ الجمع والمواثد فالفاعل لذلك ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا[2] اھ ملخصا۔

جمع وموائد تجہیز میں داخل نہیں تو جو تجہیز کے علاوہ ان میں خرچ کرے اگر وہ ورثاء میں سے ہے تو اُسی کے حصّہ سے شمار کیا جائے گا اور وہ متبرع ٹھہرے گا یُونہی اجنبی اھ ملخصاً (ت)

دُلہن کا جہیز وہ اگر بکر نے بطور ہبہ نہ دیا بقصد مجرائی دیا تو یہ دینا کچھ اثر پیدا نہ کرے گا جبکہ باہم کسی قسم کی کوئی گفتگو نہ آئی کہ یہ اشیا تیرے فلاں حصہ کے معاوضہ میں دیتے ہیں اس کے بعد کل ترکہ یا ترکہ کی فلاں قسم میں تیرا حصہ نہ ہوگا نہ بالیقین یہ ہُوا کہ اموال منقولہ کی ہر جنس جُدا جُدا جوڑ کر دُلہن کا حصّہ نکال کر ہر چیز سے خاص جس قدر اُس کے حصّہ میں آیا بے کمی بیشی ایک ذرّہ کے اُس کے لئے جُدا کرلیا اور وہی اس کے جہیز میں دیا ہو،

فضلا عن الاقتصار علی المثلیات والتحرز عن الاستبداد بالاستبدال فی القیمیات۔

چہ جائیکہ مثلی چیزوں پر اکتفاء کیا گیا ہو اور قیمت والی چیزوں میں مستقل تبادلہ کرنے سے احتراز کیا گیا ہو۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار — کتاب الشرکت — داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۵

[2] حاشیہ طحطاویہ — کتاب الفرائض — دارالمعرفۃ بیروت ۴/ ۳۶۷

نہ اجناس مختلفہ میں قسمت جبر بے تراضی ممکن، یہاں تک کہ قاضی کو بھی اس کا اختیار نہیں کما نصوا علیہ فی الکتب جمیعا (جیسا کہ تمام کتابوں میں اس پر نص فرمائی گئی ہے۔ ت) تو غایت درجہ اس قدر رہا کہ بکر نے دیتے وقت اپنے دل میں سمجھ لیا کہ یہ ہم علی الحساب دیتے ہیں جو کچھ جہیز کی لاگت ہے دُلہن کے حصہ میں مجرا لیں گے صرف اتنا سمجھ لینا کوئی عقد شرعی نہیں ہو سکتا قسمت نہ ہونا تو ظاہر لما مر (جیسا کہ گزرا۔ ت) صُلح و تخارج یُوں نہیں کہ کُل ترکہ یا اُس کی کسی قسم سے حصہ دلہن کا ساقط نہ کیا گیا نہ دُلہن کے خیال میں ہوگا کہ اب فلاں قسم ترکہ میں میرا کوئی دعوٰی نہ رہا اگرچہ میرا حصہ مقدار جہیز سے زائد نکلے، نہ ایسا امر بے صریح رضامندی فقط ایک طرف کے خیال پر عقد ٹھہر سکتا ہے،

فان العقد ربط ولا بد فی الربط من شیئین۔

کیونکہ عقد ربط ہوتا ہے اور ربط میں دو چیزوں کا ہونا لازم ہے۔ (ت)

معہذا عند الحساب جہیز کی لاگت میں اختلاف پڑنا ممکن بلکہ مظنون تو قطع نزاع جس کے لئے صلح و تخارج کی وضع ہے حاصل نہ ہوا،

وما من شیئ خلا عن مقصودہ الا بطل وجہالۃ المصالح عنہ انما لا تمنع جواز الصلح اذا لم تفض الی منازعۃ والا منعت۔

اور نہیں ہے کوئی شیئ اپنے مقصود سے خالی مگر وہ باطل ہے، اور جس شیئ پر صلح ہو رہی ہے اس کا مجہول ہونا اگر سبب نزاع نہ ہو تو جواز صلح سے مانع نہیں ورنہ مانع ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الصلح شرعا عقد یرفع النزاع ویقطع الخصومۃ[1]۔

صلح شرعاً ایک ایسا عقد ہے جو نزاع کو رفع اور خصومت کو قطع کرتا ہے۔ (ت)

نہایہ میں ہے:

جہالۃ تفضی الی المنازعۃ تمنع جواز الصلح[2] اھ ملخصین۔

جو جہالت منازعت تک پہنچائے وہ جواز صلح سے مانع ہوتی ہے اھ ملخصین (ت)

رہی بیع وہ اگر بتصریح ایجاب و قبول بھی ہوتی مثلاً بکر کہتا ہے میں نے یہ جہیز بعوض ان اشیائے متروکہ کے

---

[1] درمختار کتاب الصلح مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۱

[2] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ النہایۃ کتاب الصلح الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۳۱

جو بقدرِ مالیت جہیز تیرے حصّہ میں آئیں بیع کیا اور دُلھن قبول کرتی تاہم فاسد ہوتی کہ نہ جہیز کی لاگت بیان میں آئی نہ یہ معلوم کہ اُس کی مالیت کی کتنی چیزیں اور کیا کیا اشیاء حصّہ عروس میں آئیں گی یہاں کہ اس قدر بھی نہ ہوا بلکہ کوئی تذکرہ درمیان نہ آیا صرف بکر نے ایک امر سمجھ کر جہیز سپرد کیا یہ بھی خبر نہیں کہ اُس وقت قلبِ عروس میں کیا نیت تھی اسے کیونکر کوئی عقدِ شرعی قرار دے سکتے ہیں،

ومعلوم انه لیس من عقد یتم بالنیة بل لابد من شئ یظهر القصد القلبی ویکون دلیلا علی الرضا النفسی۔

اور یہ معلوم ہے کہ ایسا کوئی عقد نہیں جو محض نیت سے تام ہوتا ہو بلکہ کسی ایسی شئی کا ہونا ضروری ہے جو ارادہ قلبی کو ظاہر کرے اور رضاءِ قلبی پر دلالت کرے۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

رکنه الفعل الدال علی الرضا بتبادل الملکین من قول او فعل[1] اھ (ملخصا) نعم المظهر قد یکون نصا وهو اللفظ المقرر للایجاب والقبول وقد یکون دلالة کالمساومة واخذ الثمن بعد بیان الثمن فی بیع التعاطی وحیث لاحاجة الی البیان للعرف العام کالخبز مثلا حیث یکون له قیمة معلومة لا تختلف ففتح البائع الدکان وجلوسه للبیع واعداده الخبز لذلك دلیل علی البیع واخذ المشتری علی الشراء اما ههنا فان فرضت دلالة من بکر فلا دلالة اصلا من قبل العروس ولئن سلمت ایضا فالتعاطی ههنا من احد الجانبین وهو وان جاز عند البعض وبه یفتی وهو اس جمع التصحیحین فلابد فیه عند مجیزه من بیان البدل

اس کا رکن وہ فعل ہے جو قولی یا فعلی طور پر تبادل ملکین کے ساتھ رضامندی پر دلالت کرے، ہاں کبھی تو اس امر کو ظاہر کرنے والی شئی بطور نص ہوتی ہے اور وُہ لفظ ہے جو ایجاب وقبول کے لئے مقرر کیا گیا اور کبھی وُہ بطور دلالت ہوتی ہے جیسے بھاؤ چکانا اور بیع تعاطی میں بیان ثمن کے بعد مبیع کو لے لینا اور جہاں عرف عام کی وجہ سے حاجتِ بیان نہیں ہوتی جیسے مثال کے طور پر روٹی جہاں اس کی قیمت متعین ہو اور مختلف نہ ہوتی ہو وہاں بائع کا دکان کھول کر بیٹھنا اور فروخت کے لئے روٹی تیار کرنا بیع پر دلالت کرتا ہے اور مشتری کا اس کو لے لینا خریداری پر دلالت کرتا ہے لیکن یہاں اگر بکر کی طرف سے دلالت فرض کر بھی لی جائے تو دُلھن کی طرف سے بالکل دلالت نہیں پائی گئی اور اگر بالفرض اس کو بھی تسلیم کرلیا جائے تو یہاں تعاطی صرف ایک جانب سے ہوگی ایک طرف سے تعاطی

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/۴۵۵

والبدل ھھنا کما علمت مجھول فلم ینعقد البیع اجماعا۔

اگرچہ بعض کے نزدیک جائز ہے اور یہی مفتی بہ اور ارجح التصحیحین ہے، مگر اس کو جائز ماننے والوں کے نزدیک بیان بدل ضروری ہے اور یہاں پر جیسا کہ تُو جانتا ہے بدل مجہول ہے لہذا بالاجماع یہ بیع منعقد نہ ہوگی۔ (ت)

فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

الشرط فی بیع التعاطی الاعطاء من الجانبین عند شمس الائمۃ الحلوانی کذا فی الکفایۃ وعلیہ اکثر المشائخ وفی البزازیۃ ھو المختار کذا فی البحر الرائق والصحیح ان قبض احدھما کاف لنص محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ علی ان بیع التعاطی یثبت بقبض احد البدلین وھذا ینتظم الثمن والمبیع کذا فی النھر الفائق وھذا القائل یشترط بیان الثمن لانعقاد ھذا البیع بتسلیم المبیع وھکذا حکی فتوی الشیخ الامام ابی الفضل الکرمانی کذا فی المحیط۔

بیع تعاطی میں دونوں جانبوں سے اعطاء امام شمس الائمہ حلوانی کے نزدیک شرط ہے یونہی کفایہ میں ہے، اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں، بزازیہ میں ہے کہ یہی مختار ہے، البحر الرائق میں بھی ایسے ہی ہے، اور صحیح یہ ہے کہ ایک کا قبضہ کافی ہے کیونکہ امام محمد رضی اللہ عنہ نے نص فرمائی کہ بیع تعاطی بدلین میں سے ایک پر قبضہ کرنے سے ثابت ہوجاتی ہے اور یہ ایک پر قبضہ ثمن مبیع دونوں کو شامل ہے جیسا کہ النہر الفائق میں ہے اور یہ قائل تسلیم مبیع کے ساتھ اس بیع کے منعقد ہونے کے لئے بیان ثمن کی شرط لگاتا ہے، اور اسی طرح شیخ امام ابوالفضل کرمانی کا فتوٰی نقل کیا گیا جیسا کہ محیط میں ہے۔ (ت)

پس واضح ہوا کہ جہیز دینے میں کسی عقد شرعی کی حقیقت تو حقیقت صورت بھی نہ تھی تو یہ دینا اصلاً کوئی اثر تبدل ملک پیدا نہ کرے گا بلکہ وُہ مال جس کی ملک تھا بدستور اسی کی ملک پر رہے گا۔ اب معرفت مالک درکار ہے جو چیزیں عین متروکہ تھیں مثلاً زیور، برتن، کپڑے وغیرہا کہ مورثوں نے چھوڑے بعینہٖ جہیز میں دئے گئے وُہ جیسے سب وارثوں میں پہلے مشترک تھیں اب بھی مشترک رہیں گی اور جو اشیاء بکر نے خرید کر دیں وہ سب مطلقاً مِلک بکر تھیں اور اب بھی خاص اسی کی مِلک پر رہوں گی اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں لما علم من ان الشراء اذا وجد نفاذا علی الشاری نفذ (کیونکہ یہ معلوم ہوچکا کہ بیشک شراء جب نفاذ پائے تو مشتری

لہ فتاوٰی ہندیہ کتاب البیوع الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۹

پر نافذ ہوجاتی ہے۔ت) غایت یہ کہ مال مشترک سے خریدنے میں بکر باقی ورثہ کے حصص کا ذمہ دار رہے گا کما نقلنا فی مواضع من فتاوٰنا عن ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار سے اپنے فتاوٰی میں متعدد مقامات پر نقل کیا ہے۔ت) پھر اس قسم یعنی مملوکات بکر پر دُلہن کا قبضہ قبضہ امانت ہوگا لحصولہ بتسلیط المالك (کیونکہ اس قبضہ کا حصول مالک کی طرف سے قدرت دینے سے ہوا۔ت) پس جس چیز کو دلہن نے استہلاک نہ کیا بغیر اس کے فعل کے چوری وغیرہ سے ہلاک ہوگئی اُس کا تاوان دلہن پر نہ آئے گا اور جو اس کے فعل وتعدی سے تلف ہُوئی اس کی قیمت بکر کے لئے دلہن کے ذمہ واجب ہوگی لان الامین ضمین اذا تعدی (اس لئے کہ امین جب امانت میں تعدی کرے تو ضامن ہوگا۔ت) اور جو باقی ہو وہ بعینہٖ بکر کو واپس دے اور قسم اول یعنی عین متروکہ سے جو کچھ جہیز میں دیا گیا اس پر دلہن کا ہاتھ دست ضمان ہوگا یعنی کسی طرح اس کے پاس ہلاک ہوجائے مطلقاً تاوان آئے گا،

وذلك لان بکرا قد تعدی علی حصص الشرکاء بتجھیزہ الاخت من مال مشترك وتسلیمه الیھا جھازا لتلبس وتستعمل وبالتصرف تستقل وکل ید مترتبة علی ید ضمان ید ضمان

اور یہ اس لئے ہے کہ بیشک بکر نے شرکاء کے حصوں میں تعدی کی کیونکہ اس نے مال مشترک سے بہن کا جہیز بناکر بہن کے حوالے کیا تاکہ وہ اس کو پہنے اور استعمال کرے اور اس میں مستقل تصرف کرے اور ہر قبضہ جو قبضہ ضمان پر مترتب ہو وہ قبضہ ضمان ہی ہوتا ہے۔(ت)

پس باقی وارث جنھوں نے اذن نہ دیا مختار رہیں گے کہ جو کچھ ہلاک ہوا چاہیں اپنے حصوں کا تاوان بکر سے لیں لانه الغاصب (کیونکہ وُہ غاصب ہے۔ت) چاہیں دلہن سے لانھا کغاصبة الغاصب (کیونکہ وہ گویا غاصب سے غصب کرنے والی ہے۔ت)، فتاوٰی خیریہ میں ہے:

الید المترتبة علی ید الضمان ید ضمان فلرب البھیمة ان یضمن من شاء الخ۔[1]

قبضہ ضمان پر مترتب ہونے والا قبضہ بھی قبضہ ضمان ہی ہوتا ہے لہذا چارپائے کے مالک کو اختیار ہے کہ جس سے چاہے ضمان لے الخ (ت)

اور وہ بکر یا دُلہن جس سے ضمان لیں اُسے دُوسرے پر دعوٰی نہیں پہنچتا،

اما بکر فلانه الغاصب وانما قبض العروس بتسلیطه واما العروس فلانھا قبضت

لیکن بکر تو اس لئے کہ وُہ غاصب ہے بے شک دلہن نے اس کے قدرت دینے سے قبضہ کیا اور

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الغصب دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۴۹

لنفسها لا لبكر۔

رہی دلہن تو وہ اس لئے کہ بے شک اس نے اپنے لئے قبضہ کیا ہے نہ کہ بکر کے لئے۔ (ت)

ردالمحتار میں بزازیہ سے ہے:

وھب الغاصب المغصوب او تصدق او اعار وھلك فی ایدیھم وضمنوا للمالك لا یرجعون بما ضمنوا للمالك علی الغاصب لانھم کانوا عاملین فی القبض لانفسھم بخلاف المرتھن والمستاجر والمودع فانھم یرجعون بما ضمنوا علی الغاصب لانھم عملوا لہ[1] الخ۔

غاصب نے شیئ مغصوبہ کسی کو بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دے دی اور وہاں ہلاک ہوگئی تو جنھیں وہ شیئ بطور ہبہ یا صدقہ یا عاریت دی گئی یہ لوگ اصل مالک کیلئے ضامن ہوں گے اور جتنا ضمان انھوں نے مالک کو دیا وہ غاصب سے نہیں لے سکیں گے کیونکہ انھوں نے قبضہ کرنے میں اپنے لئے عمل کیا نہ کہ غاصب کے لئے بخلاف مرتہن، مستاجر اور مودع کے کہ یہ لوگ جتنے کے ضامن ہوئے غاصب سے اس کا رجوع کرسکیں گے کیونکہ انھوں نے غاصب کے لئے عمل کیا الخ۔ (ت)

اور جو کچھ باقی ہوں وہ دلہن سے واپس لے کر فرائض الٰہیہ پر تقسیم ہوجائیں یہ سب احکام اس صورت میں تھے کہ بکر نے جہیز بطور ہبہ نہ دیا ہو اور بے شک اس امر میں کہ ہبہ کی نیت تھی یا مجرائی کی، بکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا،

لانہ الدافع فھو ادری بجھۃ الدفع کما فی الاشباہ وجامع الفصولین والفتاوی الخیریۃ وغیرھا وقد نصوا علیہ فی مسائل کثیرۃ **اقول** ولیس فی تجھیز الاخوۃ الاخوات اذا کن ذوات مال شریکات فی ما بایدی الاخوۃ من الترکۃ عرف فاش یقضی بالھبۃ بخلاف الاباء والامھات فی بلادنا وکیف یکون الظاھر

کیونکہ بیشک وُہ دینے والا ہے لہذا وہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ دینے کی جہت کیا ہے جیسا کہ اشباہ، جامع الفصولین اور فتاوٰی خیریہ وغیرہ کتابوں میں ہے، اور تحقیق انھوں نے متعدد مسائل میں اس پر نص فرمائی ہے **میں کہتا ہوں** کہ مالدار بہنیں جو بھائیوں کے زیر قبضہ ترکہ میں شریک ہیں ان کو بھائیوں کے جہیز دینے میں یہ عرف عام نہیں کہ یہ بھائیوں کی طرف سے ہبہ ہے بخلاف ماں باپ کے کہ وُہ جو کچھ بطور جہیز دیں وہ ہمارے علاقے کے عرف میں ہبہ ہے اور بقاعدہ واجب کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الغصب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۲۶/۵

قصد التبرع مع بقاء الواجب بل الظاهر انهم یریدون الاحتساب علیهن من انصابهن۔

ہوتے ہُوئے قصدِ تبرع کیسے ظاہر ہوگا بلکہ ظاہر تو یہاں یہ ہے کہ وُہ بہنوں کے حصّوں سے مجرا کا ارادہ کرتے ہیں (ت)

اسی طرح اگر بکر نے دل میں نیتِ ہبہ کی مگر دُلھن نے ہبہ جان کر قبضہ نہ کیا بلکہ مثلاً اپنے حصہ کا معاوضہ یا حصّے میں مجرائی سمجھ کر لیا تو بھی بعینہٖ یہی احکام ہوں گے کہ اس صورت میں دُلہن کی طرف سے قبولِ ہبہ نہ پایا گیا،

فان القبول فرع العلم وھی اذا لم تحسبه هبة کیف یتصور انها قبلت الهبة۔

اس لئے کہ قبول علم کی فرع ہے تو جب اس نے اسے ہبہ جانا ہی نہیں تو یہ کیسے متصور ہے کہ اس نے ہبہ قبول کیا۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

وکذا بقوله اذنت للناس جمیعا فی ثمر نخلی من اخذ شیئا فهو له فبلغ الناس من اخذ شیئا یملکه کذا فی المنتقی وظاهره ان من اخذ ولم یبلغه مقالة الواهب لایکون له کما لایخفی[1] اھ **اقول** ومثله مافی الهندیة عن الخلاصة رجل سیب دابته فاصلحها انسان ثم جاء صاحبها و اقر وقال قلت حین خلیت سبیلها من اخذها فهی له او انکر فاقیمت علیه البینة او استحلف فنکل فهی للآخذ سواء کان حاضر اسمع هذه المقالة او غاب

اور اسی طرح اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنے درختوں کے پھلوں کی تمام لوگوں کو اجازت دی کہ جو جتنا لے لے وہ اُسی کا ہے، لوگوں کو اس کی خبر پہنچی تو اس میں سے جو جتنا لے گا وہ اس کا مالک ہوجائیگا جیسا کہ منتقی میں ہے۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ جس کو واہب کے اس کہنے کی خبر نہ پہنچی اس نے جو کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہوگا جیسا کہ مخفی نہیں، **میں کہتا ہُوں** اسی کی مثل ہے وہ جو ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ کسی شخص نے اپنا چوپایہ آزاد چھوڑ دیا پھر کسی نے اس کو پکڑ کر اس کی اصلاح کرلی یعنی اس کو کام کے لائق بنالیا اب مالک آیا اور اس نے اقرار کیا کہ میں نے اس کو چھوڑتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ جو بھی اس کو پکڑلے گا یہ اسی کا ہوگا یا اس نے

---

[1] البحرالرائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۲۸۴

فبلغه الخبر[1] اھ ووجهه ظاھر فانه اذا علم
بمقالة الواھب فیکون الاخذ علی جهة
الاتهاب ویقوم القبض مقام القبول
بخلاف ما اذا لم یعلم فانه لم یتحقق القبول
قطعا وھو مدار ثبوت الملك للموھوب له
قطعا سواء جعل رکنا کما نص علیه فی
التحفة والولوالجیة والکافی والکفایة و
التبیین والبحر ومجمع الانهر والدر المختار
وابی السعود وغیرھا من کتب الکبار وھو
ظاھر الهدایة وملتقی الابحر وغیرھما
من الاسفار الغر اوشرطا کما نص علیه
فی المبسوط والمحیط والهندیة وغیرھا
وافاد فی البدائع انه الاستحسان وان الاول
قول زفر وعلی کل فاتفق القولان علی
انه لا تملك فیها بدون القبول وھو الذی
نص علیه فی الخانیة وغیرھا وقد حققنا
المسئلة بتوفیق الله تعالی علی ھامش
رد المحتار بما لامزید علیه۔

انکار کیا اور گواہ قائم ہوگئے کہ اس نے ایسا کہا تھا
یا اس سے حلف کا مطالبہ کیا گیا تو وہ حلف سے انکار
کرگیا، ان تمام صورتوں میں وہ چوپایہ اُس پکڑنے والے
شخص کا ہوگا چاہے تو خود حاضر ہوکر اُس نے اپنے
کانوں سے اس کی یہ بات سُنی ہو یا وُہ غائب تھا
اور اس تک یہ خبر پہنچی ہو[1] اور وجہ اس کی ظاہر ہے
کہ جب اس کو واہب کے اس قول کا علم ہوگیا تو
اب اس کا لینا بطور قبول ہبہ کے ہوگا اور اس کا
قبضہ قبول کے قائمقام ہوگا بخلاف اس کے جب
اس کو واہب کے قول کا علم نہ ہو تو قطعاً قبول متحقق
نہ ہوگا اور وُہ قبول ہی موہوب لہ کے لئے ثبوتِ ملک
کا مدار ہے چاہے اس قبول کو رکن قرار دیا جائے،
جیسا کہ اس پر تحفہ، ولوالجیہ، کافی، کفایہ، تبیین،
بحر، مجمع الانہر، درمختار اور ابوالسعود وغیرہ کتب
کبیرہ میں نص کی گئی اور ہدایہ اور ملتقی الابحر وغیرہ
جلیل القدر کتابوں سے بھی یہی ظاہر ہے، یا اس
قبول کو شرط قرار دیا جائے جیسا کہ اس پر مبسوط، محیط
اور ہندیہ وغیرہ میں نص کی گئی اور بدائع میں افادہ فرمایا
کہ بے شک یہ استحسان ہے اور یہ کہ بے شک اول قولِ زفر ہے اور بہرصورت دونوں اس پر متفق ہیں کہ
بغیر قبول کے ہبہ میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور خانیہ وغیرہ میں اسی پر نص فرمائی گئی اور البتہ ہم نے اس
مسئلہ کی حاشیہ ردالمحتار میں ایسی تحقیق کردی ہے جس پر اضافہ کی گنجائش نہیں۔ (ت)

تو اس حالت میں بھی وُہ اشیاء بدستور ملکِ اصل مالک پر رہیں گی خواہ بکر ہو یا سب شرکاء اور
احکام سابقہ عود کریں گے، ہاں اگر بکر کا ارادہ ہبہ قولاً یا فعلاً یا درایۃً کسی طرح ظاہر ہوا جس کے سبب

[1] فتاوٰی ہندیہ باب الہبۃ الباب الثالث فیما یتعلق بالتحلیل نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۸۲

دلہن نے اسے ہبہ ہی سمجھ کر قبضہ کیا تو البتہ ایجاب وقبول دونوں متحقق ہوگئے،

فان القبض توجه الا تیهاب قبول وان ناقصا کما فی مشاع یقسم لاستواء الکل فی الدلالۃ علی الرضا کما لایخفی۔

اس لئے کہ ہبہ سمجھ کر قبضہ کرنا قبول ہے اگرچہ ناقص ہو جیسے محتمل قسمت مشاع کا ہبہ کیونکہ رضا پر دلالت کرنے میں تمام برابر ہے جیساکہ مخفی نہیں۔ (ت)

ولوالجیہ میں ہے:

القبض فی باب الھبۃ جارمجری الرکن فصار کالقبول[1]۔

ہبہ کے باب میں قبضہ رکن کے قائمقام ہے لہذا وُہ قبول کی طرح ہوگیا۔ (ت)

پس جو اشیاء بکر نے خرید کر جہیز میں دیں اگرچہ مال مشترک سے خریدی ہوں دلہن اُن کی مالک مستقل ہوگئی اور بکر پر اس مال مشترک میں اور ورثہ کے حصص کا تاوان آیا جن کے بے اذن یہ شراء واقع ہُوا یہاں تک کہ خود اُس دلہن کے حصے کا بھی جس نے جہیز پایا،

فان البدل وان الیھا وصل لکن الشراء نفذ علی بکر فوقع الملك له وتم الضمان ثم العطاء للعروس ھبۃ علیحدۃ من مال نفسه فلا یرتفع به ضمان قسط العروس۔

اس لئے کہ بدل اگرچہ دلہن تک پہنچ گیا لیکن شراء بکر پر نافذ ہُوئی لہذا اس کے لئے ملک ثابت ہُوئی اور ضمان تام ہوا پھر بکر کا دُلہن کو عطا کرنا یہ بکر کے اپنے مال سے علیحدہ ہبہ ہُوا تو اس سے دُلہن کے حصے کا ضمان ساقط نہیں ہوگا۔ (ت)

اور جو کچھ عین ترکہ سے ہبہ کیں تو ہبہ باقی ورثہ کے حق میں نافذ نہ ہُوا اذ لااذن منھم ولا ولایۃ علیھم (اس لئے کہ نہ تو ان کی طرف سے اذن ہے اور نہ ہی اس کی ان پر ولایت ہے۔ ت) تو اُن کے حصے تو ہر حال دلہن کے ہاتھ میں مضمون رہے اور ضمان کا وہی حکم کہ اُنھیں اختیار ہے چاہیں بکر پر ڈالیں یا دلہن پر، جس پر ڈالیں دوسرے سے مجُرا نہ پائے گا کما قدمنا عن البزازیۃ (جیسا کہ بزازیہ سے پیچھے گزرچکا ہے۔ ت) رہا بکر کا اپنا حصہ جہیز میں جو مال قابل تقسیم تھا یعنی اس کے حصے کچھے تو وہی انتفاع اس سے مل سکے جو قبل از تقسیم ملتا تھا جب تو بکر کے حصے میں بھی ہبہ صحیح نہ ہُوا لانھا ھبۃ مشاع فیما یقسم (کیونکہ یہ محتمل قسمت مشاع کا ہبہ ہے۔ ت) اس صورت میں مال مذکور بدستور شرکت جمیع ورثاء پر رہے گا اور جو کچھ دُلہن کے ہاتھ میں کسی طرح ہلاک ہوگا اس میں حصہ بکر کا تاوان خاص دُلہن پر پڑے گا۔ فتاوٰی خیریہ میں ہے:

---

[1] ولوالجیہ

لاتصح ہبة المشاع الذی یحتمل القسمة ولایفید الملك فی ظاھر الروایة قال الزیلعی ولو سلمه شائعا لایملکه فیکون مضمونا علیه[1] اھ ملخصا وتمامه فیھما وفی ردالمحتار۔

محتمل قسمت مشاع کا ہبہ ظاہر الروایۃ کے مطابق صحیح نہیں اور نہ ہی مفید ملک ہے۔ امام زیلعی نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کسی کو مشترک غیر منقسم شیئ بطور ہبہ دے دے تو موہوب لہٗ اس کا مالک نہیں ہوگا اور اس پر ضمان آئے گا، اس کی پوری تفصیل مذکورہ بالا دونوں کتابوں اور ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر مال ناقابلِ تقسیم ہو مگر دُلہن نہ جانے کہ اس میں بکر کا حصہ کس قدر ہے جب بھی ہبہ صحیح نہ ہوگا اور بعد ہلاک وہی حکم ہے کہ بکر کا تاوان دلہن پر آئے گا۔ بحرالرائق میں ہے:

یشترط فی صحة ہبة المشاع الذی لایحتملھا ان یکون قدرا معلوما حتی لو وھب نصیبه من عبد ولم یعلمه به لم یجز[2]۔

غیر محتمل قسمت مشاع کے ہبہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مقدار معلوم ہو یہاں تک کہ اگر غلام سے اپنا حصہ کسی کو ہبہ کیا اور مقدار نہ بتائی تو جائز نہ ہُوا۔ (ت)

محیط امام سرخسی میں ہے:

واذا علم الموھوب له نصیب الواھب ینبغی ان تجوز عند ابی حنیفة رحمة الله تعالٰی[3] نقلھما فی الفتاوی الھندیة۔

اگر موہوب لہٗ کو واہب کا حصہ معلوم ہے تو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک یہ ہبہ جائز ہونا چاہئے۔ ان دونوں کو فتاوٰی ہندیہ میں نقل فرمایا۔ (ت)

جامع الفصولین میں فتاوٰی امام فضلی سے ہے:

اذا ھلکت افتیت بالرجوع للواھب ہبة فاسدة لذی رحم محرم منه اذالفاسدة مضمونة علی مامر[4]۔

اگر شیئ موہوب ہلاک ہوجائے تو میں اس واہب کیلئے رجوع کا فتوٰی دُوں گا جس نے اپنے ذی رحم محرم کو بطور ہبہ فاسدہ کچھ دیا ہو کیونکہ ہبہ فاسدہ پر ضمان لازم آتا ہے جیسا کہ گزر گیا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ کتاب الھبۃ دارالمعرفۃ بیروت ۲/۱۱۲
[2] بحرالرائق کتاب الھبۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/۲۸۶
[3] فتاوٰی ہندیۃ بحوالہ المحیط السرخسی الباب الثانی فیما یجوز من الھبۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۷۸
[4] جامع الفصولین الفصل الثلثون فی التصرفات الفاسدۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/۵۷

اور اگر دُلھن کو معلوم تھا تو اس قدر میں ہبہ صحیح و نافذ و تام و لازم ہوگیا اور ان اشیاء میں دُلھن اپنے اور بکر دونوں کے حصص کی مالک ہوگئی باقی ورثہ کے حصّے بدستور دستِ عروس میں حکمِ ضمان پر ہیں جن کا حکم بارہا گزرا اور اوّل سے آخر تک سب صورتوں میں جو مشترک چیزیں دُلھن کے ہاتھ میں تلف ہوئیں اُن میں دُلھن اپنے حصّہ کا تاوان کسی سے نہیں لے سکتی کہ اُس کا مال اُسی کے ہاتھ میں ہلاک ہُوا اور بکر نے اس کے حصّے پر کوئی تعدی نہ کی،

فانه انما سلط المالك ليد من ملك فما هلك فی يدها فعليها هلك هذا كله من اوله الى آخره مما افيض على قلب الفقير من فيض القدير واخذته تفقها من كلمات العلماء اعظم الله اجورهم يوم الجزاء فما اصبت فمن الله تعالٰى وله الحمد عليه وما اخطأت فمن قصور نفسی وانا اتوب اليه اتقن هذه اتقانا كبيرا فان المسائل مما تمس اليه الحاجة كثيرا فاغتنم هذا التفصل الجميل والحمد لله على فيضه الجليل۔ والله سبحٰنه وتعالٰى اعلم۔

اس لئے کہ بیشک اس نے مملوک شیئ اس کے سپرد کی جو مالک ہُوا تو جو دُلھن کے قبضہ میں ہلاک ہُوا وہ اسی کی ضمان میں ہلاک ہُوا۔ یہ تمام از اول تا آخر ربِ قدیر جل مجدہٗ کے فیض سے فقیر کے دل میں ڈالا گیا اور میں نے اس کو بطور تفقہ علماءِ کرام کے ارشاداتِ عالیہ سے اخذ کیا تو جو میں نے درست کہا وہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے اسی پر اسی کے لئے حمد ہے اور جس میں مجھ سے خطا ہُوئی تو میرا اپنا قصور ہے میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع کرتا ہُوں وہ ان مباحث کو زبردست مضبوطی عطا فرمائے کیونکہ یہ وُہ مسائل ہیں جن کی طرف بکثرت حاجت واقع ہوتی ہے پس اس عمدہ تفصیل کو غنیمت جان اور اللہ تعالٰی کے فیض جلیل پر اسی کی حمد ہے۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔ (ت)

فصل دوم

مسئلہ ۸۶: از بجناتھ پارا رائے پور ممالک متوسط مرسلہ شیخ اکرم حسین صاحب متولی مسجد و دبیر مجلس انجمن نعمانیہ ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۱۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدًا و مصلیًا

فیض النساء بیگم مدعیہ بنام حسام الدین داروغہ جنگل مدعا علیہ	دعوٰی واپس پانے سامان جہیز ہر قسم کپڑے و زیورات وغیرہ متروکہ لڑکی متوفیہ مسماۃ فیض النساء بیگم نے اپنی سوتیلی لڑکی خدیجہ بی بی کی شادی حسام الدین کے ساتھ کردی، ڈیڑھ برس بعد وہ لڑکی مرگئی اور اُس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہُوا تھا بعمر ایک سال بعد چار مہینے مرنے ماں کے وُہ لڑکا مرگیا، فیض النساء بیگم کا

دعوٰی ہے کہ کُل سامان جہیز زیور وغیرہ جو وقت شادی خدیجہ بی بی مرحومہ کو جہیز دی تھی واپس ملے اور صرفہ سامان جہیز وغیرہ میں اپنے پیسے سے کرنے کے سبب میں واپس پانے کی حقدار ہوں سامان جہیز واپس ملنے کا رواج ملک مدراس میں جاری ہے۔ جوابِ حسام الدین یہ ہے کہ زیورات متوفیہ کے حکم سے اسی کے دوا معالجہ میں رہن رکھ کر خرچ ہُوا مجھ کو اس قدر وسعت نہ تھی کہ اس قدر عرصہ دراز کی بیماری میں اس کثیر صرفہ کے بار کا متحمل ہوسکتا اس کے علاوہ اور بھی بہت سا میرا ذاتی خرچ ہُوا ہے متوفیہ کا لڑکا متوفیہ کے مرتے وقت زندہ تھا، ماں کی جائداد کا لڑکا مالک ہُوا اور بعد مرنے لڑکے کے میں باپ اس کا وارث ہوں، متوفیہ کی سوتیلی ماں کا کوئی حق نہیں ہے۔ عالمانِ دین اور مفتیانِ شرع متین مسائلِ ذیل میں کیا فرماتے ہیں،

(۱) مُلک مدراس میں متوفیہ لڑکی کا جہیز واپس لینے کا رواج ہے فرمائیے شرع میں کہاں حکم ہے۔

(۲) شرع میں رواجِ ملک کو مداخلت ہے کیا۔

(۳) جہیز میں جو سامان لڑکی کو دیا جاتا ہے وہ عاریۃً سمجھا جائے گا یا تملیکاً۔

(۴) شرح وقایہ جلد سوم میں ہبہ واپسی کا حکم ہے کیا ہبہ جہیز اسی قسم کا ہبہ ہے حسبِ دعوٰی مدعیہ۔

(۵) جو شیئ منجانب مدعیہ خاص مدعا علیہ یعنی داماد کو وقت شادی کے ملی ہے اُس کے واپس پانے کا کیا مدعیہ کو حق ہے۔

(۶) جو جہیز یا سامان مدعا علیہ نے وقتِ شادی اپنی بی بی کو دیا اس پر بھی حق واپس لینے کا مدعیہ کا ہے یا نہیں۔

(۷) متوفیہ کے حکم سے زیورات وقتِ بیماری رہن رکھ کر صرف ہُوا اُس کے چھڑانے کا کون ذمہ دار ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جواب سوال اوّل تا چہارم

حکم شرع مطہر کے لئے ہے عرف ورواج وغیرہ کسی کو حکم میں کچھ دخل نہیں ان الحکم الاّ للّٰہ (نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالٰی کا۔ ت) ہاں بعض احکام کو شرع مطہر اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے خواہ یُوں کہ اگر یہ شیئ معروف ورائج ہوجائے تو اس کے لئے یہ حکم ہے ورنہ یہ جس طرح وقف منقول کہ اشیائے منقولہ میں جس کا وقف معروف ہو جائز، ورنہ نہیں، یا استصناع یعنی بے طریق سلم معدوم چیز اُجرت دے کر بنوانا اس میں جن اشیاء کے بنوانے کا رواج ہو، جائز، ورنہ نہیں، یا شرط فی البیع کہ جو شرط مفسد معروف ہوجائے محتمل ہے ورنہ نہیں الٰی غیر ذٰلک مما صرحوا بہ فی الکتب (اس کے علاوہ جس کی تصریح انھوں نے کتابوں میں فرمائی۔ ت) خواہ یُوں کہ حکم فی نفسہٖ حاصل اور عُرف اُس کی صورت کا بتانے والا مثلاً مرتہن کا شیئ مرہون سے انتفاع اگر باذنِ راہن بے شرط ہو، جائز، ورنہ حرام۔ اب اگر عرف و رواج ہو کہ بے طمع نفع بمرہون قرض نہیں دیتے، جیسے ہمارے زمانہ میں، تو مطلقاً حکمِ حُرمت دیا جائے گا کما فی الشامی عن الطحطاوی وقد افتیت بہ مرارا (جیسا کہ شامی میں طحطاوی کے حوالے سے ہے اور تحقیق میں اس پر کئی بار فتوٰی دے چکا ہوں۔ ت) یہاں عرف نے بتادیا کہ صورتِ صورتِ شرط ہے نہ یہ کہ قرض و رہن خالص واقع ہُوئے اور اُس کے بعد راہن نے برضائے خود مرتہن کو اجازتِ انتفاع دی، ایسی ہی جگہ المعروف کالمشروط (معروف مشروط کی طرح ہوتا ہے۔ ت) یا المعھود عرفا کالمشروط لفظا (جو عُرف کے اعتبار سے معہود و متعین ہو وہ

ایسے ہی ہے جیسے لفظ کے اعتبار سے مشروط ہو۔ ت) کہتے ہیں کتب فقہ میں دونوں صورتوں کی مثالیں بکثرت موجود۔ یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ والدین اپنے مال سے دلہن کو جہیز دیتے ہیں اور دینا ہبہ و عاریت دونوں کو محتمل، تو بنظر اصل حکم مطلقاً انھیں کا قول معتبر ہونا چاہئے تھا۔

فان الاصل ان الدافع ادری بجھة الدفع وایضا اذا احتمل امران تعین الاقل اذ ھو المتیقن والی ھذا نظر الامام شمس الائمة السرخسی فاختار ان القول للاب مطلقا۔

بے شک اصل یہ ہے کہ دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے نیز جب دو امر محتمل ہوں تو ان میں سے اقل متعین ہوتا ہے کیونکہ وہی یقینی ہوتا ہے۔ امام شمس الائمہ سرخسی نے اسی کی طرف نظر فرمائی اور اختیار فرمایا کہ قول مطلقاً باپ ہی کا معتبر ہے (ت)

مگر عرف بلاد مظہر قصد و مراد ہوتا ہے جہاں عرف غالب تملیک ہو وہاں دعوٰی عاریت نامقبول اور جہیز دینا تملیک ہی پر محمول جب تک گواہان شرعی سے اپنا عاریۃً دینا ثابت نہ کریں، اور جہاں عرف غالب عاریت ہو یا دونوں رواج یکساں، وہاں آپ ہی ان کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا اور ایسی جگہ جہیز دینا تملیک نہ سمجھا جائے گا مشیا علی الاصل المار لعدم ما یحمل علی العدول عنہ (اصل راجح پر چلتے ہوئے کیونکہ اس سے عدول پر برانگیختہ کرنے والی کوئی شی موجود نہیں۔ ت) یہی صحیح و معتمد و مختار للفتوی ہے بل ھو التوفیق بین الاقوال فاذا حقق فالیہ المآل (بلکہ مختلف اقوال میں اسی سے تطبیق حاصل ہوئی جب اس کی تحقیق ہوگئی تو اسی کی طرف لوٹنا لازم ہے۔ ت)

درمختار میں ہے:

جھز ابنتہ ثم ادعی ان ما دفعہ لھا عاریة وقالت ھو تملیك او قال الزوج ذلك بعد موتھا لیرث منہ وقال الاب او ورثتہ بعد موتہ عاریة فالمعتمد ان القول للزوج ولھا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جھازا لا عاریة واما ان مشترکا کمصر والشام فالقول للاب[1]۔

کسی شخص نے اپنی بیٹی کو جہیز دیا پھر دعوٰی کیا کہ اس نے جو کچھ دیا وہ بطور عاریت دیا، جبکہ لڑکی کہتی ہے کہ بطور تملیک دیا تھا، یا اس کے مرنے کے بعد یہی بات اس کا شوہر کہے تاکہ وہ جہیز سے بطور میراث حصہ پائے، اور لڑکی کا باپ یا اس کے مرنے کے بعد اس کے ورثا کہیں کہ یہ عاریت کے طور پر دیا تھا تو معتمد یہی ہے کہ قول بیٹی اور اس کے شوہر کا مانا جائے گا جبکہ عرف یہی رائج ہو کہ ایسا مال باپ اپنی بیٹی کو بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳

(جیساکہ ہمارے علاقے میں ہے) اور اگر عرف مشترک ہو جیسا کہ مصر اور شام میں، تو باپ کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

اُسی میں ہے، بہ یفتی (اسی کے ساتھ فتوٰی دیا جاتا ہے۔ ت)۔ بحر الرائق میں ہے،

فی فتح القدیر والتجنیس والذخیرۃ المختار للفتوی ان القول للزوج ولھا اذا کان العرف مستمرا ان الاب یدفع مثلہ جھازا لا عاریۃ کما فی دیارنا وان کان مشترکا فالقول قول الاب[1]۔

فتح القدیر، تجنیس اور ذخیرہ میں کہ فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ بیشک قول بیٹی اور اس کے شوہر کا معتبر ہوگا جبکہ عرف یہی رائج ہو کہ ایسا مال باپ بطور جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت، جیسا کہ ہمارے علاقے میں ہے۔ اور اگر عرف مشترک ہو تو باپ کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

عقود الدریہ میں ہے:

حیث کان العرف مشترکا فالقول للام مع یمینھا وقد ذکر ان کل من کان القول قولہ یلزمہ الیمین الا فی مسائل اوصلھا فی شرح الکنز الی نیف وستین مسألۃ لیست ھذہ منھا وافتی قارئ الھدایۃ القول قول الاب و الام انھما لم یملکاھا انما ھو عاریۃ عندکم مع الیمین[2] اھ مختصرا۔

جہاں عرف مشترک ہو تو وہاں ماں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ تحقیق مذکور ہے کہ ان تمام صورتوں میں جن میں کسی کا قول معتبر ہو اُسے یمین لازم ہے سوائے چند مسائل کے جنہیں شرح کنز میں ساٹھ سے کچھ اوپر تک پہنچایا، مسئلہ جہیز ان مسائل میں سے نہیں (یعنی اس میں قول قسم کے ساتھ ہی معتبر ہوگا) اور قاری ہدایہ نے فتوٰی دیا کہ قول ماں باپ کا قسم کے ساتھ معتبر ہوگا کہ بے شک اُنھوں نے بیٹی کو جہیز کا مالک نہیں بنایا اور تمھارے نزدیک عاریت ہے اھ مختصراً (ت)

پھر عرف جن خصوصیتوں کے ساتھ ہو سب کی مراعات واجب مثلاً شرفا میں عرف تملیک ہے کم درجہ کے لوگوں میں مشترک تو صرف شرفا ہی کی جانب سے تملیک سمجھی جائے گی یا حسب حیثیت ایک مقدار خاص تک جہیز دینے کا عرف ہو اور زیادہ ہو تو عاریت، تو جب اُسی مقدار تک دیا گیا ہو تملیک سمجھیں گے۔ بحر الرائق میں ہے:

قال قاضی خاں وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان الاب من الاشراف والکرام لا یقبل قولہ انہ عاریۃ

قاضی خاں نے فرمایا کہ جواب بالتفصیل ہونا چاہیے، اگر باپ اشراف ومعززین میں سے ہے تو اس کا یہ قول قبول نہیں کیا جائے گا کہ یہ (جہیز) عاریت ہے

---

[1] بحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

[2] العقود الدریۃ تنقیح فی الفتاوی الحامدیۃ مسائل الجہاز مطبع حاجی عبد الغفار و پسران قندھار افغانستان ۱/ ۲۶

وان کان الاب ممن لا یجھز البنات بمثل ذٰلك قبل قوله[1]

اور اگر باپ ان لوگوں میں سے ہے جو اس کی مثل جہیز بیٹیوں کو نہیں دیتے تو اس کا قول مان لیا جائیگا (ت)

نہرالفائق میں ہے:

وھذا العمری من الحسن بمکان[2]

اور میری عمر کی قسم یہ قول حُسن میں اُونچا مقام رکھتا ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لوکان اکثر مما یجھز بہ مثلھا فان القول لہ اتفاقا[3]

اگر جہیز میں دیا جانے والا مال اس سے زیادہ ہے جتنا ایسی لڑکیوں کو جہیز میں دیا جاتا ہے تو بالاتفاق باپ کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

بالجملہ یہاں مدار عرف و رواج پر ہے اور ان سب اقوال وتفاصیل کا یہی منشاء، تو جدھر عرف لے جائے اسی طرف جانا واجب، مگر یہ کہ کوئی دلیل دیگر اُس سے صارف ہو، مثلاً باپ پر بیٹی کا قرض آتا تھا وُہ کہتا ہے میں نے قرض میں دیا یہ کہتی ہے اپنے مال سے دیا، تو باپ ہی کا قول بقسم معتبر ہے کہ مدیون کے حال سے یہی ظاھر کہ ادائے دین کی فکر مقدم رکھے گا۔ بحرالرائق میں ہے:

لوکان لھا علی ابیھا دین فجھزھا ابوھا ثم قال جھزتھا بدینھا علی وقالت بل بمالك فالقول للاب وقیل للبنت[4]

اگر بیٹی کا باپ پر قرض ہو اور باپ بیٹی کو جہیز دے پھر کہے کہ میں نے یہ اس کے قرضے کے عوض میں دیا جو بیٹی کا مجھ پر تھا اور بیٹی کہے کہ باپ نے اپنے مال سے دیا ہے تو باپ کا قول معتبر ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ بیٹی کا قول معتبر ہوگا۔ (ت)

القرویہ میں ہے:

والاول اصح فانہ لو قال الاب کان لامك

اول اصح ہے اس لئے کہ اگر باپ کہے تیری ماں کا مجھ پر

---

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

[2] ردالمحتار بحوالہ النہرالفائق باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۳

[4] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۷

علی مائۃ دینار فاتخذت الجھاز بھا وقالت بل بمالك فالقول للاب جامع الفتاوی وکذا فی القنیۃ [1]

سَو دینار قرض تھا میں نے اس سے جہیز بنایا ہے، اور بیٹی کہے کہ تُو نے اپنے مال سے بنایا ہے، تو باپ کا قول معتبر ہوگا، جامع الفتاوٰی، اور ایسا ہی قنیہ میں ہے۔ (ت)

اقول وباللہ التوفیق مگر اگر بحالت دین بھی عرف مقتضی تملیک ہو تو اسی پر نظر کی جائے گی کہ اب دلالتِ دین دلالتِ عرف کے معارض نہ رہی۔ ہدایہ میں ہے:

(من بعث الی امرأتہ شیئا فقالت ھو ھدیۃ وقال الزوج ھو من المھر فالقول لہ) لانہ ھو المملك فکان اعرف بجھتہ التملیك کیف وان الظاھر انہ یسعی فی اسقاط الواجب (الا فی الطعام الذی یؤکل) فان القول قولھا والمراد منہ مایکون مھیئا للاکل لانہ یتعارف ھدیۃ فامافی الحنطۃ والشعیر فالقول قولہ لما بینا [2] اھ فانظر کیف رجح دلالۃ العرف علی دلالۃ انہ مدین فالظاھر منہ السعی فی اسقاط الدین ثم زاد الشارحون فسایروا العرف کیفما سار قال المحقق فی الفتح ھذا والذی یجب اعتبارہ فی دیارنا ان جمیع ماذکر من الحنطۃ

شوہر نے عورت کو کوئی شَی بھیجی عورت کہتی ہے وہ ہدیہ ہے اور شوہر کہتا ہے وہ مہر سے ہے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ وہی مالک بنانے والا ہے لہذا وہ تملیک کی جہت کو بہتر طور پر سمجھتا ہے اور اس کا قول کیسے معتبر نہ ہوگا جبکہ ظاہر یہی ہے کہ وُہ اس شَی کو ساقط کرنے کی کوشش کرے گا جو اس پر واجب ہے سوائے اس طعام کے جو کھایا جاتا ہے کیونکہ اس میں عورت کا قول معتبر ہوگا، اس سے مراد وہ طعام ہے جو کھانے کے لئے تیار کیا گیا ہو کیونکہ ایسا طعام بطور ہدیہ ہی متعارف ہے، لیکن گندم اور جَو وغیرہ کی صورت میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اسی بنا پر جس کو ہم نے بیان کیا، پس دیکھ کہ دلالت عرف کو کیسے ترجیح حاصل ہُوئی اس دلالت پر کہ وُہ مدیون ہے اور ظاہر یہ ہے کہ وُہ اسقاطِ دین میں سعی کرے گا پھر شارحین نے اس پر اضافہ کیا کہ عرف کے ساتھ چلو جدھر لے جائے۔ محقق نے فتح میں فرمایا اور وُہ جس کا اعتبار ہمارے علاقے میں واجب ہے یہ ہے کہ بیشک گندم،

---

[1] فتاوی انقرویہ باب فی اختلاف الجھاز والمھر دارالاشاعت العربیہ افغانستان ۱/۶۵-۶۴

[2] ہدایہ باب المھر المکتبۃ العربیہ کراچی ۱/۳۱۷

والوز والدقيق والسكر والشاة الحية
وباقيها يكون القول فيها قول المرأة
لان المتعارف فی ذلك كله ان يرسله هدية
فالظاهر مع المرأة لامعه ولا يكون
القول له الا فی نحو الثياب والجارية[1] اھ
وقال فی النهر الفائق واقول وينبغی ان
لا يقبل قوله ايضا فی الثياب المحمولة
مع السكر ونحوه للعرف[2] اھ وقال السيد
ابوالسعود فی حاشية الكنز بعد نقله و
اقول ينبغی ان يكون القول لها فی غير
النقود للعرف المستمر[3] اھ وقال فی رد المحتار
قلت ومن ذلك ما يبعثه اليها قبل
الزفاف فی الاعياد والمواسم من نحو ثياب
وحلی وكذا ما يعطيها من ذلك او من
دراهم او دنانير صبيحة ليلة العرس و
يسمی فی العرف صبحة فان كل ذلك تعورف
فی زماننا كونه هدية لا من المهر
ولا سيما المسمی صبحة فان الزوجة
تعوضه عنها ثيابا ونحوها صبيحة العرس ايضا[4]
اھ فكل ذلك انما هو لان العرف

بادام، آٹا، شکر، زندہ بکری اور دیگر تمام اشیاء
مذکورہ میں عورت کا قول معتبر ہوگا ان تمام اشیاء
میں عرف یہ ہے کہ بطور ہدیہ بھیجی جاتی ہیں لہذا ظاہر
عورت کا مؤید ہے نہ کہ مرد کا، اور مرد کا قول کپڑوں
اور لونڈی جیسی اشیاء کے ماسوا میں معتبر نہ ہوگا۔
النہر الفائق میں فرمایا کہ میں کہتا ہوں شکر وغیرہ کے
ساتھ بھیجے ہوئے کپڑوں میں بھی عرف کی وجہ سے
مرد کا قول معتبر نہیں ہونا چاہئے۔ سید ابوالسعود نے
حاشیہ کنز میں اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا میں کہتا
ہوں کہ عرف عام کی وجہ سے نقود کے غیر میں عورت
کا قول معتبر ہونا چاہئے۔ ردالمحتار میں فرمایا میں کہتا
ہوں کہ زفاف سے پہلے عیدوں اور موسموں پر جو
کپڑے اور زیور کی مثل اشیاء شوہر بیوی کی طرف
بھیجتا ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہیں اور یونہی حکم ہے
ان اشیاء اور دراہم و دنانیر کا جو شبِ زفاف
کی صبح اپنی بیوی کو دیتا ہے جس کو عرف میں صبحہ کا نام
دیا جاتا ہے کیونکہ ان تمام اشیاء کا ہمارے زمانے
میں ہدیہ ہونا متعارف ہے نہ کہ مہر سے ہونا، خصوصاً
وہ جس کو صبحہ کہا جاتا ہے، اس لئے کہ عورت بھی
شبِ زفاف کی صبح اس کے عوض میں کپڑے وغیرہ

---

[1] فتح القدیر باب المہر مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۲۵۶
[2] ردالمحتار بحوالہ النہر الفائق باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴
[3] فتح المعین " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/ ۴۰
[4] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۴

قضی بکونہ ھدیۃ مع العلم بان الزوج مدین بالمھر فسقطت بجنبہ دلالۃ الدین فکذلك لوان العرف ھھنا عم وصم ولوالاب مدینا لھا وجب القضاء بالتملیك وکان القول قولھا ھکذا ینبغی ان یفھم ھذا المقام واللہ الموفق وبہ الاعتصام۔

شوہر کو دیتی ہے پس یہ سب عرف ہی ہے جس نے ان اشیاء کے ہدیہ ہونے کا فیصلہ دیا باوجود اس بات کے معلوم ہونے کے کہ شوہر مہر کا مدیون ہے چنانچہ عرف کے مقابل دلالت دین ساقط ہوگئی، تو یوں ہی یہاں پر جب عرف عام وکثیر ہے اگرچہ باپ بیٹی کا مدیون ہو تملیک کا فیصلہ دینا واجب ہے اور بیٹی کا قول معتبر ہوگا۔ اس مقام کو اسی طرح ہی سمجھنا چاہیے، اللہ تعالٰی ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے اور اسی کی پناہ مطلوب ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ اب عامۂ بلادِ عرب وعجم کا عرف غالب وظاہر وفاش ومشتہر مطلقاً یہی ہے کہ جہیز جو دلہن کو دیا جاتا ہے دلہن ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے بلکہ جہیز کہتے ہی اُسے ہیں جو اُس وقت بطور تملیک دلہن کے ساتھ بھیجا جاتا ہے

کما سبق من قول الدر والبحر والفتح والتجنیس والذخیرۃ ان الاب لو زوج بنتہ جھازا لاعاریۃ۔[1]

جیسا کہ در، بحر، فتح، تجنیس اور ذخیرہ کے قول سے گزرا کہ بیشک باپ اس کی مثل بطورِ جہیز دیتا ہے نہ کہ بطور عاریت۔ (ت)

ہمارے بلاد میں عموماً شرفاء واوساط وعامۂ اراذل سب کا یہی عرف ہے جہیز واپس لینے یا بیٹی کے قرض میں محسوب کرنے کو سخت عیب وموجب طعن سمجھیں گے تو یہاں علی العموم تملیک ہی مفہوم اور سماع دعوٰی عاریت بے بینہ معدوم۔ ردالمحتار میں ہے:

ھذا العرف غیر معروف فی زماننا بل کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ وانہ اذا طلقھا تأخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنھا[2] اھ ملخصا وفیہ عن حاشیۃ الاشباہ للسید محمد ابی السعود

یہ عرف ہمارے زمانے میں معروف نہیں کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے، جب شوہر اس کو طلاق دے دے تو وہ تمام لے لیتی ہے اور اگر وہ عورت مرجائے تو جہیز اس کے وارثوں کو ملتا ہے اھ ملخصا، اور اسی میں سید محمد ابو السعود کے حاشیہ

---

[1] بحرالرائق | باب المہر | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۱۸۷/۳
[2] ردالمحتار | 〃 | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۳۶۸/۲

عن حاشیۃ العلامۃ الشرف الغزی قال قال الشیخ الامام الاجل الشہید المختار للفتوی ان یحکم بکون الجہاز ملکا لا عاریۃ لانہ الظاہر الغالب[1] الخ۔

اشباہ سے بحوالہ حاشیہ علامہ شرف غزی مذکور ہے کہ شیخ امام اجل شہید نے فرمایا فتوٰی کے لئے مختار یہ ہے کہ جہیز کے مِلک ہونے کا فیصلہ دیا جائے نہ کہ عاریت ہونے کا، کیونکہ یہی ظاہر غالب ہے الخ (ت)

ملک مدراس میں کہ واپس لینے کا رواج ہے اگر مثل عامہ بلادِ دُنیا وہاں بھی جہیز تملیکاً ہی دیتے اور تملیک ہی اس سے قصد کرتے ہیں اور یہ واپسی بعد موتِ عروس اس بنا پر ہوتی ہے کہ اُسے ہبہ تا حینِ حیات سمجھتے ہیں جب تو وہ مثل دیگر بلاد ہبہ کاملہ ہوجاتا ہے اور حینِ حیات کی شرط لغو و باطل بعد موت عروس ترکۂ عروس قرار پاکر وارثانِ عروس پر منقسم ہوگا۔ درمختار میں ہے:

جاز العمری للمعمرلہ ولورثتہ بعدہ لبطلان الشرط[2]۔

ہبہ تا حینِ حیات جائز ہے معمرلہ کی زندگی میں اس کے لئے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کے لئے ہوگا کیونکہ حینِ حیات کی شرط باطل ہے (ت)

شوہر وغیرہ دیگر ورثۂ عروس پر واپسی کا جبر ہرگز نہیں ہوسکتا، نہ اس کا اصلاً استحقاق، فان موت احد العاقدین من موانع الرجوع (کیونکہ بے شک عاقدین میں سے کسی ایک کی موت رجوع کے موانع میں سے ہے۔ ت) ہبہ میں واپسی جہاں ہو بھی سکتی ہے تو اُسی وقت تک کہ واہب وموہوب لہٗ دونوں زندہ ہوں، جب اُن میں کوئی مرجائے تو اُسی شرح وقایہ وغیرہ تمام کُتب میں تصریح ہے کہ اب رجوع نہیں، اور اگر وہاں تملیکاً نہیں دیتے بلکہ عاریت مقصود ہوتی ہے تو بیشک یہ واپسی حق وبجا ومطابق شرع مطہر ہے اگرچہ دلھن کی حیات ہی میں واپس لے،

فان علی الید ما اخذت حتی تردھا ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا[3]۔

اس لئے کہ بے شک جو اس عورت نے لیا وہ بطور احسان وامانت ہے یہاں تک کہ وہ اسے لوٹائے (قرآن پاک میں ہے کہ) بے شک اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کو ادا کرو۔ (ت)

یہاں تک چار سوال پیشین کا جواب تھا سائل نے کلیۃً سوال کئے لہذا اُن کے جواب میں ان مسائل

---

[1] ردالمحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۷
[2] درمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۵
[3] القرآن الکریم ۴/ ۵۸

کی حاجت ہُوئی ورنہ مسئلہ فیض النساء بیگم سے اس بحث کو علاقہ نہیں، یہ حکم کہ بحالت عدم عرف تملیک مدعی کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہو کہ میں نے اپنے مال سے عاریۃً جہیز دیا لہذا واپسی کا مستحق ہوں عامۂ کتب مذہب میں باپ کے لئے مذکور ہے اور بحکم عرف حقیقی ماں کو بھی اس سے لاحق کیا گیا واقعی ماں باپ اپنے ہی مال سے اولاد کا جہیز تیار کرتے ہیں تو ان کی طرف سے ہونا بحکم ظاہر خود ثابت۔ رہا دعوٰی عاریت وہ بحال عدم دلیل تملیک اُنھیں اصول پر واجب القبول بخلاف اجنبی کہ اُس کا یہ دعوٰی حدِ دعوٰی سے ہرگز متجاوز نہیں یہاں تک کہ علامہ بحر نے بحر میں حقیقی ماں اور دادا کے لئے بھی اس حکم کے ہونے میں تردّد فرمایا اور جبکہ اُن کے تلمیذ علامہ غزی نے متنِ تنویر میں ماں کے مثل پدر ہونے پر جزم کیا۔ علامہ طحطاوی کو حقیقی نانی دادی کے مثلِ مادر میں تردّد رہا،

فقال تحت قولہ والام کالاب فی تجہیزھا انظر ھل الجدۃ مثلہا[1]۔

چنانچہ اپنے اس قول کے تحت کہ ماں جہیز دینے میں باپ کی طرح ہے فرمایا دیکھو کیا دادی اور نانی ماں کی مثل ہے؟ (ت)

علامہ ابن وہبان نے اپنی رائے سے دیگر اولیاء کو اسی حکم میں شامل کرنے کی بحث کی علامہ ابن الشحنہ نے اُس میں نظر کردی کہ علامہ شرنبلالی نے نقل فرما کر مقرر رکھی اور شک نہیں کہ یہ الحاق سخت محلِ تامل ہے جب تک والدین کی طرح عرف عام و فاش سے ثابت نہ ہو جائے کہ سب اولیاء بھی اپنے ہی مال سے جہیز دیتے ہیں بلکہ ہمارے بلاد میں تنہا ماں کے مال خاص سے بھی تجہیز ہونا ہرگز معروف نہیں جہیز مطلقاً مال پدر سے ہوتا ہے یا بعض اشیاء ماں بھی شامل کردیتی ہے نہ کہ خاص مالِ مادر سے ہو مگر جبکہ باپ مال نہ رکھتا ہو یا اُس سے جُدا ہو کر ماں نے بطورِ خود تزویج کی ہو تو ان دو صورتوں کے علاوہ ماں کا دعوٰیٔ اختصاص بھی ضرور محتاج بینہ ہونا چاہئے کہ ظاہراً اُس کے لئے شاہد نہیں کما لایخفی، واللہ تعالٰی اعلم۔

وھذا بحمد اللہ **تحقیق شریف** فتح بہ المولی القوی اللطیف علی عبدہ الذلیل الضعیف، اتضح بہ نظر العلامۃ عبد البر واتجہ بہ کلام البحر فلنسق لك کلماتھم لیتجلی عندك الامر

اور یہ بحمد اللہ تعالٰی عظیم الشان تحقیق ہے جو قوی و لطیف مالک نے اپنے اس ناقص و ضعیف بندے پر منکشف فرمائی، اس سے علامہ عبد البر کی نظر واضح ہوگئی اور کلامِ بحر وجیہ ہو گیا تو اب ہم تیرے لئے ان کے ارشادات کو ذکر کرتے ہیں تاکہ تیرے نزدیک

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب المہر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

قال ابن وھبان فی منظومتہ ؎

ومن فی جہاز البنت قال اعرتہ
یصدق والاشہاد یشترط اظہر[1]

ثم قال فی شرحہا ینبغی ان یکون الحکم فیما تدّعیہ الام وولی الصغیرۃ اذا زوجہا کما مر لجریان العرف فی ذٰلک کذٰلک[2] الخ ای انہم انما یجہزون من اموالہم فکان الظاہر شاہدا لہم قال الشارح العلامۃ قلت وفی الولی عندی نظر[3] اھ وھٰکذا نقلہ الشرنبلالی فی تیسیر المقاصد واقر قال فی الدر (الام) وولی الصغیرۃ (کالاب) فیما ذکر[4] اھ قال ط قولہ فیما ذکر ای فی اعتبار العرف وھذا الحکم فی الام والولی بحث لابن وھبان قال العلامۃ عبد البر وفی الولی عندی نظر لان الغالب من حالہ العاریۃ بخلاف الابوین

معاملہ منکشف ہوجائے۔ ابن وہبان نے اپنی منظومہ میں فرمایا:

اور جو شخص اپنی بیٹی کے جہیز کے بارے میں
کہے کہ میں نے بطور عاریت دیا ہے تو اس کی
تصدیق کی جائے گی اور اس میں گواہوں کا
شرط ہونا اظہر ہے۔

پھر اس کی شرح میں فرمایا کہ جہیز کے بارے میں ماں اور نابالغہ کا نکاح کرنے والے ولی کے دعوٰی کا حکم بھی ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ گزرا کیونکہ اس میں عرف ایسا ہی ہے یعنی وہ اپنے مالوں سے جہیز بناتے ہیں تو ظاہر ان کے لئے شاہد ہوا۔ علامہ شارح نے فرمایا کہ میرے نزدیک ولی صغیرہ میں نظر ہے، ایسا ہی شرنبلالی نے تیسیر المقاصد میں اس کو نقل کرکے مقرر رکھا۔ دُر میں فرمایا کہ ماں اور صغیرہ ولی مذکور میں باپ کی طرح ہیں، اور ط نے فرمایا کہ اس کے قول فیما ذکر (مذکور میں) سے مراد یہ ہے کہ اعتبار عرف میں اور ماں اور صغیرہ کے ولی کے بارے میں یہ حکم ابن وہبان کی بحث ہے۔ علامہ عبدالبر نے فرمایا کہ ولی صغیرہ میں میرے نزدیک نظر ہے کیونکہ اس کے حال سے غالب عاریت ہے بخلاف ماں باپ کے کہ ان کی

---

[1] منظومۃ ابن وہبان

[2] ردالمحتار بحوالہ شرح منظومہ باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۷

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[4] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۵۷

لمزید شفقتہا لکن حیث کان العرف مستمرا ان الولی یجہز من ھذہ فلا نظر[1] اھ **اقول** لیس منشأ النظر بثبوت الحکم بعد تسلیم العرف و انما الشأن فی جریان العرف فالایراد علی قول ابن وھبان لجریان العرف فی ذلک کذلک وبہ ظہر انہ ما کان ینبغی تفسیر قولہ ما ذکر باعتبار العرف فان العرف اذا ثبت اینما ثبت فہو القاضی الماضی القول لا تفرقۃ فی ذلک بین اب و ام وغیرھما بل المراد فیما ذکر من قبول دعوی العاریۃ من مالہ وکذلک لیس تفسیر النظر ما ذکر بل النظر انا لا نسلم ان الغالب من حالہ التجہیز من مالہ، ثم اعلم ان العلامۃ البحر بعد ما افاد حکم الاب کما تقدم قال فی البحر صغیرۃ نسجت جہازا بمال امہا وابیہا و سعیہا حال صغرہا وکبرہا فماتت امہا فسلم ابوھا جمیع الجہاز الیہا فلیس لاخوتہا دعوی نصیبہم من جہۃ الام[2] اھ ثم قال وبہذا

شفقت بیٹی پر زیادہ ہوتی ہے، لیکن عرف رائج یہی ہو کہ ولی اپنے پاس سے جہیز بناتا ہے تو پھر کوئی نظر نہیں اھ **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) اعتراض کا منشاء عرف کے تسلیم کرنے کے بعد حکم کا ثبوت نہیں، اصل معاملہ تو صرف عرف کے جاری ہونے میں ہے، پس ابن وھبان کے قول پر اعتراض وارد ہے کیونکہ اس (ولی کے عاریۃً دینے) میں عرف اسی طرح ہے، اور اسی سے ظاہر ہوگیا کہ ما ذکر سے مراد اعتبارِ عرف لینا درست نہیں اس لئے کہ عرف جب بھی ثابت ہو وہی حاکم قوی ہوتا ہے اس میں ماں اور باپ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ ما ذکر سے مراد اُس کے اپنے مال سے دعوٰیٔ عاریت کو قبول کرنا ہے اور یُوں ہی نظر کی بھی وہ تفسیر نہیں جو ذکر کی گئی بلکہ نظر یہ ہے کہ بیشک ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اُس کے ولی صغیرہ کے حال سے غالب اس کے اپنے مال سے جہیز بنانا ہے۔ پھر جان کہ علامہ بحر نے باپ کے حکم کا افادہ فرمانے کے بعد، جیسا کہ گزرا۔ بحر میں فرمایا کہ صغیرہ نے ماں باپ کے مال اور اپنی دستکاری سے حالتِ صغر اور کبر میں کچھ جہیز بنایا پھر اس کی ماں مرگئی اور باپ نے وُہ سارا سامان اس لڑکی کو جہیز میں دے دیا تو اُس کے بھائیوں کو یہ حق نہیں کہ ماں کا ترکہ قرار دے کر اس میں سے اپنے حصّے کا دعوٰی کریں اھ

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب العاریۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/۳۹۰

[2] بحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

يعلم ان الاب او الام اذا جهز بنته ثم مات فليس لبقية الورثة على الجهاز سبيل لكن هل هذا الحكم المذكور في الاب يتأتى في الام و الجد فلو جهزها جدها ثم ماتت و قال ملكي و قال زوجها ملكها صارت واقعة الفتوى ولم ار فيها نقلا صريحا[1] اھ قال في منحة الخالق قال الرملي الذي يظهر ببادي الرأي انهما اي الام و الجد كذلك اما الام فلما قدمه من قول القنية صغيرة نسجت جهازا من مال امها و ابيها الخ واما الجد فلقولهم الجد كالاب الا في مسائل ليست هذه منها تأمل[2] اھ **اقول** ماكان هذا البحر الطام الحبر التام ليذكر فرع القنية في هذه الاسطر العديدة وليفرع عليه بنفسه ان الاب او الام اذا جهز بنته فليس لوارث على الجهاز سبيل ثم يتردد متصلا به في التحاق الام بالاب في كون التجهيز منها ظاهرا في

پھر فرمایا اسی سے معلوم ہوگیا کہ جب باپ یا ماں بیٹی کو جہیز بنا کر دیں تو ان کے مرنے کے بعد باقی وارثوں کا جہیز پر کوئی حق نہیں ہوتا لیکن کیا یہ حکم جو باپ کے لئے مذکور ہُوا وہ ماں اور دادا کے لئے حاصل ہوگا؟ تو اگر کسی لڑکی کو اس کے دادا نے جہیز دیا پھر وہ لڑکی مرگئی اور دادا نے کہا یہ جہیز میری ملکیت ہے اور اس لڑکی کا شوہر کہتا ہے کہ یہ لڑکی کی ملکیت ہے یہ فتوے سے متعلق ایک واقعہ پیش آگیا ہے اور میں نے اس میں کوئی صریح نقل نہیں دیکھی۔ منحۃ الخالق میں فرمایا کہ رملی نے کہا ہے بنظر ظاہر وُہ دونوں یعنی ماں اور دادا، باپ کی طرح ہی ہیں، ماں تو اس وجہ سے جس کا بحوالہ قنیہ پہلے ذکر کیا ہے کہ لڑکی نے اپنے باپ اور ماں کے مال سے جہیز بنایا الخ اور دادا اس لئے کہ ان (فقہا) کا قول ہے کہ دادا مثل باپ کے ہے سوائے چند مسائل کے جن میں سے جہیز نہیں ہے۔ غور کر الخ۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) ایسے عظیم سمندر اور کامل و ماہر عالم کے لائق یہ نہیں کہ وُہ ان چند سطروں میں قنیہ کی فرع ذکر کرے اور بذاتِ خود اس پر یہ تفریع ذکر کرے کہ بیشک ماں یا باپ جب بیٹی کو جہیز دیں تو کسی وارث کا جہیز میں کوئی حق نہیں پھر اس کے متعلق ہی اس بات میں تردد کرے کہ ماں اس حکم میں باپ کے ساتھ ملحق ہے کہ ماں کی طرف سے

---

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۱۸۶
[2] منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق باب المہر " " " " ۳/ ۱۸۶

التمليك حتى يرد عليه بما قدمه من قول
القنية وهل يتأتى مثله الا ممن
لا يكاد يفهم ما يخرج من رأسه
فكيف يجعل على مثله كلام مثل هذا
الجليل النبيل، ولذا لما لم يتضح الامر
عند العلامة السيد الطحطاوي اسقط
لفظ الام من كلام البحر واقتصر على
قوله هل هذا الحكم المذكور في الاب
يتأتى في الجد[1] الخ لكن العلامة الشرنبلالي
في غنية لم يستبعده فقال قال صاحب
البحر هل هذا الحكم المذكور في
الاب يتأتى في الام والجد صارت
واقعة الفتوى ولم ار فيها نقلا صريحا[2]
اھ وقال العلامة الشامي تردد في البحر
في الام والجد[3] الخ وقال الرملي
ما سمعت فانما الامر ما فتح المولى
سبحانه وتعالى ان لا تردد
في الحاق الام بالاب في
كون التجهيز منها تمليكا
لمكان العرف وانما تردد
رحمه الله تعالى في قبول

جہیز دینا تملیک میں ظاہر ہے۔ یہاں تک اس پر
وارد ہو وہ جو قنیہ کے قول سے مقدم گزرا۔ اور نہیں
حاصل ہوتا اس کی مثل مگر صرف اس شخص سے جو یہ
نہ سمجھتا ہو کہ اس کے سر سے کیا خارج ہو رہا ہے،
تو ایسے عظیم الشان عالم نبیل کے کلام کو اس قسم کے
بیہودہ موقف پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ
ہے کہ جب علامہ سید طحطاوی پر یہ امر واضح نہ ہو سکا
تو انھوں نے کلام بحر سے لفظ ام کو حذف کرتے
ہوئے اس قول پر اکتفاء فرمایا کہ کیا یہ حکم جو باپ کے
بارے میں مذکور ہے دادا کے لئے حاصل ہوگا الخ
لیکن علامہ شرنبلالی نے اس کو مستبعد نہ جانتے ہوئے
غنیہ میں فرمایا کہ صاحب بحر نے کہا کیا یہ حکم جو باپ کے
بارے میں مذکور ہے ماں اور دادا کے لئے حاصل
ہوگا؟ یہ فتوٰی سے متعلق ایک واقعہ پیش آگیا ہے اور
میں نے اس میں کوئی صریح نقل نہیں دیکھی۔ علامہ شامی
نے فرمایا کہ بحر میں ماں اور دادا کے بارے میں تردد
کیا، رملی نے فرمایا کہ میں نے نہیں سنا، بے شک
معاملہ جو مولٰی سبحنہ وتعالٰی نے منکشف فرمایا وہ یہ ہے
کہ صاحب بحر نے ماں کو باپ کے ساتھ اس حکم میں
ملحق ماننے میں تردد نہیں فرمایا کہ ماں کی طرف سے
دیا جانے والا جہیز عرفاً تملیک ہے البتہ صاحب بحر

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار باب المہر دار المعرفۃ بیروت ۲/۶۷
[2] غنیہ ذوی الاحکام حاشیۃ الدرر الحکام " مطبعۃ احمد کامل دار سعادت بیروت ۱/۳۴۸
[3] رد المحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۶

دعوی التجہیز من مال نفسہا عاریۃ فان الاکثر ان الجہاز انما یکون من مال الاب وح لامساس لفرع القنیۃ بما ھو فیہ ولا ما قدمہ من قولہ بھذا یعلم ان الاب اوالام الخ ینافیہ وکذا لانظر ھھنا الی کون الجد کالاب الافی مسائل فان ھذا امر لایؤخذ الامن العرف وانما قبلنا دعوی الاب لما علمنا من العرف الفاشی ان الجہاز یکون من مالہ فکان الظاہر شاہدا لہ فان ثبت مثلہ فی الجد فذاک والا فلا الحاق ولا اشتراک ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق واغرب من ھذا ما ذکر بعدہ فی منحۃ الخالق من قولہ قلت وجزم فی متن التنویر ان الام کالاب فی تجہیزہا وعزاہ فی شرح المنح الی فتاوی قاری الہدایۃ وفی شرحہ الدر المختار معزیا الی شرح الوھبانیۃ و کذا ولی الصغیرۃ ولا یخفی شمولہ الجد وغیرہ[1] اھ **اقول** نعم لایخفی ولکن البحر

رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ماں کے اس دعوٰی کو قبول کرنے میں تردد فرمایا کہ جو جہیز اس نے مال سے دیا ہے وہ عاریت ہے کیونکہ اکثر طور پر جہیز باپ کے مال سے دیا جاتا ہے، تو دریں صورت قنیہ کی فرع کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں جس میں صاحبِ بحر گفتگو کر رہے ہیں نیز ان کا قول سابق کہ اسی سے معلوم ہو گیا کہ بیشک باپ اور ماں الخ بھی اس کے منافی نہیں، اور نہ ہی یہاں اس بات کی طرف نظر ہے کہ دادا سوائے چند مسائل کے باپ کی مثل ہے اس لئے کہ یہ امر تو صرف عرف سے ماخوذ ہے اور بلاشبہ ہم نے باپ کا دعوٰی اس لئے قبول کیا کہ ہم نے عرف مشہور سے جان لیا کہ جہیز وہ اپنے مال سے دیتا ہے لہذا ظاہر اس کے لئے شاہد ہُوا، تو اگر اسی کی مثل دادا میں ثابت ہو جائے تو اس کا حکم بھی یہی ہوگا ورنہ نہ الحاق ہے نہ اشتراک، یُوں ہی تحقیق چاہئے، اور اللہ تعالٰی ہی مالکِ توفیق ہے، اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب ہے وہ جو اس کے بعد منحۃ الخالق میں اس کے اس قول کے ساتھ مذکور ہُوا، میں کہتا ہوں کہ متنِ تنویر میں اس پر جزم فرمایا کہ تجہیز میں ماں، باپ کی طرح ہے۔ اور شرح منح میں اس کی نسبت فتاوٰی قاری ہدایہ کی طرف کی، اور درمختار کی شرح میں شرح وہبانیہ کی طرف منسوب کرتے ہُوئے ہے کہا یونہی ولی صغیرہ بھی ہے اور اس کا شمول دادا وغیرہ کو مخفی نہیں ہے اھ **اقول** (میں

---

[1] منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

انما یقول لم ار فیہا نقلا صریحا و بحث ابن وھبان لیس من النقل فی شیئ والعبد الضعیف فی عجب من سوق الدر المسألۃ مساق المنقول مع علمہ بانہ بحث منہ و قد بحث فیہ الشارحون وقد علمت مما قدمناہ ان بحثھم حسن وجیہ فالحمد للہ علی حسن التنبیہ۔

کہتا ہوں) ہاں مخفی نہیں لیکن بے شک بحر میں فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں صریح نقل نہیں دیکھی اور ابن وہبان کی بحث کوئی نقل نہیں اور بندۂ ضعیف کو اس بات پر حیرت ہے کہ دُر نے مسئلہ بطور منقول چلایا حالانکہ وُہ جانتے ہیں کہ یہ ابن وہبان کی بحث ہے اور تحقیق شارحین نے اس میں بحث کی ہے اور تحقیق ہمارے بیان سابق سے تو جان چکا ہے کہ ان کی بحث حسن و وجیہ ہے پس حُسنِ تنبیہ پر اللہ تعالیٰ ہی کے لئے حمد ہے۔ (ت)

بالجملہ جب حقیقی دادی نانی، حقیقی دادا، حقیقی ماں میں علمائے کرام نے تردد فرمایا تو سوتیلی ماں کہ محض اجنبیہ ہے کیونکر اس حکمِ پدر میں شریک ہوسکتی ہیں، اجنبی کے لئے صورتِ مستفسرہ میں یہی حکم لکھتے ہیں کہ اُس کا دعوٰی بے گواہان مسموع نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

الام وولی الصغیرۃ کالاب فیما ذکر وفیما یدعیہ الاجنبی بعد الموت لایقبل الابینۃ شرح وھبانیۃ[1]

ماں اور ولی صغیرہ حکم مذکور میں باپ کی طرح ہیں اور جہاں اجنبی موت کے بعد دعوٰی کرے تو گواہوں کے بغیر قبول نہیں کیا جائے گا، شرح وہبانیہ۔ (ت)

اور یہاں گواہوں سے اثباتِ عاریت کے ۲ طریقے ہیں:

ایک یہ کہ باپ ماں یا اجنبی جس کے ذمے اقامت بیّنہ کا حکم ہو گواہان عادل شرعی سے شہادت دلائے کہ میں نے یہ جہیز عروس کو دیتے وقت شرط کرلی تھی کہ عاریۃً دیتا ہوں۔

دوسرے یہ کہ دُلھن کا اقرار نامہ بتصدیق شہود عدل پیش کرے جس میں اس نے اقرار کیا ہو کہ یہ جہیز مجھے فلاں نے اپنی مِلک سے عاریۃً دیا ہے۔

بحرالرائق میں ہے:

قال فی التجنیس والولوالجیۃ والذخیرۃ والبینۃ الصحیحۃ ان یشھد عند التسلیم

تجنیس، ولوالجیہ اور ذخیرہ میں فرمایا بیّنہ صحیحہ یہ ہے کہ عورت کو یہ اشیاء دیتے وقت گواہ قائم کرے کہ

---

[1] درمختار کتاب العاریۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۵۷

الی المرأۃ انی انما سلمت ھذہ الاشیاء بطریق العاریۃ اویکتب نسخۃ معلومۃ ویشھد الاب علی اقرارھا ان جمیع ما فی ھذہ النسخۃ ملک والذی عاریۃ فی یدی منہ[1] الخ بے شک میں نے یہ اشیاء بطور عاریت دی ہیں یا یہ کہ ایک معین تحریر تیار کرکے باپ کو لڑکی کے اس اقرار پر گواہ قائم کرے کہ وُہ تمام اشیاء جو اس تحریر میں مرقوم ہیں میرے والد کی ملکیت ہیں اور میرے پاس اس کی طرف سے بطور عاریت ہیں الخ (ت)

اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی سے توفیق ہے۔ ت) یہاں دو مرحلے ہیں،

اوّل اس کا اثبات کہ یہ جہیز میں نے اپنے مال سے دیا، ان بلاد میں باپ اس کے ثابت کرنے میں گواہوں کا محتاج نہیں لما تقدم من جریان العرف فی ذٰلک کذٰلک (جیساکہ پہلے گزرا کہ اس میں عرف ایسا ہی جاری ہے۔ ت) بلکہ دُلہن یا اس کے ورثہ میں اس کے منکر ہوں تو وہ گواہ دیں کہ یہ جہیز باپ نے اپنے مال سے نہ دیا دُلہن کی مِلک سے بنایا بخلاف اجنبی کہ اُسے اوّلاً یہی ثابت کرنا ضرور ہوگا،

لعدم ظاھر یشھد لہ فی ذٰلک وانما البینۃ علی کل من یدعی خلاف الظاھر۔ کیونکہ اس معاملہ میں ظاہر اس کے لئے شاہد نہیں اور ہر اس شخص پر گواہ لازم ہوتے ہیں جو خلاف ظاہر دعوٰی کرے۔ (ت)

پھر اگر یہ امر بیّنہ یا اقرار عروس یا تسلیم ورثہ سے ثابت ہو تو دوسرا درجہ ثبوت عاریت کا ہے یہاں اگر عرف عام یا مشترک سے عاریۃً دینا ثابت یا محتمل ہو تو ظاہراً اجنبی بھی مثل پدر بعد ثبوت اول اس ثبوت دوم میں محتاج اقامت بیّنہ نہیں کہ جب ابا عاریۃً دیتے ہیں تو اجنبی کا قصدِ عاریت ہرگز خلافِ ظاہر نہیں بلکہ بلحاظ اجنبیت وہی اظہر ہے

ولا بینۃ علی من شھد لہ الظاھر مع انہ قد ثبت انہ الدافع فھو ادری بجھۃ الدفع مع ما تقدم من ان الاقل ھو المتعین فی ما احتمل۔ اس پر گواہ لانا لازم نہیں جس کے لئے ظاہر شاہد ہو باوجود اس کے کہ ثابت ہوچکا ہے کہ وُہ دینے والا ہے پس وُہ دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے باوجود اس کے جو گزرا کہ محتمل میں اقل ہی متعین ہوتا ہے۔ (ت)

توجب تک صراحۃً کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی جائے بحالِ عموم یا اشتراک عرف عاریت اجنبی کا اس فعل پر اقدام خواہی نخواہی قصدِ تملیک پر محمول نہ ہونا چاہئے اور اگر عرف عام تملیک ہو کہ جہیز دینا مالک کرنا ہی سمجھا جاتا ہو

---

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۷

جیسا ہمارے بلاد میں ہے کہ اقارب اجانب جو جہیز کریں تملیک ہی کرتے ہیں، اگر کوئی کسی لڑکی کو پال لیتا یا ویسے ہی کسی یتیمہ کا نکاح کرتا ہے تو جو کچھ جہیز میں دیتا ہے یقیناً تملیک ہی کا ارادہ کرتا ہے چندروزہ عاریت دے کر واپس لینے کا اصلاً وہم بھی نہیں گزرتا تو ایسی حالت میں اس ثبوت دوم یعنی دعویٰ عاریت میں اجنبی بھی آپ ہی محتاجِ گواہان ہوگا کما علمت ان المعھود عرفا کالمشروط نصا (کیونکہ تُو جان چکا ہے کہ جو بطور عرف کے معہود ہو وُہ ایسے ہی ہے جیسے بطور نص کے مشروط ہو۔ ت) اسی طرح اگر جہیز دئے ایک زمانہ ممتد گزر جائے دلہن برتتی استعمال کرتی تصرف کرتی رہے اور اس کی جانب سے بے مانع غیبوبت وغیرہ سکوتِ مطلق رہے طلب واپسی ظاہر نہ ہو پھر ایک مدّتِ مدیدہ خصوصاً موتِ عروس کے بعد دعویٰ کرے کہ میں نے تو عاریۃً دیا تھا مجھے واپس ملے تو اب بھی اس کا یہ دعویٰ خلافِ ظاہر و محتاج بینہ ہے والدین و اولاد کا معاملہ دوسرا ہے ان میں ایک دوسرے کے مال سے مدۃ العمر ممتع رہے تو باہم گوارا ہوتا ہے عرفا اجانب سے متوقع نہیں کہ اتنی مدت تک اپنا مال دوسرے کے ایسے تصرف و استعمال میں چھوڑے رہیں اور اپنی ملک ہونا زبان پر نہ لائیں۔

وھذا کما قال فی البحر قال فی المبتغی من زفت الیہ امرأتہ بلاجھاز فلہ مطالبۃ الاب بما بعث الیہ من الدنانیر والدراھم ولو سکت بعد الزفاف طویلا لیس لہ ان یخاصمہ بعدہٗ[1] اھ مختصرا وفی ردالمحتار قال الشارح فی کتاب الوقف ولو سکت بعد الزفاف زمانا یعرف بذلک رضاہ لم یکن لہ ان یخاصم بعد ذلک وان لم یتخذ لہ شیئ اھ ح واشار بقولہ یعرف الی ان المعتبر فی الطول والقصر

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بحر میں فرمایا کہ ملتقی میں کہا جس شخص کی بیوی جہیز کے بغیر رخصت ہو کر اس کی طرف آئی ہو تو وُہ بیوی کے باپ سے ان دنانیر و دراہم کا مطالبہ کرسکتا ہے جو اس نے اس کی طرف بھیجے تھے اور اگر زفاف کے بعد زمانۂ دراز تک خاموش رہا تو اس کے بعد اس سے مخاصمہ نہیں کرسکتا اھ مختصراً۔ اور ردالمحتار میں ہے کہ شارح نے کتاب الوقف میں فرمایا کہ اگر زفاف کے بعد اتنا زمانہ خاموش رہا جس سے اس کی رضا سمجھی گئی تو اب اس کے بعد اُس کو مخاصمت کا حق نہیں اگرچہ اُس کے لئے کچھ بھی نہ بنایا ہو الخ اس عبارت میں شارح نے اپنے قول "یعرف" سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ زمانہ کے

---

[1] بحرالرائق باب المہر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۱۸۶، ۱۸۷

العرف[1] اھ وفیه عن البزازیة لانه لما کان محتملا وسکت زمانا یصلح للاختیار دل ان الغرض لم یکن الجهاز[2] اھ **قلت** وقد نصوا ان من رأی احدا یتصرف فی شیئ زمانا ثم ادعی انه ولم یکن ثم مانع من دعواہ لم تسمع قطعا للتحیل وقد بیناہ فی الدعاوی من فتاونا۔

دراز اور مختصر ہونے کا اعتبار عرف پر ہے اھ اور اسی میں بزازیہ سے ہے، اس لئے کہ جب محتمل تھا اور وہ اتنا زمانہ خاموش رہا جس میں وُہ مطالبہ کو اختیار کرسکتا تھا تو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی غرض جہیز لینا نہ تھا الخ **قلت** (میں کہتا ہوں) اس پر انھوں نے نص کی کہ جو شخص ایک زمانہ تک کسی کو کسی شیئ میں تصرف کرتے ہُوئے دیکھتا رہا، پھر دعوٰی کیا کہ یہ شیئ اس کی ہے حالانکہ اس سے پہلے بھی دعوٰی سے کوئی مانع نہ تھا تو اس کا یہ دعوٰی اس کے حیلوں کی بنیاد پر مسموع نہ ہوگا۔ تحقیق ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی کے دعاوی میں بیان کیا ہے۔(ت)

قرۃ العیون میں ہے:

لوجهزها الاجنبی ثم ادعی انه عاریة بعد موتها لایقبل قوله الابینة لان الظاهر انه لایجهزها ویترکه فی یدها الی الموت الابمالها بخلاف الاب والام فانهما یجهزانها بمال انفسهما لکن یکون ذلك تملیکا تارۃ وتارۃ عاریة ولذا قال شارح الوهبانیة وفی الولی عندی نظر الخ اھ فی جعله کالاب والام لان الظاهر فی

اگر اجنبی نے کسی عورت کو جہیز دیا پھر عورت کے مرنے کے بعد دعوٰی کیا کہ یہ بطور عاریت تھا تو بغیر گواہوں کے اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ عورت کو جہیز دے کر اس کے مرنے تک اس کے قبضہ میں چھوڑ دینا صرف وہیں ہوگا جہاں عورت کے اپنے مال سے ہو بخلاف ماں باپ کے کیونکہ وہ اپنے مال سے بیٹیوں کو جہیز دیتے ہیں تاہم کبھی تو وہ بطور تملیک ہوتا ہے اور کبھی بطور عاریت۔ اسی لئے شارح وہبانیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک ولی صغیرہ میں نظر ہے الخ یعنی اس کو ماں باپ کی مثل قرار

---

[1] ردالمحتار باب المهر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۷
[2] " " " " " " " " ۲/۳۶۸

غیرھما انہ لایجھزھا الا بمالھا[۱] اھ **اقول** ھذا الکلام قد رزق حظہ من الحسن و ھو ینحو منحی ما قدمت من التحقیق و اللہ تعالٰی ولی التوفیق ولعلک تفطنت مما القینا علیک سابقا ولاحقا ان الموت غیر قید وقد احسن السید العلامۃ الطحطاوی حیث قال قد ذکر المص فی باب المھر ان الام کالاب وان حکم الموت کحکم الحیاۃ[۲] اھ ھذا کلہ ما ظھر لی والعلم بالحق عند ربی، والحمد للہ رب العالمین۔

دینے میں، کیونکہ ماں باپ کے غیر میں ظاہر یہی ہے کہ وہ لڑکی کے مال سے جہیز بناتے ہیں الخ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس کلام کو حسن سے وافر حصّہ ملا اور وُہ اسی روش پر چلا جو تحقیق ہم سابق میں کرچکے ہیں اور اللہ تعالٰی ہی مالکِ توفیق ہے، اور ہم نے سابق ولاحق میں جو تجھ پر القاء کیا (یعنی بیان کیا) اُس سے شاید تُو نے سمجھ لیا ہوگا کہ حکم مذکور میں موت قید نہیں، اور علّامہ سید طحطاوی نے بہت خوب کہا جہاں فرمایا کہ تحقیق مصنّف نے باب المہر میں کہا کہ بیشک ماں، باپ کی طرح ہے۔ اور موت کا حکم حیات کے حکم کی مثل ہے الخ یہ سب وُہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہُوا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے، اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔ (ت)

بہرحال مسئلہ فیض النساء بیگم میں حکم یہی ہے

کہ اس کا یہ دعوٰی یُوں قابلِ سماعت نہیں، اولاً اس کی بنائے دعوٰی پر نظر لازم آیا واپسی بخیال ہبہ تا حینِ حیات چاہتی ہے (جس طرح لفظ کپڑے وزیورات وغیرہ متروکہ لڑکی متوفیہ سے اُس کا کچھ پتا چلتا ہے جبکہ عرضی دعوے میں فیض النساء بیگم کے لفظ یہی ہوں کہ عاریت کو مستعیر متوفی کا ترکہ نہیں کہتے) جب تو دعوٰی سرے سے باطل و مردود کہ بعد موت موہوب لہ اختیار واپسی مفقود، اور اگر بزعم عاریت طالب واپسی ہے تو یہ دعوٰی کہ بعد مرورِ مدت خصوصاً بعد موت عروس ہوا بہرکیف محتاجِ شہادت ہے انھیں دو طریقہ مذکورہ سے کسی طریقہ پر گواہان عادل شرعی سے ثبوت دے کہ یہ جہیز بدیں تفصیل خدیجہ بی بی کو میں نے اپنے مالِ خاص سے عاریۃً دیا اگر گواہ دے دے فبہا، اور نہ دے سکے تو حاکم یا حاکم شرعی شوہر خدیجہ وغیرہ ورثہ سے قسم لے کہ واللہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ جہیز مال فیض النساء بیگم سے خدیجہ بی بی کے پاس عاریۃً تھا اگر وُہ قسم کھالیں تو مقدمہ بحقِ وارثانِ خدیجہ ورنہ بحق فیض النساء بیگم

---

[۱] قرۃ عیون الاخیار کتاب العاریۃ مصطفی البابی مصر ۲/ ۳۱۷

[۲] حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار باب المہر دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۶۷

فیصل ہو۔ طحطاوی علی الدرالمختار میں ہے:

قولہ وفیما یدعیہ الاجنبی ای من انہ اعار المتوفی ھذا الشیئ لایصدق الا ببینۃ ولہ ان یحلف الوارث ان انکر علی العلم کما ھو الحکم فی نظائرھا[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اور قولِ مصنف کہ جس میں اجنبی دعوٰی کرے یعنی یُوں کہے کہ یہ شئی میں نے متوفی کو بطور عاریت دی تھی تو بغیر گواہوں کے اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اور متوفی کا وارث اگر منکر ہو تو (حاکم) اس سے یُوں قسم لے سکتا ہے کہ ہمیں اس کے عاریت ہونے کا علم نہیں جیسا کہ اس کے نظائر میں یہی حکم ہے اھ اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

جواب سوال پنجم

بھی تقریراتِ سابقہ سے واضح اس دعوٰی کے ثبوت میں کہ یہ اشیا وقت شادی حسام الدین کو فیض النساء بیگم نے اپنے مال سے دیں فیض النساء بیگم محتاج گواہان ہے اگر یہ امر شہادت یا اقرار مدعاعلیہ سے ثابت ہو تو دربارہ تملیک وعاریت وہی عرف وغیرہ دلائل پر نظر ہوگی اگر نصًا یا عرفًا کسی طرح دلالتِ تملیک ثابت ہو (جس طرح ہمارے بلاد میں رواج عام ہے کہ دلہن والوں کی طرف سے سلامی وغیرہ جو کچھ کپڑے یا نقد یا دیگر اشیاء دُولہا کو دیتے ہیں اُس سے تملیک ہی کا ارادہ کرتے ہیں بلکہ یہاں عاریت بتانا جہیز دختر کو عاریت کہنے سے زیادہ موجب ننگ و عار سمجھتے ہیں) تو وُہ دینا ہبہ سمجھا جائے گا اور فیض النساء بیگم اگر عاریت کہے گی تو بغیر اُن طرق ثبوت کے مسموع نہ ہوگا اور اگر دلالتِ تملیک محقق نہیں تو فیض النساء بیگم کا قول عاریت بہ قسم قابلِ قبول ہوگا، پھر اگر اُس مال کا ہبہ ہونا ثابت ہو تو اُس میں سے جو کچھ تلف ہوگیا خواہ حسام الدین کے اپنے فعل سے یا بلاقصد یا اُس نے کسی کو دے دیا یا بیچ ڈالا تو اس کی واپسی ممکن نہیں،

فان ھلاک الموھوب وخروجہ عن ملک الموھوب لہ کلاھما من موانع الرجوع۔

کیونکہ بے شک موہوب شئی کا ہلاک ہونا اور اُس کا موہوب لہ کی ملک سے خارج ہونا دونوں ہی رجوع کے موانع میں سے ہیں۔ (ت)

اور جو بدستور اُس کے پاس موجود ہے اور کوئی مانع موانع رجوع سے نہیں تو فیض النساء بیگم بتراضی یا بقضائے قاضی واپس لے سکتی ہے مگر گنہ گار ہوگی کہ ہبہ میں رجوع سخت مکروہ وممنوع ہے بغیر اس کے بطور خود رجوع نہیں

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب العاریۃ دارالمعرفۃ بیروت ۳/ ۳۹۰

کرسکتی، اور اگر عاریت ہونا ثابت قرار پائے تو جو جہیز موجود ہے اُسے بطور خود واپس لے سکتی ہے اگرچہ حسام الدین نے کسی کو دے دی یا بیع کردی ہو فان العواری مردودۃ وتصرف الفضولی بالرد یبطل (کیونکہ بطور عاریت دی ہوئی اشیاء واپس کی جاتی ہیں اور فضولی کا تصرف رَد سے باطل ہوجاتا ہے۔ ت) اور جو تلف ہوگیا اگر بے فعلِ حسام الدین تلف ہُوا مثلاً چوری گیا جل گیا ٹوٹ گیا اور اُس میں حسام الدین کی طرف سے کوئی بے احتیاطی نہ تھی تو اُس کا تاوان نہیں لے سکتی فان العاریۃ امانۃ لاتضمن الابالتعدی (اس لئے کہ عاریت امانت ہے اور بلا تعدی اس میں ضمان لازم نہیں آتا۔ ت) اسی طرح جو کچھ حسام الدین کے پہننے برتنے میں تلف ہو یا نقصان ہوا اُس کا بھی تاوان نہیں جبکہ اُس نے عادت وعرف کے مطابق اُسے برتنا استعمال کیا ہو فانہ کان بتسلیط منہا وما کانت العاریۃ الا للاستعمال (کیونکہ وُہ اس عورت کی تسلیط سے اس کے پاس تھا اور عاریت تو ہوتی ہی استعمال کیلئے ہے۔ ت) ہاں جو کچھ حسام الدین نے قصداً خراب کیا یا اُس کی بے احتیاطی سے ضائع ہُوا یا عرف وعادت سے زیادہ استعمال کرنے میں ہلاک ہوگیا اُس کا تاوان حسام الدین سے لے سکتی ہے لحصول التعدی (تعدی حاصل ہونے کی وجہ سے۔ ت) فصول عمادی میں ہے:

اذا انتقص عین المستعار فی حالۃ الاستعمال لایجب الضمان بسبب النقصان اذا استعملہ استعمالاً معہوداً[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جب عین مستعار میں استعمال کی حالت میں نقصان ہُوا تو اس نقصان کے سبب سے ضمان واجب نہیں ہوگا بشرطیکہ اُس نے عرف وعادت کے مطابق استعمال کیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال ششم

جو مال حسام الدین نے وقتِ شادی خواہ بعد شادی اپنی بی بی کو دیا اُس کی واپسی سے فیض النساء بیگم کو کچھ علاقہ نہیں ہوسکتا کہ اگر حسام الدین نے عاریۃً دیا تھا تو وُہ خود اُس کا مالک ہے اور اگر زوجہ کو مالک کردیا تھا تو بعد مرگ زوجہ اُس کے پسر وشوہر کو پہنچ کر پھر حسام الدین کے پاس آیا فیض النساء بیگم کا اُس میں کوئی حق نہ تھا نہ ہے، وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جواب سوال ہفتم

اس سوال کا جواب اُسی تحقیق جوابات سابقہ پر مبنی ہے زیور جہیز اگر بنظر احکام مذکورہ ملک خدیجہ بی بی

---

[1] فصول عمادی

قرار پائے تو وُہ ایک چیز ہے کہ بحکم مالک رہن رکھی گئی ہے مورثہ مدیونہ ہے اور مرتہن وائن وارث فک رہن کرائیں گے یا بتراضی باہمی وہی شے دین مرتہن میں دے دیں گے یا زیور دین میں بیچا جائے گا کچھ ہو گا یہ ان کا باہمی معاملہ ہے جس سے فیض النساء بیگم کو کوئی تعلق نہیں اور اگر زیوروں کا ملک فیض النساء بیگم اور خدیجہ بی بی کے پاس عاریت ہونا ثابت ہو تو نظر کریں گے کہ یہ رہن رکھنا بے اجازت فیض النساء بیگم تھا یعنی نہ اُس سے اذن لے کر رہن رکھا نہ اُس نے بعد رہن اس تصرف کو جائز کیا جب تو اُسے اختیار ہے کہ رہن فسخ کرکے اپنی چیز مرتہن سے واپس لے لے مرتہن اپنا دین ترکہ خدیجہ بی بی سے لیتا رہے، ردالمحتار میں ہے:

لانه تصرف فی ملکه علی وجه لم یؤذن له فیه فصار غاصبا وللمعیر ان یاخذه من المرتھن ویفسخ الرھن جوھرۃ[1]۔

کیونکہ بیشک اس (راہن) نے دوسرے (معیر) کی مِلک میں اس طور پر تصرف کیا جس کا اذن اس کو نہیں دیا گیا تھا تو وُہ غاصب ہوگیا اور عاریت دینے والے کو حق حاصل ہے کہ مرتہن سے شیئ مرہون لے لے اور رہن کو فسخ کردے۔ جوہرہ۔ (ت)

اور اگر اُس سے پُوچھ کر اس کی مرضی کے مطابق رہن رکھا (اگرچہ صورتِ حاضرہ میں ظاہراً اس کی اُمید نہیں) یا بعد رہن اس نے تصرف کو اپنی اجازت سے نافذ کردیا تو رہن صحیح ونافذ ہوگیا اب فیض النساء بیگم جب تک دین مرتہن ادا نہ ہو شیئ مرہون واپس نہیں لے سکتی، ہاں یہ اختیار رکھتی ہے کہ اگر ورثہ خدیجہ بی بی فک رہن میں دیر لگائیں یہ خود مرتہن کو اُس کا دین دے کر اپنی چیز چھڑا لے اور جو کچھ مرتہن کو دے ترکہ خدیجہ بی بی سے واپس لے۔ عالمگیریہ میں محیط امام سرخسی سے ہے:

لواراد المعیر افتکاکه لیس للراھن والمرتھن منعه ویرجع علی الراھن بما قضی لانه مضطر فی قضائه لاحیاء حقه وملکه[2]۔

اگر معیر مرہون شَے کو چھڑانا چاہے تو راہن اور مرتہن اس کو منع نہیں کرسکتے اور وُہ جو کچھ مرتہن کو دے راہن سے لے سکتا ہے کیونکہ وُہ اپنے حق وملک کو حاصل کرنے کے لئے اس ادائیگی پر مجبور ہے (ت)

درمختار میں ہے:

لو رھن دار غیرہ فاجاز صاحبھا جاز[3]۔

اگر کوئی کسی کا گھر رہن رکھ دے پھر گھر کا مالک اس کی اجازت دے دے تو جائز ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۳۱
[2] فتاوٰی ہندیہ بحوالہ محیط سرخسی الباب الحادی عشر فی التفرقات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۴۸۶
[3] درمختار باب التصرف فی الرہن مطبع مجتبائی دہلی ۲/۲۷۴

ردالمحتار میں ہے:

ویکون بمنزلۃ مالو اعارھا لیرھنھا[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اور یہ بمنزلہ اس شئی کے ہوگیا جس کو کسی نے بطور عاریت دیا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس کو رہن رکھ دے۔ط۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔(ت)

مسئلہ از رائے پور چھتیس گڈھ بحبا تھبارہ مرسلہ منشی محمد قاسم صاحب حوالدار پیشی ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۲۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مقدمۂ ذیل میں، فیض النساء بیگم انجمن نعمانیہ رائے پور میں دادخواہ تھی کہ میں نے اپنی سوتیلی لڑکی مسماۃ خدیجہ بی بی کی شادی مسمی حسام الدین سے کردی اور لڑکی مذکور نے رحلت کی، اب مجھے حسب رواج ملک اپنے کے جو کچھ مال متاع بنام جہیز اپنی لڑکی کو دی ہوں حسام الدین سے واپس دلایا جائے چونکہ وقت دینے اسباب جہیز اپنی لڑکی کو مطابق رسم ورواج عادت عالم کے نہ تو نیت تملیک کی کی جاتی ہے نہ ہبہ وعاریت کی بلکہ یُوں ہی بلاکسی نیت کے جو کچھ دینا منظور رہو وقت رخصت دولہا دُلھن کے ہمراہ اُن کے کردیا کئے جاتا ہے غرض جو رواج عام خاص وعام میں پشتہا پشت سے جاری ہے حسام الدین سے واپس دلاکر دادرسی فرمائی جائے انتہی، اربابِ انجمن فیصلہ مقدمہ ہذا کا صرف اپنی ہی معلومات پر منحصر نہ فرمایا علمائے دین سے بھی فتووں کا استدعا کیا چنانچہ فتوٰی علمائے دیوبند کا آخر فیصلہ فتوی روایات فقہ اس بارہ میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرفا میں مطلقاً تملیک سمجھا جاتا ہے اور بغالب ظن عرف میں یہی ہے کہ کوئی شخص اسباب شادی دے کر واپس نہیں لیتا لیکن باینہمہ عرف وہاں کا یہی ہے کہ واپس لیا جاتا ہے اور ہبہ وتملیک نہیں ہوتا فیض النساء بیگم اُس کو واپس لے سکتی ہے انتہی، فتوٰی ندوۃ العلماء جس جگہ میں یہ عرف ہو کہ اشیاء جہیز بطور تملیک دیا جاتا ہے جیسا کہ بلاد ہندوستان میں بھی یہی رواج ہے تو اُس مقام میں اشیاء لڑکی کی ملک ہوجائیں گی اور لڑکی کے ماں باپ کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ واپس کرلے، ہاں جس مقام میں رواج عاریۃً دینے کا ہے وہاں اشیائے جہیز ملک لڑکی کی نہ ہوں گی اور ماں باپ کو اختیار رہوگا کہ واپس کرلے فیض النساء بیگم کو چاہئے کہ گواہوں سے اسباب جہیز دینا اپنے مال سے ثابت کردے اُس کے بعد حسب رواج کاربند ہو انتہی فیض النساء کے اپنے مال سے دینے پر صدہا گواہ موجود ہیں۔ فتوٰی جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب

---

[1] ردالمحتار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۳۳۰

بریلوی ، سوال انجمن نعمانیہ رائے پور ، سوال : شرع میں رواجِ ملک کو بھی مداخلت ہے کیا ؟ جواب : مولانا صاحب ! حکم شرع مطہر کے لئے ہے عرف و رواج وغیرہ کسی کو حکم میں کچھ دخل نہیں ، ہاں بعض احکام کو شرع اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے خواہ یُوں کہ اگر یہ شئے معروف و رائج ہو جائے تو اس کے لئے یہ حکم ہے خواہ یُوں کہ حکم فی نفسہ حاصل، اور یہ اس کی صورت کا بنانے والا ہے یہ مسئلہ جہیز بھی صورتِ ثانیہ سے ہے کہ والدین اپنے مال سے دُلہن کو جہیز دیتے ہیں اور دینا ہبہ و عاریت دونوں کو محتمل، اور ان کا تعین عرف پر محمول، جہاں عرف غالب تملیک ہو وہاں دعویٰ عاریت نامقبول، اور جہیز دینا تملیک ہی پر محمول جب تک گواہانِ شرعی سے اپنا عاریت دینا ثابت نہ کریں ، اور جہاں عرف غالب عاریت ہو یا دونوں رواج یکساں ہوں وہاں ان کے قول قسم کے ساتھ معتبر، ایسی جگہ جہیز دینا جہاں تملیک نہ سمجھا جائے گا الخ ۔ جنابِ من ! فتویٰ جناب کا فائز انجمن نعمانیہ ہو کر عرصہ دُو سال کا ہُوا ہو گا اس عرصۂ دراز میں اکثر اوقات پیش نظر یعنی جناب رکن اعظم انجمن جناب مولوی حکیم مسمّی ابو سعید صاحب کے بھی رہا ، یقین ہُوا کہ مولوی صاحب اُن فتووں کے مطالب مقاصد ظاہر روایات کے موافق و مطابق بخوبی سوچ سمجھ گئے ہوں گے ، آخر الامر بروز جلسہ مع فتویٰ جناب کا بھی فتویٰ مولوی صاحب نے پڑھا اور جملہ اوّل جناب کے فتویٰ کا یہ تھا : " حکم شرع مطہر کے لئے ہے ۔" مولوی صاحب نے جملہ مذکور کا خلاصہ اس طرح بیان فرمایا کہ جو حکم شرع کا ہے وُہ پاک ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ۔ علاوہ بریں مولانا ممدوح کے فتوے سے معلوم ہوتا ہے کہ رواجِ مُلک کو شرع میں کچھ دخل نہیں ورنہ فیض النساء بیگم موافق دعویٰ اپنے اشیاءِ جہیز پانے کی کسی طرح حقدار ہو سکتی ہے بلکہ دعویٰ اس کا شرعاً مردود اور رواجِ مُلک مطرود ، کیونکہ رواجِ مُلک بمقابلہ شرع کے ایک بیہودہ بات ہے ، غرض اربابِ انجمن نے مولوی صاحب کے لاطائل بیان کو عدمِ واقفیت مسائلِ فتویٰ سے بلا غور و تامل مان لیا انتہی ، التماس بندہ محمد قاسم

ع دل صاحبِ انصاف سے انصاف طلب ہے

اگرچہ یہ ناچیز حسبِ مقدور انجمن نعمانیہ میں بہت کچھ رویا مگر نہ رونے کا اثر ہُوا نہ گانے کا ، چونکہ تاریخ ملاحظہ فتویٰ سے تا آخر یہی کہتا رہا کہ مقدمہ مذکور میں جو رواجِ ملکی کا ذکر ہے ہر فتویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وُہ رواج حکم میں عین شرع محمدی ہے اور جس پر حکم شارع علیہ السلام کا موجود ، پس فیض النساء بیگم موافق فتویٰ علمائے دین کے مال و اسباب جہیز کا موافق شرع محمدی کے واپس لینے کی مستحق ہے ، جیسے مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہٗ اپنے فتوے میں لکھتے ہیں ، قولہ ہمارے بلاد میں رواج عام ہے کہ دُلہن والے اپنی طرف سے سلامی وغیرہ میں جو کچھ کپڑے و نقد دُولہا کو دیتے ہیں اُس سے تملیک ہی کا ارادہ کرتے ہیں وُہ دینا ہبہ سمجھا جائے گا ۔ غرض بندہ نے جناب کے مسئلہ کا خلاصہ ممبرانِ انجمن کو اس طرح سمجھا و سُجھا دیا کہ ہندوستان میں ہزارہا بندگانِ خدا اس طرح کے بھی ہیں کہ جنھوں نے عمر خود میں کبھی نام تملیک کا سُنا نہ ہبہ و عاریت کا بلکہ خاص رواجِ ملک کے بلا نیت تملیک و ہبہ و عاریت کے

جو کچھ دینا ہے بیٹی و اماد کو دیا کرتے ہیں مگر اتنا ضرور سمجھتے ہیں کہ یہ جو اسباب شادی ہم بیٹی و اماد کو دیتے ہیں وہ سب خاص ملک اُنھوں ہی کی ہے پس اس قدر سمجھنا اُنھوں کا حکم تملیک کا رکھتا ہے پس اسی کا نام شرع محمدی ہے پس اُس رواج عام کی تعمیل ہر فرد بشر پر کیا معنے بلکہ حاکم پر بھی واجب ہے پس اسی طرح اہلِ مدراس بھی بلا نیت تملیک و ہبہ عاریت کے اسباب جہیز دیا کرتے ہیں مگر دینے کے وقت اُن کی نیت یہ ہوا کرتی ہے کہ بعد فوت لڑکی کے وہ سب مال و اسباب واپس لیا کریں گے اور دُولھا بھی سمجھ لیا ہے کہ مجھے ضرور ہی واپس دینا ہوگا، پس یہ طرفین کے سمجھ لینے کا نام شرع محمدی میں معاہدہ ٹھہرا، پس اُس کے واپس لینے میں کون امر شرعی مانع ہے، پس بموجب رواج شرعی کے ایک بڑے زبردست فاضل و فقیہ مسمی صوبیدار شیخ حسین صاحب نے بمجرد فوت ہوتے ہی اپنی بہو کے اُس کا سب مال و اسباب جہیز کا واپس کر دیا اور اس مال کے استعمال کو واسطے اپنے حلال نہ جانا اور اس معاملہ کو ممبران انجمن بخوبی جانتے ہیں بمقابلہ سمجھ اپنے نہ تو خدا کی مانے اور نہ رسولِ خدا کی، تو پھر علماء فضلاء کی کب ماننے لگے غرض اگر کوئی ہندوستانی مدراسی عورات کو شادی کرے بعد موت اُس عورت کے موافق رواج ملک کے اُس کو سب جہیز واپس دینا ہوگا، چونکہ پابندی رواجِ مُلک کی اس پر واجب ہوگی برخلاف رواج مُلک اپنے کے، غرض فیض النساء بیگم کا اسباب جہیز دینا لڑکی اپنی کو موافق رواج ملک کے طرفین کی رضامندی سے شرعاً معاہدہ ٹھہرا جو حقیقت میں نظیر عاریت کی ہو سکتی ہے، غرض فتوے سے علمائے دین کے صرف دو باتیں [illegible]:

اوّلاً یہ کہ جس ملک میں رواج تملیکاً کا ہے وہاں مِلک لڑکی کی ہوگی اُس میں ماں باپ واپس نہیں لے سکتے اور جہاں رواج عاریۃً دینے کا ہے وہاں ماں باپ واپس لے سکتے ہیں اور ملک مدراس میں موافق رواج قدیم کے بمجرد فوت ہونے لڑکی کے جو کچھ اسباب جہیز میں دیا گیا ہے واپس لیا کرتے ہیں، نہ وہاں کوئی تملیک کو پوچھتا ہے و نہ عاریت کو، خواہ شوہر متوفیہ کا عربی ہو یا سندھی و یا ہندوستانی، بلا عذر رواج ملک کے واپس کر دیتا ہے انتھی التماس فیض النساء بیگم موافق رواج ملک اپنے کے اور مطابق فتوٰی علمائے دین کے جو آگے لکھ چکا ہوں اپنے داماد ہندوستانی سے پا سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

ثانیاً فیض النساء بیگم کی نسبت جو کچھ حکم مناسب ہو مختصر طور سے دو چار سطر کافی ہیں، باقی جناب کے فتوے کا پہلا مسئلہ جو رواج اسباب جہیز وغیرہ کی نسبت ہے آگے اس استفتاء کے لکھا ہوں جس کا پہلا جملہ حکم شرع مطہر کے لئے ہے، اس تمام مسئلہ کا خلاصہ سہل و سلیس عبارت موافق عام فہم کے جس میں عربی و فارسی عبارت و لغات نہ ہو، براہِ نوازش تحریر فرمائیں، عین بندہ نوازی ہوگی، اُمید کہ جواب بھی اسی کاغذ میں مرحمت ہو تا اعتبار میں بندہ کے فرق نہ ہو۔

الجواب

فتوائے فقیر کا وہ مطلب کہ رکن اعظم انجمن نے بیان کیا محض غلط ہے، نہ اُن الفاظ سے کسی طرح اُس کا وہم گزر سکتا ہے، سائل نے ان لفظوں سے سوال کیا تھا کہ "شرع میں رواجِ ملک کو مداخلت ہے کیا" ان کے جواب میں اگر "ہاں" کہا جاتا تو ایک بُرے معنی کو موہم ہوتا کہ شرع کے حکم میں اُن کے غیر کو مداخلت ہے اور اگر "نہ" کہا جاتا تو معنی غلط مفہوم ہوتے کہ عرف کا شرع میں کچھ اعتبار نہیں حالانکہ صدہا احکام شرع مطہر نے عرف پر دائر فرمائے ہیں لہٰذا ان لفظوں سے جواب دیا گیا کہ حکم شرع مطہر کے لئے ہے یعنی اصل حاکم شرع شریف ہے عرف و رواج وغیرہ کسی کو حکم میں کچھ دخل نہیں کہ خلافِ شرع یا بے حکم شرع عرف وغیرہ اپنے آپ کوئی حکم لگا سکیں ان الحکم الا للہ حکم کا مالک بس ایک اللہ ہے ہاں بعض احکام کو شرع مطہر اپنے حکم سے عرف پر دائر فرماتی ہے کہ جہاں جیسا عرف ہو شرع اس کا لحاظ فرما کر ویسا ہی حکم دیتی ہے تو اصل حکم شرع ہی کے لئے ہُوا اور اُسی کے معتبر رکھنے سے وہاں عرف کا اعتبار ہُوا یہ مسئلہ جہیز بھی صورت ثانیہ سے ہے کہ شرع نے یہاں عرف و رواجِ ملک پر مدار کار رکھا ہے اگر جہیز دے کر دُلہن کو اس کا مالک سمجھتے ہیں تو تملیک ہوگئی اور اگر واپس لے لیتے ہیں تو عاریت رہی، اس فتوے کے صاف معنے یہی تھے نہ یہ کہ یہاں رواجِ ملک مطلقاً مردود و بے اعتبار ہے، اُسی فتویٰ میں صراحۃً یہ لفظ موجود تھے، یا بجملہ یہاں مدار عرف و رواج پر ہے اور ان سب اقوال و تفاصیل کا یہی منشا، تو جدھر عرف لے جائے اسی طرف جانا واجب الخ سائل نے سوالات کلی طور پر کئے تھے کہ شرع میں رواج کو دخل ہے یا نہیں، جہیز جو لڑکی کو دیا جاتا ہے عاریت سمجھا جائیگا یا نہیں۔ اس وجہ سے جواب میں اُن تفصیلوں تحقیقوں کا افادہ ضرور ہوا، اب کہ آج کے سوال میں خاص مسئلہ فیض النساء بیگم سے سوال اور تصریحاً بیان کیا ہے کہ یہاں تملیک مقصود نہیں ہوتی اور عموماً واپس لیتے ہیں اور گواہ موجود ہیں کہ فیض النساء بیگم نے یہ جہیز اپنے ہی مال سے دیا، اس کا جواب اسی قدر ہے کہ اس صورت میں ضرور فیض النساء بیگم جہیز واپس لینے کا اختیار رکھتی ہے جبکہ اس کی طرف سے کوئی دلیلِ تملیک نہ پائی گئی ہو کہ جبکہ وہاں مطلقاً عموماً بعد موت عروس واپسی جہیز کا رواج ہے تو ظاہراً یہ رواج حقیقی ماں باپ کے سوا اوروں میں بھی دائر و سائر ہوگا کہ جو شخص اپنے مال سے عروس کو جہیز دے بعد موتِ عروس واپس لے کہ جب حقیقی ماں باپ ہمیشہ واپس لیتے ہیں تو اور لوگ بدرجۂ اولیٰ واپس لیتے ہوں گے تو اس عرف واپسی بعد الموت میں فیض النساء بیگم بھی داخل ہوئی، ہاں غیروں کے لئے یہاں محلِ نظر اتنا امر تھا کہ جہیز اپنے مال سے دینا ثابت ہو اس کی نسبت سائل بیان کرتا ہے کہ صدہا گواہ موجود ہیں تو اب فیض النساء بیگم کو اختیار واپسی ملنے سے کوئی مانع نہ رہا،

وذٰلك کلّه ظاهر لمن حقق النظر فی فتوٰنا الاولٰی ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اور یہ تمام اس شخص کے لئے ظاہر ہے جس نے ہمارے فتوٰی سابقہ میں تحقیقی نظر ڈالی۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۸ از انجمن بریلی ۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ انجمن اسلامیہ بریلی نے ایک یتیمہ کا نکاح کیا، بعد نکاح کے معلوم ہوا کہ یتیمہ عورت نہیں اس وجہ سے شوہر نے نہیں رکھا اور سامانِ جہیز جو انجمن سے یتیمہ کو دیا گیا تھا وہ واپس آیا، آیا وہ جہیز حق انجمن کا ہے یا یتیمہ کو ملنا چاہئے؟

الجواب

بیان تفصیلی سوال آئندہ سے معلوم ہوا کہ یتیمہ عورت تو ضرور ہے مگر مرد کے قابل نہیں، عورت نہ ہونے سے سائل کی یہی مراد ہے، صورتِ مستفسرہ میں وہ جہیز خاص ملکِ یتیمہ ہے انجمن کا اس میں کچھ حق نہیں کہ جہیز ان بلاد بلکہ عامہ امصار کے عرفِ عام میں تملیکاً دیا جاتا ہے اور عورت اس کی مالک مستقل ہوتی ہے، مرد کے قابل نہ ہونا کچھ مانع ملک نہیں۔

فی ردالمحتار کل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ[1]۔

ردالمحتار میں ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے۔ (ت)

اقول تحقیق مقام یہ ہے کہ انجمنوں میں جو روپیہ چندے سے جمع ہوتا ہے اگرچہ ملک چندہ دہندگان سے خارج نہیں ہوتا کما حققناہ بتوفیق اللہ فی کتاب الوقف من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اللہ تعالٰی کی توفیق سے اپنے فتاوٰی کی کتاب الوقف میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) مگر صدرِ انجمن جس کے حکم سے یہ سب کام ہوتے ہیں تمام تصرفات جائز ہ انجمن میں چندہ دینے والوں کا وکیل مجاز ہے اسبابِ جہیز کہ اس نے خریدا اگرچہ یہاں کسی شئے معین کی خریداری پر توکیل نہیں، نہ وقت شراء نیت ظاہر کہ چندہ دینے والوں کے لئے خریدتا ہوں مگر زرِ چندہ سے قیمت دی گئی تو اشیائے خریدہ بھی اُن سب کی ملک ہوئیں بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ بکار انجمن برائے انجمن خریداری نیت للموکلین ہے کہ انجمن اُن کی ہیأت مجموعی سے عبارت ہے۔

فی الدرالمختار لو وکلہ لشراء شئ بغیر عینہ

درمختار میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کو غیر معین شئی کی

---

[1] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

16 فالشراء للوکیل الا اذا نواہ للموکل وقت الشراء اوشراہ بمال الموکل[1] ملتقطا

خریداری کے لئے وکیل بنایا تو خریداری وکیل کیلئے ہوگی مگر جبکہ وکیل نے بوقتِ خریداری مؤکل کے لئے خریداری کی نیت کرلی ہو یا مؤکل کے مال سے خریداری ہوا ھ ملتقطاً۔ (ت)

اب جس طرح وُہ وکیل بالشرا تھا بالہبہ بھی ہے تو یہ ایک ہبہ ہے کہ جماعت کی طرف سے بنام یتیمہ واقع ہُوا اور ایسا ہبہ مطلقاً جائز ہے اگرچہ شَے موہوب قابلِ قسمت بھی ہو،

لان القابض واحد فلا شیوع فی الدرالمختار وھب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشیوع[2]۔

کیونکہ قابض ایک ہے تو شیوع نہ ہُوا۔ درمختار میں ہے کہ دو شخصوں نے ایک شخص کو گھر ہبہ کیا تو صحیح ہے کیونکہ شیوع نہیں ہے۔ (ت)

یہ اس صورت میں ہے کہ یتیمات کا نکاح کرنا اُنھیں مالِ انجمن سے جہیز دینا اغراضِ مشتہرہ معلومہ انجمن میں داخل ہو جس سے اس امر میں بھی مالکانِ چندہ کی طرف سے توکیل صدر حاصل ہو اور اگر ایسا نہیں بلکہ بلا اذن مالکین یہ تجہیز صدر نے بطور خود کی تو اب وُہ اس شرائے سامان میں فضولی ہوگا اور شرا جب تک نفاذ پائے مشتری پر نافذ ہوتا ہے اور اس صورت میں وقت شرا چندہ دہندوں کی طرف اضافت نہ ہونا خود ظاہر، تو تمام سامان بملکِ صدر ہُوا اور اس کی طرف سے یتیمہ کے لئے ہبہ تام ہوگیا، یُوں بھی صورت مذکورہ میں مال ملکِ یتیمہ ہوگا حقِ انجمن سے اصلاً علاقہ نہیں، ہاں انجمن کے روپے کا تاوان صدر پر آئے گا لخلافه واتلافه فیما لم یوذن به (اس کی مخالفت اور اس چیز کو تلف کرنے کی وجہ سے جس کا اذن اس کو نہیں دیا گیا تھا۔ت) درمختار میں ہے:

لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ اذا لم یضفہ الی غیرہ فلو اضاف بان قال بع ھذا لفلان فقال بعتہ لفلان توقف بزازیۃ وغیرھا[3] باختصار، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اگر کسی نے دوسرے کے لئے کچھ خریدا تو شرا مشتری پر نافذ ہوگی جبکہ اُسے دُوسرے کی طرف مضاف نہ کیا ہو۔ اور اگر دوسرے کی طرف اس کی اضافت کی اور یُوں کہا کہ یہ شَی فلاں کے لئے بیچ، اس پر بائع نے کہا کہ میں نے فلاں کے لئے بیچی تو یہ شرار موقوف ہوگی، بزازیہ وغیرہ اھ اختصار۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ بالبیع والشراء مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۰۵
[2] " کتاب الہبۃ " " " ۲/۱۶۱
[3] " باب البیع الفاسد فصل فی الفضولی " " " ۲/۳۱

مسئلہ ۸۹ ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی جس وقت شادی ہوئی تو اُس کے والدین نے حسبِ دستور جوڑے زیور وغیرہ چڑھایا اور بعد نکاح ہونے کے لڑکی کے والدین نے کچھ زیور اور جوڑے وغیرہ جہیز میں دیا بعدہٗ کچھ زیور نکاح کے بعد بنوادیا زید نے، اور کچھ کپڑا وغیرہ بھی علاوہ معمولی کپڑے کے، اور اس عورت نے وقت مرنے اپنے شوہر کے اور اب تک مہر بھی معاف نہیں کیا بلکہ مرتے وقت اُس کے پاس بھی نہیں گئی اور زید کے نام کچھ جائداد وغیرہ نہیں ہے، اس صورت میں اُس مال کا مالک کون ہوگا اور مہر کا ادا کرنا کسی کے ذمے عائد ہوگا یا نہیں، اگر عائد ہوگا تو کس کے ذمے ہوگا؟

الجواب

جو کچھ زیور، کپڑا، برتن وغیرہ عورت کو جہیز میں ملا تھا اُس کی مالک خاص عورت ہے اور جو کچھ چڑھاوا شوہر کے یہاں سے گیا تھا اُس میں رواج کو دیکھا جائے گا، اگر رواج یہ ہو کہ عورت ہی اس کی مالک سمجھی جاتی ہے تو وہ بھی عورت کی مِلک ہوگیا، اور اگر عورت مالک نہیں سمجھی جاتی ہے تو وہ جس نے چڑھایا تھا اُسی کی مِلک ہے خواہ والدِ شوہر ہو یا والدہ یا خود شوہر۔ اور جو زیور زید نے بعد نکاح بنوایا اگر عورت کو تملیک کردی تھی یعنی یہ کہہ دیا تھا کہ میں نے یہ زیور تجھے دے ڈالا تجھے اس کا مالک کردیا اور قبضہ عورت کا ہوگیا تو یہ زیور بھی مِلکِ زن ہوگیا، اور اگر کہا کہ تجھے پہننے کو دیا تو شوہر کی مِلک رہا۔ اور اگر کچھ نہ کہا تو رواج دیکھا جائے گا، اسی طرح زیور بنادینے کو اگر عورت کی تملیک سمجھتے ہیں تو بعد قبضہ عورت مالک ہوگی ورنہ مِلکِ شوہر پر رہا، عورت کا مہر ذمہ شوہر ہے، اگر شوہر کا کچھ مال مثلاً یہی زیور کہ اس نے بنادیا تھا اور عورت کی مِلک اس میں ثابت نہ ہوئی تھی، یا اور جو چیز مِلکِ شوہر پالے اُس سے وصول کرلے، اگر مِلکِ شوہر کچھ نہ ملے تو شوہر کے والدین وغیرہما سے کچھ مطالبہ کسی وقت نہیں کرسکتی جبکہ انھوں نے مہر کی ضمانت نہ کرلی ہو اُس کا معاملہ عاقبت پر رہا اور افضل یہ ہے کہ شوہر کو معاف کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۰ از ملک برہما شہر اکیاب تھانہ منگدوچ پوسٹ آفس ناکپورا بازار موضع رام پوربیل مسئولہ ناظر علی صاحب

داد وستد معتاد ومعروف کہ در مصالح انتظام مناکحت ومصاہرت مروج ومالوف ست از روئے شرع شریف جائز است یا نہ، اگر چیزے ونقدے بنا بر عرف دیار خود از خاطب وناکح گرفتہ می شود خواہ بشرط باشد یا بغیر شرط چنانکہ در دیار بنگالہ

عرف وعادت کے مطابق دینا اور لینا جو کہ شادی بیاہ کے انتظامی مصالح کے لئے مروج ومانوس ہے شرع شریف کی رُو سے جائز ہے یا نہیں، اگر کوئی چیز یا نقدی اپنے علاقے کے رواج کے مطابق خاطب (پیغام نکاح دینے والا) اور

دربرہما ازقدیم الایام دستوراست کہ از خطاب وناکح قبل عقد نکاح بطور ساچق لوازم شادی ونکاح کہ مراد از برگ تنبول وپوپل وجغرات وشکر وغیر ذلک باشد وخرچہ ضیافت احباب طرفین می گیرند جائز خواہد شد یانہ وبعضے علمائے بنگالہ وبرہما می گویند کہ بایں طور گرفتن جائز نیست زیراکہ رشوت ست ودر اقسام رشوت داخل پس قولِ ایشاں صحیح ست یانہ۔ بینوا بسند الکتاب توجروا من اللہ الوہاب فی یوم الجزاء والحساب۔

ناکح سے لی جائے چاہے مشروط ہو یا غیر مشروط، جیسا کہ بنگال اور برہما کے علاقوں میں زمانۂ قدیم سے دستور چلا آرہا ہے کہ عقد نکاح سے پہلے خاطب و ناکح سے شادی اور نکاح کے لئے ضروری سامان کے طور پر لیتے ہیں جس سے ان کی مراد پان کے پتّے، سپاری، چھالیہ، دہی، شکر اور فریقین کے احباب کی دعوت کا خرچہ ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز، بنگال و برہما کے بعض علماء کہتے ہیں کہ اس طرح لینا جائز نہیں کیونکہ یہ رشوت ہے اور رشوت کی رقموں میں داخل ہے، کیا ان کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتاب بیان فرمائیں جزاء وحساب کے روز بہت عطا فرمانے والے معبود سے اجر پائیں۔ (ت)

الجواب

رشوت آنست کہ در بعض اقوام اراذل شائع ست کہ دختر وخواہر خود را بزنی نہ دہند تا چیزے بمعاوضہ از خاطب برائے خود نگیرند ونیز آنست کہ کسے مولیۂ خود را بزنی دادہ باشد و بشوئی نسپرد تا چیزے برائے خود نگیرد وفی البزازیۃ الاخ ابی ان یزوج الاخت الاان یدفع الیہ کذا فدفع لہ ان یاخذہ قائما اوھالکا لانہ رشوۃ[1] اھ و فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار اخذ اھل المرأۃ شیئا عند التسلیم بان ابی

رشوت وہ ہے جو بعض قوموں میں رائج ہے کہ اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کسی سے اس وقت تک نہیں کرتے جب تک خاطب سے اپنے لئے کوئی چیز حاصل نہ کرلیں، نیز رشوت وہ ہے کہ کوئی شخص اپنے زیر ولایت لڑکی کا رشتہ تو کر دے مگر اپنے لئے کچھ لئے بغیر وہ لڑکی شوہر کے حوالے نہ کرے۔ بزازیہ میں ہے کہ بھائی نے اپنی بہن کی شادی کرنے سے اس وقت تک انکار کیا جب تک کہ اس کو کچھ دیا نہ جائے چنانچہ اس کو کچھ دے دیا گیا تو دینے والے کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس بھائی سے واپس لے چاہے وہ دی گئی شئے اس کے پاس موجود ہو یا ہلاک ہوچکی ہو

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علٰی ہامش فتاوٰی ہندیۃ باب المہر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۳۶

ان یسلمہا اخوہا او نحوہ حتی یاخذ شیئا فللزوج ان یستردہ لانہ رشوۃ[1] اما انچہ بروجہ صلہ و ہدیہ و معونۃ متعارف شدہ است تا در ضیافات و امثالہا صرف کردہ شود زنہار نہ رشوت ست نہ حرام فی الخیریۃ رجل خطب من اخر اختہ و دفع لہا شیئا یسمی ملاکا و دراھم ایضا من عادۃ اھل الزوجۃ اتخاذ الطعام بہا ان اذن لھم باتخاذہ و اطعامہ للناس صار کانہ اطعم الناس بنفسہ طعاما لہ و فیہ لایرجع[3]۔ تمام تحقیق ایں مسئلہ در فتاوی فقیر مذکور ست۔ واللہ تعالٰی اعلم

کیونکہ وہ رشوت ہے الخ تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ عورت والوں نے رخصتی کے وقت کوئی شے وصول کی بایں طور کہ عورت کے بھائی وغیرہ نے کچھ لئے بغیر وہ عورت شوہر کے حوالے کرنے سے انکار کردیا تو شوہر وہ شَے واپس لے سکتا ہے کیونکہ وہ رشوت ہے، مگر وہ جو تحفہ، ہدیہ اور امداد کے طور پر متعارف ہے کہ اس کو دعوت وغیرہ میں خرچ کریں وہ ہرگز رشوت وحرام نہیں ہے۔ خیریہ میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو اس کی بہن سے نکاح کا پیغام دیا اور اُس کو کوئی شَے دی جس کو ملاک کہا جاتا ہے اور کچھ درہم بھی دئے کہ عورت والوں کی عادت اُس سے کھانا تیار کرنے کی ہے، اگر اُس نے ان کو کھانا تیار کرنے اور لوگوں کو کھلانے کی اجازت دی ہے تو ایسا ہی ہے جیسے اس نے بذاتِ خود اپنی طرف سے لوگوں کو کھانا کھلایا ہو لہذا اس میں رجوع نہیں کرسکتا۔ اس مسئلہ کی پوری تحقیق فقیر کے فتاوٰی میں مذکور ہے۔ اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۱ از کھاتہ نگریا مرسلہ سید ضیاء الدین احمد صاحب ۹ محرم شریف ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمد نعیم خاں نے اپنے لبست سالہ لڑکے عبدالرحیم خاں کا نکاح ایک لڑکی سے کیا اور قبل عقد حسبِ رواج کچھ زیور طلائی و نقرئی اُس لڑکی کو چڑھایا، رخصت نہ ہونے پائی تھی کہ عبدالرحیم خاں انتقال کرگیا، لڑکی اپنے والدین کے گھر رہی، شوہر کو بالکل دیکھا بھی نہیں، ایسی حالت میں وُہ زیور والد متوفی کو قابلِ واپسی ہے یا نہیں، اور یہ امر بھی قابلِ اظہار ہے کہ ایسے موقع پر اکثر زیور عاریت لے کر بھی چڑھادیتے ہیں اور بعد رخصت واپس لے کر دے دیتے ہیں۔ یہ شخص بہت قلیل المعاش اور معمولی شخص تھا اُس کے والدین اس قدر حیثیت نہیں رکھتے کہ اس قدر کثیر مال کے زیور کو اپنے پسر کی زوجہ کو بعد رخصت

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۳
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۶۶
[3] فتاوٰی خیریۃ " دار المعرفۃ بیروت ۱/۲۷

بھی بخشیدہ اور موہوبہ سمجھ لیتے اور اُن کے یہاں رواج عام بھی خانگی ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اگر ایسا چڑھاوا چڑھایا تو بعد رخصت واپس لے لیا، اگر ذی مقدور ہُوئے اور حاجت نہ ہُوئی تو چھوڑ دیا۔ فقط۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اُس کی واپسی ضروری ہے،

لانہ لاھبۃ نصا ولا دلالۃ ولو اشترك العرف لم یدل علی التملیك وکان الدافع ادری بجھۃ الدفع۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	اس لئے کہ یہ نہ تو صراحۃً ہبہ ہے اور نہ ہی دلالۃً، اور اگر عرف مشترک ہو تو تملیک پر دلالت نہیں کرتا اور دینے والا دینے کی جہت کو بہتر جانتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۹۲ و ۹۳ مسئولہ عبدالرحیم خاں یکم رجب ۱۳۲۹ھ

(۱) شادی کے قبل جس کو چڑھاوا کہتے ہیں جو کہ دُلھن کو کچھ زیورات وکپڑا وغیرہ پہنایا جاتا ہے وہ کیسا ہے؟

(۲) جس کو لگن کہتے ہیں ایک پیتل کی تھالی ہوتی ہے جس میں کچھ روپیہ کپڑا وغیرہ دُلھن کی طرف سے رکھ کر دُولھا کے مکان پر آتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا مالک کون ہے؟

الجواب

(۱) جائز ہے پھر اگر اس سے مقصود دُلھن کو مالک کر دینا ہوتا ہو تو بعد قبضہ دُلھن مالک ہو جائے گی ورنہ جس نے چڑھایا اس کی ملک رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) جائز ہے اور دُولھا بعد قبضہ اُس کا مالک ہو جاتا ہے کہ اس میں یہی عرف عام ہے اور لگنے میں رواج مختلف۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۴ از بلہاری احاطہ مدراس مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب قادری حنفی ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

زید بچپن سے اپنے باپ کے ساتھ ایک ہی دکان میں بیوپار کرتا رہا (یعنی اپنے باپ کے ماتحت تھا اور کام بھی کرتا تھا) اور اپنے باپ ہی کے گھر میں تھا مذکور زید کی شادی باپ عمرو نے ہی کیا اب زید نے انتقال کیا مرحوم زید کی عورت اپنا جہیز اور اپنا مال وزر اور وہ مال جو نسبت کے وقت اس کو دئے ہیں (عرف میں جس کو چڑھاوا کہتے ہیں) اور اپنا مہر اپنے خسر سے طلب کر سکتی ہے یا نہیں اور اس کی عدت میں نان ونفقہ کس کے ذمہ ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جہیز تو سب عورت کا ہے اس میں کسی کا حق نہیں۔ ردالمحتار میں ہے،

کُل احد یعلم ان الجھاز ملك المرأۃ لاحق لاحد فیہ[1] ہر شخص جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملکیت ہوتا ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا (ت)

اور چڑھاوے کا اگر عورت کو مالک کر دیا گیا تھا خواہ صراحۃً کہہ دیا تھا کہ ہم نے اس کا تجھے مالک کیا یا وہاں کے رسم و عرف سے ثابت ہو کہ تملیک ہی کے طور پر دیتے ہیں جب تو وُہ بھی عورت ہی کی مِلک ہے ورنہ جس نے چڑھایا اُس کی مِلک ہے باقی مال و زر جو اپنے باپ کے یہاں سے لائی یا شوہر یا شوہر کے باپ نے بطور تملیک اُس کو دیا یعنی ہبہ کرکے قبضہ دے دیا وُہ بھی عورت ہی کی مِلک ہے اور اگر گھر کے خرچ کے لئے دیا اور مالک نہ کیا یا بطور امانت اس کے پاس تھا تو شوہر یا اُس کا باپ جس کا تھا اُسی کا ہے مہر کا مطالبہ شوہر پر ہے اگر اس کا ذاتی مال ہو اُس سے وصول کرے شوہر کے باپ پر دعوٰی نہیں کر سکتی جب تک اُس نے کفالت نہ کرلی ہو عدّتِ طلاق کا نفقہ ہوتا ہے عدتِ موت کا نفقہ ہی نہیں جس کا وُہ کسی سے مطالبہ کرسکے اپنے پاس سے کھائے، واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸ و ۶۵۲

باب نکاح الکافر

(کافر کے نکاح کا بیان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۹۵ از شاہجہان پور محلہ بارہ دری مرسلہ عبد اللہ خاں صاحب ۵ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید نے قادیانی مذہب اختیار کرلیا اور اس کی عورت بدستور اپنے اصلی مذہب حنفی پر رہی گو زید نے مذہب قادیانی گوارا کرنے میں اپنی عورت کو مجبور نہیں کیا لہذا ایسی حالت میں کہ جب مابین زن وشوہر کے اختلافِ مذہب ہوگیا از رُوئے حکم شرع شریف کے بحالت طرزِ معاشرت درمیان زن وشوہر جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عورت فوراً نکاح سے نکل گئی اُن میں باہم کوئی علاقہ نہ رہا مرد محض بیگانہ ہوگیا اب اس سے قربت زنائے خالص ہوگی۔ تنویر الابصار میں ہے:

وارتداد احدھما فسخ عاجل[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

خاوند بیوی میں سے کسی ایک کے مرتد ہوجانے سے اُسی وقت نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

مسئلہ ۹۶ از ریاست بھوپال کچا بنگلہ چیف سکریٹری صاحب مرسلہ مجتبیٰ علی خاں صاحب
۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت قوم نصارٰی یا مجوس ہے اور وُہ عورت مسلمان نہیں ہُوئی ہے وُہ اپنے مذہب پر قائم ہے، ایک شخص کہ وہ مسلمان ہے اور وہ شخص اس کے ساتھ عقد کرنا چاہتا ہے، اور وُہ عورت مسلمان نہیں ہُوئی، تو اس کے ساتھ نکاح جائز ہے یا مسلمان ہوئے تو جائز ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

عورت مجوسیہ سے مسلمان نکاح نہیں کرسکتا، اگر کرے گا باطل ہوگا، یُوں ہی نصرانیہ سے ایک قول پر اور دوسرے قول پر نصرانیہ سے نکاح اگرچہ ہوجائے گا مگر ممنوع و گناہ ہے، پہلے قول پر اس سے بچنا فرض ہے اور دوسرے قول پر واجب۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۷ از خیرآباد ڈاکخانہ خاص محلہ شیخ سرائے ضلع سیتاپور مرسلہ امتیاز علی صاحب
۹ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ دونوں مسلمان حنفی المذہب زن و شوہر ہیں ہندہ سیّدہ ہے مگر جاہل بیوقوف تند مزاج ہے اور زید شیخ کچھ لکھا پڑھا اور سخت مزاج غصہ ور ہے اور ہر دو معزز اور ایسے خاندان کے ہیں جو اپنے مذہب کے پابند و مطیع اور مسائلِ شریعت سے واقف ہیں جس میں ایک دوسرے کے حقوق کے بھی مسائل شامل ہیں، زید چاہتا ہے کہ ہندہ پرورشِ اطفال و خدمتِ خود و خاطر مدارات اعزا و احباب و امورِ خانہ داری و مہمان نوازی تابہ مقدور کرے، اگر کوئی کام زید کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے تو زید ہندہ سے سختی سے پیش آتا ہے اور اکثر سخت مگر مہذب الفاظ کہتا ہے ایسے کاموں میں وسط رمضان مبارک میں زید ہندہ سے خفا ہُوا اور ہندہ سے کہا کہ میں نے تم کو بارہا نصیحت کی اور پھر اپنے اور تمھارے گھر والوں میں فضیحت کی مگر کچھ سُود مند نہ ہُوا اب صرف اذیت کا درجہ باقی ہے جس کو اگر میں چاہوں تو مجھ کو پہنچانے کا حق ہے اور یہ شرعی احکام ہیں مگر میں بوجہ شرافت اس کو پسند نہیں کرتا ہوں اگر تم کو یہ پسند نہیں ہے اور نباہ ہونا مشکل ہے تو مجھ سے کہہ دو کہ میں تم کو آزاد کردُوں یعنی طلاق دے دوں کیونکہ شریعت کی یہ تعلیم ہے بعد کو تم اپنا کرلینا جیسا تم کو اچھا معلوم ہو میں اپنا کرلُوں گا اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اس پر ہندہ نے غصہ میں آکر کہا کہ "چُولھے میں جائے ایسی شریعت" یا "مری پڑے ایسی شریعت پر" زید کو فقرہ اول یاد ہے کہ ہندہ نے کہا تھا، ہندہ اس سے انکار کرتی ہے اور کہتی ہے کہ میں نے فقرہ نمبر ۲ کہا تھا

اور کہتی ہے کہ مجھ سے غصہ میں روزمرہ کی بول چال کے مطابق یہ الفاظ نکل گئے اس سے میری غرض یا نیت اسلام سے خارج ہونے کی نہ تھی نہ تحقیر شریعت، لہذا مفصلہ ذیل امور کا جواب برائے خدا ورسول بحوالہ کتب جلد مرحمت فرمائیے،

(۱) کیا فقرۂ مذکورہ بالا سے ہندہ مرتد ہوگئی اور اسلام سے خارج ہوئی؟

(۲) اگر مرتد ہوگئی تو کیا نکاح فسخ ہوگیا اور ہندہ درجۂ طلاق میں گئی؟

(۳) کیا اب زید بلا طلاق دئے ہوئے ہندہ سے تعلق ترک کرسکتا ہے اور کوئی مواخذہ اس سے نہ ہوگا؟

(۴) کیا بحالت مرتد ہونے کے اور نکاح فسخ ہونے پر مہر سابقہ کلیۃً یا اس کا کوئی جز اس پر واجب الادا ہے یا بالکل سوخت؟

(۵) کیا ایسی صورت میں ہندہ بعد تجدید ایمان بلا اجازتِ زید دوسرا نکاح کرسکتی ہے؟

(۶) کیا ہندہ کا نفقہ ایسی صورت میں زید پر واجب الادا ہے؟

(۷) اگر ہندہ نے تجدید ایمان کرلیا تو کیا زید و ہندہ باہمدگر تجدید نکاح پر شرعاً مجبور ہیں اور اگر نہ کریں تو کوئی مواخذہ تو نہ ہوگا؟

(۸) صورتِ حال میں اگر زید تجدید نکاح پر تیار ہو تو مہر سابقہ تعداد پر معین ہوگا یا اب تعداد جدید فریقین کی رضامندی پر معین ہوگی؟

(۹) صورتِ حال میں کیا ہندہ زید کی مرضی کے موافق کم مہر پر مجبور کی جائے گی اور تعدادِ مہر کم سے کم کیا ہوسکتی ہے؟

الجواب

ہندہ نے پہلا فقرہ کہا ہو خواہ دوسرا، ہر طرح اس کا ایمان جاتا رہا کہ اس نے شرع مطہر کی توہین کی، مگر ہندہ نکاح سے نہ نکلی، نہ ہرگز اُسے روا ہے کہ بعد اسلام کسی دوسرے سے نکاح کرلے لان الفتوٰی علٰی روایۃ النوادر لاجل فساد الزمان کما بیناہ فی فتاوٰنا (کیونکہ فساد زمانہ کی وجہ سے فتوٰی نوادر کی روایت پر ہے جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) ہاں بعد اسلام زید سے تجدیدِ نکاح پر مجبور کی جائے گی احتیاطا لاصل المذھب (احتیاط کے طور پر واسطے اصل مذہب کے۔ ت) زید اگر اُس سے ترکِ تعلق چاہے تو طلاق دے، ہندہ کا نفقہ زید پر نہیں جب تک اسلام نہ لائے کہ وہ اپنے فعل سے زید پر حرام ہوگئی ہے ولا نفقۃ لمرتدۃ (مرتدہ کے لئے کوئی نفقہ نہیں۔ ت) مگر مرتدہ ہونے سے مہر مدخولہ ساقط نہیں ہوتا تمام وکمال بدستور زید پر واجب ہے، تجدید نکاح میں مہر جدید برضائے فریقین معین ہونا یا پہلی تعداد کا لحاظ کچھ ضرور نہیں بلکہ ہندہ سب سے کم مہر پر مجبور کی جاسکتی ہے جس طرح نکاح پر مجبور

کی جائے گی۔ درمختار میں ہے :

تجبر علی الاسلام وعلی تجدید النکاح زجرا لھا بمھر یسیر کدینار وعلیہ الفتوٰی[1]

اسلام پر مجبور کی جائے گی اور بطور زجر کمترین مہر مثلاً ایک دینار کے بدلے تجدید نکاح پر مجبور کی جائے گی اور اسی پر فتوٰی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

فلکل قاض ان یجدد بمھر یسیر ولو بدینار رضیت ام لا[2]

ہر قاضی کو اختیار ہے کہ وہ اُس عورت سے کمترین مہر کے عوض تجدیدِ نکاح کرائے اگرچہ ایک دینار ہو چاہے وُہ عورت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ (ت)

مہر کی اقل مقدار دس درم ہے کہ یہاں کے دو روپے تیرہ آنے سے کچھ کم ہے یعنی ۱۲/ ۹ ۳/۵ پائی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۸: از نذر محمد خاں صاحب امام جامع مسجد مُلاّ جی صاحب ڈاکخانہ خاص لگانہ ضلع رہتک۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ کسی ہندو کی لڑکی نابالغ بغیر اجازت والی کے کہیں سے لے آوے اور بغیر مسلمان کے نکاح پڑھا دیوے جائز ہے یا کہ نہیں، اور اسی طرح سے مسلمان نابالغ لڑکی سے بغیر اجازت والی کے دُوسرا کوئی نکاح پڑھا دیوے تو پھر والی اس کو توڑ سکتا ہے یا کہ نہیں اور پڑھانے والے پر کیا الزام ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نابالغہ کا نکاح بے اجازت ولی نافذ نہیں ہو سکتا، ولی اس کو فسخ کر سکتا ہے، اور ہندو کی لڑکی سمجھ وال کہ اسلام وکفر جانتی ہے اگر کُفر اختیار کرے تو خود مشرک ہے، اور سمجھ وال نہ ہو تو اپنے باپ کے اتباع سے مشرک ہے، بہر حال اس سے نکاح باطل ہے اگرچہ باجازت ولی ہو، ہاں اگر سمجھ دار ہونے کی حالت میں ایمان لے آئے اس کے بعد باجازت اُس کے کسی ولی مسلم ورنہ اذنِ حاکمِ اسلام سے نکاح کیا جائے تو صحیح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] درمختار | باب نکاح الکافر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۱۰

[2] ردالمحتار | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۹۲

مسئلہ ۹۹ از لکھنؤ محلہ گڈھیا کمال جال مسئولہ مولوی عابد حسین صاحب عباسوی ۱۴ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رافضیہ عورت سے نکاح شرعًا جائز ہے یا ناجائز، نیز اگر دھوکہ سے کوئی شخص کسی رافضیہ عورت سے نکاح کرے مثلًا زید کو یہ نہیں معلوم ہے کہ عورت کا مذہب سُنّی ہے یا شیعہ، اور زید سے پوشیدہ بھی رکھا جائے اور بعد کو معلوم ہوجائے اور منکوحہ توبہ بھی نہ کرے تو ایسی میں کیا کرنا چاہئے۔ بینوا توجروا

الجواب

رافضیہ سے نکاح باطل محض ہے اس وقت معلوم ہو یا نہ ہو بہرحال اس پر فرض ہے کہ اُس سے جُدا ہوجائے وہ محض اجنبیہ ہے اصلًا قابلیتِ نکاح نہیں رکھتی جب تک اسلام نہ لائے۔ عالمگیریہ میں ہے:

وکذٰلک لایجوز نکاح المرتدۃ مع احد[1] — اور اسی طرح مرتدہ کا نکاح کسی سے جائز نہیں۔

واللہ تعالٰی اعلم۔ — اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۰ از بنارس کچی باغ مسئولہ مولوی محمد ابراہیم صاحب شب ۵ ذی القعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک ہندو قوم کھٹک نے اپنی عورت کو اپنے مذہب کے موافق طلاق دے دی، تخمینًا چار ماہ کے بعد عورت مذکورہ مسلمان ہوئی اپنی خوشی و رضامندی سے، اور جس جلسے میں مسلمان ہوئی اُسی جلسہ میں نکاح بھی ہُوا، نکاح کیسا ہُوا اور اس میں عدّت کی ضرورت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں نکاح صحیح ہوگیا، کافر کے لئے عدّت تو اصلًا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لاعدۃ من الکافر عند الامام اصلا فلاتثبت الرجعۃ للزوج بمجرد طلاقہا وقیل تجب والاصح الاول کما فی القہستانی عن الکرمانی ومثلہ فی العنایۃ وذکرفی الفتح انہ اولٰی[2]۔

امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک کافر کے لئے اصلًا عدّت نہیں۔ محض اُس عورت کو طلاق دینے سے شوہر کے لئے رجوع ثابت نہ ہوگا، اور کہا گیا ہے کہ عدّت واجب ہے اور اصح قول اوّل ہے جیسا کہ قہستانی میں کرمانی سے ہے اور اسی کی مثل عنایہ میں ہے، فتح میں مذکور ہے کہ یہی اولٰی ہے۔ (ت)

اور جب وہ طلاق دے چکا اُسے عورت سے کچھ علاقہ نہ رہا کہ بعد اسلامِ زن اُس کے اسلام یا انکار کا انتظار

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ باب المحرمات بالشرک نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۲

[2] ردالمحتار باب نکاح الکافر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۸۹

کیا جائے اور یہاں بوجہ عدم حکومت اسلام تین حیض گزرنے تک اُس کے اسلام نہ لانے کو قائم مقام انکار ٹھہرا کر حکمِ فرقت دیا جائے، درمختار و ردالمحتار میں ہے:

لو اسلم احد المجوسیین فی دار الحرب وملحق بھا لم تبن حتی تحیض ثلاثا قبل اسلام الاخر اقامۃ لشرط الفرقۃ (وھو مضی ھذہ المدۃ ش مقام السبب وھو الاباء لان الاباء لایعرف الا بالعرض وقد عدم العرض لانعدام الولایۃ ومست الحاجۃ الی التفریق لان المشرک لایصلح للمسلم واقامۃ الشرط عند تعذر العلۃ جائز فاذا مضت ھذہ المدۃ صار مضیھا بمنزلۃ تفریق القاضی بدائع ش) ولیست بعدۃ لدخول غیر المدخول بھا۔[1]

اگر مجوسی زوجین میں سے کوئی ایک دار الحرب میں یا ایسی جگہ مسلمان ہوجائے جو دار الحرب کے ساتھ ملحق ہے تو بیوی نکاح سے خارج نہ ہوگی جب کہ دوسرے کے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کو تین حیض نہ آجائیں شرط فرقت یعنی اس مدت کے گزرنے کو سبب فرقت یعنی انکارِ اسلام کے قائمقام رکھنے کی وجہ سے، کیونکہ انکارِ اسلام کا پتا تو عرضِ اسلام (اسلام پیش کرنے سے چلے گا اور دار الحرب میں عدمِ ولایت کی وجہ سے عرضِ اسلام معدوم ہے حالانکہ تفریق کی ضرورت ہے کیونکہ مشرک و مسلم کا نکاح برقرار نہیں رہ سکتا اور تعذرِ علت کے وقت شرط کو اس کے قائمقام رکھنا جائز ہے چنانچہ جب یہ مدت گزر جائے تو اس کا گزرنا تفریقِ قاضی کے قائمقام ہوجائے گا بدائع ش) اور یہ مدت عدت نہیں کیونکہ غیر مدخولہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہے (حالانکہ غیر مدخولہ پر عدت نہیں)۔ (ت)

یہاں نفسِ طلاق سے فرقت پہلے ہی ہوچکی اور عدت ہے نہیں لہذا انتظار کی اصلاً حاجت نہیں، عورت اگرچہ طلاق ہوتے ہی فوراً مسلمان ہوجائے مسلمان ہوتے ہی فوراً نکاح کرسکتی ہے۔ ہدایہ میں ہے:

لابی حنیفۃ انہا ای العدۃ اثر النکاح المتقدم وجبت اظہارا لخطرہ ولاخطر لملک الحربی ولھذا لاتجب علی المسبیۃ۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت پہلے نکاح کا اثر ہے جو اس کے احترام کے اظہار کے لئے واجب ہوتی اور حربی کی ملک کا کوئی احترام نہیں اور اسی لئے اس عورت پر عدت واجب نہیں جو گرفتار کرکے لائی گئی ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب نکاح الکافر | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۰۸-۹
ردالمحتار | | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۹۰

[2] ہدایہ | باب نکاح اہل الشرک | المکتبۃ العربیہ، کراچی | ۲/ ۳۲۸

بابُ المُعَاشِرَة

(زوجین کے باہمی برتاؤ کا بیان)

مسئلہ ۱۰۱ تا ۱۰۲: از مسجد جامع میرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ سراج الحق صاحب امام جامع مذکور و شیخ بدو دربان چٹکل ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ما قولکم رحمکم اللہ فی ھذہ المسألۃ ھل یجوز لزید عند الاختلاط ان یقبل خد منکوحتہ وثدیھا او ان یمص ثدیھا او ان یدخل ثدیھا فی فمہ شھوۃ وتلذذا سواء کانت ذات لبن ام لا، وسواء کانت مراھقۃ ام بالغۃ، فبینوا حکم کل شق منھا بالادلۃ و التفاصیل۔

کیا ارشاد ہے آپ کا اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زید کے لئے بوقتِ صحبت اپنی بیوی کے رخسار اور پستان کا بوسہ لینا یا پستان کو منہ میں دبانا یا شہوت وتلذذ کے طور پر پستان کو منہ میں داخل کرنا جائز ہے؟ چاہے اس کی بیوی دودھ والی ہو یا نہ ہو، چاہے قریب البلوغ ہو یا بالغہ، ہر شق کا جواب دلائل وتفصیلات کے ساتھ بیان فرمائیں۔ (ت)

الجواب

یجوز للرجل التمتع بعرسہ کیف

مرد کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کے سر سے لے کر

ماشاء من رأسها الی قدمها الاما نهی الله تعالٰی عنه، وکل ما ذکر فی السؤال لانهی عنه، اما التقبیل فمسنون مستحب یؤجر علیه ان کان بنیة صالحة واما مص ثدیها فکذلك ان لم تکن ذات لبن، وان کانت واحترس من دخول اللبن حلقه فلا باس به، وان شرب شیئا منه قصدا فهو حرام وان کانت غزیرة اللبن وخشی ان لو مص ثدیها یدخل اللبن فی حلقه فالمص مکروه، قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومن رتع حول الحمی اوشك ان یقع فیه۱؎۔ والله سبحنه وتعالٰی اعلم۔

پاؤں تک جیسے چاہے لُطف اندوز ہو سوائے اس کے جس سے اللہ تعالٰی نے منع فرمایا ہے، اور سوال میں مذکور امور میں سے کسی سے منع نہیں کیا گیا۔ بوسہ تو مسنون و مستحب ہے اور اگر بنیّت صالحہ ہو تو باعثِ اجر و ثواب ہے۔ رہا پستان کو مُنہ میں دبانا، تو اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے جبکہ بیوی دُودھ والی نہ ہو، اور اگر وُہ دُودھ والی ہے اور مرد اس بات کا لحاظ رکھے کہ دُودھ کا کوئی قطرہ اس کے حلق میں داخل نہ ہونے پائے تو بھی حرج نہیں، اور اگر اُس دُودھ میں سے جان بُوجھ کر کچھ پیا تو یہ پینا حرام ہے۔ اور اگر وُہ زیادہ دُودھ والی ہے اور اُسے ڈر ہے کہ پستان منہ میں لے گا تو دُودھ حلق میں داخل ہوگا تو اس صورت میں پستان کو منہ میں لینا مکروہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو چراگاہ کے اردگرد (جانور) چرائے تو قریب ہے کہ وہ (جانور) چراگاہ میں جا پڑے۔ اور اللہ سبحٰنہ و تعالٰی خوب جانتا ہے۔

السوال الثانی

وکم مدة یجوز له السفر حال کونه مجردا عنها۔

دُوسرا سوال

بیوی کو چھوڑ کر سفر پر جانے والے کے لئے کتنی مدّت تک سفر میں رہنا جائز ہے؟

الجواب

السفر ان کان بضرورة تقدر بقدرها ولا یعین له حد وقد امر

سفر اگر ضرورت کی وجہ سے ہو تو بقدرِ ضرورت ہوگا اس کی کوئی حد مقرر نہیں۔ تحقیق حضور اقدس

۱؎ شرح السنۃ للامام البغوی باب مضاجعۃ الحائض المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۱۳۰

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بتعجیل القفول بعد قضاء الحاجۃ والسفر قطعۃ من العذاب یمنع احدکم طعامہ وشرابہ ونومہ فاذا قضی احدکم نھمتہ فلیعجل الی اھلہٖ[1] اوکما قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اما اذا کان بلاضرورۃ ولم یستصحبھا معہ فلا یسکن اکثر من اربعۃ اشھر بذلک امر امیر المؤمنین عمر الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ وفی الحدیث قصۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ضرورت پُوری ہوجانے کے بعد جلدی واپسی کا حکم دیا ہے اور سفر عذاب کا ٹکڑا ہے جو تم میں سے کسی ایک کو اس کے کھانے پینے اور سونے سے روک دیتا ہے۔ پس جب تم میں سے کوئی اپنی حاجت پُوری کرلے تو جلدی گھر لوٹے، یا جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا۔ لیکن اگر سفر بلاضرورت ہو اور بیوی کو ساتھ نہ لے کر جائے تو چار ماہ سے زیادہ سفر میں نہ ٹھہرے۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اِسی کا حکم فرمایا، حدیث میں قصہ مذکور ہے۔ اور اللہ سبحانہ تعالٰی خُوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از حیدر آباد دکن معرفت پوسٹ ماسٹر مرسلہ حسام الدین صاحب ۲۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو زید کے خالو ہوتے ہیں اور اُن کا وطن قدیم اصلی خطہ اودھ ہے، اُن کے تعلقات ملازمت حیدر آباد میں ہُوئے، زید اصل باشندہ کاکوری ضلع لکھنؤ کا ہے اور اس نے خطہ متوسط میں ملازمت انگریزی اختیار کی۔ تعارف وقرابت سابق کی وجہ سے زید کا نکاح عمرو کی دختر کے ساتھ حیدر آباد میں ہُوا اور کوئی شرط کسی قسم کی مہر وآمدورفت وغیرہ کی نسبت نہیں ہُوئی، بعد نکاح عمرو نے اپنی دختر کو زید کے ساتھ متعدد مرتبہ زید کی جائے ملازمت مختلف اضلاع خطہ متوسط پر اس کے ہمراہ روانہ کردیا حتی کہ زید کی صلب سے ہندہ دختر عمرو کے تین اولادیں ہُوئیں، نکاح کے چھ سال بعد مسماۃ ہندہ اور خود والدہ ہندہ کو یہ عذر ہُوا کہ زید کے ساتھ سفر دُور ودراز جائے ملازمت زید پر جانا منظور نہیں کیونکہ اُن کا بیان ہے کہ زید کو شرعاً ایسا حق نہیں کہ وُہ ہندہ کو سفر میں اپنے ساتھ لے جائے مطالبہ مہر باعث انکار سفر نہیں قابلِ دریافت یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں زید کو اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی جائے ملازمت وسکونت پر لے جانے کا شرعاً حق ہے کہ نہیں، اگر ہندہ عذر اذیت وتکلیف دہی پر جانے سے انکار کرے اور اس عذر کو ثابت

۱؎ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ باب ذکر الطعام قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۱۶

" کتاب الجہاد باب السرعۃ فی السیر " " " ۱/ ۴۲۱

نہ کرسکے یا ثبوت پیش کردہ اگر بیجا جائے تو زید بعد ادخال ضمانت معتبر ہندہ کو اپنے ساتھ لے جانے کا مجاز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اصل حکم ہے مرد جہاں رہے اپنی عورت کو اپنے ساتھ رکھے۔ قال اللہ تعالٰی:

واسکنوھن من حیث سکنتم [1] عورتوں کو وہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود ٹھہرو۔ (ت)

اور ساتھ ہی یہ حکم ہے کہ عورت کو ضرر نہ پہنچائے، اس پر تنگی نہ کرے۔ قال اللہ تعالٰی:

ولا تضاروھن لتضیقوا علیھن [2] انھیں ضرر نہ پہنچاؤ کہ تم ان پر تنگی کرو۔ (ت)

جبکہ مہر معجل نہ تھا یعنی پیش از رخصت دینا قرار نہ پایا تھا تو عورت کو اپنے نفس کے روکنے کا کوئی اختیار نہیں، نہ اُس کا باپ اُسے شوہر سے جُدا کرسکتا ہے، ہاں اگر شوہر کی طرف سے عورت کو ضرر رسانی و بلاوجہ شرعی ایذا دہی بروجہ کافی ثابت ہو تو اُس کا بندوبست کیا جائے اگرچہ کچہری کے ذریعہ سے ضمانت داخل کرنے سے ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ زید کوئی ایسا کفیل معتمد پیش کرے گا جو زید کو ایذا رسانی سے مانع ہوسکے اور عمرو و ہندہ کو اُس پر اعتبار ہو یا یہ معنٰی ہیں کہ کوئی ضامن دیا جائے گا کہ اگر زید ایذا رسانی کرے تو اتنا روپیہ جرمانہ کا بھرے اور وہ نہ دے تو ضامن دے گا۔ اگر معنی اول مراد ہیں تو صحیح و قابلِ قبول ہیں اور معنی دوم مراد ہیں تو یہ شرعاً ناجائز و باطل ہے مالی جرمانہ نہیں ہوسکتا لانہ منسوخ والعمل بالمنسوخ حرام (کیونکہ یہ منسوخ ہے اور منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے۔ ت) اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔

مسئلہ ۱۰۴: از قادری گنج ضلع بیربھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسن صاحب

۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

جماع کے وقت شوہر کا اپنی بی بی کی فرج دیکھنا تاکہ لذّت پُوری پُوری حاصل ہو یا شوہر کا اپنی بی بی کی شرمگاہ کو مَس کرنا اور عورت کا اپنے شوہر کے آلۂ تناسل کو مَس کرنا تاکہ آلۂ تناسل ایستادہ ہو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

زوجین کا وقتِ جماع ایک دوسرے کی شرمگاہ کو مَس کرنا بلاشبہہ جائز بلکہ بہ نیتِ حسنہ مستحسن و

---

[1] القرآن الکریم ۶/۶۵

[2] ؍؍ ؍؍ ۶/۶۵

موجب اجر ہے کما روی عن نفس سیدنا الامام الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ (جیسا کہ خود ہمارے سردار امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا گیا ہے۔ت) مگر اُس وقت رؤیتِ فرج سے حدیث میں ممانعت فرمائی اور فرمایا : فانہ یورث العمی وہ نابینائی کا سبب ہوتا ہے۔ علماء نے فرمایا کہ محتمل ہے کہ اس کے اندھے ہونے کا سبب ہو یا وہ اولاد اندھی ہو جو اس جماع سے پیدا ہو یا معاذ اللہ دل کا اندھا ہونا کہ سب سے بدتر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

باب القسم

(بیویوں میں باری مقرر کرنا اور حقوق میں مساوات رکھنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

مسئلہ ۱۰۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوجہ کو بے وجہ شرعی ایذا دینا اور رعایت مساوات ذوزوجہ میں نہ کرنا اور دونوں کو مکانِ واحد میں جبرًا رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہرچند اللہ تعالٰی نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی،

الرجال قوامون علی النساء بما فضل بعضھم علٰی بعض وبما انفقوا من اموالھم[1]۔

مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ تعالٰی نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے کہ مردوں نے ان پر مال خرچ کئے۔ (ت)

یہاں تک کہ حدیث میں آیا اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم کرتا عورت کو حکم دیتا کہ مرد کو سجدہ کرے مگر عورتوں کو بے وجہ شرعی ایذا دینا ہرگز جائز نہیں بلکہ ان کے ساتھ نرمی اور خوش خلقی اور اُن کی بدخوئی پر صبر اور

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

اُن کی دلجوئی اور جن باتوں میں مخالفتِ شرع نہیں اُن کی مراعات شارع کو پسند ہے جناب رسالتمآب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ازواجِ مطہرات کی دلجوئی کرتے اور فرماتے ،

ان من اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا والطفھم باھلہ[1] بیشک مومنوں میں سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں سے زیادہ حسن اخلاق والا اور اپنی اہل کے ساتھ زیادہ مہربان ہے ۔ (ت)

اور فرماتے :

خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی[2] تم میں سب سے بہتر وُہ ہے جو اپنی اہل کے ساتھ زیادہ اچھا برتاؤ کرنے والا ہے اور میں اپنی اہل کے ساتھ حُسنِ سلوک میں تم سب سے بہتر ہوں ۔ (ت)

اور اللہ تعالٰی فرماتا ہے :

وعاشروھن بالمعروف[3] (اور ان (اپنی بیویوں) کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو ۔ ت)

امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں :

واعلم انہ لیس من حسن الخلق معھا کف الاذی عنھا بل احتمال الاذی منھا والحلم عند طیشھا وغضبھا اقتداءً برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[4] الخ اور تُو جان لے کہ عورت کے ساتھ حُسنِ خلق یہ ہی نہیں کہ اس کو ایذا نہ دے بلکہ اس کی طرف سے اذیتیں برداشت کرنا اور رسولِ اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہُوئے اُس (عورت) کے طیش و غضب کے وقت تحمل اختیار کرنا ہے ۔ (ت)

اور جس طرح اللہ تعالٰی نے مردوں کے حق اُن پر مقرر فرمائے اُن کے حق بھی مردوں پر مقرر کئے ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف[5] (اور عورتوں کا بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق ۔ ت) ازانجملہ کھلانے پہنانے وغیرہما امور اختیاریہ میں اُنھیں برابر رکھنا واجب ہے ،

---

[1] شعب الایمان حدیث ۸۷۱۹ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۶/ ۴۱۵

[2] " " ۸۷۱۸ " " " ۶/ ۴۱۵

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۹

[4] احیاء العلوم الباب الثالث فی آداب المعاشرۃ المکتبۃ المشھد الحسینی ایران ۲/ ۴۳

[5] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

فی الدر المختار یجب وظاھر الآیۃ انہ فرض فھران یعدل ای ان لایجوز فیہ ای فی القسم بالتسویۃ فی البیتوتۃ وفی الملبوس والماکول والصحبۃ[1]۔

درمختار میں ہے واجب ہے اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے (نہر) یعنی قسم میں ظلم نہ کرے بایں صورت کہ شب باشی، لباس، کھانے اور صحبت میں برابری قائم رکھے۔ (ت)

یہاں تک کہ اگر فرق کرے گا قیامت میں ایک طرف جھکا اُٹھے گا، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ امرأتان فمال الی احدٰھما دون الاخری جاء یوم القیٰمۃ واحد شقیہ مائل[2]۔

جس کی دو عورتیں ہوں وہ ان میں سے ایک کی طرف میلان کرے اور دوسری کو نظرانداز کرے تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوگی (ت)

اور اُنھیں مکان واحد میں جبرًا رکھنا جائز نہیں بلکہ ہر ایک کو مکان علیحدہ کا مطالبہ شوہر سے پہنچتا ہے،

فی الدرالمختار فلکل من زوجتیہ مطالبتہ بیت من دار علیحدۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کہ دو بیویوں میں سے ہر ایک اپنے شوہر سے گھر کا علیحدہ مکان طلب کرسکتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رعایت مساوات دو زوجہ میں مرد پر واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر ان میں قوم طوائف میں سے ہو تو کچھ فرق کیا جائے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

مرد پر اپنی دو زوجہ حرّہ کو کھلانے اور پہنانے اور پاس رہنے وغیرہا امور اختیاریہ میں برابر رکھنا واجب ہے اور اس امر میں طوائف وغیر طوائف شریف و رذیل میں کچھ فرق نہیں کہ آیت قسم مطلق ہے۔

فی الدر المختار یجب وظاھر الآیۃ انہ فرض نھر ان یعدل ای ان لایجور فیہ ای فی القسم بالتسویۃ فی البیتوتۃ و

درمختار میں ہے واجب ہے اور آیت کا ظاہر یہ ہے کہ عدل کرنا فرض ہے (نہر) یعنی قسم میں ظلم نہ کرے، بایں صورت کہ شب باشی، لباس، کھانے اور صحبت

---

[1] درمختار — باب القسم — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۱۱

[2] سنن ابن ماجہ — باب القسمۃ بین النساء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی — ۱/۱۴۳

[3] درمختار — باب النفقۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۷۱

فی الملبوس والماکول والصحبۃ۔[1] میں برابری قائم رکھے (ت)

یہاں تک کہ اگر فرق کرے گا قیامت کو ایک طرف جُھکا اُٹھے گا۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من کان لہ امرأتان فمال الٰی احدٰھما دون الاخری جاء یوم القیٰمۃ واحد شقیہ مائل۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

جس کی دو بیویاں ہوں ان میں سے ایک کو نظر انداز کرتے ہُوئے دُوسری کی طرف میلان کرے تو قیامت کے دن اس حال میں اُٹھے گا کہ اس کی ایک جانب جُھکی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۷: از بچھراؤں ضلع مراد آباد مکان حکیم غلام علی صاحب مرسلہ حکیم غلام احمد صاحب ۲۵ رمضان مبارک ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عدل بین الزوجین میں کھانے کی کیا صورت ہے، آیا جو چیز ایک زوجہ کو کھانے کو دی وہی دوسرے کو بھی دے اگرچہ از قسم مکلفات ہو یا فقط معمولی غذا میں، مثلاً ایک کو دُوسری زوجہ سے خفیہ دُودھ پلایا یا ثمارِ فصل کھلائے تو اُسی قدر دُوسری کو بھی دینا ضرور ہے یا یہ مستحب ہے، اگر دُوسری کو بھی دینا ضرور ہے تو صورتِ ذیل میں کچھ فرق ہے یا نہیں مثلاً ایک زوجہ نے زوج سے کسی چیز کی فرمائش کی چونکہ اس کی طبیعت اس چیز کے کھانے کو چاہتی تھی بایں وجہ خفیۃً دوسری زوجہ سے اس کی فرمائش کو پُورا کردیا تو دُوسری کو بھی شئے مذکور کا کھلانا بذمہ زوج ضرور ہے یا نہیں، اگر ضرور ہے تو اس میں کچھ فرق ہے یا نہیں کہ اگر دوسری زوجہ بھی اس شے کی فرمائش کرتی تو اُس کو بھی پورا کرتا اور اگر زوج اپنی خواہشِ طبیعت سے کچھ شے ایک زوجہ کو کبھی کوئی شے دوسری زوجہ کو کھلاتا ہے مگر برابری نہیں ہے کہ جس قیمت اور جس لذت کی وہ شئے ہے دُوسری کو وہ نہیں ہے تو یہ جائز ہے یا نہیں، ایک یہ صورت ہے کہ ایک زوجہ کھانا کھاتے وقت زوج کو کھانا پکاکر لاتی ہے دُوسری نہیں آتی ہے خاطراً اس کو ہر ترکاری سے قدرے قدرے کھلایا تو اس میں زوج گنہگار ہوا یا نہیں، اور خفیہ میں یہ مصلحت ہے کہ دونوں زوجہ میں بغض نہیں پڑتا ہے اور زوج سے دونوں خوش رہتی ہیں کیونکہ ایک کی دوسری کو خبر نہیں۔ جواب مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب

کھانا دو قسم ہے ایک اصل نفقہ جو زوجہ کے لئے زوج پر واجب ہے، دُوسرا اس سے زائد مثل

---

[1] درمختار — باب القسم — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۱

[2] سُنن ابن ماجہ — باب القسمۃ بین النساء — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۱۴۳

فواکہ و پان و الائچی وعطایا و ہدایا، قسم اول میں برابری صرف اُس صورت میں واجب ہے جب دونوں عورتیں مالی حالت فقر و غنا میں یکساں ہوں ورنہ لحاظ حال زوج کے ساتھ غنیہ کے لئے اُس کے لائق واجب ہوگا اور فقیرہ کے لئے اُس کے لائق مثلاً زوج اور ایک زوجہ دونوں امیر کبیر ہیں کہ اپنے اپنے یہاں اُن کی خوراک باقرخانی و مُرغ پلاؤ ہے اور دوسری زوجہ فقیرہ ہے کہ جوار باجرے کی روٹی کھاتی ہے اور آپ پیستی پکاتی ہے، ان دونوں کے نفقہ میں مساوات واجب نہیں ہوسکتی، پہلی کے لئے وہی بریانی اور مزعفر لازم ہے اور دوسری کیلئے گیہوں کی روٹی اور بکری کا گوشت، پہلی کے لئے خادم بھی ضرور ہوگا دوسری آپ خدمت کرلے گی، پہلی کریب اور زربفت پہنے گی دوسری کو تنزیب اور ساٹن بہت ہے، پہلی کے لئے مکان بھی عالی شان درکار ہوگا دُوسری کے لئے متوسط۔ اور قسم دوم میں مطلقاً برابری چاہئے، جو چیز جتنی اور جیسی ایک کو دے اُتنی ہی اور ویسی ہی دوسری کو بھی دے۔ دُودھ، چائے، میوے، پان، چھالیا، الائچی، برف کی قلفیاں، سُرمہ، مہندی وغیرہ وغیرہ تمام زوائد میں مساوات رکھے کہ وہاں فرق اصل وجوب میں تھا یہ اشیاء واجب نہیں ان میں ایک کو مرجح رکھنا اُس کی طرف میل کرنا ہوگا اور میل ممنوع ہے فرمائشوں کا حال بھی یہیں سے واضح ہوگیا اگر اُس نے وُہ فرمائش اپنے نفقہ کے متعلق کی ہے اور وہ اس کی مستحق ہے اور دوسری مستحق نہیں تو اس پر لازم نہ ہوگا کہ دوسری کو بھی وہی چیز دے اور نفقہ سے زائد شَے کی تو برابری درکار ہوگی کہ وُہ بعد فرمائش بھی عطیہ کی حد سے خارج نہیں،

وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اکل بنیك نحلت مثل ھذا[1] قال لا قال لاتشھدنی علی جور[2] (ملخصًا) فاذا کان التفضیل فی العطایا جورا ومیلا فی البنین ففی الازواج اولٰی واحری۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تُو نے ہر بیٹے کو اس کی مثل تحفہ دیا۔ صحابی نے عرض کی کہ نہیں، تو حضور نے فرمایا کہ مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ جب تحائف میں کمی بیشی بیٹوں کے اندر ظلم اور میل قرار پائی تو بیویوں میں بدرجۂ اولٰی ظلم و میل ہوگی۔ (ت)

اور چھپا کر دینے سے دونوں کی رضا سمجھنی غلطی ہے بلکہ جسے چھپا چھپا کر دے گا وہ جان لے گی کہ میری جگہ اس کے قلب میں زائد ہے وُہ دوسری کو دبانے کی جرأت کرے گی اور یہ تخم فساد کا بونا ہوگا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل حدیث النعمان بن بشیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دارالفکر بیروت ۴/ ۲۶۸
[2] سُنن النسائی کتاب النحل المکتبۃ السلفیہ لاہور ۲/ ۱۲۶

يجب ان يعدل ای لا يجوز فی القسم بالتسوية فی البيتوتة وفی الملبوس والماكول والصحبة لا فی المجامعة كالمحبة بل يستحب۔[1]

بیویوں میں عدل کرنا واجب ہے یعنی قسم میں ظلم نہ کرے بایں صورت کہ شب باشی، لباس، خورد و نوش اور صحبت و موانست میں برابری کرے نہ کہ جماع میں مثل محبت کے بلکہ جماع میں برابری مستحب ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر قال فی البدائع يجب عليه التسوية فی الماكول والمشروب والسكنی والبيتوتة وهكذا ذكر الولوالجی والحق انه علی قول من اعتبر حال الرجل وحده فی النفقة واما علی القول المفتی به من اعتبار حالهما فلا، فان احدهما قد تكون غنية والاخری فقيرة فلا يلزم التسوية بينهما مطلقا فی النفقة اھ ورأيتنی كتبت عليه مانصه يقول العبد الضعيف غفرله بقی له مجملان اخران الاول ان تستوی المرأتان يسارا او اعسارا وح لا محل للتفاضل بينهما بل تجب التسوية فی الماكول والمشروب والملبوس والسكنی ايضا كالبيتوتة مطلقا، واليه الاشارة بقوله فلا يلزم التسوية

بحر میں فرمایا کہ بدائع میں کہا ہے کہ کھانے، پینے، لباس، رہائش اور شب باشی میں شوہر پر مساوات واجب ہے ولوالجی نے بھی یُوں ذکر فرمایا اور حق یہ ہے کہ بے شک یہ اس کا قول ہے جس نے نفقہ میں فقط شوہر کے حال کا اعتبار کیا لیکن مفتی بہ قول میں چونکہ دونوں کا حال معتبر ہے تو اس کے مطابق نفقہ میں مطلقاً مساوات واجب نہیں کیونکہ کبھی دو بیویوں میں سے ایک مالدار اور دُوسری فقیر ہوتی ہے تو ان میں برابری لازم نہیں۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اس پر حاشیہ میں لکھا ہے جس کی عبارت یُوں ہے بندۂ ضعیف کہتا ہے کہ اس کے دو محمل اور بھی ہیں ایک یہ کہ دونوں عورتیں امیری اور فقیری میں برابر ہوں تو اس صورت میں ان دونوں کے درمیان نفقہ میں مطلقاً برابری لازم ہے اسی کی طرف اشارہ ہے اس کے اس قول میں کہ ان دونوں کے درمیان نفقہ میں مطلقاً برابری لازم نہیں اس بنیاد پر کہ "مطلقاً" منفی کی طرف ناظر ہے نہ کہ نفی کی طرف،

[1] درمختار — باب القسم — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۲۱۱
[2] ردالمحتار — " — دار احیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۳۹۸

ف: جدالممتار مطبوعہ میں عبارت مختصر ہے خط کشیدہ عبارت مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہے۔ نذیر احمد

بینهما مطلقاً فی النفقة ، علی ان مطلقا ناظر الی المنفی دون النفی فیکون محصلہ سلب الاطلاق لا اطلاق السلب فانہ غیر سدید ، والثانی ان یراد ما یزاد علی النفقة من الھدایا والعطایا فلا مانع من ایجاب التسویة بینهما بل ھو الظاھر نفیا للمیل المنھی عنہ[1] اھ ماکتبتہ وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

پس اس کا ثمر سلب اطلاق ہوگا نہ کہ اطلاق سلب کیونکہ وہ درست نہیں۔ دوسرا یہ کہ مراد وہ اشیاء ہوں جو اصل نفقہ سے زائد ہیں یعنی تحفے اور ہدیے وغیرہ، تو اب دونوں کے درمیان برابری کو واجب ٹھہرانے سے کوئی مانع نہیں بلکہ یہی ظاہر ہے اس میل کی نفی کے لئے جس سے روکا گیا ہے، میرے حاشیہ کی عبارت ختم ہوئی اور مجھے امید ہے ان شاء اللہ تعالٰی وہ درست ہوگا، اور اللہ سبحانہ، تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ از شہر محلہ ربڑی ٹولہ مسئولہ احسان علی صاحب زردوز ۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ کی چند اولادیں ہوئیں ان میں سے صرف ایک بچہ چند سال کا دائم المریض حیات ہے اس ہندہ کو مرض ایسا سخت لاحق ہے کہ ہر بار سخت تکلیف اور مرض میں مبتلا ہوجاتی ہے اور اس ہر بار وقتِ ولادت یہی تجویز کرتی ہے کہ یہ عورت ضرور مرجائے گی مگر شافی مطلق برحق ہر بار بعد تکلیف بسیار وخرچ کثیر کے اچھا کردیتا ہے چنانچہ حال میں بعد ولادت وصحت کے ہندہ نے اپنی جان بچانے اور ہر بار غم وصدمہ سے بچنے کے لئے عہد کیا کہ اب میں اپنے زوج سے جماع نہ کروں گی تاکہ اسبابِ نطفہ نہ واقع ہو اور اپنے زوج سے کہا کہ تم کو صبر نہ آوے تو دوسری شادی کرلو اور جو مقدرت نہ ہو تو مجھے نان ونفقہ بھی نہ دو۔ پس شوہر نے کہا کہ اگر شرع شریف تجھ کو اس امر کی اجازت دے تو مضائقہ نہیں میں صبر کرلوں اور جو شرع اس عہد کی اجازت نہ دے تو میں اپنے حقوق اور منافع اور تیرے حقوق کو تلف ہرگز نہیں کرسکتا لہٰذا تحریر فرمائیں کہ شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسی صورت میں شوہر ہندہ کے کہنے پر عمل کرسکتا ہے اور دوسری شادی کرلے اور ہندہ سے جدا رہے جب تک ہندہ راضی ہو اور نان نفقہ ہندہ کو بھی ضرور دے اگر ہندہ اس کے یہاں رہے، اور اگر

---

[1] جد الممتار حاشیہ رد المحتار باب القسم حاشیہ نمبر ۸۲۱ المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا ۲/ ۴۵۰

ہندہ اپنا نفقہ ساقط کرے تو اختیار ہے کہ نہ دے جب تک ہندہ پھر از سرِ نو مطالبہ پر نہ آئے، اور اگر ہندہ اپنے والدین کے یہاں چلی جائے اور شوہر کے بُلانے پر نہ آئے تو آپ ہی اس کا نفقہ ساقط ہے جب تک واپس نہ آئے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹: از کانپور طلاق محال مطب حکیم نورالدین صاحب مسئولہ عبیداللہ صاحب ۴ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نابالغہ ۱۲ سال کی جو مجامعت کی متحمل نہیں ہوسکتی ہے اس کا ولی اُسے شوہر کے یہاں جانے سے روک سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جب بارہ ۱۲ سال کی ہے ضرور متحمل ہوسکتی ہے مگر کسی صورت نادرہ میں کہ بہت کمزور نازک ہو اور مرد دیو قامت قوی الجثہ کہ واقعی عدم تحمل مظنون ہو، تو اس صورت میں بیشک روک سکتا ہے، اور عند الاختلاف اس کا فیصلہ رائے قاضی سے ہوگا وُہ دیکھ کر تجویز کرے گا کہ عورت تحمل کرسکتی ہے یا نہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

قد صرحوا عندنا بان الزوجة اذا کانت صغیرة لا تطیق الوطی لا تسلم الی الزوج حتی تطیقه والصحیح انه غیر مقدر بالسن بل یفوض الی القاضی بالنظر الیها من سمن اوھزال وقد منا عن التاترخانیة ان البالغة اذا کانت لا تحتمل لا یؤمر بدفعها الی الزوج ایضا فقوله لا تحتمل یشمل مالو کان لضعفها اوھزالها اولکبر آلته[1] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تحقیق انھوں نے تصریح فرمائی کہ زوجہ جب صغیرہ ہو اور وطی کی طاقت نہ رکھتی ہو تو اس کو شوہر کے حوالے نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وُہ وطی کے قابل نہ ہوجائے، اور صحیح یہ ہے کہ اس میں عمر کی کوئی حد مقرر نہیں بلکہ قاضی کی رائے پر چھوڑا جائے گا کہ وُہ دیکھے کہ زوجہ قوی ہے یا کمزور۔ اور ہم تاتارخانیہ سے سابق میں ذکر کرچکے ہیں کہ اگر بالغہ بھی وطی کی متحمل نہ ہو تو اس کو بھی شوہر کے حوالے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا، اور اس کا قول کہ "وہ وطی کی متحمل نہ ہو" ان دونوں صورتوں کو شامل ہے کہ وُہ عدم تحمل چاہے تو عورت کی کمزوری کی وجہ سے یا مرد کے آلہ کی بڑائی کی وجہ سے ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب القسم داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۹۹

مسئلہ ۱۱۰: از سوروں ضلع ایٹہ محلہ ملک زادگان مرسلہ مرزا حامد حسن صاحب ۲۶ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عمرو ایک شخص جس کی ایک لڑکی جوان ہے اور بہت جگہ سے پیغام نسبت کے اُس کے پاس آئے لیکن اس نے سب کو جواب دیا اور زید کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی نسبت کردی، بعد چند عرصہ کے عمرو مذکور نے زید کے لڑکے سے اپنی لڑکی کی نسبت چھوڑا کر دوسری جگہ پر یعنی بکر کے لڑکے سے کردی۔ اب یہ نسبت جو آخر جگہ پر بکر کے لڑکے سے کی گئی ہے درست وجائز ہے یا نہیں؟ یا کہ اول عمرو کے لڑکے سے کہ جس کے ساتھ اس نے پہلے نسبت کردی تھی اُس کی اجازت اور رضامندی لینا چاہیے، اور اگر عمرو کا لڑکا اجازت نہ دے تو بکر کے لڑکی کے نکاح میں تو کوئی نقص شرعی باقی نہیں رہا؟ مفصل طور پر جواب مرحمت فرمائیے۔ بینوا توجروا

الجواب

نسبت صرف ایک اقرار و وعدہ ہے، اور ایک جگہ نسبت کرکے چھُڑا لینا خلف وعدہ جس کی تین صورتیں ہیں اگر وعدہ سرے سے صرف زبانی بطور دنیا سازی کیا اور اُسی وقت دل میں تھا کہ وفانہ کریں گے تو بے ضرورتِ شرعی وحالتِ مجبوری سخت گناہ وحرام ہے ایسے ہی خلاف وعدہ کو حدیث میں علاماتِ نفاق سے شمار کیا،

كما بيناه فى رسالتنا انباء الحذاق بمسالك النفاق وهو محمل ما فى الاشباه من ان خلف الوعد حرام[1] الخ۔

جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "انباء الحذاق بمسالك النفاق" میں بیان کیا ہے، اور وہ جو اشباہ میں ہے کہ وعدہ خلافی حرام ہے اس کا محمل بھی یہی ہے۔ الخ (ت)

اور اگر وعدہ سچے دل سے کیا پھر کوئی عذر مقبول وسبب معقول پیدا ہُوا تو وفا نہ کرنے میں کچھ حرج کیا ادنیٰ کراہت بھی نہیں جبکہ اُس عذر و مصلحت کو اس وفائے وعدہ کی خوبی وفضیلت پر ترجیح ہو خصوصًا امر نکاح میں کہ عمر بھر کے ساتھ کا سامان اور سخت نازک معاملہ ہے خصوصًا بے چاری شریف زادیوں کے لئے خصوصًا بلادِ ہندوستان میں، پس اگر نسبت کے بعد کوئی حرج ونقصان ظاہر ہو نسبت چھُڑالی جائے ورنہ اپنی زبان پالنے کے لئے ایک بیکس بے زبان کو عمر بھر مضرت میں پھنسانا ہوگا خصوصًا جبکہ ضرورت دینی ہو مثلًا معلوم ہُوا کہ جس سے نسبت قرار پائی رافضی وہابی اور کسی قسم کا بدمذہب ہے کہ اس صورت میں نسبت چھُڑالینا شرعًا لازم۔ قال تعالیٰ:

---

[1] الاشباہ والنظائر باب حظر واباحت ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۲/ ۱۰۹

واما ینسینك الشیطان فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین[1]، وللعقیلی عن انس عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجالسوھم ولا تشاربوھم ولا تواکلوھم ولا تناکحوھم[2]۔

اور اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آنے کے بعد ظالم قوم کے پاس مت بیٹھ۔ اور عقیلی میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ نہ ان کے ہم مجلس ہو نہ کھانے پینے میں ان سے مشارکت کرو اور نہ ہی ان سے باہمی نکاح کرو۔ (ت)

لڑکی والوں کو تو لحاظ مصالح واحتراز مفاسد زیادہ اہم ہے لڑکے والے بھی اگر ترک میں مصلحت سمجھیں ترک کردیں، حضور پُرنور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ضباعہ بنت عامر بن قرط رضی اللہ تعالٰی عنہا کو نکاح کا پیغام دیا انھوں نے قبول کیا پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو مصلحت پیش آئی ترک فرمایا۔

فی المواھب وشرحھا للعلامۃ الزرقانی السادسۃ ضباعۃ اسلمت قدیما بمکۃ وھاجرت وکانت من اجمل نساء العرب خطبھا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی ابنھا سلمۃ بن ھشام فقال یارسول صلی اللہ تعالٰی علیك وسلم ماعنك مدفع افاستأمرھا قال نعم فاتاھا فقالت اللہ افی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تستأمرنی انی ابتغی ان احشر مع ازواجہ ارجع الیہ فقل لہ نعم قبل ان یبدولہ فقیل للنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انھا کبرت فلما عاد ابنھا وقد اذنت لہ

مواہب اور اس کی شرح زرقانی میں ہے کہ (جن عورتوں کو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیغامِ نکاح بھیجا مگر نکاح نہ فرمایا ان میں سے) چھٹی حضرت ضباعہ رضی اللہ تعالٰی عنہا ہیں وہ ابتداءً ہی مکہ مکرمہ میں ایمان لے آئی تھیں پھر انھوں نے ہجرت کی وہ عرب کی حسین ترین عورتوں میں سے تھیں، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے بیٹے سلمہ بن ہشام کو ان کے لئے پیغامِ نکاح دیا تو اس (سلمہ) نے کہا یارسول اللہ صلے اللہ علیک وسلم! آپ سے کوئی مانع نہیں، کیا میں اس (ضباعہ) سے مشورہ کرلوں؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں (مشورہ کرلو) چنانچہ وہ ضباعہ کے پاس آیا تو انھوں (ضباعہ) نے کہا کہ اللہ سے ڈر، کیا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے بارے میں مجھ سے مشورہ لیتا ہے، میں ان کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ قیامت میں اٹھنا چاہتی ہوں آپ

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] الضعفاء الکبیر للعقیلی ترجمہ احمد بن عمران نمبر ۱۵۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۱۲۶

سکت عنہا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم ینکحھا رضی اللہ تعالٰی عنہا[1] اھ ملخصا۔ کی طرف واپس جا اور قبل اس کے کہ آپ کے لئے کوئی نئی بات ظاہر ہو ہاں کہدے، تو نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ وہ (ضباعہ) عمر رسیدہ ہیں۔ چنانچہ جب ان کا بیٹا واپس آیا اس حال میں کہ انھوں نے نکاح کی اجازت دے دی تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سکوت فرمایا اور ان سے نکاح نہ فرمایا اھ ملخصاً (ت)

اور اگر کوئی عذر و مصلحت نہیں بلاوجہ نسبت چھڑائی جاتی ہے تو یہ صورت مکروہ تنزیہی ہے،

وھو محمل ما فی ردالمحتار من ھنا تعلم ان خلف الوعد مکروہ لاحرام وفی الذخیرۃ یکرہ تنزیھا لانہ خلف الوعد و یستحب الوفاء بالعھد[2]۔ اور یہی محل ہے اس کا جو ردالمحتار میں ہے، یہاں سے تو جان جائے گا کہ وعدہ خلافی مکروہ ہے نہ کہ حرام، اور ذخیرہ میں ہے کہ مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ خلف وعدہ ہے اور وفاء عہد مستحب ہے (ت)

یہ بات اس تقدیر پر بے جا و خلاف مروت ہے مگر حرام و گناہ نہیں، حضور پُرنور سید العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس الخلف ان یعد الرجل ومن نیتہ ان یفی ولکن الخلف ان یعد الرجل ومن نیتہ ان لا یفی[3]۔ رواہ ابویعلٰی فی مسندہ عن زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔ وعدہ خلافی یہ نہیں کہ مرد وعدہ کرے در انحالیکہ اس کی نیت وعدہ کو پُورا کرنے کی ہو، لیکن وعدہ خلافی یہ ہے کہ مرد وعدہ کرے در انحالیکہ اس کی نیت اس وعدہ کو پُورا نہ کرنے کی ہو۔ اس کو ابویعلٰی نے اپنے مسند میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بسند حسن روایت فرمایا۔ (ت)

اس صُورت میں یہ کراہت جب ہی دفع ہوگی کہ پہلے جہاں نسبت کی تھی وُہ بخوشی اجازت دے دیں یہ تو نسبت چھڑانے کا حکم تھا، رہا دوسری جگہ نکاح کرنا اس میں کسی طرح کوئی خلل نہیں خواہ یہاں تینوں صور مذکورہ سے کوئی صورت واقع ہو کہ نسبت بہرحال صرف وعدہ ہی وعدہ بھی کوئی عقد تو نہ تھی کہ اب بے موت یا طلاق دوسری جگہ نکاح نہ ہو سکے ہاں جب تک وہاں سے نسبت چھُوٹ نہ جائے دوسروں کو پیام دینے کی ممانعت ہے،

---

[1] شرح زرقانی علی المواہب اللدنیہ ذکر صفیہ ام المومنین دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۷۰
[2] ردالمحتار کتاب العاریۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۵۰۲
[3] کنزالعمال بحوالہ ع عن زید بن ارقم حدیث ۶۸۷۱ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۳/ ۳۴۷

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایخطب الرجل علی خطبۃ اخیہ حتی ینکح اویترک[1]۔ اخرجہ الشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کوئی مرد اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح پر پیغام نہ دے یہاں تک کہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑ دے۔ شیخین نے اس کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ (ت)

یہ جُدا بات ہے مگر نکاح بے نسبت چھُڑائے بھی کردیا جائے گا تو نکاح میں کچھ نقص نہیں کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۱۱۱: موضع علاقہ جاگل تھانہ ہری پور ڈاک خانہ کوٹ نجیب اللہ خاں مرسلہ مولوی شیر محمد صاحب ۲۳ رمضان ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نسبت یا نکاح کے وقت جو روپیہ لوگ لیتے ہیں حلال ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر وُہ روپیہ دینے والا اس لئے دیتا ہے کہ اس کے لالچ سے میرے ساتھ نکاح کردیں جب تو وہ رشوت ہے اس کا دینا لینا سب ناجائز وحرام۔

فی الھندیۃ انفق علی طمع ان یتزوجھا قال الاستاذ قاضی خاں الاصح انہ یرجع علیھا تزوجت نفسھا اولم تتزوج لانھا رشوۃ[2] اھ ملخصًا۔

ہندیہ میں ہے کہ مرد نے کسی عورت کو اس طمع پر خرچہ دیا کہ وُہ اس سے نکاح کرے گی تو امام استاذ (قاضی خاں) نے فرمایا کہ اصح یہی ہے کہ وُہ اس عورت سے واپس لے سکتا ہے چاہے وہ عورت اس سے نکاح کرے یا نہ کرے کیونکہ یہ رشوت ہے اھ ملخصًا (ت)

یُوں ہی اگر اولیائے عورت نے کہا کہ اتنا روپیہ ہمیں دے تو تجھ سے نکاح کردیں گے ورنہ نہیں جیسا کہ بعض دہقانی جاہلوں میں کفارِ ہنود سے سیکھ کر رائج ہے تو یہ بھی رشوت وحرام ہے،

فی الھندیۃ خطب امرأۃ فی بیت اخیھا فابی ان یدفعھا

ہندیہ میں ہے کہ مرد نے کسی عورت کو اس کے بھائی کے گھر

---

[1] صحیح بخاری باب لایخطب علی خطبۃ اخیہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۷۲

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الھبۃ الباب الحادی عشر فی المتفرقات نورانی کتب خانہ کراچی ۴/۴۰۳

حتی یدفع الیہ دراھم فدفع وتزوجھا یرجع بما دفع لانھا رشوۃ کذا فی القنیۃ۔[1]

پیغامِ نکاح بھیجا تو اس کے بھائی نے اس شرط پر نکاح دینے کا اظہار کیا کہ وہ اس عورت کے بھائی کو کچھ درہم دے تو اس شخص نے وہ درہم دے دئے تو اس کے بھائی نے اس کا نکاح اس مرد سے کردیا اب وہ درہم واپس لے سکتا ہے کیونکہ یہ رشوت ہے۔ ایسے ہی قنیہ میں بھی ہے۔ (ت)

اور اگر یہ صورتیں نہیں بلکہ ایک رسم ہے کہ نکاح سے پہلے دُولھا کی طرف سے کچھ روپیہ دُلہن کی طرف جائے جیسے ہمارے بلاد میں گہنا اور جوڑا جاتا ہے جسے چڑھاوا کہتے ہیں، اگر نکاح ہوجائے تو ہوجائے ورنہ وہ مال واپس دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں، اور اس کا وہی حکم ہے کہ اگر نکاح ٹھہرے گا تو واپس دیا جائے گا۔

فی الھندیۃ سئل عن علی بن احمد عمن ارسل الی اھل خطیبتہ دنانیر ثم اتخذوا لہ ثیابا کما ھو العادۃ، ثم بعد ذلک یقول ھو نقدتھا من المھر ھل یکون القول قولہ فقال القول قول الباعث قیل لہ لودفع الیھم دنانیر فقال انفقوا البعض الی اجرۃ الحائک والبعض الی ثمن الشاۃ للشواء والبعض الی الجوزقۃ کما ھو العادۃ ثم فعلوا ذلک فزفت الیہ ثم بعد ذلک یدعی انی بعثت الدنانیر لاجل المھر یقبل قولہ قال اذا صرح بالقول لایقبل قولہ فی التعیین، و سئل ابوحامد عن رجل خطب لابنہ خطیبۃ و بعث

ہندیہ میں ہے کہ علی بن احمد سے ایسے شخص کے بارے میں پُوچھا گیا جس نے اپنی منگیتر والوں کو کچھ دینار بھیجے پھر انھوں نے حسبِ عادت اس شخص کے لئے کپڑے بنادئے، اب وہ کہتا ہے کہ میں نے دینار مہر میں بھیجے تھے تو کیا اس کا قول معتبر ہوگا، تو انھوں نے کہا بھیجنے والے کی بات معتبر ہوگی، عرض کی گئی کہ اگر وہ منگیتر والوں کو دینار دے کر کہے کہ اس میں سے کچھ جولاہے کی مزدوری میں خرچ کردو کچھ بکری خرید کر اس کی قیمت میں خرچ کردو اور کچھ دیگر رسم و رواج میں حسبِ عادت خرچ کردو، پھر اہلِ مخطوبہ نے ایسا ہی کیا اور وہ عورت اس کے پاس بھیج دی گئی اب وہ کہتا ہے کہ میں نے وہ دینار مہر میں بھیجے تھے تو کیا اس کا قول تسلیم کیا جائیگا، آپ نے فرمایا کہ جب اس نے قول کے ساتھ تصریح کردی ہے تو اب تعیین میں اس کا قول معتبر نہ ہوگا۔ امام ابوحامد سے پُوچھا گیا کہ ایک شخص نے اپنے لڑکے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الحادی عشر فی المتفرقات کتاب الھبۃ نورانی کتب خانہ کراچی ۴/ ۴۰۳

اليها دراهم ثم مات الاب وطلب سائر الورثة
الميراث من هذا المال المبعوث، فقال
ان تمت الوصلة بينهما فهو ملك لابنه و
ان لم تتم فهو ميراث، وان كان الاب حيا يرجع
الى بيانه، وسئل والدی عمن بعث الى
المخطوبة سكرا وجوزا ولوزا وتمرا وغيرها
ثم بدا لهم فتركوا المعاقدة هل لهذا
الخاطب ان يرجع عليهم باسترداد ما دفع
فقال ان فرق ذلك على الناس باذن
الدافع ليس له حق الرجوع وان لم يأذن
له فی ذلك فله ذلك كذا فی التتارخانية[1] اھ
قوله فهو ملك لابنه **اقول** انت تعلم ان
هذا يدار على العرف فان كان العرف ان
يراد بذلك تمليك العروس فهو ملكها لا ملك
الزوج كما لا يخفى۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کے لئے کسی لڑکی سے منگنی کی اور اس لڑکی کو کچھ
درہم بھیجے پھر یہ باپ مرگیا تو اس کے وارثوں نے
اس مال سے میراث طلب کی جو لڑکی کو بھیجی گئی تھی،
تو امام ابوحامد نے فرمایا کہ اگر ان دونوں میں تعلق تام
ہوگیا ہے تو وُہ مال اس کے بیٹے کی ملک ہوگا، اور
اگر تعلق تام نہیں ہوا تو وُہ میراث ہوگا اور اگر باپ
زندہ ہو تو اس کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا۔
اور میرے والد سے پُوچھا گیا کہ ایک مرد نے اپنی منگیتر
کی طرف شکر، اخروٹ، بادام اور چھوہارے وغیرہ بھیجے
پھر مرد والوں کی رائے میں آیا تو انھوں نے عقد
ترک کردیا تو کیا اب اس مرد (خاطب) کے لئے
جائز ہے کہ وُہ یہ بھیجی ہوئی چیزیں واپس لے؟ تو
انھوں نے فرمایا کہ اگر لڑکی والوں نے یہ چیزیں اس مرد
کے کہنے سے لوگوں میں تقسیم کردی ہیں تو وہ واپس
لینے کا حق نہیں رکھتا، اور اگر اس نے ایسا کرنے
کی اجازت نہیں دی تو واپس لینے کا حق رکھتا ہے، ایسا ہی تاتارخانیہ میں ہے اھ اس کا قول کہ وُہ بیٹے
کی ملک ہوگا **اقول** (میں کہتا ہوں) آپ کو معلوم ہے کہ اس کا دارومدار عرف پر ہے اگر عرف میں اس سے مراد دلہن کی ملکیت
ہوتا ہے تو اس کی ملک ہوگا نہ کہ لڑکے کی، جیسا کہ مخفی نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب اختلاف الزوجین فی المہر مطبع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۲۲

بابُ النّکاح الثّانی

رسالہ

اطائبُ التّہانی فی النّکاح الثّانی ۱۳۱۲ھ

(بیوہ کے نکاحِ ثانی کے مفصّل احکام)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱۱۲: از اوجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی خاں صاحب ۹ صفر ۱۳۱۲ھ

حمد کے لائق ہے وُہ اک پاک ذات ۔۔۔ جس نے پیدا کی یہ ساری ممکنات

اور حبیب اپنے کو بس پیدا کیا ۔۔۔ جس سے عالم میں ہُوئے نور وضیا

محمد یعقوب علی خاں خلف پیر محمد خاں مرحوم نظامی چشتی قادری خدمت فیض موہبت میں عرض پرداز ہے کہ یہ فتوی نوشتہ مولوی عبدالرحیم دہلوی نظرِ احقر سے گزرا، اس کے مضمون سے اکثر ساکنانِ ہند اہلِ اسلام پر گناہ درکنار کفر عائد ہوتا ہے، اس واسطے عبارتِ فتوی خدمت شریف میں روانہ کرکے طالبِ جواب ہُوں کہ تسکینِ خاطر کی جائے ان اللہ لایضیع اجر المحسنین[1] (بیشک اللہ تعالٰی احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۱۲۰

خلاصۂ فتویٰ یہ ہے جانو اے مسلمانو! کہ نکاح بیوہ کا ثابت ہے قرآن مجید وحدیث شریف سے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

وانکحوا الایامٰی منکم[1] یعنی نکاح کردو بیوہ عورتوں کا۔

اور فرمایا حضرت رسولِ خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے:

النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی[2] نکاح کرنا میری سنت ہے اور جس نے منہ پھیرا میرے طریقہ سے یعنی انکار کیا سو وہ مجھ سے نہیں۔

پس جو لوگ اس سے انکار کریں یا عیب اور بُرا جانیں یا کرنے والوں پر طعن کریں حقیر جانیں ذات سے نکالیں یا نکاح کرنے والوں کو روک دیں نہ کرنے دیں یا ایسی فساد کی بات اٹھائیں جس سے حکمِ خدا اور سنتِ رسول جاری نہ ہو اور کافروں کی رسم قائم رہے یا جاہلوں کے کہنے سننے کا خیال کرکے خدا اور رسول کا حکم قبول نہ کریں، سو یہ سب قسم کے لوگ کافر ہیں، عورتیں اُن کی نکاح سے باہر ہو جاتی ہیں، نماز روزہ کچھ قبول نہیں، کھانا پینا ان لوگوں کے ساتھ ہرگز درست نہیں جب تک کہ توبہ نہ کریں اس واسطے کہ ان سب صورتوں میں انکارِ حکمِ خدا اور تحقیرِ سنت لازم آتا ہے اور یہ ظاہر کفر ہے جیسا کہ تمام کتابوں میں لکھا اور آیت مذکور کی تفسیر میں آیا ہے کہ جو کوئی عیب جانے دوسرے نکاح کو وہ بے ایمان ہے، پس سب مسلمانوں کو واجب ہے کہ جن لوگوں کے گھر میں بیوہ عورت لائق نکاح کے ہو ان کو سمجھا دیں اور نصیحت کردیں، اور جو نہ مانیں تو تعزیر دیں، اور جو تعزیر کا قابو نہ چلے تو اُن کے گھر کا کھانا پینا بولنا سلام علیک کرنا سب چھوڑ دیں اور اپنی شادی غمی میں اُن کو نہ بُلائیں اور نہ اُن کے جنازے پر جائیں، اگر ایسا نہ کریں گے تو یہ بھی ان کے ساتھ دنیا و عاقبت کے وبال میں گرفتار ہوں گے، سوائے بھائیو! نکاح رانڈوں کا کردو، اور جو نہ مانے اس سے ملنا چھوڑ دو اور ذات سے ڈال دو، نہیں تو تمہارے بھی ایمان جانے کا خوف ہے مکّہ کے سوا سو بزرگوں نے یہ فتویٰ بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اب بھی جو لوگ نہ مانیں گے دنیا میں بے عزت اور تباہ ہو جائیں گے اور آخر کو بے ایمان مریں گے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی سال ۱۲۸۸ھ میں عشاء کے وقت ہزار آدمیوں نے دیکھا کہ ایک سُرخی بڑی شدت کی مدینہ مبارک کی طرف نمودار ہوئی اور بڑی دیر تک رہی پھر تمام آسمان میں پھیل گئی اس ہیبت کی تھی کہ اس کی طرف دیکھا نہ جاتا تھا، مکّہ شریف میں تمام بزرگوں نے فرمایا کہ بڑا بھاری

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۳۲

[2] صحیح بخاری کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۵۷
صحیح مسلم باب استحباب النکاح ۱/ ۴۴۹
سنن ابن ماجہ ابواب النکاح باب ماجاء فی فضل النکاح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۴

غضب نازل ہونے والا ہے، سو ایک بزرگ کو خواب میں الہام ہُوا کہ یہ سُرخی ہندوستان کی بیوہ عورتوں کا خون جمع ہوکر جنابِ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے فریاد کرنے آیا تھا، سو عنقریب ان مسلمانوں پر غضب آنے والا ہے جلد نکاح کردیں ورنہ بیماری و وبا آئے گی اور قحط پڑے گا کہ اکثر یزید کی طرح غارت ہوجائیں گے۔ الٰہی! سب مسلمانوں کو ہدایت کر اور غضب سے بچا، آمین یا رب العالمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

اللھم ھدایۃ الحق والصواب

الجواب

اس مسئلہ میں جاہلانِ ہند دو فرقے ہوگئے ہیں: ایک اہلِ تفریط کہ نکاحِ بیوہ کو ہنود کی طرح سخت ننگ و عار جانتے اور معاذ اللہ حرام سے بھی زائد اس سے پرہیز کرتے ہیں نوجوان لڑکی بیوہ ہوگئی اگرچہ شوہر کا منہ بھی نہ دیکھا ہو اب عمر بھر یونہی ذبح ہوتی رہے ممکن ہے کہ نکاح کا حرف بھی زبان پر نہ لاسکے، اگر ہزار میں ایک آدھ نے خوفِ خدا و ترس روزِ جزا کرکے اپنا دین سنبھالنے کو (کہ حدیث میں آیا:

من تزوج فقد استکمل نصف دینہ فلیتق اللہ فی نصف الباقی۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم والبیھقی عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[1]

جس نے نکاح کیا اس نے اپنا آدھا دین پُورا کرلیا باقی آدھے میں اللہ سے ڈرے (اس کو کبیر میں امام طبرانی نے اور امام حاکم و بیہقی نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا اور انھوں نے نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ (ت)

نکاح کرلیا اس پر چار طرف سے طعن و تشنیع کی بوچھار ہے، بیچاری کو کسی مجلس میں جانا بلکہ اپنے کُنبے میں مُنہ دکھانا دشوار ہے، کل تک فلاں بیگم یا فلاں بانو لقب تھا اب دوخصمی کی پکار ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، یہ بُرا کرتے اور بے شک بہت بُرا کرتے ہیں باتباع کفار ایک بیہودہ رسم ٹھہرالینی پھر اس کی بنا پر مباحِ شرعی پر اعتراض بلکہ بعض صُوَر میں ادائے واجب سے اعراض کیسی جہالت اور نہایت خوفناک حالت ہے، پھر حاجت والی جوان عورتیں اگر روکی گئیں اور معاذ اللہ بشامتِ نفس کسی گناہ میں مُبتلا ہُوئیں تو اس کا وبال ان روکنے والوں پر پڑے گا کہ یہ اس گناہ کے باعث ہُوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] شعب الایمان عن انس بن مالک حدیث ۵۴۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت ۴/۳۸۲-۸۳

مکتوب فی التوراۃ من بلغت لہ ابنۃ اثنتی عشرۃ سنۃ فلم یزوجھا فرکبت اثما فاثم ذلک علیہ[1]۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن امیر المؤمنین عمر الفاروق و عن انس بن مالک رضی اللہ عنہما بسند صحیح۔

اللہ عزوجل توراۃ شریف میں فرماتا ہے جس کی بیٹی بارہ برس کی عمر کو پہنچے اور وہ اس کا نکاح نہ کردے اور یہ دختر گناہ میں مبتلا ہو تو اس کا گناہ اس شخص پر ہے (اس کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح روایت فرمایا۔ ت)

جب کنواری لڑکیوں کے بارہ میں یہ حکم ہے تو بیاہیوں کا معاملہ تو اور بھی سخت کہ دختران دوشیزہ کو حیا بھی زائد ہوتی ہے اور گناہ میں تفضیح کا خوف بھی زائد اور خود ابھی اس لذت سے آگاہ نہیں صرف ایک طبعی طور پر ناواقفانہ خطرات دل میں گزرتے ہیں، اور جب آدمی کسی خواہش کا لطف ایک بار پا چکا تو اب اس کا تقاضا رنگِ دگر پر ہوتا ہے اور ادھر نہ ویسی حیا نہ وہ خوف و اندیشہ۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت بخشے، آمین۔

دوسرے اہلِ افراط کہ اکثر واعظین وہابیہ وغیرہم جُہّال مُتشدّدین ہیں، ان حضرات کی اکثر عادت ہے کہ ایک بیجا کے اٹھانے کو دس بیجا اس سے بڑھ کر آپ کریں، دوسرے کو خندق سے بچانا چاہیں اور آپ عمیق کنویں میں گریں، مسلمانوں کو بے وجہ کافر مشرک بے ایمان ٹھہرا دینا تو کوئی بات ہی نہیں، ان صاحبوں نے نکاحِ بیوہ کو گویا علی الاطلاق واجب قطعی و فرض حتمی قرار دے رکھا ہے کہ ضرورت ہو یا نہ ہو بلکہ شرعاً اجازت ہو یا نہ ہو بے نکاح کئے ہرگز نہ رہے اور نہ صرف فرض بلکہ گویا عین ایمان ہے کہ ذرا کسی بناء پر انکار کیا اور ایمان گیا اور ساتھ لگے آئے گئے پاس پڑوسی سب ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے کہ کیوں پیچھے پڑ کر نکاح نہ کردیا اور اگر بس نہ تھا تو پاس کیوں گئے، بات کیوں کی، سلام کیوں لیا، بات بات پر عورتیں نکاح سے باہر جنازہ کی نماز حرام، تمام کفر کے احکام، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ھلک المتنطعون[2]۔ رواہ الائمۃ احمد و مسلم وابوداؤد عن ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

ہلاک ہوئے بے جا تشدد کرنے والے (اس کو امام احمد، امام مسلم اور امام ابوداؤد نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ ت)

---

[1] شعب الایمان حدیث ۸۶۷۰ دار الکتب العلمیہ بیروت ۶/ ۴۰۲

[2] صحیح مسلم کتاب العلم باب النہی عن اتباع متشابہ القرآن الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۳۹

وانا اقول وباللہ التوفیق (اور میں کہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔)
حق اس مسئلہ میں یہ ہے کہ نکاح ثانی مثل نکاح اول فرض، واجب، سنّت، مباح، مکروہ، حرام سب کچھ ہے صور و احکام کی تفصیل سُنیئے:

(۱) جس عورت کو اپنے نفس سے خوف ہو کہ غالباً اس سے شوہر کی اطاعت اور اُس کے حقوق واجبہ کی ادا نہ ہو سکے گی اُسے نکاح ممنوع و ناجائز ہے اگر کرے گی گنہگار ہوگی یہ صورت کراہت تحریمی کی ہے۔

(۲) اگر یہ خوف مرتبۂ ظن سے تجاوز کر کے یقین تک پہنچا جب تو اُسے نکاح حرام قطعی ہے۔

حکم ایسی عورتوں کو نکاح اول خواہ ثانی کی ترغیب ہرگز نہیں دے سکتے بلکہ ترغیب دینی خود خلاف شرع و معصیت ہے کہ گناہ کا حکم دینا ہوگا یہ عورتیں یا ان کے اولیا اگر نکاح سے انکار کرتے ہیں انھیں انکار سے پھیرنے والا جاہل و مخالفِ شرع۔

(۳) جنھیں اپنے نفس سے ایسا خوف نہ ہو انھیں اگر نکاح کی حاجت شدید ہے کہ بے نکاح کے معاذاللہ گناہ میں مبتلا ہونے کا ظن غالب ہے تو ایسی عورتوں کو نکاح کرنا واجب ہے۔

(۴) بلکہ بے نکاح معاذاللہ وقوع حرام کا یقین کُلی ہو تو اُنھیں فرض قطعی یعنی جبکہ اُس کے سوا کثرت روزہ وغیرہ معالجات سے تسکین متوقع نہ ہو ورنہ خاص نکاح فرض و واجب نہ ہوگا بلکہ دفع گناہ جس طریقہ سے ہو۔

حکم ایسی عورتوں کو بیشک نکاح پر جبر کیا جائے اگر خود نہ کریں گی وُہ گنہگار رہوں گی اور اگر ان کے اولیا اپنے حدِ مقدور تک کوشش میں پہلوتہی کریں گے تو وہ بھی گنہگار ہوں گے، ایسی جگہ ترک و انکار پر بیشک انکار کیا جائے مگر کتنا، صرف اتنا جو ترکِ واجب و فرض پر ہو سکتا ہے، نہ یہ جاہلانہ جبر وتی حکم کہ جو انکار کرے کافر، جو روک دے کافر، جو نہ کرنے دے کافر، فرائض ادا کرنے یا اُن کی ادا سے باز رکھنے پر آدمی کافر نہیں ہوتا جب تک ایسے فرض کی فرضیت کا منکر نہ ہو جس کا فرض ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، پھر ترک واجب و فرض پر جس قدر انکار و تشدد کر سکتے ہیں وُہ بھی یہاں اس وقت روا ہوگا جب معلوم ہو کہ اس عورت سے اطاعت و ادائے حقوق واجبہ شوہر کا ترک متیقن یا مظنون نہیں کہ ایسی حالت میں تو فرضیت و وجوب درکنار عدمِ جواز و حرمت کا حکم ہے، پھر یہ بھی ثابت ہو کہ اس عورت کی حالتِ حاجت اُس حد تک ہے کہ نکاح نہ کرے گی تو گناہ میں مبتلا ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہے کہ بغیر اس کے وجوب اصلاً نہیں، اور جب کسی خاص عورت کے حق میں یہ امور بروجہ شرعی ثابت نہ ہوں تو مسلمان پر بدگمانی خود حرام، اور محض اپنے خیالات پر تارک فرض و واجب ٹھہرا دینا بیباک کا کام، پھر امر حاجت میں عورت کا اپنا بیان مقبول ہوگا کہ حاجت نکاح امر خفی و وجدانی ہے جس پر خود صاحبِ حاجت ہی

کو ٹھیک اطلاع ہوتی ہے جب وہ بیان کرے کہ مجھے ایسی حاجت نہیں تو خواہی نخواہی اس کی تکذیب کی طرف کوئی راہ نہیں ہو سکتی عمرو غیرہ کا مظنہ سب جگہ ایک سا نہیں ہوتا مزاج، عقل، حیا، خوف، اشغال، احوال، ہموم، افکار، صحبت، اطوار صدہا اختلافوں سے مختلف ہو جاتا ہے جس کی تفصیل اہلِ عقل و تجارب پر خوب روشن ہے، درمختار میں ہے:

یکون واجبا عند التوقان (المراد شدۃ الاشتیاق کما فی الزیلعی ای بحیث یخاف الوقوع فی الزنا لو لم یتزوج اذ لا یلزم من الاشتیاق الی الجماع الخوف المذکور بحر) فان تیقن الزنا الا بہ فرض، نہایۃ (ای بان کان لا یمکنہ الاحتراز من الزنا الا بہ لان ما لا یتوصل الی ترک الحرام الا بہ یکون فرضا بحر، وقولہ لا یمکنہ الاحتراز الا بہ ظاھر فی فرض المسألۃ فی عدم قدرتہ علی الصوم المانع من الوقوع فی الزنا فلو قدر علی شیئ من ذٰلک لم یبق النکاح فرضا او واجبا عینا بل ھو او غیرہ مما یمنعہ من الوقوع فی المحرم) وھذا ان ملک المھر والنفقۃ والا فلا اثم بترکہ، بدائع (ھذا الشرط راجع الی القسمین اعنی الواجب والفرض وزاد فی البحر شرطا اٰخر فیھما و ھو عدم خوف الجور ای الظلم قال فان تعارض خوف الوقوع فی الزنا لو لم یتزوج وخوف

اور غلبۂ شہوت کے وقت نکاح واجب ہوتا ہے (اس سے مراد بقول امام زیلعی کے ایسا شدید اشتیاقِ جماع ہے کہ اگر نکاح نہ کرے گا تو وقوعِ زنا کا خوف ہے کیونکہ محض اشتیاقِ جماع کو خوف مذکور لازم نہیں، بحر) پس اگر نکاح کے بغیر زنا یقینی ہو تو نکاح فرض ہے، نہایہ (یعنی نکاح کے بغیر زنا سے بچنا ممکن نہ ہو کیونکہ جس کے بغیر ترکِ حرام تک رسائی نہ ہو وہ فرض ہوتا ہے، بحر۔ اور اس کا قول کہ نکاح کے بغیر زنا سے احتراز ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ مسئلہ کی وہ صورت فرض کی گئی ہے جس میں ناکح روزے رکھنے پر قادر نہ ہو جو کہ زنا سے مانع ہیں لہٰذا اگر وہ روزے رکھنے پر قادر ہو تو نکاح فرض یا واجب عین نہ ہوگا بلکہ اسے اختیار ہوگا کہ نکاح کرے یا حرام یعنی زنا سے بچنے کا کوئی اور طریقہ اپنائے) اور یہ وجوب، فرضیتِ نکاح اس صورت میں ہے جب وہ مہر و نفقہ پر قادر ہو ورنہ ترکِ نکاح میں گناہ نہیں، بدائع (یہ شرط دونوں قسموں یعنی نکاح واجب و فرض کی طرف راجع ہے۔ بحر میں ان دونوں قسموں میں ایک اور شرط کا اضافہ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ جور و ظلم کا ڈر نہ ہو۔ صاحبِ بحر نے فرمایا کہ عدمِ نکاح کی صورت میں خوفِ زنا نکاح کی صورت میں جور و ظلم کے خوف سے متعارض ہو

الجور لو تزوج قدم الثانی فلا افتراض بل
یکرہ افادہ الکمال فی الفتح ولعله لان الجور
معصیة متعلقة بالعباد والمنع من الزنا من
حقوق الله تعالٰی وحق العبد مقدم عند
التعارض لاحتیاجه وغنی المولٰی تعالٰی اھ)
ویکون مکروھا (ای تحریما بحر) لخوف الجور
فان تیقنه (ای الجور) حرم[1] ملخصا
مزیدا من ردالمحتار مابین
الخطین **اقول** ویؤید تعلیل البحر حدیث
ابن ابی الدنیا وابی الشیخ عن جابر بن
عبدالله وابی سعید الخدری رضی الله تعالٰی
عنھم عن النبی صلی الله تعالٰی علیه
وسلم ایاکم والغیبة فان الغیبة اشد
من الزنا ان الرجل قد یزنی ویتوب فیتوب
الله علیه وان صاحب الغیبة لا یغفر له حتی
یغفر له صاحبه[2]

تو ثانی کا اعتبار مقدم وراجح ہوگا چنانچہ اس صورت
میں نکاح فرض نہیں بلکہ مکروہ ہوگا، کمال نے فتح
میں اس کا افادہ فرمایا، شاید خوفِ جور کو خوفِ زنا پر
مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ جور وظلم ایسا گناہ ہے جس
کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اور زنا سے باز رہنا
حقوق اللہ سے ہے اور حق عبد بوقتِ تعارض حق اللہ
پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ عبد محتاج ہے اور مولٰی تعالٰی
غنی ہے اھ) اور اس صورت میں نکاح مکروہ یعنی
مکروہ تحریمی ہوگا جبکہ ظلم کا خوف ہو اور اگر ظلم کا یقین
ہو تو حرام ہے۔ قوسین میں زائد عبارتیں ردالمحتار
سے لی گئی ہیں، **اقول** (میں کہتا ہوں کہ) بحر کی بیان کردہ
علت کی تائید کرتی ہے ابن ابی الدنیا اور
ابوالشیخ کی وہ حدیث جس کو حضرت جابر
بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالٰی
عنہم نے نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت
فرمایا کہ غیبت سے بچو کیونکہ غیبت زنا سے سخت تر
ہے اس لئے کہ آدمی زنا کرتا ہے اور توبہ کرلیتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے، اور غیبت
کرنے والے کی مغفرت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ معاف نہ کرے جس کی غیبت کی گئی (ت)

(۵) اگر حاجت کی حالت اعتدال پر ہو یعنی نہ نکاح سے بالکل بے پروائی نہ اس شدت کا شوق کہ
بے نکاح وقوعِ گناہ کا ظن بالیقین ہو ایسی حالت میں نکاح سنّت ہے مگر بشرطیکہ عورت اپنے نفس پر
اطمینان کافی رکھتی ہو کہ مجھ سے ترکِ اطاعت اور حقوقِ شوہر کی اضاعت اصلاً واقع نہ ہوگی۔

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۸۵
ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۲۶۰-۶۱
[2] جامع الاحادیث للسیوطی قسم الاقوال حدیث ۹۳۱۰ دارالفکر بیروت ۳/ ۲۹۰

(۶) اگر ذرا بھی اس کا اندیشہ ہو تو اس کے حق میں نکاح سنّت نہ رہے گا صرف مباح ہوگا بشرطیکہ اندیشہ حدِ ظن تک نہ پہنچے ورنہ اباحت جدا رہے سے ممنوع و ناجائز ہوجائے گا کما سبق (جیسا کہ پیچھے گزرا۔ ت) درمختار میں ہے:

یکون سنۃ مؤکدۃ فیاثم بترکہ (مع الاصرار) حال الاعتدال (ای الاعتدال فی التوقان ان لایکون بالمعنی المارّ فی الواجب والفرض وھو شدۃ الاشتیاق وان لایکون فی غایۃ الفتور کالعنین ولذا فسرہ فی شرحہ علی الملتقی بان یکون بین الفتور والشوق وفی البحر والمراد حالہ عدم الخوف من الجور وترك الفرائض والسنن فلوخاف فلیس معتدلا فلا یکون سنۃ فی حقہ کما افادہ فی البدائع، وترك الشارح قسما سادسا ذکرہ فی البحر عن المجتبٰی وھو الاباحۃ ان خاف العجز عن الایفاء بمواجبہ اھ ای خوفا غیر راجح والاکان مکروھا تحریما لان عدم الجور من مواجبہ[2] اھ ملتقطا مزیدا من ابن عابدین۔

اور حالِ اعتدال میں نکاح سنّتِ مؤکدہ ہوتا ہے جس کے (باصرار) ترک پر گناہ لازم ہوتا ہے (اعتدال سے مراد یہ ہے کہ غلبۂ شہوت اس حد تک پہنچا ہوا نہ ہو جیسا کہ نکاح واجب و فرض میں گزرا یعنی جماع کا اشتیاق شدید اور نہ ہی انتہائی طور پر کمزور اور قاصر ہو جیسا کہ عنین۔ اسی واسطے شرح ملتقی میں اس کی تفسیر یُوں فرمائی کہ وُہ فتور اور شوق کے درمیان ہو۔ بحر میں ہے کہ اس سے مراد آدمی کا وُہ حال ہے جس میں اسے ظلم، ترک فرائض اور ترک سُنن کا خوف نہ ہو، اور اگر اسے ان امور کا خوف ہے تو وہ معتدل نہیں، لہٰذا اس کے لئے نکاح سنّت نہیں ہوگا جیسا کہ بدائع میں اس کا افادہ فرمایا، اور شارح نے نکاح کی چھٹی قسم کا ذکر نہیں فرمایا جس کو بحر نے مجتبٰی سے ذکر کیا اور وُہ ہے نکاح کا مباح ہونا جبکہ لوازمِ نکاح کو پُورا نہ کرسکنے کا خوف ہو اھ اور یہ اباحت نکاح کا حکم تب ہوگا جب لوازم کی عدمِ ادائیگی کا خوف راجح نہ ہو ورنہ مکروہ تحریمی ہوگا کیونکہ عدمِ جور لوازمِ نکاح میں سے ہے اھ ملتقطا ـــــ زائد عبارتیں ابن عابدین سے لی گئی ہیں۔ (ت)

حکم بحالت سنیت بیشک نکاح کی ترغیب بتاکید کی جائے اور اس سے انکار پر سخت اعتراض پہنچتا ہے اُسی قدر جتنا ترکِ سنّت پر چاہئے اور درصورت اباحت نہ نکاح پر اصلاً جبر کا اختیار نہ اس سے انکار پر کچھ اعتراض و انکار کہ مباح کو شرع مطہر نے مکلّف کی مرضی پر چھوڑا ہے چاہے کرے یا نہ کرے، پھر انصاف

---

[1] درمختار کتاب النکاح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۵

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۶۱

کی میزان ہاتھ میں لیجئے تو عورتوں کے حق میں سنیت نکاح بھی بہت ندرت سے ثابت ہوگی، ہزار میں ایک ہی ایسی نکلے گی جس کے لئے سنت کہہ سکیں، کیا کسی عورت کی نسبت خود وُہ یا اس کے اولیاء یا یہ تشدد والے حضرات پُورے طور پر ضامن ہوجائیں گے کہ اس سے نافرمانی شوہر یا اس کے کسی حق میں ادنٰی تقصیر واقع ہونے کا اصلاً اندیشہ نہیں، ایسی بے معنی ضمانت وہی کرسکتا ہے جسے نہ مردوں کے حقوق عظیمہ پر اطلاع، نہ عورات کی عادات ونقصان عقل ودین پر وقوف کیا، حدیث صحیح میں حضور پُرنور سیدِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ارشاد سُنا کہ:

رأیت النار فلم ار کالیوم منظرا قط افظع ورأیت اکثر اھلھا النساء۔ — میں نے دوزخ ملاحظہ فرمائی تو آج کی برابر کوئی چیز سخت وشنیع نہ دیکھی اور میں نے اہلِ دوزخ میں عورتیں زیادہ دیکھیں۔

فقالوا یارسول اللہ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ، یعنی حضور! اس کا کیا سبب ہے؟ قال بکفرھن فرمایا ان کے کفر کے باعث۔ قیل یکفرن باللہ عرض کی گئی کیا اللہ عزوجل سے کفر کرتی ہیں؟ قال یکفرن العشیر ویکفرن الاحسان فرمایا شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور احسان نہیں مانتی ہیں لو احسنت الی احدٰھن الدھر ثم رأت منک شیئا قالت مارأیت منک خیرا قط[1] اگر تُو ان میں سے کسی کے ساتھ عمر بھر احسان کرے پھر ذرا سی بات خلافِ مزاج تجھ سے دیکھے تو کہے میں نے تو کبھی تجھ سے کوئی بھلائی نہ دیکھی رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (اس کو شیخین نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت)

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ان المرأۃ خلقت من ضلع اعوج لن تستقیم لک علی طریقۃ فان استمتعت بھا وبھا عوج وان ذھبت تقیمھا کسرتھا وکسرھا طلاقھا[2] رواہ مسلم والترمذی عن ابی ھریرۃ ونحوہ — عورت ٹیڑھی پسلی سے بنی ہے ہرگز کسی راہ پر تیرے لئے سیدھی نہ ہوگی، اگر تُو اس سے نفع لے تو اس کی کجی کے ساتھ نفع لے اور سیدھا کرنے چلے تو توڑ دے گا اور اس کا توڑنا طلاق دینا ہے (اس کو امام مسلم وترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ

---

[1] صحیح بخاری باب صلوٰۃ الکسوف قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۴۴
صحیح مسلم " " " " " " ۲/ ۲۸۳
[2] صحیح مسلم باب الوصیۃ بالنساء " " " ۱/ ۲۹۸

احمد و ابن حبان والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

تعالٰی عنہ سے اور اس کی مثل کو امام احمد، ابن حبان اور حاکم نے حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

حاصل یہ کہ پسلی ٹوٹ جائے گی مگر سیدھی نہ ہوگی، عورت بھی بائیں پسلی سے بنی ہے نہ نبھے تو طلاق دے دے مگر ہر طرح موافق آئے یہ مشکل ہے۔

حدیث ۳: ایک بی بی نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی: یا رسول اللہ! میں عورتوں کی فرستادہ ہوں حضور کی بارگاہ میں جن عورتوں کو خبر ہے اور جنھیں خبر نہیں سب میری اس حاضری کی خواہاں ہیں، اللہ عزوجل مردوں عورتوں سب کا پروردگار خدا ہے اور حضور مردوں عورتوں سب کی طرف اس کے رسول، اللہ عزوجل نے مردوں پر جہاد فرض کیا کہ فتح پائیں تو دولتمند ہوجائیں اور شہید ہوں تو اپنے رب کے پاس زندہ رہیں رزق پائیں اور ہم عورتیں اُن کے کاموں کا انتظام کرنے والیاں ہیں تو ہمارے لئے وُہ کون سی طاعت ہے جو ثواب میں جہاد کے برابر ہو۔ فرمایا:

طاعۃ ازواجھن بحقوقھم وقلیل منکن من یفعلہ[1]۔ رواہ البزاز والطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما۔

شوہروں کی اطاعت اور اُن کے حق پہچاننا اور اس کی کرنے والیاں تم میں تھوڑی ہیں (اس کو بزاز اور طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

حاملات والدات مرضعات رحیمات باولادھن لولا مایأتین الٰی ازواجھن لدخل مصلیاتھن الجنۃ[2]۔ اخرجہ الامام احمد وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر

حمل کی سختیاں اٹھانے والیاں، دُودھ پلانے والیاں، جننے کی تکلیف جھیلنے والیاں، اپنے بچوں پر مہربانیں، اگر نہ ہوتی وُہ تقصیر جو اپنے شوہروں کے ساتھ کرتی ہیں تو اُن کی نماز پڑھنے والیاں سیدھی جنت میں

---

[1] مجمع الزوائد بحوالہ الطبرانی حق المرأۃ علی الزوج دار الکتاب بیروت ۴/۳۰۶
مصنف عبد الرزاق حدیث ۵۹۱۴ حبیب الرحمٰن الاعظمی بیروت ۸/۴۶۳

[2] المعجم الکبیر حدیث ۷۹۸۶ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۸/۳۰۲
مسند امام احمد دار الفکر بیروت ۵/۲۵۲

والحاکم فی المستدرک عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ جائیں (اس کو امام احمد، ابن ماجہ، کبیر میں طبرانی نے اور مستدرک میں حاکم نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ ت)

تو سنّیت درکنار اکثر عورتوں کے لئے حدیث اباحت ہی ثابت رہے یہی بڑی بات ہے پھر ان کے انکار پر اعتراض اور نکاح پر اصرار کی کیا سبیل نہ کہ اعتراض بھی معاذ اللہ تا حد اکفار اور اصرار بھی ہم پہلوئے اکراہ واجبار، ولہٰذا احادیث میں وارد کہ حقوقِ شوہر ان کی شدت سُن کر متعدد بیبیوں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے عمر بھر نکاح نہ کرنے کا عہد کیا اور حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا مگر جاہل واعظین خصوصاً وہابیہ ہمیشہ خدا و رسول سے بڑھ کر چلا چاہتے ہیں جل جلالہٗ وصلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

حدیث ۱: ایک زن خثعمیہ نے خدمتِ اقدس حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ! حضور مجھے سنائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے کہ میں زنِ بے شوہر ہوں اس کے ادا کی اپنے میں طاقت دیکھوں تو نکاح کروں ورنہ یوں ہی بیٹھی رہوں، فرمایا:

فان حق الزوج علی الزوجۃ ان سألہا نفسہا وھی علی ظھر بعیر ان لاتمنعہ نفسہا ومن حق الزوج علی الزوجۃ ان لا تصوم تطوعا الا باذنہ فان فعلت جاعت وعطشت ولایقبل منھا ولا تخرج من بیتھا الا باذنہ فان فعلت لعنتھا ملئکۃ السماء و ملئکۃ الارض وملئکۃ الرحمۃ و ملئکۃ العذاب حتی ترجع۔ تو بیشک شوہر کا حق زوجہ پر یہ ہے کہ عورت کجاوہ پر بیٹھی ہو اور مرد اسی سواری پر اس سے نزدیکی چاہے تو انکار نہ کرے، اور مرد کا حق عورت پر یہ ہے کہ اس کے بے اجازت کے نفل روزہ نہ رکھے اگر رکھے گی تو عبث بھوکی پیاسی رہی روزہ قبول نہ ہوگا اور گھر سے بے اذنِ شوہر کہیں نہ جائے اگر جائے گی تو آسمان کے فرشتے زمین کے فرشتے، رحمت کے فرشتے، عذاب کے فرشتے سب اس پر لعنت کرینگے جب تک پلٹ کر آئے۔

یہ ارشاد سن کر ان بی بی نے عرض کی: لاجرم لا اتزوج ابدًا ٹھیک ٹھیک یہ ہے کہ میں کبھی نکاح نہ کرونگی رواہ الطبرانی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما (اس کو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ

---

[1] کشف الاستار عن زوائد البزار باب حق الزوج علی المرأۃ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۱۷۷
مجمع الزوائد " " " دار الکتاب بیروت ۴/ ۳۰۶-۳۰۷

تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۲: ایک بی بی نے دربارِ دُربارِ سیّد الابرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کی: میں فلاں دخترِ فلاں ہوں۔ فرمایا: میں نے تجھے پہچانا اپنا کام بتا۔ عرض کی: مجھے اپنے چچا کے بیٹے فلاں عابد سے کام ہے۔ فرمایا: میں نے اُسے بھی پہچانا یعنی مطلب کہہ۔ عرض کی: اُس نے مجھے پیام دیا ہے۔ تو حضور ارشاد فرمائیں کہ شوہر کا حق عورت پر کیا ہے اگر وُہ کوئی چیز میرے قابو کی ہو تو میں اُس سے نکاح کرلوں۔ فرمایا:

من حقه لو سال منخراه دما او قيحا فلحسته بلسانها ما ادت حقه لو كان ينبغى لبشر ان يسجد لبشر لامرت المرأة ان تسجد لزوجها اذا دخل عليها بما فضله الله عليها۔

مرد کے حق کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اگر اُس کے دونوں نتھنے خُون یا پیپ سے بہتے ہوں اور عورت اُسے اپنی زبان سے چاٹے تو شوہر کے حق سے ادا نہ ہوئی اگر آدمی کا آدمی کو سجدہ روا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ مرد جب باہر سے آئے اس کے سامنے آئے اسے سجدہ کرے کہ خدا نے مرد کو فضیلت ہی ایسی دی ہے۔

یہ ارشاد سُن کر وُہ بی بی بولیں:

والذى بعثك بالحق لا اتزوج ما بقيت الدنيا۔ رواه البزار والحاكم عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه۔

قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں رہتی دنیا تک نکاح کا نام نہ لُوں گی (اس کو بزاز اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمایا۔ ت)

حدیث ۳: ایک صاحب اپنی صاحبزادی کو لے کر درگاہِ عالم پناہ حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہُوئے اور عرض کی: میری یہ بیٹی نکاح کرنے سے انکار رکھتی ہے حضور والا صلوات اللہ تعالےٰ علیہ نے فرمایا: اطيعى اباك اپنے باپ کا حکم مان۔ اُس لڑکی نے عرض کی: قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں نکاح نہ کروں گی جب تک حضور یہ نہ بتائیں کہ خاوند کا حق عورت پر کیا ہے۔ فرمایا:

لہ مستدرک کتاب النکاح باب حق الزوج علی الزوجۃ دار الفکر بیروت ۱۸۹/۲

ٹہ کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث ۱۴۶۶ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۷۸/۲

حق الزوج علی زوجته لوکانت به قرحة فلحستها او انتثر منخراہ صدیدا او دما ثم ابتلعته ماادت حقه۔

شوہر کا حق عورت پر یہ ہے اگر اس کے کوئی پھوڑا ہو عورت اسے چاٹ کر صاف کرے یا اُس کے نتھنوں سے پیپ یا خون نکلے عورت اسے نگل لے تو مرد کے حق سے ادا نہ ہوئی۔

اس لڑکی نے عرض کی،

والذی بعثك بالحق لا اتزوج ابدا۔

قسم اس کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ بھیجا میں کبھی شادی نہ کروں گی۔

حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا: لا تنکحوھن الا باذنھن[۱] عورتوں کا نکاح نہ کرو جب تک ان کی مرضی نہ ہو۔

رواہ البزار وابن حبان فی صحیحہ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اس کو بزار اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا۔(ت)

امام حافظ زکی الملة والدین عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کی سند جید اور اس کے سب راوی ثقات مشہور ہیں انتہی۔ سبحان اللہ اس حدیث جلیل کو دیکھئے دختر ناکتخدا کو نکاح سے انکار، باپ کو اصرار، باپ حضور کی بارگاہ میں شکایت کرتے ہیں، صاحبزادی عین دربار اقدس میں قسم کھاتی ہیں کہ کبھی نکاح نہ کروں گی۔ اس پر حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نہ اُس انکار کرنے والی پر ناراض ہوتے ہیں نہ اعتراض کرتے ہیں بلکہ اولیاء کو ہدایت فرماتے ہیں کہ جب تک ان کی مرضی نہ ہو ان کا نکاح نہ کرو، کہاں یہ ارشادِ ہدایت بنیاد کہاں وُہ جبروتی حکم زبردستی کا ظلم کہ اگرچہ ایک بار نکاح ہو چکا اب بیوہ ہوگئی خواہی نخواہی دوبارہ نکاح پر جبر کرو اور پھر بیوہ ہو تو پھر سہ بارہ گلا دبا وَ اگر مان لے تو خیر، اور انکار کرے تو کافرہ ہوگئی، اور ساتھ لگے اولیا کی بھی خیر نہیں اگر وُہ خواہ مخواہ نکاح نہ کردیں تو اُن پر بھی معاذ اللہ اللہ عزوجل کا غضب ٹوٹے عیاذاً باللہ یزید پلید کی طرح غارت ہوں، مرتے وقت ایمان جانے کا اندیشہ، مزہ یہ کہ ان حضرات کے نزدیک ایک حکم شریعت مطہرہ کا اُنھوں نے چھوڑا دوسرے حکم فرض قطعی کے ترک کی یہ مسلمانوں کو تاکید کرتے ہیں کہ وُہ مرجائیں تو ان کے جنازہ کی نماز نہ پڑھو، حالانکہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں،

الصلٰوۃ واجبة علیکم علی کل مسلم یموت

ہر مسلمان کے جنازہ کی نماز تم پر فرض ہے نیک ہو یا بد

---

[۱] کشف الاستار عن زوائد البزار حدیث ۱۴۶۵ موسسۃ الرسالہ بیروت ۲/۱۴۸

برا کان اوفاجرا وان هو عمل الکبائر[1]۔ اخرجه ابوداؤد وابویعلی والبیهقی فی سننه عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه بسند صحیح علٰی اصولنا معشر الحنفیة۔

چاہے اُس نے کتنے ہی گناہ کبیرہ کیے ہوں (اس کو امام ابوداؤد، ابویعلی اور امام بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایسی سند کے ساتھ روایت فرمایا جو ہمارے یعنی احناف کے اصول کے مطابق صحیح ہے۔ ت)

دُوسری **حدیث** میں ہے، مولائے دوجہاں سرورِ کون ومکاں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علٰی کل میت[2]۔ اخرجه ابن ماجة عن واثلة والد ابی الطفیل رضی الله تعالٰی عنهما۔

ہر (مسلمان) میت کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ (اس کو ابن ماجہ نے واثلہ والدِ ابی الطفیل رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

تیسری **حدیث** میں ہے حضور سید عالم مولائے اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

صلوا علی من قال لا الٰه الا الله[3]۔ اخرجه ابوالقاسم الطبرانی فی معجمه الکبیر وابونعیم فی حلیة الاولیاء عن عبد الله ابن الفاروق رضی الله تعالٰی عنهما۔

جس نے لا الٰہ الا اللہ پڑھا اس کی نمازِ جنازہ پڑھو۔ اس کو ابوالقاسم طبرانی نے اپنی معجم کبیر اور ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت عبداللہ ابن فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ (ت)

معاذ اللہ مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احکام کو پس پشت ڈالنا اور اپنی طرف سے نئی شریعت نکالنا بیوہ کے نکاح نہ کرنے سے لاکھ درجے بدتر ہے، جبھی تو کہا تھا کہ یہ حضرات اور کو خندق سے بچائیں اور خود گہرے کنوئیں میں گرجائیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

بالجملہ عند التحقیق عامۂ زنان خصوصاً زنانِ زمان کے حق میں غایت درجہ حکمِ اباحت ہے اور مباح سے انکار پر اصلاً مواخذہ نہیں خصوصاً جب اس کے ساتھ اور کوئی مصلحت بھی ترکِ نکاح پر داعی ہو۔ صحیح **حدیث** میں ہے، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت اُمِّ ہانی بنت ابی طالب خواہر

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد	باب فی الغزو مع ائمۃ الجور	آفتاب عالم پریس لاہور	۱/ ۳۴۳
السنن الکبرٰی	باب الصلٰوۃ خلف من لا یحمد فعلہ	دار صادر بیروت	۴/ ۱۲۱
[2] سنن ابن ماجہ ابواب الجنائز	باب فی الصلٰوۃ علٰی اہل القبلہ	ایچ ایم سعید کمپنی کراچی	ص ۱۱۰
[3] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۶۲۲	مروی از عبداللہ ابن عمر	المکتبۃ الفیصلیہ بیروت	۱۲/ ۴۴۷

امیر المومنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ کو پیام نکاح دیا، عرض کی:

مابی عنك رغبة یارسول اللّٰه ولکن لا احب ان اتزوج وبنی صغار۔

یارسول اللہ! کچھ حضور سے مجھے بے رغبتی تو بے نہیں مگر مجھے یہ نہیں بھاتا کہ میں نکاح کروں اور میرے بچے چھوٹے ہیں۔

سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر نساء رکبن الابل نساء قریش احناہ علی طفل فی صغرہ وارعاہ علی بعل فی ذات یدہ[1]۔ رواہ الطبرانی عنہا رضی اللّٰه تعالٰی عنہا برجال ثقات، قالت خطبنی صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم فقلت فذکرہ۔

عرب کی تمام عورتوں میں بہتر زنانِ قریش ہیں اپنے بچے پر اُس کے بچپن میں سب سے زیادہ مہربان اور خاوند کے مال کی سب سے زیادہ نگاہ رکھنے والیاں۔ (اس کو طبرانی نے حضرت اُمّ ہانی رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ثقہ راویوں پر مشتمل سند کے ذریعہ روایت کیا، وُہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے نکاح کا پیغام دیا تو میں نے عرض کی، اور آگے حدیث مذکورہ کو ذکر کیا۔ ت)

دوسری صحیح **حدیث** میں ہے جب حضور والا صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہ نے انھیں پیام دیا، یُوں عرض کی:

یارسول اللّٰه لانت احب الی من سمعی وبصری وحق الزوج عظیم فاخشی ان اضیع حق الزوج[2] ملخصًا۔ اخرجه ابن سعد بسند صحیح عن الشعبی مرسلًا۔

یارسول اللہ! بیشک حضور مجھے اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں سے زیادہ پیارے ہیں اور شوہر کا حق بڑا ہے میں ڈرتی ہُوں کہ حقِ شوہر مجھ سے فوت نہ ہو، ملخصًا۔ (اس کو ابن سعد نے سندِ صحیح کے ساتھ شعبی سے مرسلًا روایت فرمایا۔ ت)

تیسری **حدیث** میں ہے:

فخطبها الی نفسها فقالت کیف بهذا ضجیعا وهذا رضیعا لولدین بین یدیها[3]۔

جب حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان سے نکاح کے لئے فرمایا اپنے دو بچوں کی طرف کر سامنے موجود تھے

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۱۰۶۷ مروی از اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۴/۴۳۷

[2] الطبقات الکبرٰی لابن سعد باب ذکر من خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من النساء دار صادر بیروت ۸/۱۵۲

[3] " " " " " " " " " " " " "

رواہ عن ابی نوفل بن عقرب ایضا مرسلا۔

اشارہ کرکے عرض کی یہ دُودھ پینے اور یہ ساتھ سونے کو بہت ہے۔ (اس کو بھی ابن سعد نے ابو نوفل بن عقرب سے مرسلاً روایت کیا۔ ت)

اُمّ المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اپنے شوہر اوّل حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بیوہ ہوئیں امیر المومنین صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں پیغامِ نکاح کردیا، انکار کردیا، پھر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پیام دیا، انکار کردیا، پھر حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پیام دیا، عرض کی:

انی امرأۃ غیری وانی امرأۃ مصیبۃ و لیس احد من اولیائی شاھدا۔

میں رشک ناک عورت ہوں (یعنی ازواجِ مطہرات سے شکر رنجی کا خیال ہے) اور عیالدار ہوں اور میرا کوئی ولی حاضر نہیں۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کے عذروں پر کچھ عتاب نہ فرمایا نہ یہ ارشاد ہوا کہ تم سنت سے منکر ہوتی ہو تم پر شرعی الزام ہے، بلکہ عذر سُن کر اُن کے علاج وجواب ارشاد فرمادیئے کہ تمھارے رشک کے لئے ہم دُعا فرمائیں گے اللہ تعالٰی اسے دُور کردے (چنانچہ ایسا ہی ہُوا ام المومنین ام سلمہ باقی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالٰی عنہن کے ساتھ اس طرح رہتی تھیں گویا یہ ازواج ہی میں نہیں صلے اللہ تعالٰے علی بعلہن وعلیہن وبارک وسلم) اور تمھارے بچے اللہ ورسول کے سپرد ہیں اور تمھارا کوئی ولی حاضر وغائب میرے ساتھ نکاح کو ناپسند نہ کرے گا[1] رواہ احمد والنسائی وغیرھما عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا بسند صحیح (اس کو امام احمد اور نسائی وغیرہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے بسندِ صحیح روایت کیا۔ ت)

ابن ابی عاصم کی روایتوں میں ہے منجملہ عذروں کے یہ بھی عرض کی کہ اما انا فکبیرۃ السن میری عمر زیادہ ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا فانا اکبر منک[2] میں تم سے بڑا ہوں۔ رواہ من طریق عبد الواحد بن ایمن عن ابی بکر بن عبد الرحمٰن عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا (ابن عاصم نے اس کو عبدالواحد بن ایمن کے طریق سے ابوبکر بن عبدالرحمٰن سے اور اُنھوں نے اُمّ المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ ت)

---

[1] مسند احمد بن حنبل | مروی از ام سلمہ | دار الفکر بیروت | ۶/ ۳۱۳
سنن النسائی | کتاب النکاح | المکتبۃ السلفیہ لاہور | ۲/ ۶۸
[2] طبقات الکبرٰی لابن سعد | باب ذکر فی خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نساء | دار صادر بیروت | ۸/ ۹۱

ام المومنین (ام سلمہ رضی اللہ عنہا) نے ۵۹ھ یا ۶۱ یا ۶۲ میں وفات پائی، عمر شریف چوراسی برس کی ہوئی قالہ الواقدی وکثیر من العلماء نقلہ عنہم فی الاصابۃ[1] وھو الصواب کما فی الزرقانی (واقدی اور کثیر علماء نے یہی کہا ہے جن سے اصابہ میں نقل کیا اور یہی درست ہے جیسا کہ زرقانی میں ہے۔ت) اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے آخر شوال ۴ سنہ ہجری میں ان سے نکاح فرمایا ھو الصحیح کما فی الزرقانی (یہی صحیح ہے جیسا کہ زرقانی میں ہے۔ت) تو جس وقت انھوں نے ترکِ نکاح کے لئے عمر زیادہ ہونے کا عذر عرض کیا ہے تیس سال کی نہ تھیں یہی کوئی چھبیس ۲۶ ستائیس ۲۷ برس کی عمر تھی رضی اللہ تعالٰی عنہا۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے ابن سعد انھیں ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے راوی کہ انھوں نے فرمایا:

بلغنی انہ لیس امرأۃ یموت زوجھا وھو من اھل الجنۃ وھی من اھل الجنۃ ثم لم تزوج بعدہ الاجمع اللہ بینھما فی الجنۃ۔	جس عورت کا شوہر مرجائے اور وہ دونوں جنتی ہوں پھر عورت اُس کے بعد نکاح نہ کرے تو اللہ تعالٰی اُن دونوں کو جنت میں جمع فرمائے۔

اسی بنا پر اُنھوں نے حضرت ابوسلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا تھا آؤ ہم تم عہد کریں کہ جو پہلے مرجائے دوسرا اس کے بعد نکاح نہ کرے، مگر یہ علم الٰہی میں امہات المومنین میں داخل ہونے والی تھیں، حضرت ابوسلمہ نے قبول نہ فرمایا[2] رواہ من طریق عاصم الاحول عن زیاد بن ابی مریم عنہا رضی اللہ تعالٰی عنہا (اس کو بطریق عاصم احول زیاد بن ابی مریم سے روایت کیا اور انھوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت فرمایا۔ت)

؏ صحح الاول الیعمری والثانی ابوعمر بن عبدالبر والثالث الحافظ فی التقریب وھناک تصحیح رابع وھو ۵۹ھ صححہ القسطلانی فی المواھب قال الزرقانی وھو معارض بھذہ التصحیحات[3] واللہ تعالٰی اعلم۔ (م)	اول کو یعمری، ثانی کو ابوعمر بن عبدالبر اور ثالث کو حافظ نے تقریب میں صحیح قرار دیا اور یہاں ایک چوتھی تصحیح ۵۹ھ کی بھی ہے جس کو قسطلانی نے مواہب میں صحیح قرار دیا، زرقانی نے فرمایا کہ وہ ان تصحیحات کے معارض ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ (ت)

---

[1] الاصابہ فی تمییز الصحابہ ذکر ام سلمہ نمبر ۱۳۰۹ دار صادر بیروت ۴/ ۶۰-۴۵۹

[2] الطبقات الکبرٰی ذکر من خطب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من النساء دار صادر بیروت ۸/ ۸۸

[3] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ ذکر ام سلمہ رضی اللہ عنہا دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۲۴

حضرت سلمٰی بنت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہا کے شوہر شہید ہوئے وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئیں اور کہا میرے شوہر نے شہادت پائی اور لوگ مجھے پیام دے رہے ہیں میں نکاح سے انکار رکھتی ہوں کیا آپ اُمید کرتے ہیں کہ اگر میں اور وہ جمع ہُوئے تو میں آخرت میں اُن کی زوجہ ہوں (بیوی بنوں)، فرمایا: ہاں۔

احمد فی المسند حدثنا ابو احمد ثنا ابان عبد اللہ البجلی عن کریم بن ابی حازم عن جدته سلمٰی بنت جابر ان زوجھا استشھد فاتت عبد اللہ بن مسعود فقالت انی امرأة استشھد زوجی وقد خطبنی الرجال فابیت ان اتزوج حتی القاہ فترجولی ان اجتمعت انا وھو ان اکون من ازواجه قال نعم فقال له رجل ما رأیناك نقلت ھذا منذ قاعدناك قال انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یقول ان اسرع امتی لی لحوقا فی الجنة امرأة من احمس[1]۔

امام احمد نے اپنی مسند میں یوں بیان فرمایا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابو احمد نے، انھوں نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی ابان بن عبداللہ بجلی نے، انھوں نے کریم بن ابی حازم سے، اور انھوں نے اپنی دادی سلمٰی بنت جابر رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ ان (حضرت سلمٰی رضی اللہ تعالٰی عنہا) کے شوہر شہید ہُوئے تو وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئیں اور کہا کہ میں وہ عورت ہوں جس کے شوہر شہید ہوگئے ہیں اور بہت سے مردوں نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا مگر میں نے نکاح سے انکار کیا تاوقتیکہ میں اپنے شوہر سے ملوں، کیا آپ میرے متعلق امید کرتے ہیں کہ اگر میں اور میرا شوہر جمع ہُوئے تو میں ان کی بیوی بنوں گی؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: ہاں۔ ایک شخص نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا کہ جب سے ہم آپ کے پاس بیٹھ رہے ہیں آپ کو یہ نقل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے ہُوئے سُنا کہ بیشک جنت میں سب سے جلد مجھ سے ملنے والی ایک عورت ہے احمس (قریش) سے۔ (ت)

حضرت سید سعید شہید سیدنا امام حسین صلی اللہ تعالٰی تعالٰی علٰی جدہ الکریم وعلیہ وبارک وسلم کی زوجہ مطہرہ رباب بنت امرئ القیس کہ حضرت اصغر و حضرت سکینہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی والدہ ماجدہ ہیں بعد شہادت امام مظلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت شرفائے قریش نے انھیں پیام نکاح دیا، فرمایا:

---

[1] مسند احمد بن حنبل　مروی از عبداللہ بن مسعود　دارالفکر بیروت　۱/۴۰۳

ماکنت لاتخذ حموا بعد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ میں وُہ نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد کسی کو اپنا خسر بناؤں۔ (ت)

جب تک زندہ رہیں نکاح نہ کیا ذکرہ ابن الاثیر فی الکامل (ابن اثیر نے اسے کامل میں ذکر کیا ہے۔ت) مرثیہ حضرت امام انام رضی اللہ تعالٰی عنہ میں فرماتی ہیں؛ ؎

واللہ لا ابتغی صھرا بصھرکم
حتی اغیب بین الرمل والطین[1]

خدا کی قسم میں تمہارے رشتہ کے بعد کسی سے رشتہ نہ چاہوں گی یہاں تک کہ ریت اور مٹی میں دفن کردی جاؤں ذکرہ ھشام بن الکلبی (اس کو ہشام بن کلبی نے ذکر کیا۔ت) بلکہ علامہ ابوالقاسم عماد الدین محمود ابن فریابی کتاب خالصۃ الحقائق لما فیہ من اسالیب الدقائق میں صحابیات حضور پُر نور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ایک بی بی رباب نامی رضی اللہ تعالٰی عنہا کا ذکر کرتے ہیں؛

انھا کانت زوجا لرجل یقال لہ عمرو فتعاھدا أیھما مات قبل الاٰخر لایتزوج الذی یبقی حتی یموت فمات فاقامت مدۃ فزوجہا ابوھا فرأت فی تلک اللیلۃ عمرا انشدھا ابیاتا فاصبحت مذعورۃ وقصت علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم القصۃ فامرھا ان تستأنس بالوحدۃ حتی تموت وامر زوجھا بفراقھا ففعل ذٰلک۔

یعنی وُہ ایک شخص عمرو نامی کی زوجہ تھیں اُن کے آپس میں عہد ہو لیا تھا کہ جو پہلے مرے دوسرا تادمِ مرگ نکاح نہ کرے، عمرو کا انتقال ہوا، رباب ایک مدت تک بیوہ رہیں پھر ان کے باپ نے اُن کا نکاح کردیا، اُسی رات اپنے پہلے شوہر کو خواب میں دیکھا اُنھوں نے کچھ شعر اس معاملے کی شکایت میں پڑھے یہ صبح کو خائف و ترساں اُٹھیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حال عرض کیا، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مرتے دم تک تنہائی میں جی بہلائیں اور اس شوہر کو حکم دیا کہ انھیں چھوڑ دے، اُنھوں نے چھوڑ دیا۔ (ت)

نقلہ الحافظ فی الاصابۃ وقال ھی حکایۃ مشھورۃ لغیر ھٰذین[2] الخ (اس کو حافظ نے الاصابہ میں نقل کیا اور فرمایا کہ یہ حکایت ان دونوں کے غیر کے لئے مشہور ہے الخ ت) بلکہ احادیث میں ہے خود

[1] الکامل فی التاریخ لابن اثیر ذکر مقتل حسین رضی اللہ عنہ دار صادر بیروت ۴/ ۸۸

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ بحوالہ محمود بن احمد فریابی الرباب غیر منسوبہ " " " ۴/ ۳۰۰

حضور پُرنور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس بیوہ کی نہایت تعریف فرمائی جو اپنے یتیم بچّوں کو لئے بیٹھی رہے اور اُن کے خیال سے نکاحِ ثانی نہ کرے،

حدیث ۱: سُنن ابوداؤد میں حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

انا وامرأۃ سفعاء الخدین کھاتین یوم القیٰمۃ واومی بیدہ یزید بن زریع السبابۃ والوسطی امرأۃ ایمت من زوجھا ذات منصب وجمال حبست نفسھا علی یتامٰھا حتی بانوا او ماتوا[1]

میں اور چہرہ کا رنگ بدلی ہُوئی عورت روزِ قیامت ان دُو انگلیوں کے مثل ہوں گے (راوی نے انگشتِ شہادت اور بیچ کی انگلی کی طرف اشارہ کرکے بتایا یعنی جیسے یہ دُو انگلیاں پاس پاس ہیں یُونہی اسے روزِ قیامت میرا قُرب نصیب ہوگا) وہ عورت کہ اپنے شوہر سے بیوہ ہُوئی عزّت والی صورت والی باایں ہمہ اُس نے اپنے یتیم بچّوں پر اپنی جان کو روک رکھا یہاں تک کہ وُہ اس سے جُدا ہوگئے یا مرگئے (چہرہ کی رنگت بدلی ہُوئی سیاہی مائل ہونا یہ کہ بے شوہری کے سبب بناؤ سنگار کی حاجت نہیں)۔

حدیث ۲: ابن بشران انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلّے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ایما امرأۃ قعدت علی بیت اولادھا فھی معی فی الجنۃ[2]

جو عورت اپنی اولاد پر بیٹھی رہے گی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگی۔

حدیث ۳: ابو یعلٰی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اول من یفتح باب الجنۃ الا انی اری امرأۃ تبادرنی فاقول لھا مالك ومن انت فتقول انا امرأۃ قعدت علی ایتام لی[3]

سب سے پہلے جو دروازۂ جنّت کھولے گا وُہ میں ہُوں مگر میں ایک عورت کو دیکھوں گا کہ مجھ سے آگے جلدی کریگی میں فرماؤں گا تجھے کیا ہے اور تُو کون ہے، وہ عرض کریگی میں وُہ عورت ہُوں کہ اپنے یتیموں پر بیٹھی رہی۔

---

[1] سُنن ابی داؤد کتاب الادب باب فی فضل من عال الیتامٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۳۴۵/۲

[2] کنز العمال بحوالہ ابن بشران عن انس حدیث ۴۵۱۳۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۴۰۸/۱۶

[3] مسند ابی یعلٰی حدیث ۶۶۲۱ موسسہ علوم القرآن بیروت ۱۲۵/۶

امام عبدالعظیم منذری فرماتے ہیں: اسنادہ حسن ان شاء اللہ تعالٰی (اس کی اسناد ان شاء اللہ تعالٰی حسن ہے۔ ت)

تنبیہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا بہشت میں تشریف لے جانا بارہا ہوگا، اولیت مطلقہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص ہے، دروازہ کھلنا حضور والاہی کے لئے ہوگا، رضوان داروغۂ جنت عرض کرے گا مجھے یہی حکم تھا کہ حضور سے پہلے کسی کے لئے نہ کھولوں، حضور پر کوئی نبی مرسل بھی تقدیم نہیں پاسکتا صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجمعین۔

یہ سب مضامین احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں جن کی بعض فقیر نے اپنے رسالہ مبارکہ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین میں ذکر کیں۔ حضور کے بعد جو اور بندگانِ خدا جائیں گے دروازہ کھلا پائیں گے کہ حضور اقدس صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پہلے سے فتح باب فرماچکے ہوں گے۔

قال تعالٰی جنّٰت عدن مفتحۃ لھم الابواب[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: بسنے کے باغ ان کے لئے سب کے دروازے کھلے ہُوئے۔ (ت)

یہاں جو اُس عورت کا آگے ہونا وارد ہُوا یہ اور بار کے تشریف لے جانے میں ہے، جب اہتمام کار اُمّت میں آمدورفت فرماتے ہوں گے ذکرخاص باراوّل میں ہے وباللہ التوفیق (اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی ہے۔ ت)

الحمدللہ اس تحقیق انیق سے مسئلہ کا حکم بھی بنہایت ایضاح منصّۂ ظہور پر مرتفع ہُوا اور اہل تشدد کے وہ متعصبانہ احکام بھی مخذول و مندفع والحمد للہ علی ما وفق وعلم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا محمد وٰالہ وسلم (تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اس کے توفیق اور علم عطا فرمانے پر، اور اللہ تعالٰی درود وسلام نازل فرمائے ہمارے آقا محمد مصطفٰی اور آپ کی آل پر۔ ت) یہاں تک نفسِ نکاح اور اس پر اجبار اور عورت یا اولیاء کی جانب سے ترک یا انکار اور ان کے انکار پر زجر و انتہار کا حکم تھا۔

اب رہا نکاحِ ثانی پر طعن اقول وباللہ التوفیق (میں کہتا ہُوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے۔ ت) ہماری تحقیقِ سابق سے روشن ہُوا کہ نکاحِ ثانی مطلقاً فرض یا واجب یا سنّت نہیں بلکہ عام زنان کیلئے نہایت درجہ مباح ہی ہے اور مباح پر طعن صرف اُسی صورت میں کُفر ہوسکتا ہے کہ اُس کی اباحت ضروریاتِ دین سے ہو اور باوصف اس کے یہ شخص اُسے شرعاً مباح نہ جانے، نکاحِ ثانی کی اباحت توبیشک ضروریاتِ دین

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۵۰

سے ہے کہ تمام مسلمین اُس سے آگاہ، قرآن عظیم کی متعدد آیتیں اُس پر گواہ۔

قال اللہ تعالٰی عسٰی ربہ ان طلقکن ان یبدلہ ازواجا خیرا منکن (الٰی قولہ تعالٰی) ثیبٰت وابکارا[1]، وقال تعالٰی فلما قضی زید منھا وطرا زوجنکھا[2]، وقال تعالٰی فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[3]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان کا رب قریب ہے اگر وہ تمھیں طلاق دے دیں کہ انھیں تم سے بہتر بیویاں بدل دے (اللہ تعالٰی کے قول) ثیبٰت وابکارا (بیاہیاں اور کنواریاں) تک۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: پھر زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ (زینب) تمھارے نکاح میں دے دی۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ (ت)

کریمہ وانکحوا الایامٰی[4] (اور نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہیں۔ت) میں ایم کے نکاح کردینے کو فرمایا، ایم ہر زنِ بے شوہر کو کہتے ہیں جس کے اطلاق میں کنواری، مطلقہ، بیوہ سب داخل۔ اگرچہ ایم خاص بیوہ کا نام نہیں بالخصوص بیوہ کے لئے یہ آیتیں ہیں قال تعالٰی (اللہ تعالٰی نے فرمایا۔ت):

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن فلاجناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر ○ ولاجناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء او اکننتم فی انفسکم علم اللہ انکم ستذکرونھن ولکن لاتواعدوھن سرا الا ان تقولوا قولا

اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں تو جب ان کی عدت پوری ہوجائے تو اے والیو! تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو عورتیں اپنے معاملہ میں موافقِ شرع کریں اور اللہ تعالٰی کو تمھارے کاموں کی خبر ہے، اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم نے عورتوں کے نکاح کا پیام دیا یا اپنے دل میں چھپا رکھو۔ اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے۔ ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ رکھو مگر یہ کہ اتنی ہی بات کہو جو شرع میں

---

[1] القرآن الکریم ۶۶/ ۵
[2] " " ۳۳/ ۳۷
[3] " " ۲/ ۲۳۰
[4] " " ۲۴/ ۳۲

معروفا ۝ ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتب اجلہ[1]

معروف ہے اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہُوا حکم اپنی میعاد کو نہ پہنچ لے۔ (ت)

وقال اللہ تعالٰی :

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن من معروف واللہ عزیز حکیم ۝[2]

اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وُہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر تک نان و نفقہ دینے کی بے نکالے، پھر اگر وُہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں جو انھوں نے اپنے معاملہ میں مناسب طور پر کیا، اور اللہ تعالٰی غالب حکمت والا ہے (ت)

ان آیات کریمہ کا جملہ جملہ جوازِ نکاحِ بیوہ پر نص صریح ہے، پھر حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و اہلبیت کرام و صحابۂ عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین سے قولاً و فعلاً و تقریراً اس کی اباحت متواتر، ام المومنین صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہما کے سوا تمام ازواجِ مطہرات حضور سید الکائنات علیہ وعلیہن الصلوات والتحیات ثیبات تھیں کما ثبت ذٰلک فی صحیح البخاری من حدیث نفسہا و من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم (جیسا کہ صحیح بخاری میں خود ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی حدیث سے ثابت ہے۔ ت) مگر کلام اس میں ہے کہ جاہلان ہند جو اُسے ننگ و عار سمجھتے ہیں آیا اس بنا پر ہے کہ اُسے از رُوئے شریعت ہی حلال نہیں جانتے ایسا ہو تو بیشک کفر ہے مگر انصافاً عامۂ ناس سے اس کا اصلاً ثبوت نہیں، جس مسلمان سے پُوچھئے صاف اقرار کرے گا کہ شرعاً بے شک جائز ہم ناجائز و حرام نہیں جانتے بلکہ از رُوئے رسم لوگوں کے نزدیک ایک ننگ و عار کی بات ہے بخیال طعن و بدنامی اس سے احتراز ہے ایسے خیالات پر ہرگز حکمِ تکفیر نہیں ہوسکتا سلفاً و خلفاً تمام لوگوں میں معاملاتِ دُنیویہ میں مصالحِ دُنیویہ کے لحاظ سے ہی باہم ایک دوسرے پر صدہا مباحات میں طعن و سرزنش رائج ہے وہاں کیوں گیا، یہ کیوں کیا، فلاں سے کیوں ملا حالانکہ یہ سب امور مباحات شرعیہ ہیں یہ تو خاص خاص ہر شخص کے اپنے ذاتی معاملات میں ہے اور مصطلحاتِ عامہ قوم یا شاملہ مُلک میں بھی بہت باتیں مباح شرعی ہیں کہ بوجہ عرف و عادت معیوب ٹھہری ہیں کہ اس احتراز و اعتراض میں اکثر یہ حضرات مکفرین بھی شریک مثلاً باپ کے سامنے اپنے زوج یا زوجہ سے ہمکلام ہونا خصوصاً نئے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۳۵-۲۳۴

[2] " " ۲/ ۲۴۰

دنوں میں۔ یُوں ہی باپ یا پیر وغیر ہما بزرگوں کے حضور حقہ پینا دختر و داماد جب رات کو ایک پلنگ پر ہوں اُن کے پاس جانا پاس بیٹھنا بات کرنا اُن کا بدستور لیٹے رہنا۔ ماں بہن بیٹی کا اپنے بیٹے بھائی باپ کے سامنے سینہ و پستان کھولے پھرنا، شریف عورتوں کا بُرقع اوڑھ کر سرِ بازار سودے خریدنا، اجنبی لوگوں سے باتیں کرنا ان میں کون سی بات شرعاً ممنوع و ناجائز ہے مگر رسم و رواج و اصطلاح حادث کی وجہ سے اب تمام اہل حیا انھیں عیب جانتے ہیں جو ایسے امور کا مرتکب ہو اُس پر طعن کریں گے، کیا اس بنا پر معاذ اللہ سب مسلمان کافر ٹھہریں گے اسی قبیل کا طعن و اعتراض یہاں کے عوام کو نکاح ثانی میں ہے تو اُس پر بے تکلف حکم کفر جاری کرنا سخت مجازفت اور کلمۂ طیبہ پر بیباکانہ جرأت ہے والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ صحیح حدیث سے ثابت کہ حضرت امیر المؤمنین صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی حضرت اُم المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بہن حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سالی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر کا پانی خود بھر کر لاتیں اپنے شوہر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کے لئے بیرونِ شہر دو میل پر جا کر دانہائے خرما جمع فرماتیں اُن کی گٹھری پیادہ پا اپنے سر مبارک پر اُٹھا کر لاتیں ایک بار پلٹتے ہوئے راہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم مع ایک جماعت انصار کرام کے ملے حضور نے اُنھیں بُلایا اور اونٹ کو بیٹھنے کا حکم فرمایا کہ اپنے پیچھے سوار فرمالیں اُنھوں نے مردوں کے ساتھ چلنے میں حیا کی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی غیرت کا خیال آیا، نہ مانا۔ حضرت زبیر سے حال کہا، فرمایا واللہ تمھارا گٹھلیاں سر پر لے کر چلنا مجھ پر زیادہ سخت تھا اس سے کہ تم حضور کے ساتھ سوار ہو لیتیں۔ صحیحین میں ہے:

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قالت تزوجنی الزبیر و مالہ فی الارض من مال ولا مملوك ولا شئ غیر ناضح وغیر فرسہ فکنت اعلف فرسہ و استقی الماء و اخرز غربہ و اعجن ولم اکن احسن اخبز وکان تخبز جارات لی من الانصار وکن نسوۃ صدق وکنت انقل النوی من ارض الزبیر التی اقطعہ رسول اللہ

حضرت اسماء بنت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا مجھ سے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نکاح کیا حالانکہ زمین میں اس کے پاس نہ کوئی مال تھا اور نہ ہی کوئی مملوک اور ایک اونٹنی اور ایک گھوڑے کے سوا کوئی شئی اس کے پاس نہ تھی، میں اس کے گھوڑے کو چارہ دیتی اور اس کو پانی پلاتی تھی اور اس کا ڈول سیتی اور آٹا گوندھتی تھی اور میں اچھی طرح روٹی نہیں پکا سکتی تھی، ہماری ہمسائی انصار عورتیں تھیں جو کہ بہت اچھی عورتیں تھیں وہ مجھے روٹیاں پکا دیتی تھی اور میں حضرت زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی

صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی رأسی وھی منی علی ثلثی فرسخ فجئت یوما والنوی علی رأسی فلقیت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومعہ نفر من الانصار فدعانی ثم قال اخ اخ لیحملنی خلفہ فاستحییت ان اسیر مع الرجال وذکرت الزبیر وغیرتہ وکان اغیر الناس فعرف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انی قد استحییت فمضی فجئت الزبیر فقلت لقینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلی راسی النوی ومعہ نفر من اصحابہ فاناخ لارکب فاستحییت منہ وعرفت غیرتک فقال واللہ لحملك النوی کان اشد علی من رکوبك معہ قالت حتی ارسل ابوبکر بعد ذلك بخادم یکفینی سیاسۃ الفرس فکانما اعتقنی[1]

زمین سے جو کہ انھیں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دی تھی اپنے سر پر گٹھلیاں اٹھا کر لاتی تھی جبکہ وُہ زمین مجھ سے دو تہائی فرسخ (یعنی تقریباً چھ کلومیٹر) دُور تھی، ایک دن میں گٹھلیاں سر پر اٹھا کر آرہی تھی پس میں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ملی اور آپ کے ساتھ انصار میں سے چند افراد تھے آپ نے مجھے بلایا پھر (اُونٹ کو بٹھانے کےلئے) فرمایا: اُخ اُخ، تاکہ مجھے اپنے پیچھے اونٹ پر بٹھالیں، مجھے شرم آئی کہ میں مردوں کے ساتھ چلوں، مجھے زبیر اور اس کی غیرت یاد آئی جبکہ وہ سب لوگوں سے زیادہ غیور تھے، جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پہچان لیا کہ میں شرم کر رہی ہُوں، چنانچہ آپ تشریف لے گئے، پھر میں زبیر کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ملے جبکہ گٹھلیاں میرے سر پر تھیں آپ کے ساتھ چند صحابہ کرام تھے آپ نے اونٹ کو بٹھایا تاکہ میں اس پر سوار ہوجاؤں مجھے اس سے شرم آئی اور میں نے تمھاری غیرت کو یاد کیا، زبیر نے کہا بخدا تمھارا گٹھلیوں کو سر پر اٹھانا سیّد عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اونٹ پر سوار ہونے سے مجھ پر زیادہ سخت تھا۔ حضرت اسماء نے کہا میرا یہ حال رہا حتی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس کے بعد میری طرف ایک خادم بھیجا جو مجھ سے گھوڑے کے انتظام سے کفایت کرتا تھا گویا کہ اس نے مجھے آزاد کر دیا۔ (ت)

تکفیر کرنے والے حضرات ذرا سچ سچ کہیں اُن کے یہاں کے معزز شریف شہری لوگ کیا اسے روا رکھیں گے کہ ان کی شریف خاندانی بیبیاں گھر کا پانی کنوئیں سے بھر کر لائیں شہر سے دو دو کوس پر جا کر گھوڑے کیلئے گھاس چھیلیں گھاس کا گٹھا سر پر رکھ کر سر بازار لائیں، بہنوتی نہیں خاص اپنے حقیقی بھائی ہی کے پیچھے مردوں

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۶

کے مجمع میں اُونٹ پر چڑھی پھریں، کیا وہ ان باتوں کو عیب نہ جانیں گے، کیا وہ ان پر طعن نہ کریں گے، اگر نہیں تو زبانی جمع خرچ کی نہیں سہی ذرا کر دکھائیں، اور اگر ہاں تو پہلے اپنی نسبت حکم بتائیں پھر اور مسلمانوں پر منہ آئیں، میں اس قسم کی بکثرت حدیثیں پیش کر سکتا ہُوں مگر عاقل کو ایک حرف کافی اور نامنصف کو دفتر ناوافی بلکہ اگر نظرِ تدقیق کیجئے تو ایک وجہ وُہ بھی نکل سکتی ہے کہ کوئی شخص ان بلاد میں نکاحِ ثانی کو ممنوع شرعی جانے اور اس کی تکفیر کی طرف اصلاً راہ نہ ہو وہ یہ کہ مثلاً زید زعم کرے کہ نکاحِ ثانی فی نفسہٖ اگرچہ مباح ہے مگر ان اعصار و امصار میں نکاح بیوہ پر لوگ طعنہ زن ہو کر کبیرۂ شدیدہ میں واقع ہوتے اور اس عورت کی مذمت کرتے اور اس سے نفرت رکھتے ہیں تو یہاں اس کا فعل مسلمانوں کے ایسے مہالک عظیمہ میں واقع ہونے اور اُن پر دروازۂ کبائر وا تباعِ شیطان کھلنے کا باعث ہوگیا ہے اور جو مباح ایسے امور کی طرف منجر ہو اس عارض کی وجہ سے مباح نہیں رہتا شرعاً قابل احتراز ہوجاتا ہے۔ نظیر اس کی عوام کے سامنے حقائق عالیہ و دقائق غالیہ کا ذکر جو اُن کے مدارک و افسام سے وراہو کہ اشاعتِ علم فرض اور کتمان حرام، مگر یہاں عوام کا فتنہ میں پڑنا گناہ میں مبتلا ہونا متوقع، لہذا اُن کے سامنے ایسا بیان شرعاً ممنوع۔

حدیث میں ہے:

حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللّٰہ ورسولہ[1]۔ رواہ البخاری فی صحیحہ عن امیر المؤمنین علی کرم اللّٰہ تعالٰی وجھہ موقوفا علیہ والدیلمی فی مسند الفردوس عنہ عن النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم۔

لوگوں سے وُہ باتیں کہو جنھیں وُہ پہچانیں، کیا یہ چاہتے ہو کہ لوگ اللہ و رسول کی تکذیب کریں (اس کو بخاری نے اپنی صحیح میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے موقوفاً روایت کیا اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت فرمایا۔ (ت)

حدیث ۲:

امرنا ان نکلم الناس علی قدر عقولھم[2]۔ رواہ الامام ابو عبد الرحمٰن السلمی ومن طریقہ الدیلمی والحسن بن سفیٰن فی مسندہ وابو الحسن التمیمی فی کتاب العقل عن

ہمیں حکم ہے کہ لوگوں سے بقدر ان کی عقول کے کلام کریں۔ اس کو امام عبد الرحمٰن سلمی اور ان کے طریق سے دیلمی اور حسن بن سفیان نے اپنی مسند میں اور ابو الحسن تمیمی نے کتاب العقل میں حضرت عبداللہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب من خص بالعلم قوماً الخ مطبع قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۴

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۱۶۱۱ مطبع دار البازمکۃ المکرمۃ ۱/ ۳۹۸

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انھوں نے نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ (ت)

حدیث ۳ :

ماحدث احد کم قوما بحدیث لا یفھمونہ الاکان فتنۃ علیھم[1]۔ رواہ العقیلی و ابن السنی وابونعیم فی الریاضۃ وغیرھم عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔

تم میں سے کوئی شخص کسی قوم سے کوئی ایسی حدیث کہ ان کی سمجھ سے ورا ہو بیان نہ کرے گا مگر یہ کہ وہ حدیث ان پر فتنہ ہوجائے گی (اس کو عقیلی، ابن سنی، اور ابونعیم نے الریاضۃ میں اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے اور انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے روایت کیا۔ ت)

دوسری روایت میں ہے :

لاتحدثوا امتی من احادیثی الا ما تحتملہ عقولھم فیکون فتنۃ علیھم[2]۔ رواہ عنہ ابونعیم و من طریقہ الدیلمی وفیہ فکان ابن عباس یخفی اشیاء من حدیثہ ویفشیھا الی اھل العلم۔

میری امت سے میری حدیثیں نہ بیان کرو مگر وہ جو ان کی عقلیں اٹھالیں کہ وہ حدیث ان پر فتنہ ہوجائے گی۔ اس کو حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ابونعیم نے اور ان کے طریق سے دیلمی نے روایت کیا اور اس میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث سے کچھ اشیاء مخفی رکھتے اور انھیں اہل علم پر ظاہر فرماتے۔ (ت)

تیسری روایت میں ہے :

یاابن عباس لاتحدث قوما حدیثا لاتحتملہ عقولھم[3]۔ رواہ عنہ

اے ابن عباس! لوگوں سے وہ حدیث بیان نہ کرو جو ان کی عقل میں نہ آئے۔ (اس کو مسند الفردوس

---

[1] اتحاف السادۃ بحوالہ العقیلی فی الضعفاء بیان ما بدل من الفاظ العلوم مطبع دار الفکر بیروت ۱/۲۵۳

[2] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۷۳۱۲ مطبع دار الباز مکۃ المکرمہ ۵/۱۷

[3] ″ ″ ″ ″ ۸۴۳۴ ″ ″ ″ ″ ۵/۳۵۹

فی مسند الفردوس۔ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت فرمایا۔ (ت)

حدیث ۴: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

ما انت بمحدث قوما حدیثا لا تبلغہ عقولھم الا کان لبعضھم فتنۃ[1]۔ رواہ مسلم فی مقدمۃ صحیحہ۔

تو جب کسی قوم سے وُہ حدیث بیان کرے گا جس تک ان کی عقل نہ پہنچے وُہ ضرور اُن میں کسی پر فتنہ ہوجائے گی۔ (اس کو امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں روایت فرمایا۔ ت)

قلت ومن ھذا الباب ما کان الامام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ یخفی فی بعض مجالسہ القول برؤیۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بہ لیلۃ المعراج کما ذکرہ الزرقانی وقد صح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ انہ قال حفظت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعائین اما احدھما فبثثتہ واما الاٰخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم[2]۔ رواہ البخاری۔

قلت (میں کہتا ہوں کہ) اپنی بعض مجالس میں حضرت امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا شبِ معراج نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے رؤیت باری تعالٰی کے قول کو چھپانا اسی باب سے ہے جیسا کہ زرقانی نے ذکر کیا، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے حدیثِ صحیح مروی ہے کہ میں نے نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے علم کی دو نوعیں یاد کیں ان میں سے ایک کو تو میں نے لوگوں میں پھیلا دیا، اور رہی دوسری تو اس کو اگر پھیلاؤں تو یہ گلا کاٹ دیا جائے۔ اس کو بخاری نے روایت فرمایا۔ (ت)

نظیر ۲: عمامہ کا شملہ چھوڑنا یقیناً سنّت مگر جہاں جُہّال اس پر ہنستے ہوں وہاں علمائے متاخرین نے غیر حالتِ نماز میں اس سے بچنا اختیار فرمایا جس کا منشاء وہی حفظِ دینِ عوام ہے۔ شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ القوی رسالہ آدابِ لباس میں فرماتے ہیں:

فقہاء را بر ارسال شملہ براہین قیاسی بسیار ست و ارسالِ آں سنّتِ مؤکدہ دانند وعلمائے متاخرین سوائے صلوات پنجگانہ را ارسال ندارند از برائے طعن ومسخرۂ جہالِ زمانہ اھ ملخصاً[3]

فقہاء کے پاس شملہ چھوڑنے پر بہت سے دلائل قیاسیہ موجود ہیں اور وہ اس کو سنّتِ مؤکدہ سمجھتے ہیں مگر علماءِ متاخرین جُہالِ زمانہ کے طعن وتمسخر سے بچنے کے لئے سوائے نماز پنجگانہ کے شملہ نہیں چھوڑتے ہیں اھ ملخصاً (ت)

---

[1] الصحیح المسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۹
[2] الصحیح البخاری کتاب العلم باب حفظ العلم " " " ۱/۲۳
[3] رسالہ آدابِ لباس عبدالحق محدث دہلوی

نظیر ۳: قرآن عظیم کی دسوں قرائتیں حق اور دسوں منزّل من اللہ، دسوں طرح حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے پڑھا اور حضور سے صحابہ، صحابہ سے تابعین، تابعین سے ہم تک پہنچا تو ان میں ہر ایک کا پڑھنا بلاشبہہ قرأتِ قرآن و نورِ ایمان و رضائے رحمان ہے۔ بااینہمہ علماء نے ارشاد فرمایا کہ جہاں جو قراءت رائج ہو نماز و غیرنماز میں عوام کے سامنے وہی قراءت پڑھیں، دوسری قراءت جس سے ان کے کان آشنا نہیں نہ پڑھیں مبادا وہ اس پر ہنسنے اور طعن کرنے سے اپنا دین خراب کرلیں۔ ہندیہ میں ہے:

فی الحجۃ قراءۃ القراٰن بالقراءات السبعۃ والروایات کلھا جائزۃ ولکنی اری الصواب ان لایقرء القراءۃ العجیبۃ بالامالات و الروایات الغریبۃ کذا فی التاتارخانیۃ[1]

حجہ میں ہے کہ ساتوں قراءات اور تمام روایات میں قرآن مجید پڑھنا جائز ہے لیکن میں اس بات کو درست سمجھتا ہوں کہ نامانوس قراءت میں امالات اور روایات غریبہ کے ساتھ قرآن مجید نہ پڑھا جائے، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لان بعض السفھاء یقولون ما لایعلمون فیقعون فی الاثم والشقاء ولاینبغی للائمۃ ان یحملوا العوام علی ما فیہ نقصان دینھم ولایقرأ عندھم مثل قراءۃ ابی جعفر وابن عامر وعلی بن حمزۃ والکسائی صیانۃ لدینھم فلعلھم یستخفون او یضحکون وان کان کل القراءات والروایات صحیحۃ فصیحۃ و ومشائخنا اختاروا قراءۃ ابی عمرو وحفص عن عاصم[2] اھ من التتارخانیۃ عن فتاوی الحجۃ۔

اس لئے کہ بعض بیوقوف وہ کچھ کہیں گے جو وہ جانتے نہیں یُوں گناہ اور بدبختی میں مبتلا ہوجائیں گے، اور ائمہ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عوام کو اس چیز پر برانگیختہ کریں جس میں ان کے دین کا نقصان ہے اور عوام کے دین کو بچانے کے لئے ان کے پاس ابوجعفر، ابن عامر، علی بن حمزہ اور کسائی کی قراءۃ میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے کیونکہ ہوسکتا ہے وہ اس کو ہلکا جانیں اور اس پر ہنسیں اگرچہ تمام قراءات و روایات صحیح اور فصیح ہیں۔ ہمارے مشائخ نے ابوعمرو وحفص کی قراءۃ کو اختیار کیا ہے جو عاصم سے مروی ہے اھ تتارخانیہ از فتاوٰی حجہ۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — فصل الرابع فی القراءۃ — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۷۹

[2] ردالمحتار — فصل فی القراءۃ — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۱/۳۶۲

نظیر ۴: قریش نے جب زمانۂ جاہلیت میں کعبہ از سرِ نو بنایا بوجہ تنگیٔ خرچ کچھ اپنی اغراضِ فاسدہ سے بنائے خلیل صلے اللہ تعالٰی علٰی ابنہٖ وعلیہ وبارک وسلم میں بہت تغیرات کردیں، دو دروازہ غربی و شرقی سے صرف ایک در شرقی رکھا اور اُسے بھی زمین سے بہت بلندی پر نکالا کہ جسے چاہیں داخلے سے مشرف ہونے دیں جسے چاہیں محروم رکھیں، گزوں زمین جانبِ شمال چھوڑ دی کہ عمارت بڑھانے میں خرچ زیادہ درکار تھا بآنکہ یہ صریح بدعتِ جاہلیت و تغیرِ سنّتِ ابراہیمی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تھی مگر حضور سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے محض بغرضِ حفظِ دینِ نومسلمین اُسے قائم و برقرار رکھا کہ تغیر بے ہدم عمارت موجودہ نہ ہوتی خدا جانے ان کے دلوں میں کیا وسوسہ گزرے۔ صحیحین میں ہے:

عن عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنہا قالت سألت النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن الجدار من البیت ھو قال نعم قلت فما لھم لم یدخلوہ فی البیت قال ان قومك قصرت بھم النفقۃ قلت فما شأن بابہ مرتفعا قال فعل ذٰلك قومك لیدخلوا من شاؤا ویمنعوا من شاؤا ولولا ان قومك حدیث عھدھم الجاھلیۃ فاخاف ان تنکر قلوبھم ان ادخل الجدر فی البیت وان الصق بابہ بالارض[1] وفی اخری ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال لھا یا عائشۃ لولا ان قومك حدیث عھد بجاھلیۃ لامرت بالبیت فھدم فادخلت فیہ ما اخرج منہ والزقتہ بالارض وجعلت لہ بابین بابا شرقیا وبابا غربیا فبلغت بہ اساس ابراھیم[2] الخ

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے حطیم کی دیوار کے بارے میں پوچھا کہ کیا یہ بیت اللہ کا حصّہ ہے، حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہاں، میں نے دریافت کیا اس کو قریش نے بیت اللہ میں کیوں داخل نہیں کیا' آپ نے فرمایا: تمہاری قوم کے پاس خرچ کم ہوگیا تھا، میں نے پوچھا پھر اس کا دروازہ اتنا بلند کیوں ہے، تو آپ نے فرمایا کہ تمہاری قوم نے یہ اس لئے کیا تاکہ وہ جس کو چاہیں بیت اللہ میں داخل کریں اور جس کو چاہیں روک دیں' اگر تمہاری قوم نے نیا نیا کفر نہ چھوڑا ہوتا اور مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ ان کے دلوں کو بُرا لگے گا تو میں حطیم کی دیواروں کو بیت اللہ میں داخل کر دیتا اور دروازے کو زمین سے ملا دیتا۔ اور دُوسری روایت یہ ہے کہ نبی انور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت کے زمانہ کے قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو گرانے کا

---

[1] و [2] صحیح بخاری باب فضل المکۃ وبنیانہا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۱۵

حکم دیتا اور اس میں سے جو خارج کر دیا گیا ہے میں اس کو اس میں داخل کر دیتا اور اس کو زمین کے برابر کر کے دُو دروازے بناتا ایک دروازہ مشرقی اور ایک دروازہ مغربی، اور میں اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا۔ (ت)

یہ تقریر اگرچہ دعوٰی ممانعت کے اثبات سے قاصر یا سراسر غلط ہی سہی مگر شک نہیں کہ اب تکفیر قطعٌ محال کہ اس میں نفس اباحت کا کہ ضروریاتِ دین سے تھی انکار نہ ہُوا بلکہ اس میں کسی ایسی چیز کا بھی انکار نہیں جس کی وجہ سے تکفیر درکنار تضلیل ہو سکے غایت یہ کہ خطا و غلط کہئے وُہ بھی بلحاظ دعوٰی ممانعت ورنہ شبہہ نہیں کہ نظائر مذکورہ ان بلاد میں نکاحِ ثانی سے مصلحۃً احتراز کی وجہ موجہ ہو سکتی ہیں جبکہ نوبت تا وجوب و افتراض نہ ہو کما لا یخفٰی علی اولی النھٰی واللہ الھادی الی صراط سوی (جیسا کہ عقلمندوں پر مخفی نہیں ہے اور اللہ تعالٰی ہی سیدھی راہ کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔ ت)

بالجملہ تکفیرِ اہلِ قبلہ و اصحابِ کلمہ طیبہ میں جرأت وجسارت محض جہالت بلکہ سخت آفت جس میں وبالِ عظیم و نکال کا صریح اندیشہ والعیاذ باللہ رب العالمین، فرض قطعی ہے کہ اہلِ کلمہ کے ہر قول و فعل کو اگرچہ بظاہر کیسا ہی شنیع و فظیع ہو حتی الامکان کفر سے بچائیں اگر کوئی ضعیف سے ضعیف، نحیف سے نحیف تاویل پیدا ہو جس کی رُو سے حکمِ اسلام نکل سکتا ہو تو اس کی طرف جائیں اور اس کے سوا اگر ہزار احتمال جانبِ کفر جاتے ہوں خیال میں نہ لائیں۔

حدیث میں ہے حضور سید العالمین صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الاسلام یعلو ولا یعلٰی۔ اخرجہ الرویانی والدارقطنی والبیہقی والضیاء فی المختارۃ والخلیل کلھم عن عائذ بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔ اس کو رویانی، دارقطنی، بیہقی، مختارہ میں ضیاء اور خلیل نے عائذ بن عمرو مزنی رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

احتمالِ اسلام چھوڑ کر احتمالاتِ کفر کی طرف جانے والے اسلام کو مغلوب اور کفر کو غالب کرتے ہیں والعیاذ باللہ رب العالمین۔

حدیث ۲: فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم:

کفوا من اھل لا الٰہ الا اللہ لا تکفروھم

لا الٰہ الا اللہ کہنے والوں سے زبان روکو انھیں

لہ سنن الدارقطنی باب المہر نشر السنۃ ملتان ۳ / ۲۵۲

بذنب فمن اکفر اھل لا الٰہ الا اللّٰہ فھو الی الکفر اقرب[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر بسند حسن عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنھما۔

کسی گناہ پر کافر نہ کہو، لا الٰہ الا اللّٰہ کہنے والوں کو جو کافر کہے وُہ خود کفر سے نزدیک تر ہے۔ (اس کو طبرانی نے کبیر میں سندِ حسن کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ ت)

حدیث ۳: فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا الٰہ الا اللّٰہ ولا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل[2] رواہ ابوداؤد عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

تین باتیں اصل ایمان میں داخل ہیں، لا الٰہ الا اللہ کہنے والے سے باز رہنا اور اسے گناہ کے سبب کافر نہ کہا جائے اور کسی عمل پر اسلام سے خارج نہ کہیں۔ (اس کو ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت فرمایا۔ ت)

حدیث ۴: فرماتے ہیں صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

لا تکفروا احدا من اھل القبلۃ[3]۔ رواہ العقیلی عن ابی الدرداء رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہو (اس کو عقیلی نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ (ت)

الحمدُ للہ کلام اپنی نہایت کو پہنچا اور حکم مسئلہ نے من جمیع الوجوہ رنگِ ایضاح پایا **خلاصۂ مقصود** یہ کہ عوام ہند جو نکاح بیوہ کو باتباع رسم مردود عنود ننگ و عار سمجھتے ہیں اور کیسی ہی حالت حاجت و ضرورت شدیدہ ہو معاذ اللہ حرام کے مثل اس سے احتراز رکھتے ہیں بُرا کرتے ہیں اور بہت بُرا کرتے ہیں، بیجا پر ہیں اور سخت بیجا پر، خان صاحب شیخ صاحب مرزا صاحب درکنار وُہ کوئی حضرت میر صاحب ہی ہوں تو کیا ان کی بیٹیاں نہیں محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خاص جگر پاروں سیدۃ النساء بتولِ زہرا صلے اللہ تعالٰی علٰی ابیہا وعلیہا وسلم کی بطنی صاحبزادیوں سے زیادہ عزت والیاں بڑھ کر غیرت والیاں ہیں جن کے دو دو تین تین اور اس سے بھی زائد نکاح ہوئے سُبحان اللہ! ع

---

[1] المعجم الکبیر ترجمہ ۱۳۰۸۹ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۲۷۲/۱۲

[2] سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الغزو مع ائمۃ الجور آفتاب عالم پریس لاہور ۳۴۳/۱

[3] نصب الرایہ بحوالہ العقیلی فی الضعفاء باب الاحادیث فی الاقتداء المکتبۃ الاسلامیہ ریاض ۲۸/۲

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

(ان خاکی عورتوں کو ان پاکباز عورتوں سے کیا نسبت۔ ت)

مسلمانو! ذرا کلمہ پڑھنے کی شرم کرو اور اپنے آقا اپنے مولا اپنے بادشاہ عرش بارگاہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی شریعت چھوڑ کر ناپاکوں، گندوں، اینٹ پتھر کے بندوں کے قدم پر قدم نہ دھرو، ذرا غور تو کرو کس کی راہ چھوڑتے اور کس گمراہ کے پیچھے دوڑتے ہو؂

بقولِ دشمن پیمانِ دوست شکستی
بہ بیں کہ از کہ بُریدی و با کہ پیوستی

(دشمن کے کہنے پر تُو دوست کے پیمان (عہد) کو توڑتا ہے، بنظرِ غائر دیکھ تُو کس سے قطع تعلق کر رہا ہے اور کس سے تعلق جوڑ رہا ہے۔ ت)

نکاح کی چھ صورتیں اور ان کے احکام مفصلاً گزرے انھیں بغور دیکھو اور بصدقِ دل عمل میں لاؤ کہ دنیا وآخرت کے منافع پاؤ، اور اس رسمِ نیک کے طعن وتشنیع سے قطعاً باز رہو کہیں اس اندھے کنوئیں میں گر کر نورِ ایمان کو خیر باد نہ کہو، ادھر ان حضرات اہلِ تکفیر سے التماس کہ شوق سے منکر کو اُٹھایئے بُری رسم کو مٹایئے مگر ذرا اپنا بھی نفع ونقصان دیکھے بھالے، اپنا بھی دین وایمان روکے سنبھالے، یہ کیا موقع ہے اور نصیحت آپ کو فضیحت، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ کی عظمت جانو تو اہلِ لا الٰہ الا اللہ کی تکفیر سخت آفت مانو، یہاں زبان قابو میں ہے جسے چاہو کافر بتاؤ مشرک کہہ جاؤ مگر اس دن کا بھی کچھ جواب بنا رکھو جب لا الٰہ الا اللہ کو اپنے قائلوں کی طرف سے جھگڑتا دیکھو۔ اے لا الٰہ الا اللہ کے اتارنے والے! اہلِ لا الٰہ الا اللہ کو ہدایت فرما اور ہمیں لا الٰہ الا اللہ کے سچے ایمان پر دُنیا سے اٹھا آمین آمین الٰہ الحق آمین والحمدللہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سید المرسلین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

الحمدللہ کہ یہ شافی جواب خفیف جلسوں میں ۵ صفر ۱۳۱۲ھ کو تمام اور بلحاظِ تاریخ اطائب التہانی فی النکاح الثانی نام ہوا، امید کرتا ہوں کہ یہ سب مباحث رائقہ ودلائل فائقہ حصہ خاصہ خامہ فقیر اور اس مسئلہ کی توضیح اس مطلب کی تنقیح میں آپ ہی اپنی نظیر ہوں والحمدللہ اولاً وآخراً وباطناً وظاہراً والصلٰوۃ والسلام علٰی سید الانام محمد المجیب وآلہ الکرام ورداً وصدراً وسراً وجہراً والحمدللہ رب العالمین۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کتاب الطّلاق

(طلاق کا بیان)

مسئلہ ۱۱۳: از اوجین علاقہ گوالیار مرسلہ محمد یعقوب علی خاں صاحب مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۰۷ھ

چہ می فرمایند علمائے شریعت پناہ وطریقت آگاہ دریں مسئلہ کہ زوجہ مسمی زید کار فحش وناقصہ علانیہ می نماید وزوجہ عمرو برخلاف شوہر خود می باشد وکار فحش پوشیدہ می کند وایں کار زشتہ او ہم پہلوئے یقین کامل ست پس بہ تشکیک یقینی شوہر شوہر او طلاق دادن خواہد درست ست یا نہ؟ بینوا توجروا۔

علمائے شریعت وطریقت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی فحش کاری وبدکاری علانیہ کرتی ہے اور عمرو کی بیوی اپنے شوہر کے مخالف ہے اور فحش کاری خفیہ طور پر کرتی ہے اور اس کی بدکاری یقین کی حد تک ہے، پختہ ظن ہوجانے پر شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟ بیان کرو، اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

درصورت مستفسرہ طلاق باجماع درست ومباح ست زیراکہ در اباحت طلاق علماء را سہ قول ست: یکے آنکہ مطلقاً مباح ست گو بے سبب محض باشد مشی علیہ العلامۃ الغزی فی

صورت مستفسرہ میں بالاجماع طلاق درست اور مباح ہے، کیونکہ طلاق کے مباح ہونے میں علماء کے تین قول ہیں: ایک یہ کہ طلاق مطلقاً مباح ہے اگرچہ بلاوجہ دی جائے۔ علامہ غزی نے تنویر کے متن

متن التنویر و زعم شارحہ العلامۃ العلائی انہ ھو قول العلامۃ وادعی العلامۃ البحر فی البحر انہ الحق وانہ المذھب۔ دوم آنکہ جز بوجہ پیری زن یا آوارگی و بدوضعی او اباحت ندارد وھو قول ضعیف کما فی ردالمحتار سوم آنکہ اگر حاجتے باشد مباح ست ورنہ ممنوع ہمیں صحیح و مؤید بدلائل ست صححہ العلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح و انتصرلہ خاتم المحققین العلامۃ الشامی بمایتعین استفادتہ ایں جاکہ آوارگی زناں متحقق ست برسہ قول براباحت طلاق متفق آمد بلکہ چوں فسق وارتکاب چیزے از محرمات ثابت شود طلاق مستحب گردد فی الدرالمختار بل یستحب لو موذیۃ او تارکۃ صلوۃ کذا فی الغایۃ[1] وفی ردالمحتار الظاھرات ترک الفرائض غیر الصلوۃ کالصلوۃ[2] اما واجب نیست اگر شوئے وادن نخواہد ندہد فی الدرالمختار لایجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں اس کو بیان کیا ہے جس کے متعلق اس کے شارح علامہ علائی کا خیال ہے کہ علامہ غزی کا یہی موقف ہے اور علامہ بحر نے اپنی کتاب بحر میں دعوٰی کیا ہے کہ یہی حق اور یہی مذہب ہے۔ دوسرا یہ کہ بیوی کے بڑھاپے یا اس کی آوارگی یا بدوضعی کے بغیر شوہر کیلئے طلاق دینا مباح نہیں ہے، یہ ضعیف قول ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر شوہر کو طلاق کی کوئی حاجت ہے تو مباح ہے ورنہ ممنوع ہے، یہی قول صحیح اور دلائل سے مؤید ہے۔ علامہ محقق نے فتح القدیر میں اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور علامہ خاتمۃ المحققین شامی نے اس کا دفاع کیا ہے جس سے اس کی صحت مستفاد ہوتی ہے، مسئولہ صورت میں جب آوارگی پائی جاتی ہے تو تینوں اقوال پر طلاق کا مباح ہونا محقق ہے بلکہ عورت کا فسق اور کسی حرام فعل کا ارتکاب ثابت ہے تو طلاق مستحب ہے۔ درمختار میں ہے: بلکہ عورت اگر موذی ہے یا نماز کو ترک کرنے کی عادی ہے تو مستحب ہے غایہ میں اسی طرح ہے، اور ردالمحتار میں ہے کہ نماز کے علاوہ دیگر فرائض کا ترک بھی نماز کی طرح ہے، تاہم اس صورت میں طلاق دینا واجب نہیں ہے اگر خاوند طلاق نہ دینا چاہے تو نہ دے۔ درمختار میں ہے کہ فاسقہ عورت کو طلاق دینا خاوند پر واجب نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار — کتاب الطلاق — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۱۵
[2] ردالمحتار — " — داراحیاء التراث العربی بیروت — ۲/۴۱۶
[3] درمختار — فصل فی المحرمات — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۹۰

مسئلہ ۱۱۴: از کسراتون پرگنہ شکن آباد ڈاک خانہ سرساگنج مرسلہ تصدق حسین صاحب زمیندار و رئیس موضع مذکور ۶ رجب ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نابالغہ کی شادی ایک شخص سے ہُوئی جو آنکھوں سے معذور ہے، عورت کی عمر اب دس برس کی ہے، اس کے سسرال والے چاہتے ہیں کہ اسے شوہر سے طلاق دلوا کر شوہر کے چھوٹے بھائی سے اُس کا عقد کردیں اور عورت کی بڑی بہن بیوہ کا اس نابینا سے نکاح کریں، اس صورت میں چھوٹی بہن کہ بے خطا ہے کوئی شرعی جرم اس کے ذمہ نہیں، طلاق دینا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو اس کا مہر ادا کرنا پڑے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

بلاوجہ شرعی طلاق دینا اللہ تعالٰی کو سخت ناپسند و مبغوض و مکروہ ہے، حدیث میں ہے:

ابغض الحلال الی اللہ تعالٰی الطلاق[1] حلال چیزوں میں سے طلاق دینا اللہ تعالٰی کو سب سے زیادہ ناپسند ہے۔ (ت)

مگر وُہ اس کا اختیار ضرور رکھتا ہے، اگر دے گا ہوجائے گی، پھر اگر زوجہ سے ابھی خلوت یعنی بغیر کسی مانع کے تنہا یکجائی نہ کی یا زوجہ کہ ابھی دہ سالہ ہے قابلیت جماع اصلاً نہ رکھتی ہو جب تو نصف مہر دینا ہوگا اگر بندھا ہو، اور کچھ نہ بندھا ہو تو ایک پُورا جوڑا جس میں دوپٹہ، پاجامہ اور عورتوں کے چھوٹے کپڑے اور جوتا سب کچھ ہو، اور مرد و عورت دونوں کے حال کے لحاظ سے عمدہ نفیس یا کم درجہ یا متوسط ہو دینا آئے گا جس کی قیمت نہ پانچ درہم سے کم ہو نہ عورت کے نصف مہر مثل سے زیادہ ہو، اگر مرد و عورت دونوں غنی ہیں تو نفیس اور دونوں فقیر تو ادنی اور ایک فقیر دُوسرا غنی تو اوسط اور اگر یہ دہ سالہ لڑکی قابل جماع ہے اور خلوت ہوچکی تو پُورا مہر لازم ہوگا۔ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے:

تجب متعۃ لمفوضۃ وھی من زوجت بلا مھر طلقت قبل الوطء وھی درع وخمار وملحفۃ (قال فخر الاسلام ھذا فی دیارھم امافی دیارنا فیزاد علی ھذا ازار و

مفوضہ یعنی جس عورت سے مہر کے بغیر نکاح کیا ہوا اور اس کو وطی سے قبل طلاق دے دی ہو تو ایسی عورت کے لئے پُورا جوڑا لباس دینا بطور متعہ واجب ہے، اور وہ قمیص، دوپٹہ اور بڑی چادر ہے (فخر الاسلام نے فرمایا یہ ان کے علاقہ کا رواج ہے؛

---

[1] سنن ابوداؤد باب فی کراہیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

مکعب کذا فی الدرایۃ[1] قلت مقتضی ھذا ان یعتبر عرف کل بلدۃ لاھلھا فیما تکسی بہ المرأۃ عند الخروج اھ (ش) لاتزید علی نصف مہر المثل لو الزوج غنیا ولا تنقص عن خمسۃ دراھم لو فقیرا و تعتبر المتعۃ حالھما کالنفقۃ، بہ یفتی (فان کان غنیین فلہا الاعلی من الثیاب او فقیرین فالادنی او مختلفین فالوسط وما ذکرہ قول الخصاف وفی الفتح انہ الاشبہ بالفقہ قال فی البحر الارجح قول الخصاف لان الولوالجی صححہ وقال وعلیہ الفتوی کما افتوا بہ فی النفقۃ اھ ش) الکل ملخص واللہ تعالٰی اعلم۔

لیکن ہمارے ہاں اس پر تہبند اور جوتا مزید دیا جائیگا۔ میں کہتا ہوں اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ ہر علاقہ کا رواج وہاں کے لوگوں میں معتبر ہوگا یعنی جو لباس عورت باہر نکلتے وقت پہنتی ہو وہ دیا جائے گا اھ، (ش) اور وہ جوڑا قیمت میں مہر مثل کے نصف سے زائد نہ ہو اگر خاوند امیر ہو، اور اگر وہ غریب ہو تو پھر کم از کم پانچ درہم سے کم نہ ہو، اور اس جوڑے میں خاوند بیوی کی حیثیت کا اعتبار ہوگا جیسا کہ نفقہ میں دونوں کا لحاظ کیا جاتا ہے، اسی پر فتوٰی ہے پھر اگر دونوں امیر ہیں تو عورت کو اس کا اعلٰی لباس اور اگر دونوں فقیر ہوں تو ادنٰی لباس، اگر دونوں کی حیثیت مختلف ہو تو پھر درمیانہ لباس دیا جائے گا اور یہ جو خصاف کا قول ذکر کیا اور فتح نے اس کو اشبہ بالفقہ کہا ہے۔ بحر الرائق میں کہا ہے کہ خصاف کا قول ارجح ہے کیونکہ ولوالجیہ نے اس کو صحیح بتایا ہے اور کہا کہ اس پر فتوٰی ہے جیسا کہ نفقہ میں فقہاء نے یہ فتوٰی دیا ہے، اھ (ش) یہ تمام عبارت ملخص ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۱۵: از ملک بنگالہ موضع سیب پور علاقہ کملا مرسلہ انوار الدین بار اول ۱۹ شعبان ۱۳۱۸ھ و بار دوم از ڈھاکہ موضع لوگر مرسلہ مولوی حسن علی صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ طلاق حق اللہ یا حق العباد؟ بینوا توجروا۔

الجواب

طلاق کسی کا حق نہیں حق ہے وہ جس کا مطالبہ پہنچے، اور طلاق کا مطالبہ عورت کو نہیں پہنچتا، بلکہ بے وجہ شرعی مطالبہ کرے تو گنہگار ہو۔ اور اللہ عزوجل بھی طلاق طلب نہیں فرماتا بلکہ اسے ناپسند و مبغوض رکھتا ہے، تو نہ وہ حق اللہ ہے نہ حق العبد، ہاں جب مرد عورت کو وجہ شرعی پر نہ رکھ سکے مثلاً نامرد ہو تو اُس وقت شرعاً

---

[1] ردالمحتار معہ درمختار شرح تنویر الابصار باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۳۳۶/۲

اُس پر طلاق دینی لازم ہو جاتی ہے۔ قال اللہ تعالٰی:

فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف۔[1] ان کو بھلائی کرتے ہوئے روک لو، یا ان کو بھلائی کے ساتھ رخصت کردو۔ (ت)

ایسی حالت میں ضرور وہ حق العبد وحق اللہ دونوں ہو جائے گی، حق العبد تو یُوں کہ عورت کی خلاصی اسی سے متصور، اور حق اللہ یُوں کہ ہر حق العبد حق اللہ بھی ہے جس کے ادا کا وہ حکم فرماتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۲ ازملک بنگال ضلع سلہٹ ڈاک خانہ ایٹ کھولا موضع نارائن پور مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب روز عرفہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں:

سوال اوّل: کسی نے تین برس کے بعد ایک عورت کے طلاق پر گواہی دی اب شرعاً گواہ مقبول ہے یا مردود؟ اور مدت فاصلہ جو درمیان طلاق اور شہادت کے ہے مانع شہادت ہے یا نہیں؟ اور قبل اس شہادت کے تذکرہ طلاق اور عدمِ تذکرہ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا مع الدلائل (دلائل کے ساتھ بیان کرو اور اجر پاؤ۔ ت)

سوال دوم: طلاق حق اللہ ہے یا حق العباد؟ مع برہان قاطع بیّنوا توجروا۔

الجواب

طلاق بمعنی الایقاع یعنی اُس کا احداث اصلاً منجملہ حقوق نہیں،

حیث لا مطالب لا من جہۃ العبد ولا من اللہ تعالٰی بل ابغض الحلال الی اللہ الطلاق۔ کیونکہ یہاں اللہ تعالٰی اور بندے کو طلاق کا کوئی مطالبہ نہیں پہنچتا بلکہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز اللہ تعالٰی کے ہاں طلاق ہے۔ (ت)

البتہ جب ادائے حقِ زوجہ پر قادر نہ ہو جیسے عنین وغیرہ، تو طلاق حق العبد ہے حق زن کے لئے دیانۃً بھی واجب ہے اور ہر واجب دیانۃً حق اللہ سبحٰنہ تو اس حالت خاص میں طلاق حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی ہے لقولہ تعالٰی:

فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف۔[2] انھیں بھلائی کے ساتھ روک لو یا بھلائی سے رخصت کرو۔ (ت)

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۱

[2] ایضاً

اور طلاق بمعنی الوقوع یعنی بعد حدوث اُس کا ثمرہ کہ حالاً یا مآلاً تحریم فرج ہے تحقِ حق اللہ عزوجل ہے ولہذا اس پر ادائے شہادت کے لئے کسی کا مدعی ہونا ضرور نہیں یہاں تک کہ زن و مرد دونوں منکر ہوں مگر دو شاہد شرعی شہادتِ طلاق دیں حکمِ طلاق دیا جائے گا اور اُن دونوں کے انکار پر اصلاً التفات نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

یجب الاداء بلا طلب لو الشھادۃ فی حقوق اللہ تعالٰی کطلاق امرأۃ ای بائنا وعتق امۃ وتدبیرھا[1] (ملخصًا)

طلب کے بغیر ہی شہادت کی ادائیگی حقوق اللہ میں ضروری ہے جیسا کہ کسی عورت کی بائنہ طلاق اور لونڈی کی آزادی اور اس کے مدبّر کرنے کے بارے شہادت (ملخصًا)۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

وتقبل وان انکر الزوجان[2]

بائنہ طلاق کے متعلق شہادت قبول کر لی جائے گی اگرچہ خاوند بیوی انکار کریں۔ (ت)

ولہذا طلاق بائن میں اگر شاہدین جانبین جبکہ زوجین بعد طلاق بھی بروجہ ناجائز معاشرت رکھتے ہوں بلا عذر شرعی شہادت ایک مدت تک ادا نہ کریں فاسق ہو جائیں گے اور اب ان کی گواہی مردود ہوگی۔ قنیہ و اشباہ و درمختار میں ہے:

متی اخر شاھد الحسبۃ شھادتہ بلا عذر فسق فیرد[3]

اگر گواہ نے بلا وجہ حقوق اللہ میں شہادت دینے میں تاخیر کر دی تو وُہ فاسق قرار پائے گا اور اس کی شہادت مردود ہو جائے گی۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

شاھد الحسبۃ اذا اخر شھادتہ ھل المعتبر خمسۃ ایام او ستۃ اشھر فیہ خلاف ذکرہ فی القنیۃ ولم یذکرہ المصنف

اگر حقوق اللہ میں شہادت دینے میں گواہ نے تاخیر کی تو تاخیر میں پانچ دن یا چھ ماہ میں سے کیا معتبر ہے، اس میں اختلاف کو قنیہ نے ذکر کیا ہے اور مصنف نے

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰
[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " " " دار المعرفۃ بیروت ۳/۲۲۹
[3] درمختار " " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/۹۰

رحمہ اللہ تعالٰی قال بعض الفضلاء الذی یظھران ذکر خمسۃ ایام فی کلام القنیۃ لیس بقید، بل المدار علی التمکن من الشھادۃ عند القاضی ویدل علیہ ما فی الصیرفیۃ شھدا انھما کان یعیشان عیش الازواج وکان طلقھا منذ کذا لا تقبل، لانھما صارا فاسقین بتاخیرھما الشھادۃ اھ[1]

ذکر نہیں کیا۔ بعض فضلاء نے کہا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ قنیہ کا کلام از قسم پانچ دن کا ذکر کرنا کوئی قید نہیں ہے بلکہ قاضی کے ہاں پہنچ کر شہادت دینے کی قدرت کا مدار ہے۔ صیرفیہ کی یہ عبارت اس پر دال ہے کہ دو گواہوں نے شہادت دی کہ طلاق دینے کے باوجود یہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہ رہے ہیں جبکہ زوج نے طلاق اتنی مدت سے رکھی ہے تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے دونوں گواہ فاسق ہوگئے اھ (ت)

پس صورتِ مسئولہ میں اگر طلاق مغلظہ تھی یا طلاق بائن تھی اور ادائے شہادت سے کوئی عذر صحیح مانع نہ تھا اور شہادت ادا نہ کی تو گواہی مردود ہے اگرچہ ہنوز تین ہی دن ہوئے ہوں نہ کہ تین برس، اور اس سے پہلے تذکرہ وعدم تذکرۂ طلاق میں کوئی فرق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۸: از بریلی محلہ نقشبندیاں مسئولہ سید ولایت حسین صاحب ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید اور اس کی خالہ کے باہم نفاق دلی ہے اور دونوں کے مکان سکنی کا صحن ایک ہے، زید اپنی زوجہ کو ممانعت کرتا ہے کہ تو میری خالہ کے صحنِ مکان میں مت جایا کر، اور میری خالہ سے مت مل اور نہ بات کر، نہ کچھ لینے دینے کا رسوم رکھ کہ وہ میری مخالف ہے۔ اور وہ اس کی نہیں مانتی اور اس کی خالہ کے مکان میں جانا اور اس سے بات کرنا اور راہ ورسم نہیں چھوڑتی، اور جب زید اس بات پر اس سے سخت کلامی کرتا ہے تو وہ برابر سخت کلامی کرتی ہے اور اپنے ماں باپ اور خالہ سے زید کو مجبور کراتی ہے یہاں تک کہ زید کو اور اس کی والدہ کو تنگ کرتی ہے اور بے حرمتی کی باتیں کرتی ہے اور زید اس کی نافرمانی کی وجہ سے اپنی زوجہ کو طلاق شرعی دینا چاہتا ہے تو ایسی عورت نافرمان کو طلاق دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس حالت میں کہ وہ بارِ حمل سے ہو، جیسا ارشاد ہو عمل کیا جاوے۔

الجواب

حدیث صحیح میں ارشاد ہوا کہ،

عورت ٹیڑھی پسلی سے بنائی گئی ہے ٹیڑھی ہی چلے گی اور اگر تو اس سے فائدہ لینا چاہے

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر کتاب القضاء والشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۴۷

تو اسی حال پر اس سے نفع اٹھا اور سیدھی کرنا چاہے تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا توڑنا اُسے طلاق دینا ہے۔[1]

دوسری حدیث میں ارشاد ہُوا کہ:

مسلمان عورت سے اچھا برتاؤ رکھو کہ اگر تمھیں اُس کی ایک عادت ناپسند ہُوئی تو دوسری عادت پسند ہوگی۔[2]

اور اللہ عزّوجل فرماتا ہے:

عسٰی ان تکرھوا شیئا و یجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا۔[3]	قریب ہے کہ تم ایک بات کو مکروہ جانو گے اور اللہ عزّوجل اس میں بہت بھلائی رکھے گا۔

اور اگر عورت کو طلاق دے کر پھر کبھی نکاح نہ چاہے تو خیر، ورنہ کیا معلوم کہ دوسری اس سے بھی بُری ملے، اس لئے حتی الامکان عورت کے ساتھ نیک برتاؤ اور اس کی دلجوئی اور اُسے خوش کرکے اپنی اطاعت پر لانا اور اس کی کج خلقی پر صبر کرنا چاہئے، اور اصلاح ناممکن ہو تو طلاق دے سکتا ہے، مگر ایک طلاق رجعی سے زیادہ دینا گناہ ہے، فقط ایک بار اس سے کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی، پھر اگر عدت کے اندر یعنی حاملہ کے بچہ پیدا ہونے سے پہلے دل میں اُسے رکھنے کی آئی تو زبان سے کہہ دے میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا، وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی ورنہ اس سے الگ رہے، یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے اُس وقت وہ نکاح سے نکل جائے واللہ تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۱۹ تا ۱۲۰: از چھاؤنی فیروز پور مرسلہ عبدالعزیز خاں پنشنر یکم جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

بخدمت اقدس حامیِ شرعِ رسول، حاوی معقول و منقول حضرت مجدد مائۃ حاضرہ جناب مولانا صاحب دامت فیوضہم، مؤدبانہ السلام علیکم کے بعد گزارش ہے کہ طلاق بہر نہج کہ باشد عورتوں کو اس کا علم ہو یا نہ ہو واقع ہو جاتی ہے مگر اس کا ایقاع بلاوجہ موجہ ملجیہ شرعیہ نادرست اور حرام ہے۔ درمختار میں ہے:

وایقاعہ مباح عند العامۃ لاطلاق الاٰیات اکمل، وقیل قائلہ الکمال	طلاق دینا جمہور فقہاء کے نزدیک مباح ہے کیونکہ طلاق والی آیاتِ کریمہ مطلق ہیں کما ذکرہ اکمل اور بعض نے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرضاع الوصیۃ بالنساء قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۷۵

[2] ایضاً

[3] القرآن الکریم ۴/ ۱۹

الاصح حظرہ الا لحاجۃ[1] الخ۔ کما یعنی کمال الدین ابن ہمام نے کہ قولِ اصح یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر حاجت ہو تو مباح ہے الخ (ت)

معاشرتِ نساء کے بارے میں جو آیات اور احادیث وارد ہیں اُن میں بھی جانب عدم ایقاع اور حرمت مرجح معلوم ہوتی ہے بعد نکاح ایقاع وعدم ایقاع کل مختار ہے اور عدمِ ایقاع زیادہ مختار اور پسندیدہ نظرًا الی الاٰیات والاحادیث التی وردت فی المعاشرت بالنساء (اُن آیات واحادیث کے پیشِ نظر جو عورتوں سے معاشرت کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ ت) اور بعد چندسال کے اگر آپس میں شقاق واقع ہو تو پنچایت مطابق آیت والتی تخافون نشوزھن[2] (اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمھیں اندیشہ ہو۔ ت) مصالحت کی راہ سے اختیار بنابریں قرار پایا کہ میں اس عورت کو ہرگز طلاق نہ دُوں گا تا زندگی' اور اقرار نامہ لکھ دیا اور اپنے اختیارِ ایقاع طلاق کو اس معاہدہ سے باطل کردیا ہے اور بروئے اقرار نامہ کے طلاق نہیں دے سکتا کہ اس سے نقضِ معاہدہ لازم آتا ہے نقضِ معاہدہ عام ہے واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا[3] (وعدہ وفا کرو یقینًا عہد کے متعلق سوال ہوگا۔ ت) واقع ہوا بدیں لحاظ ایقاعِ طلاق بلاوجہ موجہ شرعیہ حرام اور محظور ہوگا لہذا سوال کے جواب میں طلاق دینا بلحاظ اقرار نامہ محظور وممنوع لکھنا درست اور استفتاء ثانی میں عدم وقوع طلاق عبارت عالمگیریہ سے بظاہر ثابت ہوتا ہے وُہ بھی صحیح ہے کیونکہ مسماۃ حبیب خاتون کے خاوند نے طلاق نامہ اس بناپر لکھوایا ہے کہ اُسے خرچ نہ دینا پڑے لہذا اس کا طلاق نامہ لکھوانا قابلِ سماعت نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کا بیان ہے کہ میں نفقہ نہیں دُوں گا میں اُس کو طلاق نامہ رجسٹری بذریعہ ڈاک بھیج چکا ہوں مسماۃ حبیب خاتون نے واپس کردیا مسماۃ خاتون انکاری ہے اور کہتی ہے کہ مجھے خبر تک بھی نہیں کہ مجھے طلاق دیا گیا اور طلاق نامہ میرے پاس نہیں بھیجا گیا لہذا ملتمس ہُوں کہ براہِ عنایت ونوازش قدیمانہ کے دست بستہ عرض ہے کہ آپ ہر دو استفتاء کو بعد ملاحظہ کے حقیقتِ مسئلہ سے آگاہ فرمائیں کیونکہ اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے اور جناب کی ذاتِ والاصفات پر کمال بھروسا ہے۔

سوال: جو عورت صالحہ نمازی اللہ اور رسول کی تابعدار ہے احکامِ شریعت کی پابند خاوند کی تابعدار ہر ایک حکم میں مع ہذا چار پانچ سال بعد کسی ناچاقی کے وقت میں رُوبروئے پنچایت اقرار نامہ بھی لکھ دیا جس میں شرط

---

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۵
[2] القرآن ۴/۳۴
[3] القرآن ۱۷/۳۴

ہے کہ تازندگی طلاق نہیں دُوں گا، کیا اسے اپنے اس اقرار نامہ کے رُو سے اس عورت کو طلاق دینا جائز اور درست ہے؟ اور شیر خوار لڑکی بھی اس کے پاس ہے۔

سوال متعلق سوال سابق اقرار نامہ

سائل نے یہ بھی تحریر کر دیا ہے اس اقرار نامہ کے ضمن میں کہ نان نفقہ بابت پانچ روپیہ ماہوار دیا کروں گا' خرچ نہ بھیجنے پر عورت نے حاکم کے پاس نالش کی ہے، مدعا علیہ کی طلبی ہُوئی، اس پر جواب دعوٰی کے ساتھ وکیل نے طلاق نامہ لکھوا کر پیش کر دیا ہے، یہ طلاق نامہ نان ونفقہ کے نہ لازم ہونے کے لئے پیش کیا ہے کہ میں اس کو طلاق نامہ دے چکا تھا جس سے عورت انکاری ہے، کیا یہ طلاق نامہ اس کا ایسی صورت میں معتبر ہے اور نان ونفقہ اس پر واجب نہ ہوگا؟

جواب سوالِ اوّل

شئے واحد میں حل وحظر کا دوجہت سے مجتمع ہونا کچھ بعید نہیں، طلاق فی نفسہٖ حلال ہے اور از انجا کہ شرع کو اتفاق محبوب اور افتراق مبغوض ہے، بے حاجت یا دیت محظور ہے، حدیث میں ان دونوں جہتوں کے اجتماع کی طرف صاف اشارہ فرمایا گیا:

ابغض الحلال الی اللہ الطلاق[1]۔

حلال چیزوں میں سے اللہ تعالٰی کے ہاں طلاق ناپسندیدہ ترین ہے (ت)

حلال بھی فرمایا اور مبغوض بھی، آیہ کریمہ میں مطلقاً ارشاد ہُوا:

یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن واحصوا العدۃ[2]۔

اے نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم)! جب آپ طلاق دیں تو عدت کو پیشِ نظر رکھ کر طلاق دیں اور عدت کو شمار کریں۔ (ت)

اور حدیث میں فرمایا:

---

[1] سنن ابوداؤد باب کراہیۃ الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶

[2] القرآن ۶۵/۱

لعن اللہ الذواقین والذواقات [1] ۔ | نکاح کو شغل بنانے والے مرد اور عورت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔ (ت)

اور فرمایا:

ان المختلعات ھن المنافقات [2] | خلع طلب کرنے والی عورتیں منافق ہیں (ت)

اور فرمایا:

ماحلف بالطلاق مومن ولا استحلف بہ الا منافق [3] | طلاق کی قسم دینے والا مومن نہیں اور طلاق کی قسم لینے والا صرف منافق ہے۔ (ت)

آیت کا وہ حکم اور احادیث کے یہ ارشادات انہی وجہین حِل و بغض پر ہیں، اگر عورت پر کوئی شبہہ ہو یا وُہ عاصیہ ہو یا نماز نہ پڑھتی ہو یا بُوڑھی ہوگئی ہو اور اُسے قسم بین النساء سے بچنا ہو تو ان سب صورتوں میں طلاق بلا کراہت جائز و مباح ہے بلکہ بعض صورتوں میں مستحب۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت نماز نہ پڑھے اور یہ ادائے مہر پر قادر نہ بھی ہو جب بھی طلاق دے دینی چاہئے کہ

لان یلقی اللہ ومھرھا فی عنقہ خیر لہ من ان یعاشر امرأۃ لا تصلی کما فی الخانیۃ و الغنیۃ وغیرھما [4] ۔ [و۲] | اللہ تعالیٰ کے ہاں پیشی میں بیوی کا مہر شوہر کے گلے میں پڑا ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ بے نماز عورت سے معاشرت جاری رکھے، جیسا کہ خانیہ، غنیہ وغیرہما میں ہے۔ (ت)

---

[1] مجمع الزوائد | باب من یکثر الطلاق | دار الکتاب بیروت | ۴/ ۳۳۵

[2] الترغیب والترھیب | باب ترھیب المرأۃ ان تسأل زوجہا | مصطفی البابی مصر | ۳/ ۹۴

جامع الترمذی | ابواب الطلاق | امین کمپنی کتب خانہ رشیدیہ دہلی | ۱/ ۱۴۲

[3] کنز العمال بحوالہ ابن عساکر | حدیث ۴۶۳۴۰ | موسسۃ الرسالہ بیروت | ۱۶/ ۶۸۹

[4] ردالمحتار | کتاب الطلاق | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۴۱۶

[ف۱] غالباً حدیث کے الفاظ یُوں ہیں: ان اللہ لا یحب الذواقین والذواقات۔ تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو معجم اوسط ۸/ ۳۱۳، دُرمنثور ۱/ ۲۷۸، تفسیر القرطبی ۱۸/ ۱۴۹، کشف الاستار عن زوائد البزار ۲/ ۱۹۷ ان سب کتب میں "ان اللہ لا یحب الذواقین" کے الفاظ ہیں "لعن اللہ الذواقین" کے الفاظ نہیں ملے۔ نذیر احمد

[ف۲] یہ عبارت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اصل الفاظ یُوں ہیں: "لان القی اللہ وصداقھا بذمتی خیر من ان اعاشر امرأۃ لا تصلی"۔ ملاحظہ ہو ردالمحتار کا صفحہ مذکورہ ۲/ ۴۱۶ ۔ نذیر احمد

بلکہ بعض صورتوں میں واجب ہوتی ہے، جیسے اس کو اس کے ماں باپ عورت کو طلاق دینے کا حکم دیں اور نہ دینے میں ان کی ایذا و ناراضی ہو واجب ہے کہ طلاق دے دے اگرچہ عورت کا کچھ قصور نہ ہو لان العقوق حرام والاجتناب عن الحرام واجب (کیونکہ نافرمانی حرام ہے اور حرام سے بچنا واجب ہے۔ ت) حدیث میں فرمایا:

وان امراك ان تخرج من اهلك ومالك فاخرج[1]

اگر والدین بیوی اور مال سے علیحدگی کا حکم دیں تو ایسا ہی کرو۔ (ت)

ہاں بے حاجت بلا عذر شرعی طلاق دینا مکروہ و ممنوع ہے مگر دے گا تو پڑ ضرور جائے گی کہ وہ اس کی زبان پر رکھی گئی "بیدہ عقدۃ النکاح" (نکاح کی گرہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ ت) اس کا مرتکب مکروہ بلکہ گنہگار ہونا بھی اس کے وقوع کو نہیں روکتا جیسے حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے کہ حکمِ الٰہی فطلقوھن لعدتھن[2] (عدت کو پیشِ نظر رکھ کر طلاق دو۔ ت) مگر دے گا تو ضرور ہو جائے گی اور یہ گنہگار۔ عہد نامہ کا اثر فقط اتنا ہوگا کہ بلا حاجت جو طلاق دینا مکروہ تھا اب سخت مکروہ ہوگا کہ نقضِ عہد بھی ہوگا مگر وقوع سے یہ بھی مانع نہیں ہو سکتا، دے گا تو پڑ جانے میں شبہہ نہیں اگرچہ مخالفت کا عہد بھی اس پر الزام آئے گا۔ اس عہد کا اگر حاصل یہ تھا کہ اپنے اختیار طلاق کو سلب کرتا ہے تو وہ عہد ہی مردود ہے کہ تغییر حکم شرع ہے شرع مطہر نے اس کو مالک کیا ہے اس ملک کو باطل نہیں کر سکتا۔ حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

ما بال اقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ، من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فھو رد وان کانت مائۃ شرط شرط اللہ احق واوثق[3]

قوموں کا کیا حال ہوگا کہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں، جو شخص ایسی شرط لگائے جو اللہ تعالٰی کی کتاب میں موجود نہیں یعنی اللہ تعالٰی کی پسندیدہ نہیں، تو وہ شرط مردود ہے اگرچہ ایسی سو شرطیں ہوں، صرف اللہ تعالٰی کی پسندیدہ شرط قبولیت کے لائق اور باوثوق ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

---

[1] الترغیب والترہیب من ترک الصلوٰۃ تعمدًا مصطفی البابی مصر ١/ ٣٨٣
السنن الکبرٰی، کتاب القسم النشور، دار صادر بیروت ٧/ ٣٠۴ و کنز العمال حدیث ۴۴۰۱۸ موسسۃ الرسالہ بیروت ١٦/ ۴٩
[2] القرآن ٦٥/ ١
[3] صحیح مسلم باب بیان ان الولاء لمن اعتق قدیمی کتب خانہ کراچی ١/ ۴٩۴

يقع کثیر فی کلام العوام انت طالق تحلی للخنازیر و تحرمی علیّ وافتی فی الخیریۃ بأنہ رجعی لان قولہ و تحرمی علیّ ان کان للحال فخلاف المشروع لانہا لا تحرم الا بعد انقضاء العدۃ وان کان للاستقبال فصحیح ولا ینافی الرجعۃ وکذلک افتی بالرجعی فی قولھم انت طالق لا یردک قاض ولا عالم لانہ لا یملک اخراجہ عن موضوعہ الشرعی وایدہ فی حواشیہ علی المنح بما فی الصیرفیۃ لو قال انت طالق ولا رجعۃ لی علیک فرجعیۃ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

عوام کے کلام میں کثیر الوقوع ہے کہ "تجھے طلاق ہے تُو خنزیروں پر حلال اور مجھ پر حرام ہے"، خیریہ میں فتوٰی دیا ہے کہ یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ "تُو مجھ پر حرام ہے" کہنا، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ "فی الحال مجھ پر حرام ہے" تو یہ خلافِ مشروع ہے کیونکہ طلاق کے بعد بیوی عدت ختم ہونے پر حرام ہوتی ہے اور استقبال کے لئے حرام کیا تو یہ صحیح ہے اور یہ رجوع کرنے کے خلاف نہیں، اور یُوں ہی فقہائے نے رجعی طلاق کا فتوٰی دیا ہے جب کوئی یہ کہے کہ تجھے ایسی طلاق جس پر تجھے کوئی قاضی اور عالم واپس نہ کر سکے، کیونکہ ایسا کہنے کا وُہ مجاز نہیں کہ جس سے وُہ شرعی حکم کو معطل کر دے۔ منح کے حواشی میں اس کی تائید بر صیرفیہ کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ اگر کسی نے بیوی کو کہا تجھے طلاق ہے اور مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں ہے، تو یہ طلاق رجعی ہوگی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

جواب سوال دوم

طلاق نامہ دربارہ وقوعِ طلاق ضرور معتبر ہے اُس کے کہنے سے کہ میں طلاق دے چکا ہوں، ضرور طلاق ہو جائے گی،

لانہ یملک انشاءہ فی الحال فلا ینازع فیما قال۔

کیونکہ فی الحال وُہ طلاق کا مالک ہے، تو جو اس نے کہا وہ اس کے مخالف نہیں۔ (ت)

ہاں زمانہ کی طرف اُس کی اسناد اگر کرے کہ اتنے دن ہُوئے مَیں اسے طلاق دے چکا ہُوں تو یہ مدّت نہ مانی جائے گی بلکہ اُسی وقت سے طلاق قرار پائے گی۔ درمختار میں ہے :

لو اقر بطلاقھا منذ زمان ماض فان الفتوی انھا من وقت الاقرار نفیا

اگر ماضی میں کسی وقت کی طلاق کا اقرار کیا تو مطلقاً اِس وقت اقرار سے طلاق کا فتوٰی ہے تاکہ

---

[1] ردالمحتار باب الصریح من کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۱

لتهمة المواضعة۔[1] میاں بیوی کے ناجائز سمجھوتہ کی تہمت نہ لگ سکے(ت)

مگر نفقہ مفروضہ ساقط کرنے کے لئے اس کا قول معتبر نہ ہوگا اس وقت تک کا نفقہ مفروضہ دلائیں گے اور اس وقت سے مطلقہ مانیں گے اور آج سے تمامی عدت تک کا نفقہ واجب کریں گے۔ ہاں اگر عورت بھی تسلیم کرلے کہ اتنا زمانہ ہوا طلاق ہوچکی اور عدت گزر چکی تو بے شک نفقہ لازم نہ آئے گا مگر طلاق بہرحال اس وقت سے لازم ہے۔ درمختار میں بعد عبارتِ مذکورہ ہے:

لکن ان کذبته فی الاسناد او قالت لا ادری وجبت العدة من وقت الاقرار ولها النفقة والسکنی وان صدقته فکذلك غیر انه لا نفقة ولا سکنی لقبول قولها علی نفسها خانیة[2] (ملخصًا)

لیکن اگر عورت مرد کو زمانہ کی نسبت میں جھوٹا قرار دے یا کہے کہ مجھے معلوم نہیں، تو ایسی صورت میں اقرار کے وقت سے عدت شروع ہوگی، اگر اس کو نفقہ اور رہائش دینی ہوگی، اور عورت اس کی تصدیق کرے تو پھر بھی حکم یہی ہے مگر وہ اپنی تصدیق کی وجہ سے اپنے نفقہ اور سکنٰی کے حق سے محروم ہوجائے گی (ملخصًا)(ت)

ذخیرہ امام برہان الدین محمود پھر ہندیہ میں امام خصاف رحمۃ اللہ تعالٰی سے ہے:

ولو ان رجلا قدمته امرأته الی القاضی وطالبته بالنفقة وقال الرجل للقاضی کنت طلقتها منذ سنة وانقضت عدتها وجحدت الطلاق لایقبل قوله فان شهد له شاهدان بذلك والقاضی لایعرفهما فانه یامره بالنفقة علیها فان عدلت الشهود واقرت انها حاضت ثلث حیض فی هذه السنة فلا نفقة لها علیه فان اخذت منه شیئا ردت علیه[3]۔

اگر کسی عورت نے قاضی کے ہاں کسی شخص کی پیشی کرادی اور نفقہ کا مطالبہ کیا اور مرد نے قاضی سے کہا کہ میں نے اس کو ایک سال قبل طلاق دے دی تھی اور عدت بھی گزر چکی ہے اور عورت طلاق کا انکار کرے تو قاضی مرد کی بات کو قبول نہیں کرے گا، اگر دو گواہوں جن کو قاضی نہیں جانتا نے گواہی مرد کے حق میں دی تو پھر بھی قاضی نفقہ واجب کردے گا، ہاں اگر عورت ان گواہوں کو عادل قرار دے اور تین حیض سال بھر میں گزرنے کا اقرار کرلے تو اب عورت کے لئے نفقہ نہ ہوگا پھر اگر عورت نے کچھ وصول کیا ہو تو واپس کرے گی۔(ت)

بدائع امام ملک العلماء میں ہے:

---

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۷

[2] ایضاً

[3] فتاوٰی ہندیۃ الفصل الثالث فی نفقۃ المعتدۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۵۹

لم یقبل قولہ فی ابطال نفقتہا۔[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

مرد کا قول بیوی کے نفقہ کو باطل کرنے میں قبول نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۱: از بنارس محلہ پتر کنڈہ مکان بوائن صاحبہ مرسلہ مولوی ابوالخیر سید حسن صاحب ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۲۰ھ

سیدی مولائی و ماوائی مدظلہ اللہ تعالٰی بعد السلام علیکم کے خدمت میں عرض یہ ہے کہ حضور معتمد علیہ کل ہیں لہٰذا یہ استفتاء بھیجا جاتا ہے حضور ہی کے مہر پر جواز و عدم جواز ہے اگرچہ اکثر علماء نے دستخط کیا ہے، صورت سوال یہ ہے:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید بحضور خالد بعدم موجودگی عدم تسمیہ ہندہ یعنی زوجہ خود گفت یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق میدہم یا نمی دہم ہیچ نگفتہ و بکر کہ برادر حقیقی زید ست می گوید کہ رُوبروئے من بلاتسمیہ و بلاحضور ہندہ می گفت طلاق میدہم طلاق میدہم طلاق میدہم عمرو میگوید کہ صباح نزد زید رسیدم کہ شب گزشتہ در مکان شما شور و غل بچہ سبب بود گفت من طلاق دادہ ام (بلاحضور ہندہ و بلاتسمیہ و اضافت) و ہندہ لفظ طلاق از جائے دیگر شنیدہ می گوید کہ زید یعنی شوہرم مرا طلاق دادہ است زید از وانکار می سازد۔ دریں صورت ہندہ مطلقہ خواہد شد یا نہ؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے خالد کے ہاں اپنی بیوی ہندہ کا نام لئے بغیر، بغیر اسکی موجودگی کے کہا "ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق"۔ اس نے "دیتا ہوں" یا "نہیں دیتا ہوں" کچھ نہ کہا۔ زید کا حقیقی بھائی بکر کہتا ہے کہ میرے سامنے زید نے اپنی بیوی ہندہ کی غیر موجودگی اور اس کا نام ذکر کئے بغیر کہا "میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں، میں طلاق دیتا ہوں"۔ عمرو کہتا ہے کہ صبح جب میں نے زید سے پُوچھا کہ تمھارے گھر گزشتہ رات کیا شور و غل ہو رہا تھا، اس نے کہا میں نے طلاق دی ہے۔ (یہ ہندہ کا نام اور اسکی طرف نسبت کئے بغیر اس کی غیر موجودگی میں کہا ہے) اور ہندہ نے طلاق کے متعلق کسی سے سُن کر کہا کہ زید یعنی میرے شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے، جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے، تو اس صورت میں ہندہ کو طلاق ہوئی یا نہ۔ (ت)

حضورِ والا راسخ المحققین ہیں گو کہ کبھی اس حقیر کو حضورِ والا ملازمت حاصل نہ ہوئی لیکن فیوضات نامتناہی سے مستفیض ہوتا ہے، اکثر فتوے حضور کے اس شہر میں آتے رہتے ہیں، یہ واقعہ اس خاکسار کے بالمواجہ ہُوا ہے، زید نے بلاتسمیہ و خطاب و اضافت بحالت عدم موجودگی ہندہ لفظ "طلاق" و "طلاق دیتا ہوں" کہا ہے

---

[1] بدائع الصنائع کتاب النفقۃ فصل فی سبب وجوب ہذہ النفقۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۸

اور صبح کو بوقتِ دریافتِ عمرو زید نے کہا کہ میں نے جو کہا کہ میں نے طلاق دیا ہے بلا تسمیہ و بلا اضافت بطرف زوجہ اُس کہنے سے زید کی مراد وہی لفظ طلاق ہے جو شب کو کہا تھا انشا نہیں خبر دے رہا ہے طلاق شب کی۔
زیادہ حدِ ادب!

الجواب

حکم ہر دو گونہ است حکم دیانت و حکم قضاء، دیانت آنکہ فیما بین العبد و ربہ باشد ایں جا دیگراں را دخل نیست او داند و خدائے او۔ دریں سخن اضافت بسوئے زن نیست، اگر در دل ہم قصد اضافت نہ کردہ باشد قطعاً طلاق نیست وذلك لان الطلاق لا وقوع لہ الا بالایقاع ولا ایقاع الا باحداث تعلق الطلاق بالمرأۃ ولا یتاتی ذلك الا بالاضافۃ ولو فی النیۃ، فاذا خلیا عنہ لم یکن احداث تعلق اذ لا تعلق الا بمتعلق فلم یکن ایقاعا فلم یورث وقوعا وھذا ضروری لا یرتاب فیہ، مجرد تلفظ بلفظ طلاق ہی بے اضافت بزن نہ در لفظ و نہ در قصد اگر موجب تطلیق شود ہر کسے کہ لفظ طلقت یا طلاق دادم یا می دہم بر زبان آرد زن او مطلقہ شود اگرچہ ہمیں قصد حکایت دارد و لازم آید کہ طلبہ در کتاب الطلاق ازیں گونہ صدہا

حکم دو طرح ہوتا ہے ایک دیانۃً اور دوسرا قضاءً۔ دیانۃً حکم کا معنیٰ یہ ہے کہ بندے اور اللہ تعالےٰ کے درمیان معاملہ ہے یہاں کسی دوسرے کا کوئی دخل نہیں، بندہ جانے اور اس کا خدا جانے۔ اس مسئولہ صورت میں بیوی کی طرف طلاق کی اضافت نہیں ہے اگر زید نے دل میں بھی اضافت کا قصد نہ کیا ہو تو قطعاً طلاق نہ ہوئی، کیونکہ طلاق کا وقوع بغیر واقع کرنے (ایقاع) کے نہیں ہوتا اور ایقاع اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک طلاق کا تعلق بیوی سے نہ کیا جائے اور یہ اضافت کے بغیر ممکن نہیں اس لئے اضافت ضروری ہے خواہ نیت میں ہو، تو طلاق جب اضافت لفظی یا قلبی سے خالی ہو تو طلاق کا تعلق پیدا نہ ہوگا کیونکہ تعلق بغیر متعلق نہیں ہو سکتا، اس لئے ایقاع نہ ہوگا، تو وقوع بھی نہ ہوگا، اتنی بات واضح ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر زبان پر لفظِ طلاق نسبتِ لفظی یا ارادی کے بغیر ہی طلاق دینے کا موجب قرار پائے تو لازم آئے گا کہ جو شخص بھی کسی صورت میں اپنی زبان سے لفظِ طلاق استعمال کرے اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے خواہ وہ حکایت کرتے ہوئے ہی استعمال کرے، نیز دینی طلبا، کتاب الطلاق

الفاظ می خوانند و در بحث و تکرار بار بار زبان راند زنان ہمہ سہ طلاقہ مانند ھل ھذا الابھت بحث در محیط و ہندیہ وغیرہما است لا یقع فی جنس الاضافۃ اذا لم ینو لعدم الاضافۃ الیھا[1] زید بہ نیت خود عالم ہست و عالم الضمائر والسرائر جل جلالہ از و عالم تراست اگر ارادۂ طلاق ہندہ نہ کردہ بود ہندہ ہمچناں زن اوست وفہم و قول دیگراں ہیچ زیاں نیارد آنچناں کہ محبان قصد طلاق فتوائے مفتی بعدم طلاق سود نہ دارد، واللہ علیم بذات الصدور والیہ سبحانہ ترجع الامور، و اما حکم قضاء کہ قاضی و زن باآں کار بستند پس تحقیق آں ست کہ قضاءً نیز حکم بوقوع طلاق را از تحقق اضافت ناگزیر ست، کما فی کتب المذھب لا یحصی عددھا ولا ینقطع مددھا ومن فقیر در تعلیقات خودم بر ردالمحتار بعد تحقیق آں کہ اضافت در لفظ ہر چند گونہ است تحقیق نمودہ ام کہ چوں لفظ از ہمہ وجوہ اضافت تہی باشد آنگاہ بنگرند اگر ایں جا قرینہ باشد کہ باو راجح تر ارادۂ اضافت ست قضاءً

میں اس قسم کے صدہا الفاظ پڑھنے، تکرار کرنے اور بحث کرنے میں بار بار زبان پر لاتے ہیں تو لازم آئے گا کہ ان سب کی بیویوں کو تین طلاقیں پڑجائیں، جبکہ یہ خالص جھوٹ ہے۔ محیط اور ہندیہ وغیرہما میں ہے کہ اضافت والے امور میں جب نیت نہ ہو تو بیوی کی طرف اضافت نہ ہونے پر طلاق نہ ہوگی تو موجودہ صورت میں زید اپنی نیت کو جانتا ہے اور اللہ تعالٰی عالم ضمائر و سرائر اس کی نیت کو اس سے زیادہ جاننے والا ہے، اگر ہندہ کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کیا تھا تو ہندہ بدستور اس کی بیوی ہے۔ دوسروں کا فہم یا ان کی بات اس معاملہ میں مضر نہیں ہے، جو لوگ طلاق کے خواہاں ہیں ان کو کسی مفتی کا فتوٰی عدم طلاق کار آمد نہیں ہوگا، اللہ تعالٰی دل کی باتوں کو جانتا ہے اور امور کا فیصلہ آخر اس کے پاس ہوگا۔ حکمِ قضاء میں قاضی اور عورت کا کردار ہوگا، تو اس کی تحقیق یہ ہے کہ قضاءً بھی طلاق کو واقع کرنے کے حکم کے لئے اضافت کا تحقق ضروری ہے، جیسا کہ مذہب کی کتب میں بے شمار مرتبہ مذکور ہے، اور اس فقیر نے ردالمحتار کی تعلیقات میں بحث کرتے ہوئے پہلے لفظی اضافت کی تحقیق پیش کی کہ وہ کن کن صورتوں میں ہوسکتی ہے پھر یہ تحقیق کی کہ اگر لفظ ہر طرح اضافت سے خالی ہو تو وہاں دیکھا جائے گا کہ کیا یہاں کوئی ایسا قرینہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

حکم بطلاق کنند نظرا الی الظاھر واللّٰہ یتولی السرائر اگر شوہر بہ قسم انکار ارادہ آں را کند پس او را مصدق دارند و زن را مطلقہ نانگارند لکونہ امینا فی الاخبار عن نفسہ وقد اتی بما یحتملہ کلامہ در ہندیہ از فتاوٰی می آرد رجل قال لامرأتہ اگر تو زن منی سہ طلاق مع حذف الیاء لا یقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیہا[1] ہندیہ از محیط می نگارد سئل شیخ الاسلام الفقیہ ابو نصر عن سکران قال لامرأتہ اتریدین ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیۃ اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی واخرجی من عندی وھو یزعم انہ لم یرد بہ الطلاق فالقول قولہ[2] ہمچناں در خانیہ فرمود و زاد معللا لانہ لم یضف الطلاق

موجود ہے جس سے اضافت کا ارادہ راجح طور پر معلوم ہوتا ہو تو قضاءً ظاہر قرینہ کی بناء پر طلاق کا حکم کردیا جائے گا، باطنی امور اللہ تعالٰی کے سپرد ہیں، اگر اس صورت میں خاوند قسم دے کر اضافت کے ارادے کا انکار کرتا ہو تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کی بیوی مطلقہ نہ ہوگی، کیونکہ وہ اپنے بارے میں خبر دینے میں امین متصور ہوگا جبکہ وُہ بات بھی ایسی ہی کہتا ہے جس کا کلام میں احتمال موجود ہے۔ ہندیہ میں متعدد فتووں میں کہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا اگر تو میری بیوی، تین طلاق (یائے نسبت کو محذوف کیا) تو طلاق نہ ہوگی جب یہ بتائے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی کیونکہ یائے اضافت کو حذف کردینے کی وجہ سے بیوی کی طرف اضافت کا ذکر نہ ہُوا۔ ہندیہ نے محیط سے نقل کرتے ہُوئے لکھا کہ شیخ الاسلام فقیہ ابو نصر سے کسی نے پُوچھا کہ ایک نشے والا اپنی بیوی کو کہتا ہے کہ کیا تُو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دُوں؟ بیوی نے جواب میں ہاں کہا تو نشے والے نے فارسی میں کہا اگر تُو میری بیوی، ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اُٹھ جا، نکل جا۔ اور خاوند کا گمان ہے کہ میں نے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تو اس کی بات مان لی جائیگی۔ یُوں ہی خانیہ میں ہے لیکن اس پر انھوں نے علّت

---

[1] الفتاوی الہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] " " " " " " " " " " " ۱/ ۳۸۳

الیہا[1] ، نیز در ہندیہ از ذخیرہ می سپارد
سئل نجم الدین عمن قال
لامرأتہ چوں تو روی طلاق دادہ شد
وقال لم انو الطلاق ھل
یصدق قال نعم[2] ہم در خانیہ
وبزازیہ است قال لہا لاتخرجی
الا باذنی فانی حلفت بالطلاق
فخرجت لایقع لعدم ذکرہ
حلفہ بطلاقہا و یحتمل
الحلف بطلاق غیرہا فالقول
لہ[3] ، واگر ہیچ قرینہ نیست آنگاہ
حکم طلاق اصلا نہ کنند مگر آنکہ شوہر
اقرار ارادۂ طلاق نماید در خلاصہ و
ہندیہ و وجیز و الفتروی وغیرہا
است سکران ھربت منہ
امرأتہ فتبعہا ولم یظفر
بہا فقال بالفارسیۃ بسہ طلاق
ان قال عنیت امرأتی یقع
وان لم یقل شیئا
لایقع[4] ، ولفظ مجموعہ چناں ست

بیان کرتے ہوئے یہ اضافہ کیا، کیونکہ اس نے طلاق
کی اضافت بیوی کی طرف نہ کی، نیز ہندیہ میں ذخیرہ سے
منقول لکھا، کہ، نجم الدین سے ایک ایسے شخص کے متعلق
سوال کیا گیا جس نے بیوی کو کہا جب تُو گئی تو طلاق
ہوجائے گی، اور کہتا ہے کہ میں نے بیوی کو طلاق کی
نیت نہیں کی، تو کیا اس شخص کی بات مان لی جائیگی،
تو انھوں نے جواب میں فرمایا: ہاں مان لی جائے گی۔
خانیہ اور بزازیہ میں بھی ہے، کسی نے بیوی کو کہا کہ
میری اجازت کے بغیر نہ نکلنا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم
کھائی ہے، تو اگر عورت نکل جائے طلاق نہ ہوگی،
کیونکہ اس نے بیوی کی طلاق کی قسم کو ذکر نہ کیا تو اس
میں غیر بیوی کی قسم کا احتمال ہے اس لئے اس کی بات تسلیم
کرلی جائے گی اگر وہاں قرینہ بالکل نہ ہو تو بھی
طلاق نہ ہوگی اور قاضی طلاق کا حکم نہ کرے گا، مگر
یہ کہ خاوند خود طلاق کے ارادے کا اقرار کرے۔
خلاصہ، ہندیہ، وجیز اور الفروی وغیرہا میں ہے کہ
ایک نشے والے سے اس کی بیوی فرار ہوگئی، وہ پیچھے بھاگا
اور کامیاب نہ ہونے پر اس نے کہا، تین طلاق کے
ساتھ، پس اگر وہ خاوند کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی
نیت سے کہا تو طلاق واقع ہوگی، اور اگر اس نے

---

[1] فتاوی قاضی خاں باب التعلیق مطبوعہ نولکشور ۱/۲۱۹
[2] فتاوی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵
[3] فتاوی بزازیہ علی حاشیۃ الفتاوی الہندیۃ کتاب الایمان " " ۴/۲۷۰
[4] خلاصۃ الفتاوی کتاب الطلاق الفصل الاول من جنس اخر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ جزء ۲/۷۶

فرت ولم یظفر بہا فقال ثلث طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والالا، ودر بحر الرائق لوقال طالق فقیل من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأته[1] اھ، فقد علق الوقوع علی اقرارہ انه عناھا این ست تحقیق انیق و بہ یحصل بتوفیق اللہ تعالٰی التوفیق وتمام الکلام فی غیر المقام مع توضیح المسائل وتنقیح الدلائل مذکور فیما علقنا علی رد المحتار فعلیك بہ فانك لاتجدہ فی غیرہ والحمد للہ العزیز الغفار چوں ایں معنی عالی منجلی شد حالا در مسئلہ دائرہ نظر باید پیداست کہ لفظ عاری از اضافت ست وسائل فاضل در نامہ خودش وانمودہ کہ صدور ایں کلام از زید ابتداءً بود بے مکالمہ احدے در بارۂ طلاق ہندہ حتی یتوھم وجود الاضافة فی سوال صدر ھذا جوابا له والسوال معاد فی الجواب باز آغاز اظہار سوال آنست کہ زید ہمیں یک طلاق دو طلاق سہ طلاق

کچھ نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔ اور مجموعہ الفتاوی کے الفاظ یہ ہیں: بیوی بھاگ گئی اور کامیاب نہ ہوا تو اس نے کہا، تین طلاق، اگر وہ کہے میں نے بیوی کے ارادے سے یہ الفاظ کہے ہیں تو بیوی کو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ بحر الرائق میں ہے، کسی نے کہا طالق، تو پوچھا گیا کہ تو نے کس کے ارادے سے کہا، اس نے کہا میں نے اپنی بیوی کے ارادے سے کہا ہے، تو بیوی کو طلاق ہوجائے گی اھ۔ بحر الرائق نے طلاق واقع ہونے کو اس کے اقرار سے مشروط کیا ہے کہ اس نے بیوی مراد لی ہے، یہ واضح تحقیق ہے اور اللہ تعالٰی کی توفیق سے عبارات میں موافقت ہوگئی ہے، اس کی مکمل بحث دوسری جگہ مسائل کی وضاحت اور دلائل کی چھان بین کے ساتھ ردالمحتار کے ہمارے حاشیہ میں مذکور ہے، اسی کی طرف رجوع تجھ پر لازم ہے کیونکہ دوسری جگہ ایسی تحقیق نہ پائے گا، سب تعریف اللہ تعالٰی غالب اور بخشنے والے کے لئے ہی ہے۔ جب یہ عالی شان بحث روشن ہوگئی تو اب زیر نظر مسئلہ میں غور کرنا ضروری ہے کہ یہاں لفظ اضافت سے خالی ہیں اور سائل نے اپنے خط میں خود واضح کیا ہے کہ زید سے یہ کلام ابتداءً صادر ہوا ہے جس سے قبل کوئی مذاکرہ طلاق ہندہ کسی نے نہیں کیا، تاکہ یہ شبہہ ہوسکے کہ ہندہ کے بارے میں طلاق کے سوال میں اضافت مذکور ہے جس کے جواب میں یہ کلام ہے

---

[1] بحر الرائق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۳

گفت و می دہم وغیرہ باو ہیچ نیامیخت
پس ایں صورت از وجہ دوم اعنی عدم
قرینہ مذکورہ باشد کما رأیت
النص فی قولہ بعد طلبھا
وعدم الظفر بھا سہ طلاق
او بسہ طلاق پس ایں جا قضاءً نیز حکم طلاق
راخود گنجائشے نیست لانہ ح یتوقف علی
اقرارہ و زید ھٰھنا أب عنہ
کما ذکر فی السوال، و اگر رنگ ثبوت
گیرد کہ زید طلاق می دہم گفتہ بود چناں
کہ بکر برادرش وانمود آنگاہ غایت آنکہ
ایں صورت از صور وجہ اول باشد فان
قولہ میدہم فان نفی احتمالات
اخر کانت لیسری الی ماعری
عنہ کان یقول سہ طلاق
بوید دادنی است او دادن میخواہم
او سہ طلاق را سزاوار است الی
غیر ذٰلک مما لیس من الایقاع
شیٔ فلا ینفی احتمال ارادۃ
غیرھا ولیس باصرح من قولہ
لامرأتہ لا تخرجی فانی حلفت
بالطلاق بل ولا من قولہ لھا
اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق
بل الحق ان ھذین اللفظین المنصوص
علیہما اصرح و قولہ طلاق میدہم من ن

اور جواب میں سوال کا اعادہ ہونے کی وجہ سے جواب
میں اضافت پائی گئی ہے، پھر سائل نے سوال کی
ابتداء میں ذکر کیا کہ زید نے ایک طلاق، دو طلاق،
تین طلاق بغیر ذکر "دیتا ہوں" وغیرہ کہے ہیں، تو
اس سے قرینہ نہ ہونے کی دوسری وجہ پائی گئی جیسا کہ اسکی نص
پہلے "بیوی بھاگ گئی اور کامیاب ہوا" آپ کو معلوم ہے کہ خاوند نے
"تین طلاق" یا "تین طلاق کھاتا ہے" کہا تھا (اور قرینہ
نہ ہونے کی وجہ سے طلاق نہ ہوتی تھی) لہٰذا یہاں بحکم قضاء
بھی طلاق کی گنجائش نہیں ہے، کہ اب طلاق زید کے
اقرار پر موقوف ہوئی جبکہ زید یہاں انکاری ہے جیسا کہ
سوال میں مذکور ہے اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ زید نے
"میں دیتا ہوں" کہا ہے جیسا کہ اس کا بھائی بکر کہہ رہا ہے
تو ایسی صورت میں بھی یہ ہوگا کہ زیادہ سے زیادہ اس
کو پہلی صورتوں سے ایک صورت شمار کیا جائیگا کیونکہ زید کا کہنا
"میں دیتا ہوں" اگر دوسرے احتمالات کی نفی بھی کرے
تب بھی اُن الفاظ کی طرح ہوگا جو "میدہم یعنی دیتا ہوں"
سے خالی ہیں، جیسے تین طلاق کہنا کہ اس میں "میں نے
دی"، "دینا چاہتا ہوں" یا "یہ تین طلاق کے لائق ہے"
وغیرہ احتمالات ہیں جو کہ طلاق کو واقع کرنیوالے
نہیں ہیں، لہٰذا اس سے دوسرے احتمالات کی نفی نہ ہوگی،
اور یہ لفظ بیوی کو کہنا "مت نکل" کیونکہ میں نے طلاق
کی قسم کھائی ہے بلکہ اس کو یہ کہنا "تو اگر میری بیوی
ہے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق" وغیرہ سے زیادہ
صریح نہیں ہے بلکہ حق یہ ہے کہ یہ دونوں الفاظ
"طلاق می دہم" سے زیادہ صریح ہیں، اور زید کا اپنی

ذکر جرے لامرأته هندة ولا من غيرها پس ایں جا نیز حکم طلاق علی الاطلاق نتواں کرد بلکہ اگر زید بقسم گوید کہ بایں سخن ارادۂ طلاق زنش نہ کردہ بود مصدق دارند و زن را مطلقہ نشمارند کما قدمنا النصوص علیہ ہمچناں قول او بجواب عمرو کہ طلاق دادہ ام نیز از اضافت خالی است در سوالؒ جواب ہیچ جا ذکر زن نیست پس قضاءً حکمش ہماں حکم الفاظ سابقہ است و دیانۃً ازاں ہم آساں تر است کہ طلاق دادہ ام صریح در اخبار است اگر ایں جا اضافت در نیت داشتہ باشد نیز طلاق نیفتد نیز الفاظ گزشتہ از اضافت منویہ عاری بود لانہ ح لایکون الا اخبارا کاذبا والاخبار الکاذب لایرد بہ طلاق دیانۃ کما نص علیہ فی الخیریۃ ورد المحتار وغیرہما من معتمدات الاسفار پس در صورت مستفسرہ حکم قضا آں است کہ اگر ثابت ہماں بمجرد لفظ یک طلاق دو طلاق سہ طلاق بے ضم می دہم است کما مشروح فی اول السوال آنگاہ با زید ہیچ تعرض نکنند لعدم ثبوت الطلاق اصلاً و اگر بدو شاہد عدل ثبوت نہ پزیرد کہ سہ بار طلاق میدہم گفتہ بود پس زید را سوگند دہند اگر حلف کرد کہ بایں سخن طلاقِ زن

بیوی ہندہ یا غیر کے ذکر کے بغیر "طلاق میدہم" کہنے پر بھی علی الاطلاق قاضی طلاق کا حکم نہ کرے گا، بلکہ اگر زید قسم کھاکر کہہ دے کہ میں نے بیوی کی طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا تو قاضی کو اس کی تصدیق کرنی ہوگی، اور بیوی کو مطلقہ نہ قرار دے گا، جیسا کہ ہم سابقہ نصوص میں پہلے بیان کر آئے ہیں اور یونہی زید کا عمرو کے جواب میں یہ کہنا "طلاق دادہ ام" (میں نے طلاق دی ہے) بھی اضافت سے خالی ہے، اور سوال و جواب میں کہیں بیوی کا ذکر نہیں ہے لہذا قضاءً اس کا حکم بھی سابقہ الفاظ کی طرح ہوگا، اور دیانۃً یہ لفظ پہلے الفاظ سے آسان ہیں کیونکہ "طلاق دادہ ام" صریح خبر ہے اس میں یہاں اگر اضافت کی نیت ہو تب بھی طلاق نہ پڑے گی نیز مذکورہ الفاظ نیت میں اضافت سے خالی ہونے کی بناء پر جھوٹی خبریں قرار پائیں گے جبکہ جھوٹی خبر سے طلاق کا ارادہ دیانۃً درست نہیں ہے جیسا کہ اس پر خیریہ اور ردالمحتار وغیرہما معتبر کتب میں تصریح موجود ہے۔ لہذا مسئولہ صورت میں قضاءً حکم یہ ہے کہ اگر صرف یہی الفاظ ہوں ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، ان کے ساتھ "میدہم" نہ ثابت ہو تو زید سے کسی قسم کا تعرض جائز نہ ہوگا کیونکہ طلاق کا اصلاً کوئی ثبوت نہیں، اور اگر زید نے ان الفاظ کے ساتھ "میدہم" کہا ہو تو پھر اگر دو گواہ عادل ثابت نہ کرسکیں کہ زید نے تین بار "طلاق میدہم" کہا ہے تو زید سے قسم لی جائے، اگر حلفاً کہہ دے کہ میں نے ان الفاظ سے بیوی کی طلاق

نخواستہ ام راہش گزارند و امنش دارند و اگر نکول کند بارادۂ طلاق معترف شود سہ طلاق رنگ ثبوت یابد۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اقول و باللہ التوفیق بقی بعد اشیاء فانك ان تتبعت فروع ترك الاضافة وجدتهم ، ربما يقولون لا يقع مالم يقل اردتها فهذا يدل على ان الوقوع مشروط بالقول ، وربما قالوا يقع مالم يقل اردت غيرها او لم ارد طلاقها فهذا يدل على ان عدم الوقوع هو الموقوف حتى لو لم يقل ذلك وقع وان لم يقل اردت طلاقها ، وربما تراهم يحكمون بالوقوع من دون حاجة الى النية مع ترك الاضافة حيث وجدت فی كلام المخاطب كالمرأة او غيرها و اخرى تراهم ينوون مع وجود الاضافة فی كلام المخاطب ، وربما تسمعهم يحكمون بالوقوع مطلقا من دون نية مع عدم الاضافة لا فی قوله ولا فی قول غيره ، وربما ينوون فی

مراد نہیں لی، تو زید بری ہے اور اس کو امن ہے اور اگر وہ قسم سے انکار کرے تو وہ طلاق کے ارادہ کا معترف قرار پائے گا اور اس کی بیوی کو تین طلاق ہوجائیں گی۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

اقول و باللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہے۔ت) کچھ امور باقی ہیں، کیونکہ جب آپ فقہائے کرام کی عبارات کو ترکِ اضافت کے مسائل میں غور سے تلاش کریں تو آپ ان کو کبھی یُوں پائیں گے کہ وُہ کہہ رہے ہیں کہ طلاق واقع نہ ہوگی جب تک خاوند بیوی مراد لینے کا قول نہ کرے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کا وقوع خاوند کے اس قول سے مشروط ہے، اور کبھی وُہ کہتے ہیں کہ طلاق واقع ہوگی جب تک یہ نہ کہہ دے کہ کسی اور عورت کا ارادہ کیا ہے یا میں نے بیوی کی طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر اضافت طلاق کا عدمِ وقوع اس کی مذکور وضاحت پر موقوف ہے، اگر وضاحت نہ کرے تو طلاق ہوجائے گی اگرچہ بیوی کی طلاق کا ارادہ نہ بھی ظاہر کرے۔ اور کبھی تم دیکھو گے کہ فقہائے کرام ایسی صورت میں طلاق کا حکم دیتے ہیں اور نیت کی حاجت محسوس نہیں کرتے اور اضافت بھی متروک ہوتی ہے جہاں پر کوئی بیوی یا کسی غیر سے خطاب کرتا ہو اور کبھی ان کو اضافت کے باوجود نیت کا متلاشی پاؤ گے، جبکہ مخاطب کے کلام میں اضافت پائی جائے اور کبھی آپ سُنیں گے کہ وہ اضافت نہ ہونے کے باوجود نیت نہ ہونے پر وقوعِ طلاق کا

هذه الصورة فهذه اختلافات تحیر لدیها من لم یتأمل ولم ینزل کل فرع علٰی ماینبغی ان ینزل۔

حکم لگاتے ہیں حالانکہ خاوند یا غیر کے کلام میں اضافت کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، اور بعینہٖ اسی صورت میں کبھی وُہ نیّت کی بات کرتے ہیں، تو فقہاء کرام کی عبارات میں یہ اختلافات ہیں جو غور کرنے والے اور ہر مسئلہ کو مناسب محل پر محمول نہ کرنے والے کے لئے حیرت کا باعث بنتے ہیں۔ (ت)

والذی تحصل للعبد الضعیف بتوفیق المولی اللطیف جل وعلاان الاضافة لابد منها امافی اللفظ و امافی النیة اذ لاطلاق الابالایقاع ولاایقاع الاباحداث تعلق الطلاق بالمرأة ولیس ذلك الابالاضافة وهذا ضروری لاشك فیه اذلولاه لزم الطلاق علی کل من تلفظ بلفظ طلاق او طالق ونحوهما وان لم یرد علی هذا شیئا اولم یرد طلاق امرأته وهو باطل قطعا فاشتراط الاضافة حق لامریة فیه، نعم قد توجد الاضافة فی اللفظ فلا یحتاج فی الحکم الی النیة وقد لاتوجد فی اللفظ فیحتاج الی ظهور النیة۔

اور عبدِ ضعیف کو اللہ تعالٰی لطف فرمانے والے جل وعلا کی توفیق سے جو حاصل ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بیوی کو طلاق دینے میں اضافت ضروری ہے لفظوں میں ہو خواہ وُہ نیت میں ہو، کیونکہ طلاق کا وقوع ایقاع پر موقوف ہے اور ایقاع کا وجود نہیں ہوتا تاوقتیکہ طلاق کو عورت سے متعلق نہ کیا جائے، اور یہ چیز اضافت کے بغیر نہیں ہوسکتی، یہ بات واضح اور ضروری ہے جس میں شک نہیں ہوسکتا، کیونکہ اگر طلاق کو عورت کی طرف منسوب کرنا اور اس کی طرف اضافت کرنا ضروری نہ ہو تو پھر طلاق یا طالق کا تلفظ کرنے والے ہر شخص کی بیوی کو طلاق لازم ہوجائے اگرچہ وُہ اس پر کسی چیز کا ارادہ نہ کرے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ نہ کرے تو یہ قطعًا باطل ہے ——

لہذا طلاق کے وقوع کے لئے نسبت اور اضافت کے شرط ہونے میں کوئی شک نہیں، ہاں اضافت کبھی لفظوں میں موجود ہوتی ہے تو اس وقت حکم کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی اور کبھی لفظوں میں اضافت نہیں ہوتی اس وقت نیت کو ظاہر کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ (ت)

اماوجود الاضافة فی اللفظ **فاقول** علی ثلثة انحاء، الاوّل تحققها صریحا فی کلام الزوج وهذا الذی ذکر الحلبی و الطحاوی امثلته کقوله انت طالق

(یالفظوں میں اضافت کا موجود ہونا **فاقول** (تو میں کہتا ہوں) یہ تین طرح ہوتی ہے، اوّل یہ کہ خاوند کی کلام میں صراحۃً پائی جائے وہ یہ ہے جس کی مثالیں علامہ حلبی اور طحاوی نے ذکر کی ہیں، مثلاً تو طلاق

او طلقتك او هذه او زينب او بنت زيد او
ام عمرو او اخت بكر او امرأتي طالق، الثاني
تحققها فيه لاجل كونه جوابا لكلام تحققت
فيه فتحقق في الجواب ايضا لان السوال معاد
في الجواب وهذا مافي الهندية عن الخلاصة
قالت طلاق بدست تو است، مرا طلاق كن فقال الزوج
طلاق مي كنم وكرر ثلثا طلقت ثلثا[1] اهـ.

والی ہے، میں نے تجھے طلاق دی، (بیوی کو اشارہ
کرتے ہُوئے) اس کو، نام لے کر، زینب کو، زید کی
بیٹی کو، عمرو کی ماں کو، بکر کی بہن کو، میری بیوی کو، طلاق۔
دوسری صورت، یہ کہ طلاق کے الفاظ کسی ایسی کلام کے
جواب میں ذکر کیے جائیں جس میں اضافت مذکور تھی تو
اس وجہ سے وہ اضافت جواباً طلاق کے الفاظ میں
بھی متحقق ہوگی، کیونکہ جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے
اس کی مثالیں ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہیں، مثلاً بیوی کہے "طلاق تیرے ہاتھ میں ہے مجھے طلاق دے" تو جواب
میں خاوند کہے "میں نے طلاق دی" تین دفعہ تکرار کیا تو تین طلاقیں بیوی کو پڑیں گی اھ (ت)

وفيها عن الذخيرة سئل شمس الائمة
الاوزجندي عن امرأة قالت لزوجها
لو كان الطلاق بيدي لطلقت نفسي الف
تطليقة فقال الزوج من نيز هزار دادم ولم
يقل دادم ترا قال يقع الطلاق[2] اهـ
وفيها عن العمادية زن را گفت ترا طلاق
دادم مردماں ملامت کردند، گفت دیگر دادم
نه گفت ويرا و نه گفت طلاق، قال يقع
اذا كان في العدة[3] اهـ وفيها عن
الخانية دخلت عليه ام امرأته
فقالت طلقتها ولم تحفظ
حق ابيها وعاتبته في ذلك
فقال الزوج هذه ثانية او هذه ثالثة

اور ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ شمس الائمہ اوزجندی
سے سوال ہوا کہ عورت کہے اگر طلاق میرے ہاتھ میں
ہوتی تو اپنے کو ہزار طلاق دے دیتی، اس کے جواب
میں خاوند نے کہا میں نے بھی ہزار دے دیں، یہ نہ
کہا کہ تجھے دے دیں، تو شمس الائمہ نے جواب دیا کہ
طلاق ہوجائے گی۔ اور ہندیہ میں عمادیہ سے منقول
ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی،
اس پر لوگوں نے ملامت کی، تو خاوند نے کہا میں نے
دوسری دی، اس میں نہ تو بیوی کی طرف نسبت کی اور
نہ ہی لفظِ طلاق کہا، تو شمس الائمہ نے فرمایا یہ
دوسری بھی ہوگئی اگر بیوی عدت میں ہو اھ، ہندیہ
میں خانیہ سے منقول ہے خاوند کے پاس بیوی کی ماں
داخل ہُوئی اور کہا کہ تُو نے بیوی کو طلاق دے دی تُونے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۴
[2] " " " " " " " " ۱/۳۸۳
[3] " " " " " " " " ۱/۳۸۴

تقع اخری ولو عاتبتہ ولم تذکر الطلاق فقال ہذہ المقالۃ لاتقع الزیادۃ الا بالنیۃ اھ و فی جامع الفصولین برمز فشین لفوائد شیخ الاسلام برھان الدین قال تریک طلاق فلاموہ گفت دیگر وادم یقع آخرلا نہ جواب لذلک وبناء علیہ[2] اھ قلت یعنی اذا ذکروا فی الملامۃ طلاق المرأۃ کی یکون معادا فی الجواب والالم یقع بدون نیۃ کما سمعت من الخانیۃ وانما لم یذکرہ فشین لان العادۃ ذکرما لیم علیہ فی الملامۃ کما لایخفی۔

اس کے باپ کے حق کا بھی پاس نہ کیا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے خاوند کو ملامت کررہی تھی، تو خاوند نے کہا یہ دوسری یا یہ تیسری ہے، تو یہ بھی واقع ہوجائیگی۔ اور ملامت کرتے ہوئے اگر لفظ طلاق کو ذکر نہ کیا ہو اور خاوند نے یہ الفاظ مذکورہ کہے تو بعد والی طلاق نیت کے بغیر واقع نہ ہوگی اھ۔ اور جامع الفصولین میں فشین کی رمز سے بیان کیا، فشین کا اشارہ فوائد شیخ الاسلام برہان الدین کی طرف ہے۔ خاوند نے بیوی کو کہا تجھے ایک طلاق، لوگوں نے اس کو ملامت کی، اس نے کہا اور میں نے دوسری دی، دوسری واقع ہوجائے گی کیونکہ یہ جواب کے طور اور پہلی طلاق پر مبنی ہے اھ قلت (میں کہتا ہوں) یعنی یہ تب ہے جب لوگوں نے ملامت میں عورت کی طلاق ذکر کی ہو تاکہ جواب میں اس کا اعادہ ہو ورنہ نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ آپ نے خانیہ سے سنا ہے، اس بات کو فشین نے اس لئے ذکر نہ کیا کہ عادۃً جس چیز پر ملامت کی جاتی وہ ملامت میں مذکور ہوتی ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

فانقلت الیس فی الھندیہ عن الذخیرۃ سئل نجم الدین عمن قالت لہ امرأتہ مرا برگ با تو باشیدن نیست مرا طلاق دہ فقال الزوج چوں تو روئے طلاق دادہ شد وقال لم انو الطلاق ھل یصدق قال نعم ووافقہ فی ھذا الجواب بعض الائمۃ[3] اھ وفیھا عن المحیط سئل

اگر تو اعتراض کرے کہ کیا ہندیہ میں ذخیرہ سے یہ نہیں ہے کہ نجم الدین سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کو اس کی بیوی نے کہا کہ میرا تیرے ساتھ گزارہ نہیں ہے مجھے طلاق دے، تو اس کے خاوند نے کہا تیرے منہ جیسی کو طلاق دی ہوئی ہے۔ اور پھر کہتا ہے میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو کیا اس شخص کی تصدیق کی جائے گی، تو نجم الدین نے فرمایا ہاں۔ اور بعض ائمہ نے اس بات میں نجم الدین کی موافقت

---

[1] فتاوی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق الصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۶

[2] جامع الفصولین الفصل الثانی والعشرون فی مسائل الخلع الخ اسلامی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

[3] فتاوی ہندیہ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵

نجم الاسلام الفقیہ ابونصر عن سکران قال لامرأتہ أتریدین ان اطلقك قالت نعم فقال بالفارسیۃ اگر تو زن منی یک طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی اخرجی من عندی وھو یزعم انہ لم یرد بہ الطلاق فالقول قولہ[1] اھ ومثلہ فی الخانیۃ معللاً بانہ لم یضف الطلاق الیھا[2] اھ فلم یحکموا بالوقوع مع وجود الاضافۃ فی کلامھا اما فی فرع الامام نجم الدین فظاھر۔ و اما فی فرع الفقیہ ابی نصر والخانیۃ فلان قولھا نعم کان جوابا لقولہ اتریدین ان اطلقك فکانھا قالت ارید ان تطلقنی، **قلت** و باللہ التوفیق المخاطب اذا اتی فی کلامہ بکلام اجنبی عن الجواب یخرج عن کونہ جواباً ویصیر کلاماً مبتدأ ففی المسئلتین انما کان جواب قولھا ان یقول طلاق دادہ شد او یک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق ولو اقتصر علی ھذا

کی ہے اھ اور اسی میں محیط سے مروی ہے کہ شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے ایک نشے والے کے بارے میں سوال ہُوا جس نے بیوی کو کہا کیا تُو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں؟ بیوی نے کہا ہاں چاہتی ہُوں۔ تو اس خاوند نے بالفاظ فارسی یوں کہا اگر تُو میری بیوی ہے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، میرے پاس سے اُٹھ اور نکل جا۔ اب خاوند کا خیال ہے کہ میں نے اس بات سے طلاق مراد نہیں لی، تو خاوند کی بات مقبول ہو گی اھ اور یُونہی خانیہ میں مذکور ہے اور وجہ بیان کرتے ہوئے کہا اس لئے کہ خاوند نے طلاق کو بیوی کی طرف منسوب نہیں کیا اھ تو ان مذکورہ واقعات میں ان حضرات نے طلاق واقع ہونے کا حکم نہیں کیا حالانکہ تمام میں بیوی کے کلام میں اضافت موجود ہے۔ نجم الدین کے مسئلہ میں تو ظاہر ہے لیکن فقیہ ابونصر اور خانیہ کے مسئلوں میں اس لئے کہ بیوی نے جب ہاں کہا تو یہ خاوند کی بات "کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں" کا جواب ہے تو گویا بیوی نے کہا میں چاہتی ہُوں کہ تُو مجھے طلاق دے، (لہذا ان مسائل میں بیوی کے کلام میں اضافت مذکور ہوئی اس کے باوجود کہ خاوند کے جواب میں اضافت معتبر ہے ان حضرات نے طلاق واقع ہونے کا حکم نہ دیا) **قلت** و باللہ التوفیق (میں کہتا ہوں اللہ تعالٰی کی توفیق سے) کہ مخاطب شخص اپنے کلام میں جواب سے

---

[1] الفتاوی الھندیۃ الفصل السابع الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ١/٣٨٣

[2] الفتاوی القاضیخان باب التعلیق نولکشور لکھنؤ ١/٢١٩

لحکم بالوقوع من دون الحاجۃ الی نیۃ کما کان فی الفروع المتقدمۃ التی تلونا لکنہ لما زاد قولہ چوں توروئے او قولہ اگر تو زن منی، لم یبق جوابا وصار کلامًا مبتدأ فلم تصر اضافۃ السوال الیہ وقد نص علی ھذا الاصل العلماء کما لا یخفی علی من خدم کلماتھم من ذٰلک عن الذخیرۃ قال لہ تغد معی قال واللہ لا تغدی فذھب الی بیتہ وتغدی مع اھلہ لا یحنث لان قولہ خرج جوابا لسوال المخاطب و امکن جعلہ جوابا لانہ لم یزد علی حرف الجواب بخلاف مالو قال واللہ لا تغدی معك لانہ زاد علی حرف الجواب ومع الزیادۃ علیہ لا یمکن ان یجعل جوابا[1] اھ ملخصًا۔

اجنبی کوئی بات کرے تو وُہ جواب نہیں رہتا بلکہ نیا کلام متصور ہوتا ہے، تو مذکورہ دونوں مسئلوں میں جواب صرف اتنا تھا طلاق دی گئی یا ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اگر خاوند جواب میں اتنی بات ہی کہتا تو طلاق کے واقع ہونے کا حکم ہوتا اور نیت کی ضرورت نہ ہوتی، جیسا کہ پہلے گزرے مسائل میں اس کو ہم نے بیان کیا ہے۔ لیکن جب ان دونوں مسئلوں میں خاوند نے، پہلے میں "جب تو جائے" اور دوسرے میں "اگر تو میری عورت ہو" جواب سے زائد کر دئے تو یہ بیوی کو جواب نہ ہُوا بلکہ نیا کلام بن گیا جس سے سوال والی اضافت ختم ہوگئی۔ اس قاعدہ کی علماء نے تصریح کی ہے۔ یہ بات اس شخص پر مخفی نہیں جو علماء کے کلام کا خادم ہے، اسی قاعدہ پر ذخیرہ سے منقول ہے، ایک شخص نے دوسرے کو کہا آؤ میرے ساتھ ناشتہ کرو تو دوسرے نے جواب میں کہا خدا کی قسم میں ناشتہ نہیں کروں گا، یہ کہہ کر وُہ اسی شخص کے گھر جا کر اس کے گھر والوں کے ساتھ ناشتہ کرتا ہے، تو قسم نہ ٹوٹے گی، کیونکہ اس کی قسم کا تعلق صرف اس کے جواب "نہ" تک تھا، مطلقًا ناشتہ کے انکار سے نہ تھا کیونکہ اس سوال کو جواب بنانا بھی ممکن ہے کیونکہ اس نے جواب پر کوئی حرف زیادہ نہیں کیا اس کے برخلاف اگر وہ مستقل زائد کلام کرتے ہُوئے یہ کہتا خدا کی قسم میں تجھ سے ناشتہ نہ کروں گا، تو پھر صرف جواب ہونا ممکن نہیں (لیکن یہاں صرف ناشتہ نہ کروں گا، کہا جو کہ صرف جواب کے طور پر درست ہوسکتا ہے) اھ ملخصًا (ت)

فان قلت ما الجواب عن فرع الھندیۃ عن الخلاصۃ لو قالت طلقنی فضربھا و قال لھا اینک طلاق لا یقع ولو قال اینکت طلاق یقع[2] اھ فقد کانت

اس پر اگر تیرا اعتراض ہو کہ ہندیہ میں خلاصہ سے منقول مسئلہ کے بارے میں کیا جواب ہوگا جس میں عورت نے کہا مجھے طلاق دے تو خاوند نے اس کو مارا اور کہا یہ طلاق ہے، تو طلاق نہ ہوگی، اور اگر

---

[1] ردالمحتار بحوالہ ذخیرہ کتاب الایمان داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۸۵

[2] الفتاوی الھندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

الاضافۃ موجودۃ فی السوال وھولم یزد فی الجواب شیئا حتی یجعل کلاما مبتدأ۔

یوں کہے یہ تجھے طلاق ہے، طلاق ہوجائے گی اھ، تو اس مسئلہ میں عورت کے سوال میں اضافت موجود ہے اور خاوند نے جواب میں کوئی زائد حرف ذکر نہیں کیا جس کو نیا مستقل کلام تصور کیا جائے۔ (ت)

قلت لما اخذ یضربھا بعد قولھا طلقنی اورث ذلک احتمالا فی کونہ جوابا وقال اینک طلاق می خواہی بل الظاھر من الضرب ھوالرد دون الجواب فان الجواب بمعنی اجابۃ المسئول وقبول المامول وھذا معنی قولھم یحتمل جوابا و سبا او جوابا و ردا او جوابا محضا۔ فاذا وقع الاحتمال لم یتیقن بکونہ جوابا حتی یحکم بسرایۃ اضافۃ السوال الیہ فمعنی قولہ لایقع ای مالم ینو وقولہ یقع ای وان لم ینو لوجود الاضافۃ فی نفس الکلام۔

قلت (میں کہتا ہوں) جب خاوند نے طلاق کے مطالبہ پر بیوی کو مارنا شروع کیا تو اس وجہ سے یہ احتمال پیدا ہوگیا کہ یہ جواب ہے یا جواب میں رد کی کارروائی ہے۔ تو بیوی کے سوال پر مارنا ناراضگی کے طور پر مار کر کہا تو یہ طلاق چاہتی ہے بلکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ مارنا رد ہے جواب نہیں ہے کیونکہ جواب کا معنی مسئول کا جواب دینا، اور سائل کی امید کو پورا کرنا' دونوں میں استعمال ہوتا ہے، فقہاء کے قول "یہاں جواب اور گالی' یا جواب اور رد یا محض جواب کا احتمال ہے" کا یہی مطلب ہے (یعنی جواب کے طور پر گالی یا رد یا محض جواب (سائل کی امید کو پورا کرنا ہے) تو جب خاوند کی طرف سے کارروائی میں احتمال پیدا ہوگیا تو اب محض جواب ہونے کا یقین نہ رہا تاکہ سوال میں مذکور اضافت، جواب میں پائی جائے، تو مسئلہ میں "اینک طلاق" کے ساتھ خلاصہ میں "لایقع" (طلاق واقع نہ ہوگی) کا معنی یہ ہے یعنی جب تک نیتِ طلاق نہیں ہے اور "اینک طلاق" کے ساتھ "یقع" (طلاق ہوجائے گی) کا معنی یہ ہے یعنی اگرچہ نیت نہ بھی ہو کیونکہ لفظوں میں اب اضافت موجود ہے۔ (ت)

الثالث ان لایشتمل کلامہ علی الاضافۃ ولایکون خرج مخرج الجواب لکن یکون اللفظ خصہ العرف بتطلیق امرأۃ فحیث یطلق یفھم منہ ایقاع الطلاق علی المرأۃ کقولھم الطلاق یلزمنی و

لفظی اضافت کی تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند کے کلام میں اضافت مذکور نہ ہو، اور نہ ہی اس کا کلام جواب کے طور پر ہو، لیکن عرف میں اس لفظ کو بیوی کو طلاق دینے کے لئے مختص کر دیا گیا ہو کہ جب بھی وہ لفظ بولا جائے تو اس سے بیوی کو طلاق دینا ہی سمجھا جائے۔ مثلاً کوئی کہے "طلاق مجھ پر لازم ہوگی"

الحرام یلزمنی وعلی الطلاق وعلی الحرام فانه کما قال فی رد المحتار صار فاشیا فی العرف فی استعماله فی الطلاق لایعرفون من صیغ الطلاق غیرہ ولا یحلف بہ الا الرجل فھھنا وان لم تذکر الاضافۃ لفظا لکنھا ثابتۃ عرفا والمعھود عرفا کالموجود لفظا فمن ھھنا وجدت الاضافۃ فی اللفظ وحکم بالوقوع من دون نیۃ فھذہ صور تحقق الاضافۃ فی اللفظ اما اذ خلا عنھا بوجوھھا الثلثۃ فحلا بد من وجودھا فی النیۃ فان نوی وقع والا لا وھذا ما قال فی الھندیۃ عن المحیط لایقع فی جنس الاضافۃ اذا لم ینو لعدم الاضافۃ الیھا[1] اھ ھذا فیما بینہ وبین ربہ تعالٰی۔

یا "حرام مجھ پر لازم ہوگا" یا "مجھ پر طلاق ہے" یا "مجھ پر حرام ہے" جیسا کہ ردالمحتار میں بیان ہے کہ یہ الفاظ عرف میں طلاق دینے کے لئے استعمال میں مشہور ہوچکے ہیں حتی کہ عرف والے طلاق کے لئے دوسرے الفاظ سے واقف نہیں، اور ان الفاظ کو صرف مرد ہی طلاق کی قسم کے لئے استعمال کرتے ہیں اور یہاں پر اگرچہ لفظوں میں اضافت مذکور نہیں، لیکن عرفاً اضافت ثابت ہے، اور عرفاً جو چیز معلوم ہو وہ ایسے ہی معتبر ہے جیسے لفظوں میں مذکور چیز ہوتی ہے تو یہاں اضافت پائی گئی تو وقوعِ طلاق کا حکم نیت کے بغیر کیا جائیگا یہ لفظوں میں اضافت پائے جانے کی صورتیں ہیں لیکن جب کوئی کلام ان تینوں صورتوں کی اضافت سے خالی ہو تو پھر اضافت کا نیت میں پایا جانا ضروری ہے۔ اگر نیت کرے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ ہندیہ نے محیط سے نقل میں جو یہ کہا کہ اضافت کے معاملہ میں طلاق اس وقت تک نہ ہوگی جب نیت نہ کرے کیونکہ ایسی صورت میں بیوی کی طرف اضافت نہ پائی جائے گی اھ کا مطلب یہی ہے۔ یہ نیت کا معاملہ خاوند اور اس کے رب تعالٰی کے درمیان ہے۔ یعنی دیانۃً یہ حکم ہے۔ (ت)

اما قضاء فتنقسم ھذہ الصورۃ الی قسمین الاول ان توجد ھھنا قرینۃ یستأنس بھا علی تحقق النیۃ و یکون ھو الاظھر فی المقام فح یحکم بالوقوع مالم یقل انی لم اردھا فان قالہ فلا یصدق

لیکن نیت میں اضافت کا قضاءً حکم دو قسم پر ہے: اوّل یہ ہے کہ ایسی صورت کہ جہاں کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جس سے محسوس کیا جائے کہ خاوند نے اضافت کی نیت کی ہے، اور یہ مقام کے لحاظ سے واضح ہو سکے، تو ایسے مقام پر طلاق کے وقوع کا حکم کیا جائے گا جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

الا بالیمین فان حلف صدق لکونہ امینا فی الاخبار عما فی نفسہ وقد اتی بما یحتملہ کلامہ وھذا ما قال فی الھندیۃ عن خلاصۃ الفتاوٰی رجل قال لامرأتہ اگر تو زن منی سہ طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف لم یکن مضیفا الیھا[1] اھ فان الاضافۃ وان عدمت بوجوھھا الثلثۃ لکن التعلیق علی قولہ "اگر تو زن منی" یفید تبادر ارادۃ طلاق المرأۃ فیتوقف انتفاء الوقوع علی نفیہ النیۃ ولا یتوقف الوقوع علی اقرارہ بھا، و علم منھا الفرعان المارّان عن الامام نجم الدین و عن شیخ الاسلام ابی نصر فانھما وان خرجا عن تحقق الاضافۃ لخروج الکلام عن الاجابۃ لکن الذی جری بینھما مع قولہ فی الشرط "چوں تو رُئے" و "اگر تو زن منی" یفید ما ذکرنا فلذا توقف عدم الوقوع علی ادعائہ عدم

میں نے بیوی کا ارادہ نہیں کیا اور اگر اس نے ایسا کہہ دیا تو اس سے قسم لی جائے گی اور قسم کے بغیر اس کی تصدیق نہ کی جائے گی، اگر اس نے قسم دے دی تو پھر اس کی تصدیق کر دی جائے گی اور طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اپنی نیت کے متعلق خبر دینے میں آمین تصور کیا جائے گا جبکہ اس نے کلام بھی ایسی کی ہے جس میں گنجائش ہے، یہی وہ صورت ہے جس کو ہندیہ میں خلاصۃ الفتاوٰی سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا اگر تُو میری بیوی ہے تین طلاق، نسبت کی یاء کو طلاق سے حذف کرکے کہا تو اس وقت طلاق نہ ہوگی جب وہ یہ کہے کہ میں نے بیوی کی طلاق کی نیت نہیں کی ہے، کیونکہ جب اضافت حذف ہے تو طلاق کی اضافت عورت کی طرف نہ ہوئی اھ، کیونکہ اگرچہ اضافت تینوں لفظی طریقوں سے نہ پائی گئی لیکن خاوند نے "اگر تُو میری بیوی ہے" سے تعلیق کی ہے جس سے فہم میں یہی آتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق کہی ہے، اس لئے طلاق کا عدمِ وقوع خاوند کی وضاحت پر موقوف ہوگا کہ میں نے نیت نہیں کی، لیکن اس مسئلہ میں طلاق کا وقوع خاوند کے اقرارِ نیت پر موقوف نہ ہوگا (بلکہ نفی نہ ہونے پر خود بخود طلاق واقع ہوجائے گی) تو اس بحث سے امام نجم الدین اور شیخ الاسلام ابونصر کے مذکورہ دونوں مسئلے واضح معلوم ہوگئے، کیونکہ یہ دونوں مسئلے اگرچہ اضافت سے خالی ہیں اس لئے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

النیة ومنه فرع البزازیة والخانیة
قال لها لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت
بالطلاق فخرجت لا یقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها
ویحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1] اھ و
ذلك كما افاد الشامی ان العادة ان من له امرأة
انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها فقوله انی
حلفت بالطلاق ینصرف الیها ما لم یرد غیرها
لانه یحتمله کلامه[2] اھ ومنه فرع القنیة عن
الامام برهان الدین محمود صاحب المحیط
رجل دعته جماعة الی شرب الخمر فقال
انی حلفت بالطلاق انی لا اشرب وکان کاذبا
فیه ثم شرب طلقت وقال صاحب التحفة
لا یطلق دیانة[3] اھ فقول البزازیة لا یقع
دیانة ان لم ینو وقضاءً ایضا ان قال
لم انو بدلیل قوله فالقول له، وقول البرهان
طلقت ای قضاءً ما لم یقل انی لم اردها کما
قال الشامی انه یمکن حمله علی ما اذا لم یقل
انی اردت الحلف بطلاق غیرها فلا یخالف
ما فی البزازیة[4] اھ وقول صاحب التحفة لا یطلق

یہ دونوں جواب میں نہیں ہیں، لیکن خاوند و بیوی میں جو
گفتگو ہے اس میں خاوند نے شرط کے الفاظ کہے
"تیرے منہ جیسی کو" اور دوسرے میں "اگر تو میری
بیوی ہے" یہ گفتگو ہمارے بیان کے مطابق
فائدہ دے رہی ہے، اسی لئے ان میں طلاق نہ ہونا
خاوند کی طرف سے نیت نہ ہونے کے بیان پر موقوف
ہوگا، اور اسی قبیل سے بزازیہ اور خانیہ کے بیان کردہ
دونوں مسئلے ہیں کہ خاوند نے بیوی سے کہا کہ "میری
اجازت کے بغیر باہر مت جانا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم
کھائی ہے" بیوی باہر نکل گئی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ خاوند
نے قسم میں بیوی کی طلاق کو ذکر نہیں کیا جس کی وجہ سے
کسی اور عورت کی طلاق کا احتمال ہوسکتا ہے تو اس
لئے خاوند کی بات قابل قبول ہوگی اھ اس کو علامہ شامی
نے یوں بیان کیا ہے کہ عادۃ یہ ہے کہ جس کی بیوی ہو وہ اپنی
بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا ہے نہ کہ غیر کی طلاق کے لئے،
اس لئے خاوند کا کہنا کہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے،
بیوی کی طرف ہی منسوب ہوگی تاوقتیکہ غیر بیوی کو
مراد لینا بیان نہ کرے، کیونکہ بیوی کا ذکر نہ ہونے کی
وجہ سے غیر کا بھی احتمال ہے اھ اسی ضابطہ کے تحت

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی حاشیۃ الفتاوی الہندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰
[2] ردالمحتار باب الصریح کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰
[3] القنیۃ کتاب الایمان المطبعۃ المشہرۃ النہانندیۃ ص ۱۱۵
ردالمحتار بحوالہ القنیۃ کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۹
[4] " " " " " " " " " " " ۲/ ۴۳۰

دیانة ظاهر لان الاخبار انما کان کاذبا اما قولی انما یصدق بالیمین فلما صرحوا به من انه حیث یکون القول له فانما یصدق بالیمین کما صرح به فی التبیین وغیرہ۔

قنیہ میں ذکر کردہ امام برہان الدین محمود صاحبِ محیط کا بیان کردہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص کو چند لوگوں نے شراب پینے کی دعوت دی تو اس نے جواب میں کہا کہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے اس لئے میں شراب نہیں پیوں گا حالانکہ وہ اس میں جھوٹا تھا پھر اس نے شراب پی لی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائیگی، جبکہ صاحبِ تحفہ نے کہا کہ دیانةً طلاق نہ ہوگی اھ۔ ان مذکورہ تینوں حضرات کے مسائل میں بزازیہ کا یہ کہنا کہ "نہ واقع ہوگی" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نیت نہ کی ہو تو دیانةً نہ ہوگی، اور اس نے اپنے بیان میں کہہ دیا کہ میں نے بیوی کی نیت نہیں کی تو قضاءً بھی نہ ہوگی اسی لئے بزازیہ والے نے کہا کہ خاوند کی بات قابلِ قبول ہوگی، اور قنیہ میں امام برہان الدین کا قول کہ "طلاق ہوگی" کا مطلب ہے قضاءً ہوگی جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کا ارادہ نہیں کیا، علامہ شامی نے فرمایا کہ اس بات کو اس صورت پر محمول کیا جائے گا کہ جب تک خاوند یہ نہ کہہ دے کہ میں نے کسی دوسری عورت کی طلاق کی قسم کھائی ہے، لہٰذا یہ صورت بزازیہ کی بیان کردہ صورت کے مخالف نہ ہوگی اھ اور یہاں صاحبِ تحفہ کا کہنا کہ دیانةً نہ ہوگی، تو یہ ظاہر ہے کیونکہ خاوند کی قسم والی خبر جھوٹی ہے۔ باقی میرا یہ کہنا کہ خاوند کی تصدیق اس کے حلف پر کی جائے گی کیونکہ فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے جہاں وہ کہتے ہیں کہ خاوند کی تصدیق کی جائے گی وہاں وہ قسم لے کر تصدیق مراد لیتے ہیں جس کی تصریح تبیین وغیرہ میں موجود ہے۔ (ت)

الثانی ان لاتکون ھنا قرینة ذلك وح یتوقف الوقوع علی اخبارہ بالنیة فان اقر وقع والا لا اذ لاسبیل الی الحکم بالوقوع بالشك وھذا ما قال فی الھندیة عن الخلاصة سکران ھربت منه امرأته فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال

دوسری قسم یہ ہے کہ وہاں یہ قرینہ نہ پایا جائے، تو وہاں طلاق کا واقع ہونا خاوند کے اس بیان پر موقوف ہوگا کہ میں نے بیوی کی نیت کی ہے لہٰذا وہاں نیت میں بیوی مراد لینے کا اقرار ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، کیونکہ محض شک کی بنا پر طلاق کے حکم کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ اس قسم کی صورت وہ ہے جس کو ہندیہ نے خلاصہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ کسی نشے والے کی بیوی بھاگ گئی تو اس نے تعاقب کیا

ل ردالمحتار کتاب الطلاق باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۰

عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع[1] وفی مجموعۃ النقروی عن البزازیۃ فرّت ولم یظفر بہا فقال سہ طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والا لا[2] اھ وقال فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ[3] اھ فقد علق الوقوع علی اقرارہ انہ عنی امرأتہ۔

اور وُہ کامیاب نہ ہُوا تو اس نے کہا فارسی میں "سہ طلاق" (تین طلاق کے ساتھ) تو اس صورت میں اگر وُہ نشے والا کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی مراد لے کر کہا ہے تو طلاق ہوگی اور اگر کچھ بھی بیان نہ کیا تو طلاق نہ ہوگی اھ اور یوں ہی مجموعہ النقرویہ میں بزازیہ سے منقول ہے کہ بیوی بھاگی اور وُہ کامیاب نہ ہوا تو کہہ دیا "تین طلاق"، اس پر خاوند نشے والا یہ کہے کہ میں نے بیوی کے ارادے سے کہا ہے تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں[1]۔ اور بحر میں ہے کہ ایک شخص نے "طلاق" کہا، پُوچھا گیا تُو نے کس کو کہا ہے؟ تو اس نے کہا اپنی بیوی کو، تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی، یہاں پر انھوں نے طلاق کے وقوع کو اقرار سے معلق کیا ہے کہ وُہ یہ کہے کہ میں نے بیوی مراد لی ہے۔ (ت)

فان قلت ما الفرق بین ھذہ الفروع وبین قولہ حلفت بالطلاق فان الرجل کما لایحلف عادۃ الا بطلاق امرأتہا کذٰلک لایقول سہ طلاق او طالق الالہا فکان ینبغی الوقوع مالم یقل لم اعنہا **قلت** الفرق بین فان ارادۃ الحلف بالطلاق متحققۃ بصریح قولہ حلفت، فیحمل علی الظاھر المعتاد مالم یصرف

فان قلت (اگر اعتراض ہو کہ) ان مذکورہ مسائل جن میں وقوعِ طلاق کے لئے تصریح ضروری ہے اور اس مسئلہ میں کہ جب کوئی شخص یہ کہے کہ "میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" میں کیا فرق ہے کہ جس طرح کوئی شخص اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا کسی دوسری عورت کی طلاق کی نہیں، یونہی کوئی بھی "تین طلاق" یا "طالق" بھی اپنی بیوی کے لئے ہی استعمال کرتا ہے مناسب تھا کہ وقوع ہی مراد ہو جب تک وُہ یہ نہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی مراد نہیں لی (پھر کیا وجہ کہ حلف والی صورت میں طلاق ہونا ظاہر ہے اور دوسری یعنی سہ طلاق یا صرف طالق والی صورت میں طلاق نہ ہونا ظاہر ہے)

---

[1] فتاوی ہندیہ — الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ — نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] فتاوی النقروی — مایقع بہ الطلاق ومالایقع بہ — دارالاشاعت العربیہ قندھار ۱/۷۴

[3] بحر الرائق — باب الطلاق — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۳

اما ھٰھنا فارادۃ الایقاع غیر متحققۃ و لعل فی نفسہ سہ طلاق دادنش با یرادسہ طلاق راسزاوارست و اما من ھو جالس فی بیتہ فابتدأ یتلفظ بلفظ طلاق فکیف یجوز الحکم بانہ اراد بہ ایقاع الطلاق علی امرأتہ ولیس فی حال ولا قال دلیل علیہ فوجب التوقیف علی اخبارہ عما فی نفسہ ھذا کلہ ما فاض علی قلب العبد الذلیل من بحار فیوض الرب الجلیل فقد التأمت الفروع جمیعا وارتفع الاضطراب ونزل کل فرع منزلہ من الصواب والحمد للہ رب العالمین۔

قلت (میں کہتا ہوں کہ) فرق واضح ہے کیونکہ پہلی صورت "میں نے قسم کھائی ہے طلاق کی" میں تصریح ہے، میں نے قسم کھائی، تو اس کو عام فہم معنیٰ پر محمول کیا جائے گا جب تک کوئی مخالف وضاحت نہ پائی جائے، اور یہاں یعنی تین طلاق یا "طلاق" کی صورت میں طلاق کو واقع کرنے کا ارادہ متحقق نہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کو تین طلاق دینے سے اس کی مراد یہ ہو کہ تین طلاق دینے کے قابل ہے، لیکن ایک شخص گھر بیٹھے صرف لفظ "طلاق" سے بات کی ابتداء کرتا ہے اور طلاق کو واقع کرنے کا کوئی حال یا کوئی بات قرینہ نہ ہو جو دلیل بن سکے تو بلاوجہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا ہے اس لئے ایسی صورت میں اپنے دل کی بات واضح کرنے پر حکم موقوف رہے گا۔ یہ تمام بحث بندۂ ناچیز کے دل پر رب جلیل کے فیوضات کے سمندر سے وارد ہوئی ہے، تو اس سے تمام صورتیں آپس میں موافق ہوگئیں اور اضطراب ختم ہوگیا، اور ہر مسئلہ اپنے صحیح مقام پر منطبق ہوگیا، الحمد للہ رب العالمین۔ (ت)

نعم بقی ھھنا فرع فی الھندیۃ عن الخلاصۃ لوقالت گراں بخریدی لعیب بازدہ فقال لعیب بازدادمت ونوی یقع بہ الطلاق ولو قال بعیب باردادم بغیر التاء لا یقع وان نوی[1] اھ فان الفصل الاخیر منہ من القسم الاخیر الذی ذکرنا فکان ینبغی علی ما اصلنا لا یقع دیانۃ مالم ینو ولا قضاء

ہاں یہاں ہندیہ کا خلاصہ سے منقول ایک مسئلہ رہ گیا ہے کہ اگر بیوی نے خاوند کو کہا کہ تونے گراں خریدا ہے عیب کی وجہ سے واپس کرئے، تو جواب میں خاوند نے کہا عیب کی بنا پر میں نے تجھے واپس کیا، طلاق کی نیت سے کہا تو خاوند کے اس قول سے طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر خاوند نے جواب میں صرف یہ کہا میں نے عیب کی بنا پر واپس کیا، بیوی کو خطاب کے بغیر کہا، تو طلاق کی نیت کی ہو تو بھی طلاق نہ ہوگی اھ، یقیناً اس مسئلہ میں جواب

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

مالم یخبر عن نیة الطلاق لان
لا یقع وان نوی فانه یفید انه بدون
التاء لیس من الفاظ الطلاق اصلا
کقوله لا حاجة لی فیك ولا رغبة
اولا اشتهیك وامثال ذلك وهو کما
تری مشکل فلعل المعنی ان اللفظ
من الکنایات وهو مع التاء ایضا
محتاج الی النیة کما لا یخفی
فاذا عدم التاء احتاج نیتین
نیة الطلاق ونیة الاضافة ولا شك
ان احدهما لا تکفی ، فقوله قال
لعیب بازدادمت ونوی ، لیس معناه
الا نیة الطلاق المحتاج
الیها لاجل کون اللفظ من
الکنایات فهی المرادة ایضا
من قرینة اعنی قوله فی
الفصل الاخیر وان نوی
ای لو قال بغیر التاء لا یقع
وان نوی باللفظ الطلاق
لخلوه عن الاضافة فیحتاج
بعد الی شئ اٰخر وهی نیة
الاضافة فافهم وتأمل
لعل الله یحدث بعد ذلك
امرا۔ هذا وبما تقرر تحرر
ان لا اعتراض علی الفاضل

کی دُوسری صورت ہمارے پہلے ذکر کردہ آخری مسئلہ
کی صورت سے متعلق ہے تو ہمارے بیان کردہ ضابطہ
کے تحت جب تک نیت نہ کریگا دیانۃً طلاق نہ ہوگی اور قضاءً
بھی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک طلاق کی نیت سے مطلع نہ کرے
اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ خطاب کے بغیر نیت کے
باوجود، طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس سے تو لازم آئے گا
کہ خطاب کے بغیر "عیب کی بنا پر واپس کیا" یہ الفاظ
طلاق میں سے ہی نہ ہوا جیسے "تیری مجھے حاجت نہیں"
اور رغبت نہیں یا تجھ سے شوق نہیں رکھتا وغیرہ
الفاظ طلاق کے لئے نہیں ہیں، حالانکہ آپ جانتے ہیں
کہ یہ بات مشکل ہے۔ تو اس کا حل یُوں ممکن ہے کہ
"تجھے عیب کی بنا پر واپس کیا" بیوی کے جواب میں خطاب
کرکے کہا ہو تو ایسا کنایہ ہے جس میں ایک نیت کی
ضرورت ہے اور اگر بغیر خطاب کہا تو دو نیتوں کی ضرورت
ہے، ایک نیتِ طلاق اور دوسری نیتِ اضافت،
اور یہ بات واضح ہے کہ ایسی صورت میں ایک نیت
کافی نہیں، تو خاوند کا یہ کہنا "میں نے تجھے عیب کی بنا
پر واپس کیا" اور نیت کی تو وُہ طلاق کی نیت
ہوگی جس کی ضرورت تھی کیونکہ یہ لفظ، طلاق سے کنایہ
ہے تو نیت سے مراد، طلاق کی نیت ہے نیز اس
کا قرینہ یہ بھی ہے کہ مسئلہ کی دوسری صورت یعنی
بغیر خطاب کہا ہو تو وہاں یہ کہا گیا ہے طلاق واقع
نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو، کیونکہ خطاب کے بغیر
یہ صورت اضافت سے خالی ہے لہذا اس کے بعد ایک
دوسری شئی کی احتیاج ہوگی اور وہ اضافت کی نیت
ہے (یعنی نیتِ اضافت کا محتاج ہوگا) پس

الشارح ولا على العلامة البحر رحمة الله
عليه فانهما اتيا بعين ما في الوجيز والخانية
فانهما ايضا نصا على عدم الوقوع وعللا بترك
الاضافة فكما وجب حمل كلامهما على ما تقدم
كذالك يحمل عليه كلام هذين الفاضلين
بيد ان الامامين اتيا بعده بما اوضح المراد
من قولهما ان القول قوله والفاضلين اقتصرا
على ذلك فبقى كلامهما على الايهام، وليس في
كلامهما ان الاضافة الصريحة اللفظية شرط
للوقوع حتى يتوجه عليه بقية كلام الفاضل
المحشي رحمه الله تعالى نعم علل الفاضلان
الشارحان الحلبي والطحاوي بان الاضافة
شرط ولم توجد فقولهما الاضافة شرط
حق في نفسه كما قررنا ولكن لا يصح الجزم
بعدم الوجدان فان الشرط مطلق الاضافة
نصا اوعرفا اوجوابا والمفقود جزما هي
الاضافة اللفظية المنصوصة وليست بشرط
فالاخذ ان كان فعلى المحشيين دون الفاضلين
العلامتين ـ اللهم الا في ترك الايضاح كما
علمت، هكذا ينبغي تحقيق المقام والله
ولي الفضل والانعام ۱۲ـ

سمجھو اور غور کرو، ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے
بعد کوئی سبیل پیدا فرمادے، اسے مضبوط رکھو۔
اس تقریر سے واضح ہوگیا کہ فاضل شارح اور فاضل
علامہ بحر رحمہما اللہ تعالیٰ پر کوئی اعتراض نہیں، کیونکہ
انھوں نے وہی کچھ کہا جو وجیز اور خانیہ میں بیان
کیا گیا ہے، کیونکہ ان (وجیز و خانیہ) دونوں نے
مذکورہ صورت میں طلاق نہ واقع ہونے کی تصریح کی
اور اس کی وجہ ترکِ اضافت کو قرار دیا، تو جس طرح
وجیز اور خانیہ کی عبارت کو مذکورہ معنیٰ پر محمول کرنا ضروری
ہوا یونہی ان دونوں فاضل حضرات شارح و بحر
کے کلام کو اسی معنیٰ پر محمول کرنا ضروری ہے، صرف اتنا
ہوا کہ دونوں اماموں وجیز و خانیہ نے اس کے بعد
اپنی مراد کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ خاوند کی بات معتبر

ہوگی، جبکہ دونوں فاضل حضرات نے عدمِ وقوع طلاق
کے ذکر پر اکتفا کیا جس کی بناء پر ان کی کلام میں احتمال
کی گنجائش رہ گئی حالانکہ ان دونوں حضرات کے کسی
کلام میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اضافت کا لفظوں میں
صریح طور پر مذکور ہونا وقوعِ طلاق کے لئے ضروری ہے
تاکہ بقیہ کلامِ فاضل محشی سے اس پر اعتراض ہوسکے
ہاں، فاضل حلبی اور فاضل طحاوی دونوں حضرات نے
شرح میں یہ وجہ بیان کی ہے کہ اضافت شرط ہے
جو یہاں موجود نہیں ہے تو ان دونوں حضرات کا یہ کہنا بجا ہے کہ اضافت شرط ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے،
لیکن ان کا یہ کہنا کہ یقیناً یہاں اضافت نہیں پائی گئی، یہ درست نہیں کیونکہ اضافت کا پایا جانا شرط ہے خواہ بطور
نص ہو، یا عرف یا جواب کے طور پر ہو، اضافت کے صرف صراحتاً لفظی طور پر مفقود ہونے پر شرط کے مفقود ہونے کا قول
نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ صرف لفظی طور پر مذکور ہونا شرط نہیں ہے۔ غرضیکہ اگر مواخذہ ہو بھی تو دونوں محشی حضرات پر ہوگا

نزکرفاضلین شارح وتحریر۔ ہاں ان پر وضاحت نہ کرنے کا اعتراض ہوگا، جیسا کہ آپ کو معلوم ہُوا، اس مقام کی تحقیق یُوں مناسب ہوگی جبکہ اللہ تعالٰی ہی فضل و انعام کا مالک ہے۔ (ت) [یہاں سے غیر مربوط عبارت کو خارج کردیا گیا ہے]

مسئلہ ۱۲۲ از رآمہ تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شعبان ۱۳۳۹ھ

شمس العلماء رئیس الفضلائے خان خاناں جناب احمد رضا خاں صاحب دام لطفہٗ السلام علیکم!
اگر بے اضافت طلاق دی جائے تو کیا حکم ہوگا واقع ہوگی یا نہ؟ قاضی خاں مجتہد المسائل سے ہے اور شامی ناقلوں سے ہے ان کے مابین اختلاف ہو تو کس پر حکم دیا جائے؟

الجواب

طلاق بے اضافت میں جبکہ ایقاع مفاد ہو اُس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، اگر بحلف کہہ دے گا کہ زوجہ کو طلاق مقصود نہ تھی مان لیں گے، یہی مفادِ قاضی خاں ہے اور یہی شامی نے تحقیق کیا، اُن میں تخالف نہیں، خانیہ میں فالقول قولہ صراحۃ (خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ ت) اسی پر دال ہے وتمام تحقیقہ فی رسالتنا فی الباب (اس کی مکمل تحقیق اس مسئلہ سے متعلق ہمارے ایک رسالہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۳ (سوال منقول نہیں)

(۱) اجمالی جواب بذریعہ تاربرقی

اگر طلاق کی نیت تھی تین طلاقیں ہوگئیں۔

(۲) تفصیلی جواب بذریعہ ڈاک

جبکہ زید کے کلام میں عورت کی طرف طلاق کی نسبت اصلاً نہ تھی کہ تجھ کو یا فلاں عورت یا اپنی زوجہ یا دخترِ فلاں کو طلاق ایک، دو، تین، نہ دینے ہی کا کوئی ذکر زبان پر آیا کہ طلاق ایک دو تین دی یا ہُوئی جس کے باعث بحسب ظاہر زوجہ ہی کو طلاق دینا مفہوم ہوتا، نہ عورت ہی کے کلام میں ایسے الفاظ تھے جن کے جواب میں زید کے یہ لفظ بظاہر اس پر ایقاع طلاق سمجھے جاتے، مثلاً وہ کہتی میں طلاق چاہتی ہوں مجھے طلاق دے' بلکہ عورت کی طرف سے سکوت محض تھا، تو جس طرح خود یہ الفاظ محض ناصاف و محتمل ہیں ممکن کہ یہ مراد ہو کہ طلاق ایک دو تین میں نے تجھے دیں، ممکن کہ یہ مقصود ہو کہ طلاق ایک دو تین کتنی چاہتی ہے جس کے باعث عنداللہ یہاں مدار نیتِ شوہر پر ہُوا، اگر ان الفاظ کے کہنے میں طلاق کی نیت تھی تین طلاقیں ہوگئیں ورنہ

کچھ نہیں، اسی طرح بوجہ عدم ظہور مراد عندالناس بھی بیانِ شوہر کی طرف رجوع ضرور، اگر وہ اقرار کرے کہ یہ لفظ میں نے بقصد طلاق کہے تھے تین طلاقوں کا حکم دیا جائے گا اور بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکے گا۔ اس صورت میں عورت کو عدت گزرنے پر اختیار ہوگا جس سے چاہے نکاح کرلے، ورنہ شک و احتمال کے سبب اس پر حکم طلاق نہیں ہوسکتا، نہ عورت دُوسرے سے نکاح کرسکتی ہے وُہ بدستور شوہر کی زوجیت میں سمجھی جائے گی فان الیقین لایزول بالشك (کیونکہ یقین، شک سے زائل نہیں ہوتا۔ ت) اگر واقع میں اس نے نیت کی اور اس نے ظاہر نہ کی تو اس کا وبال اور اپنے اور عورت دونوں کے زنا کا عذاب شوہر پر ہوگا عورت پر الزام نہیں کہ دلوں کا مالک اللہ ہے جل وعلا۔

لاتزر وازرة وزر اخرٰی[1] (کوئی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ ت)

عورت اپنے آپ کو مطلقہ نہیں سمجھ سکتی اگر دوسرے سے نکاح کرے گی حرامکار ٹھہرے گی فانها مکلفة بالظاهر والله تعالٰی یتولی السرائر (کیونکہ وہ عورت ظاہر حکم کی مکلّف ہے رازوں کا اللہ تعالٰی ہی حاکم ہے۔ ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے:

لایقع فی جنس الاضافة اذا لم ینو لعدم الاضافة الیها[2]

اضافت والے معاملہ میں طلاق نہ ہوگی جب تک اضافت کی نیت نہ کی ہو کیونکہ بیوی کی طرف اضافت نہ ہوئی۔ (ت)

اُسی میں خلاصہ سے ہے:

سکران هربت منه امرأته فتبعها ولم یظفر بها فقال بالفارسیة لبسه طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع[3]

نشے والے کی بیوی بھاگی تو اس نے تعاقب کیا، ناکامی پر کہا، تین طلاق پر۔ اگر خاوند نے کہا کہ میری مراد میری بیوی ہے، تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر کچھ نہ بتایا تو نہ ہوگی۔ (ت)

الفرویہ میں بزازیہ سے ہے:

فرت ولم یظفر بها فقال سه طلاق

بیوی بھاگی تو خاوند نے ناکامی پر کہا: تین طلاق،

---

[1] القرآن ۶/ ۱۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[3] ایضاً

ان قال اردت امرأتی یقع والا لا[1]

اگر خاوند نے کہا کہ میری مراد میری بیوی تھی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

لوقال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ[2]

اگر خاوند نے کہا "طالق"۔ اس سے پوچھا گیا کہ تیری کیا مراد ہے، جواب دیا کہ میری بیوی مراد ہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

عالمگیریہ میں خلاصہ سے ہے:

قالت طلقنی فضربہا وقال لہا اینک طلاق لایقع ولوقال اینکت طلاق یقع[3]

بیوی نے کہا: "مجھے طلاق دے"، تو خاوند نے اس کو پیٹ دیا اور کہا "یہ طلاق ہے" تو طلاق نہ ہوگی، اور اگر کہا "یہ تجھے طلاق ہے"، تو طلاق ہوجائیگی (ت)

اس بیان سے واضح ہوگیا کہ دوسرے عالم کا جواب تو محض باطل وناصواب تھا بحالِ نیت تین طلاقیں ہوں گی جن میں رجعت محال، اور بحالِ عدمِ نیت ایک بھی نہ ہوگی تو رجعت کا خیال محض خیالِ محال، اور پہلے عالم کا جواب بھی غلط تھا کہ یہاں تین طلاقیں صرف بصورتِ نیت ہیں، نہ مطلقاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۴: از سیرام پور ضلع ہوگلی مرسلہ شیخ بدو دربان جشکل ومحمد سراج الحق امام مسجد جامع ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

محمد مظفر کا اپنی والدہ سے جھگڑا ہو رہا تھا اُس کی والدہ نے کہا کہ اگر اپنی بی بی کو نہ چھوڑو گے تو تم سُور کھاؤ، اسی طرح تین مرتبہ بولی، مظفر نے کہا طلاق دیتے ہیں، پھر اُس نے بلا قصد غصہ کے ساتھ اپنی والدہ کے سامنے کہا طلاق طلاق طلاق، بغیر مخاطب کرنے کسی کو۔ اب شرعاً صورتِ مسئولہ میں مظفر کی بی بی پر طلاق پڑے گی یا نہیں؟

الجواب

تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی القرویہ الفصل مایقع بہ الطلاق ومالایقع بہ دارالاشاعت قندھار افغانستان ۱/ ۴۷

[2] بحرالرائق باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۳

[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

مسئلہ ۱۲۵ ازمئوناتھ بھنجن دفتر مدرسہ دارالعلوم ضلع اعظم گڑھ ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

نقل اسٹامپ قیمتی عہ

جمن ابن منا، میں ان کو لکھ کر دیتا ہوں کہ آپ کی لڑکی اُلفت کا خرچ عمر بھر پورا کروں گا اور بغیر علیم اللہ ستار باز کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کروں گا اگر آپ کی حکم عدولی کروں تو آپ اور سب پنچ جو چاہیں کریں سب منظور ہے کیونکہ ہمارا کوئی ماں اور باپ نہیں ہے آپ لوگ ہمارے ماں اور باپ ہیں تاریخ ۲۰ مارچ ۱۹۱۷ء، اور اگر سب خلاف ہو تو اس شرط پر طلاق۔ نشانی انگوٹھا جمن مقر، اسمائے شاہدان (۲) علیم اللہ ستار باز۔ ہماری لڑکی الفت جو ہے اگر ہم قضا کر جائیں تو ہمارے گھر کا سامان اور جتنا مال ہو اور جتنی ہم پر قرض ہو سب الفت کا قرض بھی وہ سب دے اور مال وغیرہ ملے اور دوسرے کا تعلق نہیں، باقی گواہ اوپر گزرے، دستخط عبدالرحمن قوال اجمیری بقلم خود، محمد ابراہیم ابن محمد اسمٰعیل۔ یہ فتوٰی بمبئی سے آیا ہے مگر سوال نہایت مہمل یعنی اقرارنامہ کا ہے، ایک روپیہ کے اسٹامپ پر اقرارنامہ تحریر ہے، اور یہ بھی واضح رہے کہ جمن کا نکاح اس اقرارنامہ کے چار روز بعد ہوا، بعد نکاح جمن مذکور الفت کو لے کر اپنے سسر کے ساتھ رہتا تھا مگر قریب دو برس کے ہوئے علیم اللہ اپنے سسر اور بیوی الفت کو بھی چھوڑ کر بمبئی میں آوارگی اختیار کیا ہے اور بیوی کو نہ روٹی کپڑا دیتا ہے نہ کسی قسم کی خبرگیری کرتا ہے، نوٹس بھی مسماۃ الفت وعلیم اللہ ستار باز کے طرف سے دیگئی مگر کچھ جواب نہیں دیتا لہذا اب مسماۃ الفت مطلقہ ہوئی یا نہیں؟

الجواب

صورت مذکورہ میں طلاق کسی طرح نہیں ہوسکتی، قطع نظر اس نقص کے جو الفاظ اقرارنامہ میں ہے جس میں عورت کی طرف اضافت طلاق نہیں اور اس میں جمن کو اس انکار کی گنجائش ملتی کہ زوجہ کو طلاق مراد نہ تھی، جب یہ اقرارنامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا اور اس میں شرط نکاح کا ذکر نہیں تو اگر صاف یوں لکھا ہوتا کہ میں ایسا کروں تو الفت پر تین طلاقیں، اور ویسا کرتا جب بھی ہرگز طلاق نہ ہوتی اذلا ملك حینئذ و لا اضافۃ الیه ولا الٰی سببه فلغی (کیونکہ ابھی تک ملکیت نہیں اور نہ ہی ملکیت کی طرف نسبت اور ملکیت کے کسی سبب کی طرف نسبت ہوئی، تو کلام لغو ہوا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶ موضع مانیا والہ ضلع بجنور ازکفایت علی صاحب وحمایت علی صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

حضور والا! بعد سلام عرض ہے کہ غلام کی بیوی اطاعت نہیں کرتی، سمجھانا اثر نہیں کرتا، والدین بھی ناخوش ہیں والدین کی خوشی ہے کہ طلاق دے دو تو حضور اس کو کس طریقہ سے طلاق دی جائے خاکسار اور والدین میں ایک کوڑی مہر دینے کی طاقت نہیں مہر دوسو پانچ اشرفیاں میں نے قبول کرلیا تھا عورت معاف نہیں

کرتی مگر مہر کی ایک کوڑی کا گورنمنٹی کا غذ اسٹامپ نہیں ہے کچہری سے بھی عورت کا ولی ایک کوڑی نہیں لے سکتا، یہاں کے مولوی سے دریافت کیا تو یہ کہا کہ شرعًا اسے ساڑھے بارہ روپے دینے چاہئیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر آپ طلاق دینا چاہیں تو عورت جب حیض سے فارغ ہو اس کے بعد قبل جماع اس سے ایک بار کہئے کہ میں نے تجھے طلاق دی، پھر اسے چھوڑے رہئے اور اس سے بالکل الگ رہئے یہاں تک کہ طلاق کے بعد تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں اُس وقت وُہ نکاح سے نکل جائے گی اور مہر اگر وُہ معاف نہ کرے تو بہرحال دو سو پانچ اشرفیاں دینا لازم ہوں گی، وہ کوئی جاہل شخص تھا جس نے ساڑھے بارہ روپے بتائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۷ از بچھا تھ باڑہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بچھا تھ باڑہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت کے نان نفقہ سے بے خبر تھا کہ عورت کے وارثوں میں سے کسی نے آن کر اس سے کہا کہ اگر تو نان نفقہ نہیں دے سکتا تو طلاق دے دے۔ چنانچہ اُسی وقت اُس آدمی کے رُوبرو طلاق دے دی تو یہ طلاق ہُوئی یا نہیں کیونکہ عورت وہاں نہ تھی۔ بینوا توجروا

الجواب

طلاق ہوگئی، طلاق کے لئے عورت کا وہاں حاضر ہونا کچھ شرط نہیں فان ازالۃ لاعقد کما لایخفی (کیونکہ یہ ازالہ نکاح ہے نکاح نہیں ہے تا کہ حاضری ضروری ہوتی) جیسا کہ مخفی نہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۲۸ از پیلی بھیت مرسلہ شیخ فیض محمد صاحب ۶ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

زید اپنے مکان میں تنہا مقیم تھا اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دی لیکن زوجہ نے نہ سُنی نہ دوسرے آدمی نے، اس وجہ سے کہ اور آدمی دوسرے مکان میں تھے پس طلاق ہُوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

طلاق کے لئے زوجہ خواہ کسی دوسرے کا سُننا ضرور نہیں جبکہ شوہر نے اپنی زبان سے الفاظ طلاق ایسی آواز سے کہے جو اس کے کان تک پہنچنے کے قابل تھے (اگرچہ کسی غل شور یا ثقل سماعت کے سبب نہ پہنچی عنداللہ طلاق ہوگئی، عورت کو خبر ہو تو وہ بھی اپنے آپ کو مطلقہ جانے، ہاں اگر صرف دل میں ط...

دے لی تو بالاجماع نہ ہوگی یا زبان سے لفظ تو کہے مگر ایسے کہ زبان کو صرف جنبش ہوئی آواز اپنے کان تک آنے کے بھی قابل نہ تھی تو مذہبِ اصح میں یوں بھی نہ ہوگی۔

فی الدر المختار ادنی الجھر اسماع غیرہ و ادنی المخافتۃ اسماع نفسہ ویجری ذٰلک فی کل مایتعلق بالنطق کتسمیۃ علی ذبیحۃ و وجوب سجدۃ تلاوۃ، وعتاق وطلاق واستثناء فلوطلق او استثنٰی و لم یسمع نفسہ لم یصح فی الاصح[1] اھ بالاختصار۔ و اللّٰہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے کم از کم جہر یہ ہے کہ دوسرا سُنے اور کم از کم خفاء یہ ہے کہ خود سُن سکے۔ یہ ضابطہ ہر ایسے مقام کے لئے ہے جس کا تعلق نطق سے ہو۔ جیسے ذبیحہ پر بسم اللہ، سجدۂ تلاوت پر سجدہ کا وجوب، غلام کو آزاد کرنا، طلاق دینا، اور کلام میں کوئی استثناء کرنا، لہٰذا اگر طلاق دی یا استثناء کیا اور خود نہ سُنا تو اصح مذہب پر طلاق اور استثناء صحیح نہ ہوگا اھ اختصارًا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۲۹ از بدایوں فرشوری ٹولہ شیخ وہاب الدین احمد صاحب ۲۷ رجب ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ تو عمرو یا بکر سے نکاح کرلے اور زید اپنے والد کو مخاطب کرکے موجودگی والدین ہندہ یہ کہا کہ میری بیوی کا نکاح ولید سے کرادو۔ اس واقعہ سے دو تین مہینہ کے بعد زید نے ہندہ کے مکان پر آن کر ہندہ اور اس کے والدین کی عدم موجودگی میں ایک شخص غیر کو مخاطب کرکے کہا کہ میں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں اگر اس وقت میرے ساتھ نہ بھیجیں۔ وہ شخص ان الفاظ کو سُن کر چلنے لگا تو زید نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا اور ہندہ اس کے ساتھ نہ بھیجی گئی، ہندہ حاملہ تھی، اور اسی زید نے اسی روز ہندہ کے گھر کو چھوڑنے کے بعد یہ کہا کہ میں نے یہ الفاظ دھمکانے کو کہے تھے تاکہ میری بیوی کو میرے ساتھ کردیں اور میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں واپس لیتا ہوں، واپس لیتا ہوں۔ یہ واقعہ ۱۔ جمادی الثانی ۱۳۲۷ ہجری نبوی کا ہے۔ زید عرصہ زائد از سال سے بعارضہ مراق علیل ہے آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور تجدید نکاح کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب

سائل نے اظہار کیا کہ زید نے ان اخیر الفاظ میں کہ میں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں طلاق دیتا ہوں اگر اس وقت میرے ساتھ نہ بھیجیں کوئی لفظ عورت کی طرف اضافت کا نہ کہا تھا، نہ نام نہ نسب، نہ وصف نہ لقب، نہ اشارہ مثلاً فلاں عورت یا فلاں کی بیٹی یا اپنی زوجہ کو یا اس کو وغیرہ وغیرہ کوئی لفظ اس قسم

[1] درمختار فصل ویجہر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۸۰-۷۹

کا نہ تھا، نہ یہ کلام کسی سوال کے جواب میں تھا جس سے اضافت پیدا ہو بلکہ ابتداءً یہی الفاظ اُس نے مکرر کہے اس صورت میں زید سے قسم لی جائے اگر وُہ حلف کرے کہ ان الفاظ سے اپنی زوجہ مراد نہ تھی تو حکمِ طلاق نہ دیا جائے۔

وذٰلك لان زيدا ينكر اسادة الطلاق بها والاضافة كما فی السؤال فيكون القول قوله بيمينه وان كان الظاهر ارادة المرأة بذٰلك لانه نوی محتمل كلامه فيصدق۔

یہ اس لئے کہ زید طلاق کے ارادے سے انکاری ہے اور اضافت سے بھی انکاری ہے جیسا کہ سوال میں ہے تو قسم لے کر اس کی بات مان لی جائے گی اگرچہ ظاہری طور پر اس سے بیوی مراد ہوسکتی ہے لیکن کلام خاوند میں احتمال پایا جاتا ہے جس کی نیت پر خاوند کی تصدیق کی جائے گی۔ (ت)

خانیہ وبزازیہ وغیرہا میں ہے :

قال لها لا تخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق، فخرجت لا يقع لعدم ذكره حلفه بطلاقها ويحتمل الحلف بطلاق غيرها فالقول له[1] اھ۔

خاوند نے بیوی کو کہا گھر سے میری اجازت کے بغیر باہر مت نکلو کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو بیوی نکل گئی، اس صورت میں طلاق نہ ہوگی، کیونکہ قسم میں بیوی کی طلاق کا ذکر نہیں ہے، جبکہ قسم میں کسی اور عورت کی طلاق کا احتمال بھی ہے لہذا خاوند کی بات معتبر ہوگی اھ (ت)

ہندیہ میں محیط سے ہے :

سئل شيخ الاسلام الفقيه ابو نصر عن سكران قال لامرأته اتريدين ان اطلقك فقالت نعم، فقال اگر تو زن منی يك طلاق دو طلاق سه طلاق قومی واخرجی من عندی وهو يزعم انه لم يرد به الطلاق فالقول قوله[2]

شیخ الاسلام فقیہ ابو نصر سے سوال کیا گیا کہ ایک نشہ والے نے اپنی بیوی کو کہا "کیا تو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دُوں؟" تو بیوی نے کہا ہاں، تو خاوند نے کہا "اگر تُو میری بیوی ہے ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق، اٹھ جا، نکل جا میرے پاس سے"۔ اور پھر کہتا ہے کہ میں نے طلاق مراد نہیں لی، تو اس کی بات معتبر ہوگی۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ " " " ۱/ ۳۸۳

یونہی اُس کے پہلے لفظ کہ "تو عمرو یا بکر سے نکاح کرلے یا اس کا نکاح ولید سے کرادو" محتاج نیت ہیں، اگر بہ نیتِ طلاق کہے ایک طلاق بائن ہُوئی، اور نیتِ طلاق نہ تھی تو کچھ نہیں، اور اس بارے میں کہ ان الفاظ سے اُس نے طلاق کی نیت نہ کی تھی، اس کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اگر قسم کھالے گا حکمِ طلاق نہ ہوگا، پھر واقع میں نیت کی تھی اور جھُوٹی قسم کھالی تو وبال اُس پر ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان لو قال اذھبی فتزوجی وقال لم انو الطلاق لایقع شیئ لان معناہ ان امکنک وفی الذخیرۃ اذھبی وتزوجی لایقع الا بالنیۃ وان نوی فھی واحدۃ بائنۃ وان نوی الثلاث فثلاث۔[1]

قاضی خان کی شرح جامع صغیر میں ہے: خاوند نے بیوی کو کہا "جاؤ نکاح کرو" اور پھر کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ اس کی بات کا مطلب یہ ہے کہ اگر تجھے ممکن ہو تو نکاح کرو۔ اور ذخیرہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا "جاؤ نکاح کرو" تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اور اگر طلاق کی نیت کی تو ایک بائنہ طلاق ہوگی، اور اگر تین کی نیت کی تو تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

غرض یہاں مدار اُس حلف پر ہے اگر ان سب الفاظ کی نسبت قسم کھالے کہ ان میں کسی سے اُس نے طلاقِ ہندہ کی نیت کی تھی تو اصلاً حکمِ طلاق نہ دیں گے، اور اگر لفظ اوّل پر قسم کھانے سے انکار کرے تو ایک طلاق بائن پڑے گی کہ برضائے زوجہ عدت میں خواہ عدت کے بعد اس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت نہیں، اور اگر لفظِ دوم پر جو شخص غیر کے سامنے کہے قسم کھانے سے انکار کرے تو تین طلاقیں ہوجائیں گی، بے حلالہ اس سے نکاح نہ کرسکے گا، یہ سب اس صورت میں ہے کہ زید کا مراق اس حد کو نہ پہنچا ہو کہ وہ فاسد العقل مختل الحواس ہوگیا ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے کبھی خاصے پاگلوں کی سی، اور اگر یہ حالت ہے (اور اللہ خوب جانتا ہے) تو اصلاً طلاق نہ ہوگی اگرچہ اس نے وہ سب الفاظ بہ نیت طلاق کہے ہوں۔ درمختار میں ہے:

لایقع طلاق المجنون والصبی والمعتوہ[2] الخ ملخصا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مجنون، بچے اور ذہنی مریض کی طلاق واقع نہ ہوگی الخ ملخصاً۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۴

[2] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

مسئلہ ۱۳۰ ازمارہرہ شریف ضلع ایٹہ محلہ کمبوہ مرسلہ چودھری عبدالرحمٰن صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، ایک عورت اپنے خاوند سے بہت تنگ ہو، اُس کا خاوند اُسے ستاتا ہو تو وُہ لاچار ہوکر جواب طلب کرے تو وُہ جواب بھی ضد سے نہ دے اور حقوق بھی ادا نہ کرے تو پھر وُہ غصّہ میں جواب یعنی طلاق کا ارادہ کرے اور تنہائی میں جواب دے عورت کے سامنے تو طلاق مانی جائے گی یا نہیں، دوسرے یہ کہ وُہ عورت مجبور ہوکر کسی مرد سے عقد کرلے اور اس سے پانچ ماہ تک میاں بی بی کا واسطہ رہے اور ایک اس مرد سے لڑکا پیدا ہوگیا، پھر اُس پہلے خاوند نے دعوٰی کیا کہ میں نے طلاق چار کے سامنے تو نہیں دی غرض یہ کہ وہ واپس لینا چاہتا ہے تو وُہ عورت شرعاً پہلے خاوند پر جائز رہی یا نہیں؟

الجواب

بیانِ سوال سے ظاہر ہے کہ شوہرِ اوّل طلاق دینے کا مقر ہے مگر عذر صرف یہ کرتا ہے کہ طلاق خفیہ دی چار اشخاص کے سامنے نہ دی، لہٰذا اپنی جہالت سے طلاق نہ ہونا سمجھتا ہے، اگر ایسا ہے تو اس کا دعوٰی باطل ہے، طلاق بالکل تنہائی میں دے جب بھی ہو جاتی ہے، اگر عورت نے عدت گزرنے کے بعد دوسرے سے نکاح صحیح ہوگیا اور پہلے شوہر کو اُس پر کچھ دعوٰی نہیں پہنچتا، ہاں اگر شوہر سرے سے طلاق دینے سے منکر ہو اور عورت کا نکاح ثانی کرنا اور پانچ ماہ دوسرے کے پاس رہنا اور اس سے لڑکا پیدا ہونا' ان باتوں کی شوہر اوّل کو خبر نہ ہو کہ کسی دوسرے شہر میں ہُوئی ہوں، بعد اطلاع اُس نے دعوٰی کیا تو ضرور اس کا دعوٰی قابلِ سماعت ہے اور عورت کا بیان کہ اس نے طلاق دے دی تھی بے گواہانِ شرعی ہرگز مسموع نہیں، عورت شوہر اول کو دلا دی جائے گی، پھر اگر واقع میں اس نے طلاق دے دی تھی اور جھُوٹ انکار کیا تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اس سے دُور بھاگے یا مہر وغیرہ دے کر طلاق لے اور اگر کچھ نہ کرسکے وبال اس پر ہے، اور عورت جب تک راضی نہ ہو مجبور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱ از پیلی بھیت محلہ پکھریا مسئولہ عبدالرحمٰن گھڑی ساز ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے تنہا ایک گوشہ میں بیٹھ کر جس کو کسی نے نہیں سُنا اپنے دل کے اندر اپنی بیوی کو طلاق دی اس کو عرصہ پانچ ماہ کا گزرا اب وہ شخص رجوع کرنا چاہتا ہے اس کو کس طرح کرسکتا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر فقط دل میں طلاق دی تھی یُوں کہ زبان سے کچھ کہا ہی نہ تھا یا کہا مگر فقط زبان کو حرکت تھی اتنی آواز نہ تھی کہ اپنے کان تک آنے کے قابل ہو جب تو طلاق ہوئی ہی نہیں، اور اگر ایسی آواز سے کہا کہ اپنے کان تک

آنے کے قابل تھی اگرچہ ملینہ یا ہوا یا کسی غل شور کے سبب اپنے کان تک نہ پہنچی تو طلاق ہو گئی اگر رجعی تھی تو عدت کے اندر رجعت کرسکتا ہے اور بائن تھی تو برضائے زوجہ اس سے نکاح کرسکتا ہے، اور مغلظ تھی تو بے حلالہ نکاح نہیں ہوسکتا، یہ ان الفاظ پر موقوف ہے جو اس نے کہا اور جتنی بار کہا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۲ از امریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ تاج الدین خاں صاحب ۵ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسمّی زید نے غصہ میں آکر اپنی منکوحہ مسمّاۃ ہندہ کو ایک شخص مسلمان و ایک عورت قوم ہنود کے رُوبرو طلاق دی۔ اور یہ بھی ہے کہ شخص مسلمان کے رُوبرو دو مرتبہ لفظ طلاق صاف طور سے اُس کے حق میں کہا اور زید وہاں سے کہہ کر تین چار قدم ہٹ کر چلا اور کچھ آہستہ اُس نے اپنی زبان سے کہا کہ وُہ سننے میں نہیں آیا، وُہ عورت اہل ہنود جو وہاں موجود تھی بیان کرتی ہے کہ میں نے سُنا کہ اُس نے آہستہ سے بھی وہی لفظ طلاق کا کہا تھا جو پہلے دو مرتبہ کہہ چکا تھا، زید کہتا ہے میں نے تیسری بار یہ لفظ طلاق نہیں کہا تھا، زید ایک شخص بالکل جاہل اور اُمّی ہے، اس وقت زید و ہندہ دونوں راضی ہیں نکاح کس طرح ہو؟

الجواب

اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ ہر ایک کے دل کی جانتا ہے، اللہ سے ڈرے، اگر واقع میں اس نے تیسری بار بھی طلاق دی تھی تو عورت نکاح سے نکل گئی، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا، اور اگر وُہ منکر ہے اور سوا اُس کافرہ عورت کے اور کوئی تیسری طلاق کا بیان نہیں کرتا تو کافرہ کی بات اصلاً معتبر نہیں، جب تک عدت میں ہے وہ عورت کو رجعت کرسکتا ہے یعنی اتنا کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وہ بدستور اُس کی زوجہ رہے گی اگر پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ ایک وُہ اور دو یہ مل کر تین ہوگئیں عورت نکاح سے نکل گئی حلالہ کی ضرورت ہوگی، یُوں ہی اگر پہلے طلاق نہ دی تھی یہ دو دی ہیں تو آئندہ جب کبھی ایک طلاق دے گا عورت بے حلالہ کے نکاح میں نہ آسکے گی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳ از رامپور مسئولہ محمد سعید

زید نے بحالتِ غضب اپنی زوجہ ہندہ کو یہ کہا کہ تجھ کو میں نے طلاق دیا، اب اس صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب

ایک طلاق رجعی ہُوئی، غضب مانع طلاق نہیں بلکہ غالباً طلاق بحالتِ غضب ہی ہوتی ہے والدھش شیئ اٰخر بینہ فی الخیریۃ و ردالمحتار و تحقیقہ فی فتاوٰنا (مدہوش اور چیز ہے، اس کو خیریہ اور ردالمحتار

میں بیان کیا ہے، اور اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غصہ میں اپنی زوجہ مدخولہ سے دو بار کہا کہ میں نے تجھے طلاق دی، آیا یہ کون سی طلاق واقع ہوئی اور اس کا کیا حکم ہے؟ بینوا و توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں دو طلاقیں رجعی واقع ہوئیں، حکم ان کا یہ ہے کہ مابین عدت کے رجعت کا اختیار ہے اور بعد انقضائے عدت اگر عورت چاہے اس سے نکاحِ جدید کر سکتا ہے اور ایام عدت حرہ موطوءہ میں تین حیض کامل ہیں اور اگر بوجہ صغر یا کبر کے حیض نہ آتا ہو تو تین مہینہ، اور لونڈی میں اگر حائضہ ہو تو دو حیض ورنہ ڈیڑھ مہینہ، اور طریقِ رجعت یہ ہے کہ مطلقہ سے ایامِ عدت میں یہ الفاظ کہے کہ میں نے تجھے پھیر لیا یا رد کیا یا روک لیا یا امثال اس کے کہے یا مابین عدت مس کرے یا بوسہ لے یا جماع کرے۔ بہتر طریق اول ہے۔

فی تنویر الابصار وھی فی حرۃ تحیض بعد الدخول ثلث حیض کوامل، وفی من لم تحض بصغر او کبر ثلثۃ اشھر، وفی امۃ تحیض حیضتان، وفی امۃ لم تحض نصف الحرۃ[1]، ملخصا، وفیہ ھی استدامۃ الملک القائم فی العدۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تنویر الابصار میں ہے، وُہ عدت وطی شدہ حیض والی کے لئے تین حیض کامل، اور جس کو نابالغی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو ان کے لئے تین ماہ، اور لونڈی حیض والی کے لئے دو حیض اور غیر حیض والی کے لئے ایسی آزاد عورت کی عدت کا نصف یعنی ڈیڑھ ماہ۔ اور اسی میں ہے، رجعت (رجوع کرنا) یہ عدت کے درمیان موجود ملکیت کو باقی قائم رکھنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵: ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید نے غصہ میں اپنی عورت کو طلاق دی اس وقت ایک آدمی اور موجود تھا بعدہ جو شخص آیا اور پوچھا تو کہا میں نے اپنی عورت کو طلاق دے دی، ڈیڑھ ماہ تک علیحدہ رہے، اس درمیان میں جس آدمی نے پوچھا تم کیسے علیحدہ ہو تو بار ہا یہی کہا کہ طلاق دے دی، تو طلاق ہُوئی یا نہیں؟ اگر ہو گئی تو نکاح کس طور پر ہونا چاہئے؟

الجواب

اگر اس وقت ایک بار طلاق دی تھی اور باقی بار اوروں کے پُوچھنے پر کہا اور وُہ قسم کھا کر کہہ دے کہ

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۶-۲۵۵

میں نے ان دفعوں میں طلاق دینے کا ارادہ نہ کیا تھا بلکہ اس کے پوچھنے پر خبر دی تھی تو صرف ایک طلاق ہوئی اگر رجعی تھی رجعت کر سکتا ہے جب تک عدت نہ گزرے ورنہ دوبارہ اس سے نکاح کر لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۶ از شہر مسئولہ علی محمد برادر ہندہ جس کا بیان ہے ۲۷ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میرا شوہر تھا وہ اور میں اور میرے ماں بھائی ایک ہی مکان میں رہتے تھے اور روٹی کپڑے پر لڑائی ہوتی تھی تو وہ مجھ کو مارتا اور برا بھلا کہتا تھا تو میں اور میری ماں کچہری جا کر ایک درخواست دے دی اور جب اس نے آکر سنا تو مجھ سے کہا کہ تم میرے کام کی نہیں رہیں اور میں نے تم کو طلاق دے دی، طلاق دینے پر میرے مکان میں آیا تو میری ماں نے یہ کہا کہ اب تیرا یہاں کیا کام ہے تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اب یہاں مت آ۔

الجواب

اگر یہ بیان سچ ہے تو ایک طلاق ضرور ہو گئی لیکن عورت ابھی نکاح سے نہ نکلی، ہاں اگر پہلے لفظ سے بھی کہ "تم میرے کام کی نہ رہیں" اس نے طلاق کی نیت کی ہو تو دو طلاقیں ہو گئیں اور عورت نکاح سے نکل گئی، رہا یہ کہ اس نے اس لفظ سے بھی نیت کی تھی یا نہیں، یہ اس کے بیان پر ہے اس سے قسم لی جائے، اگر قسم کھائے کہ میں نے اس لفظ سے نیتِ طلاق نہ کی تھی تو اس کا قول مان لیا جائے گا اور دو طلاقیں نہ ہوں گی ایک ہی رجعی ہو گی کہ عدت کے اندر وہ اپنے نکاح میں پھیر لے عورت بدستور اس کی زوجہ رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۳۷ از ستار گنج ۳ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید سے نکاح کیا مگر صحبت نہ ہوئی، صبح کو بوجہ اغوائے چند اشخاص ہندہ نے مہر معاف کیا اور زید نے طلاق دے دی، اس صورت میں اسی روز شام کو نکاحِ ہندہ عمرو کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر زوج و زوجہ تنہائی کے مکان میں یکجا ہو لئے ہوں اور ان میں کوئی مانع حقیقی ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے وطی اصلاً نہ ہو سکے اس کے بعد زید نے طلاق دی تو بیشک ہندہ پر عدت واجب ہے اگرچہ مباشرت نہ ہوئی،

فان الخلوۃ الصحیحۃ فی النکاح الصحیح مثل الوطی فی ایجاب العدۃ

عدت کو واجب کرنے میں صحیح نکاح کے بعد خلوتِ صحیحہ وطی کے حکم میں ہے اور یہاں خلوت کی صحت سے

وصحة الخلوة ھٰھنا لعدم المانع الحقیقی وان وجد مانع شرعی کالصوم۔

مراد جماع سے حقیقی مانع کا موجود نہ ہونا ہے اگرچہ شرعی مانع مثلاً روزہ پایا جائے تو خلوتِ صحیحہ ہوجائیگی (ت)

شرح نقایہ میں ہے:

العدۃ للطلاق بعد الدخول او الخلوۃ الصحیحۃ فانہ لو طلقھا قبل الدخول او بعد الخلوۃ الفاسدۃ والفساد لعجزہ عن الوطئ حقیقۃ لم تجب العدۃ ولو لامر شرعی کصوم الفرض تجب کما فی قاضیخان وذکر فی المحیط انہ لاعدۃ بخلوۃ الرتقاء اھ ملخصًا۔[1]

طلاق بعد دخول یا خلوتِ صحیحہ ہو تو عدّت ہے کیونکہ اگر دخول سے قبل یا خلوت فاسدہ کے بعد طلاق ہو تو عدّت واجب نہ ہوگی، خلوت کا فساد یہ ہے کہ جماع سے کوئی حقیقی مانع موجود ہو اگر شرعی مانع مثلاً فرضی روزہ ہو تو وہ مانع نہیں ہے اور اس پر عدّت لازم ہوگی جیسا کہ قاضی خاں میں ہے اور محیط میں ذکر کیا کہ شرمگاہ میں ہڈی والی عورت سے خلوت پر عدّت واجب نہ ہوگی، اھ، ملخصاً (ت)

پس اگر عدّت کے دوران کہ بعد طلاق تین حیض کامل کا گزرنا ہے دوسرے سے نکاح کرے گی ہرگز صحیح نہ ہوگا اور حرام محض رہے گا۔ عالمگیری میں ہے:

لایجوز للرجل ان یتزوج زوجۃ غیرہ وکذا المعتدۃ کذا فی السراج الوھاج سواء کانت العدۃ عن طلاق اووفات اودخول فی نکاح فاسد اوشبھۃ نکاح کذا فی البدائع۔[2]

کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی منکوحہ یا دوسرے کی عدّت والی سے نکاح کرے، السراج الوہاج میں ایسے ہی ہے، عدّتِ طلاق ہو یا عدّتِ وفات ہو، یا نکاح فاسد میں دخول یا شبہہ نکاح میں دخول کی وجہ سے ہو (سب میں دوسرے کا نکاح حرام ہے) بدائع میں یونہی ہے۔ (ت)

ہاں اگر خلوت بھی نہ ہوئی اور ویسے ہی طلاق دے دی تو ہندہ پر عدّت نہیں، اسے اختیار ہے کہ اُسی وقت جس سے چاہے نکاح کرلے۔ درمختار میں ہے:

سبب وجوبھا (یعنی العدۃ) عقد النکاح

وجوبِ عدّت کا سبب وہ نکاح ہے جس میں بیوی

---

[1] جامع الرموز فصل فی العدۃ المکتبۃ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۵۰۸

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب النکاح القسم السادس المحرمات التی یتعلق بھا حق الغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۲۸۰

التاکد بالتسلیم و ماجری مجراہ من موت اوخلوت[1] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سپرد کردی گئی ہو یا وُہ جو اس کے قائم مقام ہو مثلاً موت یا خلوت ہو، الخ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۸: از کیمپ میرٹھ لال کورتی بازار کوٹھی خان بہادر صاحب مرسلہ شیخ میر محمد صاحب ۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

زید اور عمرو (برادر منکوحہ زید) کی ایک روز کسی بات پر باہم سخت حجت ہُوئی اور عمرو نے زید اپنے بہنوئی سے کہا کہ مہربانی کرکے اس طرف کا ارادہ نہ کیجئے، جس کا مقصد یہ تھا کہ میرے (عمرو کے) مکان پر نہ آئیے گا۔ اس کے جواب میں زید نے غصہ کی حالت میں کہا میں اس کو طلاق دے چکا یا یہ کہا میں تو اس کو طلاق دے چکا، اسی طرح تین چار مرتبہ یہی الفاظ کہے، اس سے قبل اپنی زوجہ سے لفظِ طلاق کبھی نہ کہے تھے، کیا اس صورت میں زید کی منکوحہ پر طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب

عمرو کی مراد اس طرف سے کچھ بھی سہی جبکہ زید اپنی زوجہ کی نسبت سمجھا اور اُسے تین بار کہا میں اس کو یا میں تو اس کو طلاق دے چکا، تین طلاقیں ہوگئیں، زید گنہگار ہُوا اور عورت بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

قال اللہ تعالٰی فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، تیسری طلاق کے بعد اس خاوند کے لئے دوبارہ حلال نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ وُہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے (ت)

اور غصہ کا عذر بیکار ہے طلاق اکثر غصہ ہی میں ہوتی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۹: از پالی مارواڑ متصل دروازہ جھالر باڑ مسئولہ نبی بخش صاحب ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی رمضانی ولد گیگا نداف نے اپنی عورت جنا بنت محمد بخش قوم نداف ساکنہ پالی کو ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو حسب ذیل تین طلاقیں دیں اور نکال دیا، پانچ روز بعد مولوی سید احمد علی صاحب کے پاس جاکر اپنا حال کہا، انھوں نے جواب دیا میں شام کو فریقین کے بیان سُنوں گا، بعد عشاء آئے اور فریقین اور گواہوں کے بیان لے کر طلاق کا زبانی فیصلہ دے کر

---

[1] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۵

[2] القرآن الکریم ۲/۲۳۰

چلے گئے وہ بیانات درج ذیل ہیں :

بیان گواہ اوّل مسمی رحمان علی شاہ درویش : اس طلاق سے میں واقف ہوں اُس نے اپنی عورت کو طلاق دی اور یہ لڑکی اپنے باپ کے مکان کے چوترے پر بیٹھی تھی تب میں نے اُس سے کہا آ بیٹی ! میں تجھ کو تیرے مکان پر لے چلوں تب وہ میرے ساتھ ہولی اُس وقت رمضانی نے ایک پتھر پھینکا اور کہا کہ شاہ صاحب اس کو کہاں لے جاتے ہو میں اس کو طلاق دے چکا ہوں اس کو جانے دو' اس وقت اور بھی ایک شخص میرے ساتھ تھا تب میں نے اس لڑکی کو باپ کے گھر جانے کو کہہ دیا اور میں اپنی جگہ جا بیٹھا تب رمضانی مذکور سے کہا گیا کہ بیان سچ ہے یا نہیں، کہا ہاں سچ ہے۔

بیان گواہ ثانی مسمی نبی بخش ولد حسن جی نداف : میں ایمان سے بیان کرتا ہوں کہ یہ (رمضانی) واہی تباہی بکتا تھا، میں نے کہا کہ اگر اس کو رکھنا منظور نہ ہو تو اس کو چھوڑ دے یعنی طلاق دے دے، تب اس نے کہا کہ میں اس کو کل طلاق دے چکا ہوں، اور باقی رہا مہر چار روپیہ تو اس کے باپ سے میں مانگتا ہوں باقی اپنے برتن وغیرہ بیچ کر دے دوں گا۔ رمضانی صاحب سے کہا گیا یہ سچ بیان کرتا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ پھر ایک قرآن مجید منگوا کر اس سے کہا گیا اگر تو نے طلاق نہیں دی ہے تو قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھالے، جواب دیا : میں قسم نہیں کھاتا اس عورت کو قرآن دے دو اگر قسم کھالے گی سچی ہو گی' شاید وہ بھی طلاق چاہتی ہو اور چھٹکارے کے واسطے قسم کھالے تو پھر کوئی علاج نہ ہوگا، اس نے پھر یہی جواب دیا اگر یہ قسم کھالے گی تو سچی ہے، تب لڑکی سے کہا گیا تجھ کو اگر اس نے طلاق دے دی ہو تو قرآن شریف ہاتھ میں لے کر قسم کھالے، اس نے دونوں ہاتھ قسم کیلئے قرآن شریف لینے کو بڑھائے لیکن اس خیال سے کہ شاید حیض سے ہو قرآن اُس کے ہاتھ میں نہ دیا اور کہا تو خدا کی قسم کھا کر بیان کر کہ کس طرح طلاق دی ہے' تب اس نے قسمیہ بیان کیا کہ ہمارے بار بار لڑائی رہتی ہے اس رات کو بھی ہوئی اور اس نے کہا کہ میں تجھ کو صبح ٹھیک کروں گا، جب صبح میں اُٹھی تو اس نے کہا کہ آٹا ہے یا نہیں؟ تو میں نے کہا کہ آٹا تھوڑا ہے زیادہ تو نہیں، تب اس نے کہا بندولے کے واسطے کہا تھا تو نے کیوں نہیں پیسا؟ اب میں نے کہا کہ اب پیسنے لاتی ہوں، تب اس نے کہا کہ اب کوئی ضرورت نہیں تو روٹی بیکر، تب اس کے کہنے سے روٹی بیکرنے لگ گئی، تو اُس نے کہا کہ تجھ کو طلاق ہے تو چلی جا، تب میں اُٹھ کر اپنے باپ کے گھر چلی آئی تو تھوڑی دیر بعد چچا مجھ کو بلوا کر لے گئے تو ہم دونوں کو سمجھا کر بٹھا آئے تب میں نے روٹی پکائی تو اس نے مجھے کہا کہ تو کیوں آئی تجھ کو طلاق ہے تو چلی جا، تو پھر میں وہاں سے چلی آئی، باقی شاہ صاحب گواہ اول اور پتھر وغیرہ کا قصہ بیان کیا، تب مسمی رمضانی سے دریافت کیا گیا یہ عورت سچ کہتی ہے؟ اس نے کہا ہاں سچ

ہے فقط لہذا عرض یہ ہے کہ ان بیانوں پر طلاق ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

گواہوں کے بیان ناقص ہیں اور ان میں تین طلاقوں کا کہیں ذکر نہیں اور عورت کا قسم کھانا محض نامعتبر ہے کہ وہ مدعیہ ہے مدعی کا حلف نہیں سُنا جاتا اُس سے گواہ مانگے جاتے ہیں گواہ نہ دے سکے تو مدعا علیہ پر حلف رکھا جاتا ہے۔ رمضانی نے جو گواہوں کے بیان کی تصدیق کی اُس سے صرف طلاق ثابت ہوگی تین طلاقوں کا ثبوت نہیں کہ اس کا ذکر بیانِ شاہدان میں خود نہ تھا، ہاں اگر ثابت ہو کہ عورت کا بیان مذکور سُن کر رمضانی نے اس کی تصدیق کی تو بیشک تین طلاقیں ثابت ہوگئیں تصدیق بیان عورت کا اگر رمضانی کو اقرار ہے تو بہتر ورنہ اس تصدیق پر دوگواہ لینے ہوں گے جو "گواہی دیتا ہوں" کہہ کر پوری صحیح شرعی شہادت ادا کریں، اگر شہادت سے یہ تصدیق نہ ثابت ہو تو تین طلاقوں کا حکم نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر اُن میں کسی گواہ کا بیان رمضانی کا تصدیق کرنا اس کے اقرار یا دوشاہدین عادلین کے اظہار سے ثابت ہو تو ایک طلاق ہوئی، اگر رجعت نہ کی اور عدت گزر گئی تو عورت نکاح سے نکل گئی، اور عدت کے اندر رجعت کرلی تھی تو عورت بدستور اس کی زوجہ مانی جائے گی، اور اگر کسی گواہ کی بھی تصدیق ثابت نہ ہو تو ایک طلاق کا بھی حکم نہ ہوا لیکن عورت اگر جانتی ہے کہ اس نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں تو اس پر فرض ہوگا کہ جس طرح جانے اُس سے بھاگے یا علانیہ طلاق حاصل کرے اگرچہ اپنے مہر کے بدلے اور مال دے کر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۴۱ ازمقام دیپاسرائے پرگنہ سنبھل ضلع مراد آباد برمکان حاجی امیر حسین صاحب

۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں کہ علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی طلاق کی نیت دل میں تو کی لیکن زبان سے کوئی طلاق کا لفظ نہیں نکالا اور دو برس تک اُس نے اس سے مجامعت بھی نہیں کی لیکن ہر طرح کا خلا ملا اور خورد و نوش اور کل انتظامات خانہ داری کا برتاؤ برابر اس کے ساتھ رکھا، آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور بی بی کا وہی نکاح سابق قائم رہا یا پھر اس کی تجدید کی جاوے۔ بینوا توجروا

الجواب

نکاح سابق باقی ہے اس وجہ سے تجدید کی کوئی حاجت نہیں، نری نیت سے طلاق نہیں ہوسکتی اگرچہ دن میں سَو بار نیت کرے، جب تک زبان سے لفظ نہ کہے گا طلاق نہ ہوگی بلکہ زبان کی خالی حرکت بھی کافی نہیں، جب تک اتنی آواز نہ ہو کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو اپنے کان تک پہنچے، زبان کو جنبش ہوئی اور آواز اتنی بھی نہ نکلی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی جب بھی صحیح مذہب میں طلاق نہ ہوگی۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

ادنی المخافتة اسماع نفسه ویجری ذٰلك فی کل ما یتعلق بنطق کتسمیة علی ذبیحة وعتاق وطلاق وغیرھا فلو طلق ولم یسمع نفسه لم یصح فی الاصح[1]

مخفی آواز ادنیٰ یہ ہے کہ خود کو سُنائے، اور یہ حکم ان تمام میں جاری ہوگا جن کا تعلق نطق سے ہو، مثلاً ذبیحہ پر بسم اللہ، آزاد کرنا، طلاق دینا وغیرہا، تو اگر طلاق کہی اور خود نہ سُن سکا، تو صحیح قول میں طلاق نہ ہوگی (ت)

ہاں اگر آواز اتنی تھی کہ اپنے کان تک پہنچ سکتی اگرچہ کسی مانع مثلاً غل شور چکّی، ملّیہ، بہرے پن وغیرہا کے سبب نہ پہنچی طلاق ہوجائے گی،

ادنی الحد خروج صوت یصل الی اذنه ولو حکما کما لو کان ھناك مانع من صمم اوجلبة اصوات او نحو ذٰلك۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ادنی حد یہ ہے کہ آواز اتنی ہو کہ اس کے اپنے کانوں تک پہنچے اگرچہ حکماً ایسا ہو مثلاً آواز پہنچ جاتی اگر وہاں بہرا پن شور وغل وغیرہ نہ ہوتا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: از رامہ تحصیل گوجرخاں ڈاکخانہ جاتلی ضلع راولپنڈی مرسلہ تاج محمود صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین، ایک لڑکے نے اپنے باپ سے بولا کہ تم میری زوجہ کو طلاق دے دو، اس نے طلاق دے دی ہے، یہ طلاق واقع ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ دُوسرے کو وکیل کرسکتا ہے، نہ باپ بذریعہ ولایت اُس کی طرف سے طلاق دے سکتا ہے فانه ضرر والولایة للنظر (کیونکہ یہ تو ضرر ہے جبکہ ولایت شفقت کے لئے ہوتی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۲: ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت چار ماہ کا حمل رکھتی ہے اور شوہر طلاق دے تو طلاق جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جائز و حلال ہے اگرچہ ایام حمل میں بلکہ آج ہی بلکہ ابھی اس سے جماع کرچکا ہو،

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل ویجہر الامام مطبع مجتبائی دہلی ۱/۷۹

فی الدر المختار حل طلاقھن ای الاٰیسۃ و الصغیرۃ والحامل عقب وطئ لان الکراھۃ فیمن تحیض لتوھم الحبل وھو مفقود ھھنا[1]۔

درمختار میں ہے: بوڑھی عورت، نابالغہ اور حاملہ عورت کو جماع کے بعد بھی طلاق دینا حلال ہے کیونکہ مکروہ حیض والی عورت کو طُہر میں جماع کے بعد طلاق دینا اس لئے تھا کہ وہاں حمل ٹھہرنے کا احتمال ہوتا ہے جبکہ یہ احتمال یہاں نہیں ہے۔ (ت)

مگر ایک طلاق رجعی دے، اگر دو تین دے گا گنہگار ہوگا،

فی الدر البدعی ثلث متفرقۃ اوثنتان بمرۃ اومرتین الخ[2]۔

درمختار میں ہے، بدعی طلاق یہ ہے کہ تین طلاقیں خواہ متفرق ہوں یا دو طلاقیں ایک مرتبہ یا متفرق دی جائیں الخ (ت)

یُوں ہی طلاق بائن ایک ہی دے جب بھی ظاہر الروایۃ میں گناہ ہے،

فی ردالمحتار الواحدۃ البائنۃ بدعیۃ فی ظاھر الروایۃ[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے: ایک بائنہ طلاق، بدعی طلاق ہے ظاہر روایت کے مطابق۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۳: از ریوا ڈاکخانہ امریا ضلع پیلی بھیت مسئولہ جناب محمد بخش صاحب و ذوالفقار خاں صاحب

۴ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایک شخص نے حالتِ غصہ میں بسبب ملامت برادران زوجہ اپنے کے اپنی بیوی کو طلاق دی اور زمانہ طلاق میں عورت کو ۵ ماہ کا حمل تھا بعد طلاق اور پورا ہونے مدت حمل کے عورت کے لڑکا پیدا ہُوا اور تین چار روز زندہ رہ کر مرگیا یہ طلاق جائز ہے یا ناجائز، اور ایسی صورت میں جو حکم مسئلہ ہو اطلاع دی جائے اس عورت کا دوسری جگہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

عورت کو حمل ہونا مانع وقوعِ طلاق نہیں، اگر طلاق بائن تھی تو مطلقاً اور اگر رجعی تھی اور بچہ پیدا ہونے تک نہ زبانی رجعت کی نہ زوجہ کو ہاتھ لگایا تو بعد ولادت عورت نکاح سے نکل گئی اب اسے اختیار ہے جس سے

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار فصل فی محرمات کتاب الطلاق مجتبائی دہلی ۱/۲۱۶
[2] ایضاً
[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۱۸

چاہے نکاح کرے، اور اگر طلاق رجعی تھی اور قبلِ ولادت قول یا فعل کے ذریعہ سے شوہر نے رجعت کرلی تو عورت بدستور اُس کے نکاح میں ہے دُوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۴: از موضع بلہری ڈاکخانہ صفدر گنج ضلع بارہ بنکی مرسلہ مہدی حسن صاحب ۴ رجب ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص درمیان فسادِ باہمی کے بحالتِ غیظ وغضب اپنی بی بی سے تین بار یُوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دیا میں نے تجھے طلاق دیا، اور بروقت دینے کے یہ بھی اپنے دل میں ارادہ کرلیا ہو کہ میں ٹھیک ٹھیک اور صحیح عقل سے کہتا ہُوں باوجود درمیان جھگڑے باہمی کے غصہ میں یہ سب باتیں وقوع میں آئی ہوں تو اس حالت میں طلاق ہُوئی یا نہیں؛ اور اگر طلاق ہوگئی تو پھر چند ساعت کے بعد غصہ فرو ہوگیا اور میاں اپنے ان افعالِ قبیحہ پر منفعل ہوکر بی بی کو رجعت کرنا چاہے اور بی بی بھی رجعت پر آمادہ ہو تو کس صورت سے بی بی میاں پر حلال ہے فقط۔ بینوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، عورت بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی یعنی اس کی عدت گزرے پھر عورت دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اُس سے ہمبستری بھی ہو، پھر وہ اسے طلاق دے یا مرجائے اور عدت گزر جائے اس کے بعد اس شخص کو عورت سے نکاح جائز ہوگا۔

قال اللہ تعالٰی فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[1]، وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا تحلین لزوجك الاول حتی یذوق الاٰخر عسیلتك وتذوقی عسیلته[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تیسری طلاق دی تو اس کے لئے مطلقہ دوبارہ حلال نہیں ہوگی تاوقتیکہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ اور رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا ہے عورت تو حلال نہ ہوگی پہلے شوہر کے لئے جب تک تُو دوسرے خاوند کا مزہ اور وہ تیرا مزہ نہ لے لے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۵: از شاہجہان پور محلہ بازو زئی مسئولہ حفیظ اللہ صاحب ۱۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ درباب طلاق فتوٰی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کا کہ مجموعۃ الفتاوٰی جلد دوم صفحہ ۵۳ میں واقعہ ہے اور پیش خدمت نقل اُس کی اخیر تحریر میں موجود ہے کیا عندالضرورت ہم

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

[2] صحیح البخاری باب لم تحرم ما احل اللہ لک قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۲

لوگ اس پر عمل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نقل فتوٰی مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی قدس سرہ الولی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو حالتِ غضب میں کہا کہ میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا میں نے طلاق دیا، پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق واقع ہونگی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں اور شافعی میں مثلاً واقع نہ ہوں تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی رخصت دی جائے گی یا نہیں؟

ھوالمصوب الجواب: اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی اور بغیر تحلیل کے نکاح نہ درست ہوگا مگر بوقتِ ضرورت کہ اُس عورت کا علیحدہ ہونا اُس سے دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت ممتدۃ الطہر موجود ہے کہ حنفیہ عندالضرورت قول امام مالک پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ہے لیکن اولٰی یہ ہے کہ وہ شخص کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اس پر عمل کرے، واللہ اعلم حررہ عبدالحی عفی عنہ[1]

الجواب

یہ فتوٰی گمراہ گری ہے، اس پر عمل حرام قطعی ہے، ان کے مجموعہ فتاوٰی میں این وآں و زید وعمر کے فتوی بھی بھرے ہیں یہاں تک کہ غیر مقلدوں کے بھی، یہ فتوی بھی کسی غیر مقلد کا ہوگا اور وہ بھی نرے جاہل اجہل کا جسے یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک جلسہ میں تین طلاقیں ہوجانے پر جمہور صحابہ و تابعین و ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اجماع ہے، ہرگز امام شافعی یا کوئی امام اس کے خلاف کے قائل نہیں، اور اگر وہ یہ جانتا ہے پھر امام شافعی کو مخالف مانتا ہے تو سخت کذاب مکار ہے اور عوام کو دھوکے دینے والا۔ امام اجل ابوزکریا نووی شافعی شرح صحیح مسلم شریف میں فرماتے ہیں:

قال الشافعی و مالك و ابوحنیفة و احمد و جماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث۔[2]

امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور پہلے اور پچھلے جمہور علماء نے فرمایا تین طلاقیں واقع ہوں گی۔ (ت)

---

[1] مجموعہ فتاوٰی عبدالحی لکھنوی کتاب الطلاق مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۴۸-۳۴۷

[2] شرح صحیح مسلم للنووی باب طلاق الثلاث قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۷۸

یعنی امام شافعی و امام مالک و امام ابوحنیفہ و امام محمد و جمہور علمائے سلف و خلف کا یہی مذہب ہے کہ صورت مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں معہذا اسے ضرورت ماننا صراحتًا مذہب کا ڈھانا ہے، کون نہیں کہہ سکتا کہ عورت کا علیحدہ ہونا مجھ پر دشوار ہے، کون نہیں کہہ سکتا کہ احتمال مفاسد ہے، احتمال کو ضرورت جاننا عجب جہالت ہے نہ کہ فقط نفس پر شاق ہونے کو تمام تکلیفاتِ شرعیہ کا ہدم کرے گا وہ سب نفس پر شاق ہونا ضرورت ٹھہرا والضرورات تبیح المحظورات ولاحول ولاقوۃ الا باللہ (ضروریات، ممنوعات کو مباح کرتی ہیں ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ ت) مسئلہ مفقود و امتداد طہر پر اس کا قیاس کرنا صریح وسواس ہے پھر رفعِ اختلاف کو قضائے قاضی چاہئے یہاں فتوائے شافعی کی بھی ضرورت نہیں صرف اولٰی ہے، غرض وہ تحریر سراسر بطالت و جہالت کا خمیر ہے کسی طرح یقین نہیں کہ مولوی لکھنوی صاحب کی ہو اگرچہ غلطی کاتب سے ان کا نام لکھا گیا ہو اور اگر واقعی اُن کی ہے تو اتباع حق کا ہے نہ غیر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۶: از رامہ تحصیل گوجرخاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ محمد جی ۲۷ شعبان ۱۳۲۹ھ

شمس العلماء، رئیس الفضلائے خانخاناں جناب احمد رضا خاں صاحب دام لطفہ، السلام علیکم! اگر غضب کثرت سے ہو کہ ایسا غصہ ہو کہ کامل عقل نہ ہو اس حالت میں اگر طلاق صریح وغیرہ دیوے تو واقع ہوگی یا نہ؟

الجواب

غضب اگر واقعی اس درجہ شدّت پر ہو کہ حدِ جنون تک پہنچادے تو طلاق نہ ہوگی اور یہ کہ غضب اس شدّت پر تھا یا تو گواہانِ عادل سے ثابت ہو یا وہ اس کا دعوٰی کرے اور اُس کی یہ عادت معہود معروف ہو تو قسم کے ساتھ اس کا قول مان لیں گے ورنہ مجرد دعوٰی معتبر نہیں، یُوں تو ہر شخص اس کا ادعا کرے اور غصّہ کی طلاق واقع ہی نہ ہو حالانکہ غالبًا طلاق نہیں ہوتی مگر بحالتِ غضب، ردالمحتار میں خیریہ سے ہے:

الدھش من اقسام الجنون فلا یقع واذا کان یعتادہ بان عرف ھذا الدھش مرۃ یصدق بلا برھان [1] اھ وتمام تحقیقہ فی فتاوٰینا۔

مدہوشی، جنون کی قسم ہے۔ لہٰذا طلاق نہ ہوگی۔ جب عادت بن چکی ہو اور ایک مرتبہ مدہوشی معلوم ہو چکی ہو تو خاوند کی بات بلادلیل مان لی جائے گی اھ اس کی تحقیق ہمارے فتاوٰی سے معلوم کی جائے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۷

مسئلہ ۱۴۷: از شہر پوربندر مقام کھاری مسجد مرسلہ مولوی محمد اسمٰعیل خاں صاحب ۴ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت زینب سے حالتِ غصہ میں کہا زینب طلاق طلاق طلاق یعنی بے شمار طلاق جس کا اندازہ معلوم نہیں، اور زید کہتا ہے کہ مجھ کو حالتِ غصہ میں خبر نہیں کہ میں نے کتنے دفع طلاق دیا ہے بحضور الشاہدین، اور زینب کے خویش واقارب کہتے ہیں کہ زید نے تین طلاقیں شرعاً دی ہیں اور اب زید اپنی عورت زینب سے رجعت کرنا چاہتا ہے اور عورت کے وارث انکار کرتے ہیں اور یہ آدمی نمازی ہے اور غریب ہے، یہاں علماء نے فتوی دیا ہے کہ رجوع صحیح ہے مگر لوگ نہیں مانتے، اب حق آپ کی جانب ہے جیسا کہ حکم شریعت ہو، اگر آپ جواب نہ دوگے تو غریب کا حق مارا جائے گا اور دوسرا کوئی ہندوستان میں آپ جیسا عالم نہیں، آپ کا فتوٰی اطراف میں جاری ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ زید ان الفاظ سے طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے، گنتی میں سہو بتاتا ہے، اگر ثابت ہو کہ یہ لفظ تین بار کہے تین طلاقیں ہوگئیں رجعت ناممکن ہے بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا۔

قال اللہ تعالٰی فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تیسری طلاق کے بعد عورت حلال نہیں تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۸: از کلکتہ دھرم تلہ اسٹریٹ ۱۶۲ مرسلہ عزیز الرحمٰن صاحب پیش امام مسجد ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کئی آدمیوں نے مل کر ایک شخص سے کہا کہ تو اپنی اہلیہ کو طلاق دے دے، پس اس کی زبان سے بلانیتِ طلاق کے نکل پڑا کہ "ہاں ہاں" تو اس صورت میں اُس کی اہلیہ پر طلاق ہوگا یا نہیں؟ جواب کتب دینیہ سے ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جبکہ اُن اشخاص نے اس سے طلاقِ زن کی درخواست کی اور اس کے جواب میں اس نے "ہاں ہاں" کہا، طلاق اصلاً نہ ہوئی اگرچہ بہ نیت طلاق ہی کہتا کہ لفظ "ہاں" جب امر کے جواب میں واقع ہو تو اس کا حاصل وعدہ ہوتا ہے یعنی ہاں طلاق دے دوں گا اور اس سے طلاق نہیں ہوسکتی اگرچہ نیت کرے کہ طلاق کے لئے نیت

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

بے لفظ کافی نہیں، ہاں اگر وہ یُوں کہتے کہ تُو نے اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی، تو یہ اخبار یا بتقدیر لفظ کیا استخبار ہوتا اس کے جواب میں اگر وُہ ہاں کہتا ضرور وقوعِ طلاق کا حکم دیا جاتا کہ اب وہ تصدیق و اقرار ہے اسی صورت کی تصریح کی ضرورت یہ بھی تھی کہ بعض اطرافِ ہند کے بلاد میں فاعل فعل متعدی کے ساتھ بھی لفظ (نے) نہیں کہتے مثلاً تو کہا یا آپ فرمائے بولتے ہیں اگر ان لوگوں کا یہی محاورہ معلوم معروف ہے اور "دے دی" بسیاقِ معروف کہا تھا اور زید نے یہی معنی سمجھ کر "ہاں" کہا تو حکماً طلاق واقع مانی جائے گی، اگرچہ عند اللہ طلاق نہ ہُوئی جبکہ واقع میں نہ دی تھی اور جھوٹ اقرار کر دیا۔ تاج العروس میں ہے:

في التهذيب قد يكون نعم تصديقا و يكون عدة و حاصل ما في المغني و شروحه انه يكون حرف تصديق بعد الخبر و وعدا بعد افعل و لا تفعل الخ۔[1]

تہذیب میں ہے کہ نعم (ہاں) کا لفظ تصدیق ہوتا اور وعدہ بھی ہوتا ہے، اور مغنی اور اس کی شروح میں مذکور کا ماحصل یہ ہے کہ نعم خبر کے بعد تصدیق اور کر (امر) اور نہ کر (نہی) کے بعد وعدہ ہوتا ہے الخ (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

سئل نجم الدين عن رجل قال لامرأته اذهبي الى بيت امك فقالت طلاق ده تا بروم فقال تو برو من طلاق دادم فرستم قال لا تطلق لانه وعد كذا في الخلاصة۔[2]

نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "تو اپنی والدہ کے ہاں جا" بیوی نے جواب میں کہا "تو طلاق دے تاکہ میں جاؤں" خاوند نے کہا "تو جا میں نے طلاق دی ہے بھیج دی ہے" تو نجم الدین رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ وعدہ ہوگا۔ خلاصہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

في البحر عن البزازية و القنية لو اراد الخبر عن الماضي كذبا لا يقع ديانة و ان اشهد قبل ذلك لا يقع قضاء ايضا[3] اھ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم۔

بحر میں بزازیہ اور قنیہ سے منقول ہے کہ مذکورہ صورت میں اگر خاوند نے ماضی کے بارے میں جھوٹی خبر دیتے ہُوئے کہا ہو تو طلاق نہ ہوگی، اور اگر پہلے سے گواہ بنا لئے ہوں تو قضاءً بھی طلاق نہ ہوگی اھ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] تاج العروس فصل النون من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۹/۸۲
[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۴
[3] ردالمحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۳

مسئلہ ۱۴۹: از کلکتہ امرتلہ لائن ۲۶ مسئولہ رحمت اللہ آدم غنی ۲۸ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نکاح ثابت رہا یا طلاق ہوا، ہماری بی بی سے اور ہماری والدہ سے جھگڑا ہوا، اس رنجش سے ہماری والدہ دوسرے مکان پر چلی گئی ایک ہفتہ بعد جمعرات کو سب لوگ گئے، بی بی سے دریافت کیا کہ ہماری والدہ رنج ہو کر چلی گئی تم اُن کو راضی کرکے لاؤ، بی بی نے انکار کیا، میں نے بہت سمجھایا مگر وہ راضی نہ ہوئی، میں نے کہا جب تک میری والدہ کو راضی نہیں کروگی ہم بھی تمھارے شریک رنج وملال کے نہیں ہوں گے، اس پر بی بی نے جواب دیا ہم تم کو اور تمھاری ماں کو نہیں چاہتے ہیں تم چلے جاؤ، میں مکان آنے لگا، بی بی نے کہا ایسے کیوں جاتے ہو صفائی کرکے چلے جاؤ، ہم نے جواب دیا کہ کس کو صفائی کے لئے بلاؤں اپنے دل میں ارادہ کیا کہ روزانہ کے جھگڑے سے اس کو طلاق دینا ہی بہتر ہے، چلے آئے، بستی والوں نے پوچھا کہ کسی کے نزدیک اس کو طلاق دیا، ہم نے جواب دیا کہ اپنے دل سے طلاق اس کو دے دیا جس کو آٹھ نو مہینے کا زمانہ گزرتا ہے اُس تاریخ سے آج تک ہم سے اس سے ملاقات نہیں ہے بعد پانچ چھ ماہ کے ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ تم اپنی بی بی سے کیوں نہیں ملتے، جواب دیا کہ ہم اس کو طلاق دے دیا بجواب اس کے تم نے کس کے نزدیک طلاق دیا، ہم نے اُس کو کسی کے سامنے طلاق نہیں دیا اپنے دل سے اُس کو ترک کر دیا بجواب اس کے ان نے کہا کہ گھر بیٹھے طلاق طلاق طلاق نہیں ہوتا ہے کسی کے سامنے طلاق دینا چاہیے، اس پر اس نے کہا کہ ایسے طلاق نہیں ہوتا ہے نہ ہُوا، اس پر ہم نے کہا ایک طلاق دو طلاق تین طلاق یہ کہہ کر کہا کہ اب ہُوا یا نہیں، ان نے کہا اب ہوگیا۔

الجواب

دل میں طلاق دینے سے نہیں ہوتی جب تک زبان سے نہ کہے،

بل بصوت یسمع نفسہ لولا مانع کما ہو الصحیح المعتمد فی کل ما ہو قول کما فی الدر وغیرہ۔

بلکہ ایسی آواز سے جس کو مانع نہ ہونے پر خود سُن سکے، جیسا کہ یہی صحیح اور قابلِ اعتماد قول ہے ہر قولی معاملہ میں جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے(ت)

پہلے شخص کے جواب میں اگر یوں کہتا کہ اپنے دل میں طلاق دے دی تو اس سے بھی طلاق نہ ہوتی لانہ اقرار بالباطل (کیونکہ یہ باطل کا اقرار ہے۔ت) مگر اس نے کہا کہ اپنے دل سے اس کو طلاق دے دی یہ ایک طلاق رجعی ہُوئی، عبارتِ سوال سے ظاہر یہ ہے کہ اس گفتگو کے پانچ چھ مہینہ بعد دوسرے شخص سے گفتگو ہُوئی، اگر ایسا ہے اور اس پانچ چھ مہینے میں گفتگوئے شخص اول کے بعد سے اب تک عورت کو تین حیض شروع ہوکر ختم ہو چکے تو یہ تین طلاقیں نہ ہُوئیں لفوات المحل

بالبینونۃ (بائنہ طلاق کی وجہ سے اب طلاق کا محل نہ رہی۔ ت) عورت اسی پہلی طلاق پر نکاح سے نکل گئی اب بلا حلالہ اس سے نکاح جدید کرسکتا ہے اور اگر اس پانچ چھ مہینے میں عورت کو تین حیض آکر ختم نہ ہوئے تو اب تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۰: طلاق کتنے مرتبہ دینے سے عورت نکاح سے باہر ہوسکتی ہے؟

الجواب

تین مرتبہ طلاق ہوجائے تو عورت ایسی نکاح سے باہر ہوتی ہے کہ بے حلالہ پھر اُس سے نکاح نہیں کرسکتا اور تین مرتبہ سے کم کے لئے کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ اُن سے نکاح جاتا ہے مگر بے حلالہ نکاح پھر کرسکتا ہے، اور ابھی عورت سے خلوت کی نوبت نہ پہنچی ہو تو کسی لفظ سے ایک ہی طلاق دینے سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۱ ، ۱۵۲: از اندور چھاؤنی ریذیڈنسی گورنمنٹ پریس سنٹرل انڈیا مسؤلہ عبدالکریم پسر سکندر خاں پہلوان ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ ایک شخص جس نے اپنی زوجہ کو واقعی طلاق نہیں دی تھی کسی مقدمہ میں برسر اجلاس فریق ثانی کے سوال کے تردید میں جس نے کہ اس کی زوجہ کا بوجہ نوع بنوع تکالیف کے اس کے یہاں سے فرار ہونا ظاہر کیا تھا یہ جواب دیا کہ اس کی زوجہ فرار نہیں ہُوئی بلکہ میں نے اس کو طلاق دے دی تھی لیکن بعد میں تحقیقات سے معلوم ہُوا کہ شخص مذکور الصدر نے محض اپنی آبروریزی کے خیال سے نیز اپنی بات کو بالا رکھنے کی وجہ سے طلاق کا اظہار کچہری کے رُوبرو کیا تھا، آیا ایسی صورت میں جیسا کہ اس نے کچہری کے رُوبرو ظاہر کیا طلاق ہونا جائز ہے کیا؟

(۲) شخص مذکور الصدر ہی نے ایک دعوٰی بازیابی زوجہ اپنی، زوجہ کے خلاف کچہری مجاز میں دائر کیا، کچہری نے بعد انفصال مقدمہ ایک نوٹس میعادی آٹھ یوم بایں مضمون بنام مدعی جاری کیا کہ میعاد مقررہ کے اندر مدعی اپنی زوجہ کو اپنے مکان پر لے جائے ورنہ بعد انقضائے میعاد مذکور سمجھا جائے گا کہ مدعی مذکور کی جانب سے طلاق ثلاثہ ہوگئی، چنانچہ نوٹس مجریہ بعد اطلاع یابی مدعی مذکور بلا کسی اطلاع کے کہ مدعی اپنی زوجہ کو اتنے روز میں لے جائے گا موصول کچہری مجاز ہوگا، بعد اختتام میعادِ مذکور وکیل مدعا علیہا نے ازرُوئے قانون مروجہ ہدایت کی کہ مدعا علیہا اب اپنا عقد ثانی کرسکتی ہے، اس صورت میں اگر خلاف مدعا علیہا کسی قسم کا دعوٰی مدعی کی طرف سے ہوگا تو اس کا ذمہ دار میں ہُوں، لہٰذا عرض ہے کہ اس صورت میں بھی کہ جو یہاں کی گئی تحریر فرمائیں کہ ازرُوئے شرع شریف طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب

پہلی صورت میں ایک طلاق ہوجانے کا حکم دیا جائے گا اگرچہ عند اللہ نہ ہو جبکہ جھوٹ کہا ہو کما فی الخیریۃ فیمن اقر بالطلاق کاذبا (جیسا کہ خیریہ میں طلاق کا جھوٹا اقرار کرنے والے کی بحث میں ہے۔ت)

صورت دوم میں ہرگز طلاق نہ ہوئی، نوٹس میں دوسرے کا یہ لکھ دینا اور شوہر کا جواب نہ دینا محض مہمل ہے، ہرگز اس سے عورت کو دوسری جگہ نکاح کا اختیار نہیں ہوسکتا، حدیث میں ہے: الطلاق لمن اخذ بالساق[1] (طلاق کا حق صرف خاوند کو ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۳: از شہر رجمنٹ ا کا کور ۹۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین صاحب سہارنپوری ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو کو عشق ہوگیا تھا اور ہر وقت خیال معشوق رہتا تھا اور فکر مند دل رہتا تھا اور خلش بہت تھی عمرو نے گھبراہٹ میں طلاق دے دی، اس کلمہ کو دن میں بار بار جنون کی حالت میں بیان کرتا تھا۔

الجواب

فقط گھبراہٹ یا دماغ پر گرمی کا نام جنون نہیں، اگر واقعی مجنون نہ تھا تو طلاق ہوگئی، اگر تین بار کہی تو تین بار، وہ الفاظ جو اس نے بار بار کہے سائل نے بیان نہ کئے کہ ان کا مفصل حکم دیا جاتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و ہندہ میں لڑائی ہوئی، زید نے حالتِ غیظ و غضب میں ہندہ کو طلاقنامہ لکھ دیا اور اپنے مکان سے نکال دیا، اسے مدت گزری یہاں تک کہ عدت گزر گئی، اب زید کہتا ہے کہ مجھے طلاق منظور نہ تھی میں نے شدتِ غضب میں وہ طلاقنامہ لکھا تھا اور زبان سے کوئی لفظ طلاق نہ کہا تھا، پس اس صورت میں زید کا یہ عذر قابل سماعت ہے یا نہیں؟ ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور اگر ہوئی تو اب زید اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور ہندہ کا مہر زید پر واجب الادا ہوگیا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

غصہ مانع وقوع طلاق نہیں بلکہ اکثر وہی طلاق پر حامل ہوتا ہے، تو اسے مانع قرار دینا گویا حکم طلاق کا راسًا ابطال ہے، ہاں اگر شدتِ غیظ و جوشِ غضب اس حد کو پہنچ جائے کہ اس سے عقل زائل ہوجائے، خبر نہ رہے کیا کہتا ہوں زبان سے کیا نکلتا ہے، تو بیشک ایسی حالت کی طلاق ہرگز واقع نہ ہوگی پس صورتِ مستفسرہ میں اگر زید اس حالت تک نہ پہنچا تھا تو صرف غصہ ہونا اسے مفید نہیں اور

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۵۲

طلاق جس طرح قول سے واقع ہوتی ہے یونہی تحریر سے، پس وہ طلاق واقع ہوگئی اور بہ سبب مرورِ عدت کے اب رجوع بھی نہیں کرسکتا، ہاں اگر تین طلاقیں نہ تھیں تو نکاحِ جدید بے حلالے کے کرسکتا ہے ورنہ حلالہ کی ضرورت ہے کما ھو الحکم المعروف (جیسا کہ حکم مشہور ہے۔ ت) اور مہرِ ہندہ اس صورت میں بیشک زید پر واجب الادا ہے، اور اگر وہ دعوٰی کرے کہ اُس تحریر کے وقت میرا غصہ ایسی ہی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ میری عقل بالکل زائل ہوگئی تھی اور مجھے نہ معلوم تھا کہ میں کیا کہتا ہوں کیا میرے منہ سے نکلتا ہے، تو اطمینانِ ہندہ کے لئے اس کا ثبوت گواہانِ عادل سے دے کہ اگرچہ عنداللہ وہ اپنے بیان میں سچا ہو اور اُسے عورت کے پاس جانا دیانۃً روا ہو مگر عورت کو بے ثبوت بقائے نکاح اس کے پاس رہنا ہرگز حلال نہیں ہوسکتا، تو ضرور ہُوا کہ زید اپنے دعوٰی پر گواہ دے یا اگر معلوم و معروف ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی اُس کی ایسی حالت ہوگئی تھی تو گواہوں کی کچھ حاجت نہیں مجرد قسم کھا کر بیان کرے ورنہ مقبول نہیں۔ (جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۱۵۵: از رامپور محلہ پھول واڑہ مرسلہ محمد علی صاحب مورخہ ۷ ذی الحجۃ الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین بیچ اس مسئلہ طلاق کے کہ زید کی بیوی جب اپنے میکہ گئی تو علیل ہوگئی اور حاملہ بھی ہے جب کچھ فرصت ہوئی تو سسرال میں آئی شام کے ۷ بجے ماہِ رمضان میں ایک دورہ گرمی یا کسی دوسری بیماری کے سبب سے لاحق ہُوا اور اس وقت کی حالت خطرناک تھی زید اپنے مکان پر موجود نہ تھا کچھ عرصے کے بعد جب زید مکان پر آیا اور اپنی زوجہ کو ایسی حالت میں دیکھا فوراً واپس گیا تاکہ حکیم صاحب کو لائے جب حکیم صاحب کے یہاں وہ جارہا تھا تو اُس نے اپنی سسرال میں بھی اس واقعہ کی خبر کردی جس پر زید کے خسر اور ساس آگئے حکیم صاحب نے اپنی تشخیص سے یہ ثابت کیا کہ کسی چوٹ کی وجہ سے یہ دورہ پڑا ہے اس پر زید کے سالے نے یہ خیال کرکے کہ زید نے اس کی ہمشیرہ کو مارا ہے سخت وسُست کہنا شروع کیا جس پر زید بھی وہی کہنے کے لئے تیار ہوگیا، نوبت بایں جا رسید کہ ہاتا پائی شروع ہوگئی، زید کی والدہ نے زید کے پھوپھا زاد بھائی کو آواز دی اور وہ زید کی زوجہ سے بھی یہی رشتہ رکھتے ہیں وہ فوراً آگئے اور زید کو پکڑ کر لے گئے، اس وقت زید کی حالت ایک دیوانے کُتّے کی تھی اس کو کسی بات کا ہوش نہ تھا، اسی رات میں اس نے یہ کہا کہ جس عورت کی وجہ سے یہ بے عزتی مجھ کو اٹھانا پڑی میں نے اس کو تین طلاق پر چھوڑا لیکن یہ کلمہ ایک مرتبہ اس کے مُنہ سے نکلا زید کے خسر اپنی بیٹی کو اُسی وقت لے گئے جس کو اب تک دو ماہ اور کچھ دن گزرے اس پر کیا حکم ہے اور زید نے اپنی بیوی بلانے کے لئے کہا ہے۔

الجواب

تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں ہوسکتا مگر جبکہ گواہان عادل شرعی سے ثابت ہوکہ واقعی وہ اس وقت حالتِ جنون میں تھا یا یہ معلوم ومشہور ہو کہ اُسے جب غصہ آتا ہے عقل سے باہر ہو جاتا ہے اور حرکاتِ مجنونانہ اس سے صادر ہوتی ہیں اس حالت میں اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ اس وقت میرا یہی حال تھا اور میں عقل سے بالکل خالی تھا تو قبول کرلیں گے اور حکمِ طلاق نہ دیں گے، اگر جھوٹا حلف کریگا وبال اس پر ہے والمسئلة فی الخیریة وردالمحتار وغیرهما (یہ مسئلہ خیریہ اور ردالمحتار وغیرہما میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۶

۲۸ ربیع الثانی شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کسی کے جبر وظلم سے محض ناچار ومجبور ہوکر اپنی عورت کو طلاق دے دی اور طلاقنامہ لکھ دیا تو اس صورت میں طلاق پڑے گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

طلاق بخوشی دی جائے خواہ بجبر، واقع ہوجائے گی، نکاح شیشہ ہے اور طلاق سنگ، شیشہ پر پتھر خوشی سے پھینکے یا جبر سے یا خود ہاتھ سے چھوٹ پڑے شیشہ ہر طرح ٹوٹ جائے گا۔ مگر یہ زبان سے الفاظِ طلاق کہنے میں ہے، اگر کسی کے جبر واکراہ سے عورت کو خط میں طلاق لکھی یا طلاق نامہ لکھ دیا اور زبان سے الفاظِ طلاق نہ کہے تو طلاق نہ پڑے گی۔ تنویر الابصار میں ہے:

ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو مکرها او مخطئا[1] وفی ردالمحتار عن البحران المراد الاکراه علی تلفظ بالطلاق فلو اکره علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولاحاجة هنا[2]۔

ہر عاقل بالغ خاوند کی طلاق نافذ ہو جائیگی اگرچہ مجبور کیا گیا یا خطاء سے طلاق کا کہہ دیا ہو، اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ جبر سے مراد لفظ طلاق کہنے پر جبر کیا گیا ہو، اور اگر اس کو اپنی بیوی کو طلاق لکھنے پر مجبور کیا گیا تو اس نے مجبور ہو کر لکھ دی تو طلاق نہ ہوگی، کیونکہ کتابت کو تلفظ کے قائمقام محض حاجت کی بنا پر کیا گیا ہے اور یہاں خاوند کو حاجت نہیں ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۱

مگر یہ سب اس صورت میں جبکہ اکراہ اکراہِ شرعی ہو کہ اُس سے ضرر رسانی کا اندیشہ ہو اور وہ ایذا پر قادر ہو صرف اس قدر کہ اُس نے اپنے سخت اصرار سے مجبور کر دیا اور اس کے لحاظ پاس سے اسے لکھتے بنی، اکراہ کے لئے کافی نہیں یوں لکھے گا تو طلاق ہوجائے گی کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۷: از ڈاک خانہ راموچکاکول ضلع چٹا گانگ مدرسہ عزیزیہ مرسلہ سید مفیض الرحمٰن

۱۰ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

کسی نے ایک شخص کو جبراً نشہ پلایا وہ حالتِ بیہوشی میں اگر عورت کو طلاق دے تو کیا طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب

لوگ کسی کے اصرار کو بھی جبر کہتے ہیں، یہ جبر نہیں، اگر ایسے جبر سے نشہ کی چیز پی اور اس نشہ میں طلاق دی بلاشبہہ بالاتفاق ہوگئی، ہاں اگر جبر و اکراہِ شرعی ہو۔ مثلاً قتل یا قطع عضو کی دھمکی دے جس کے نفاذ پر یہ اُسے قادر جانتا ہو، یا یوں کہ کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ کر مُنہ چیر کر حلق میں شراب ڈال دی تو یہ صورت ضرور جبر کی ہے، اور تحقیق یہ ہے کہ اس نشہ میں اگر طلاق دے تو نہ پڑے گی۔ درمختار میں ہے:

اختلف التصحیح فیمن سکر مکرھا او مضطرا[1]۔

جس شخص نے مجبور ہو کر یا اضطراری حالت میں نشہ آور چیز کو استعمال کیا اور اسی نشہ میں اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو ایسے شخص کی طلاق میں تصحیح مختلف ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

صحح فی التحفۃ وغیرھا عدم الوقوع وفی النھر عن تصحیح القدوری انہ التحقیق[2]۔ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تحفہ وغیرہ میں طلاق واقع نہ ہونے کو صحیح قرار دیا گیا ہے، اور نہر میں قدوری کی تصحیح بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہی تحقیق ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۷

[2] ردالمحتار ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۴

مسئلہ ۱۵۸ ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اگر طلاق جبراً دلوائی جائے تو اگر خوفِ جان سے مجبوڑا اگر کوئی عورت اپنی کو طلاق دیوے تو طلاق واقع ہوجاوے گی یا نہیں اور اگر لفظِ نفی آہستہ سے اپنی دبی زبان سے کہلوے کہ وہ نہ سمجھے اور نہ سُنے تو بھی واقع ہوجاویگی یا نہیں، مثلاً یہ کہے میں نے اپنی عورت کو طلاق (نہیں) دی یا لفظ استثنار (اِن شاء اللہ) آہستہ سے کہلوے تو کیا حکم ہے، یا اور کوئی حیلہ ہوسکتا ہے یا نہیں جس سے طلاق واقع نہ ہو۔

الجواب

طلاق اگر دبی زبان سے دے کیسے ہی جبر واکراہ سے دی ہو ہوجائے گی، اور استثنار یا الحاق نفی اگر ایسی آواز سے تھا کہ خود اپنے کان تک پہنچنے کے قابل بھی نہ تھی تو وہ عنداللہ بھی معتبر نہیں طلاق ہوگئی، اور اگر اپنے کان تک آواز آئی اُس مکرہ نے نہ سُنی اور حاضرین نے تو قضاءً طلاق مانی جائے گی عنداللہ نہ ہوگی۔ حیلہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کے اکراہ پر کہے طلاق طلاق طلاق، اور نیت یہ کرے کہ مہمل مطالبہ کررہے ہو، لیکن مکرہ اگر ہوشیار ہے اور بے تصریح اضافت نہ مانے تو کوئی حیلہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۵۹ از حافظ شمس الدین شاہ آباد ضلع ہردوئی محلہ گیلانی ۲ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص پندرہ سال سے دیوانہ ہوگیا ہے اور اس کی عورت ہے اُس کو اپنی عورت سے کوئی غرض واسطہ نہیں ہے اُس کا حق پورا نہیں کرسکتا کھانا کپڑا وغیرہ کچھ نہیں دے سکتا ہے، عرصہ آٹھ دس ماہ کا ہُوا اس سے طلاق کے واسطے کہا گیا کہ اپنی عورت کو طلاق دے دے، تب اس نے دو۲ مرد اور ایک عورت کے سامنے طلاق دے دی، تین بار اپنی زبان سے کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی، عورت کون ہے جس کے رُوبرو طلاق دی دیوانہ کی ماں ہے، مرد وہ کون ہیں جن کے رُوبرو طلاق دی ایک دیوانہ کا بھائی ہے دوسرا بھانجا ہے۔ یہ شخص ایسا دیوانہ نہیں ہے جو بالکل ہوش وحواس نہ رکھتا ہو، کھاتا پیتا ہے مکان میں رہتا ہے اس کی کوئی جائداد ایسی نہیں ہے جو اپنا گزر کرسکے، اس کی عورت دُوسرے سے نکاح کرنا چاہتی ہے آیا طلاق ہُوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔ برائے مہربانی جواب سے جلد مطلع فرمائیے۔

الجواب

مجنون کی طلاق باطل ہے وُہ لاکھ دفعہ طلاق دے ہرگز نہ ہوگی، نہ عورت کو دُوسرے سے نکاح جائز ہوگا نہ اس کی طرف سے اُس کا ولی طلاق دے سکتا ہے لان الولایۃ للنظر لا للضرر (کیونکہ

ولایت شفقت کے لئے ہوتی ہے ضرر کے لئے نہیں۔ ت) کھانا پینا مکان میں رہنا منافی جنون نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۰: از شہر بریلی محلہ بہاری پور زوجہ عبدالرحمن صاحب ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ محبوبن کا نکاح مستری عبدالرحمن سے عرصہ نو سال کا ہوا جب ہوا تھا بعد نکاح ایک سال تک باقاعدہ رہا پھر اس کے یہاں سے چلا گیا چونکہ مکان مسماۃ محبوبن کا تھا اس واسطے وہ اکیلی مکان میں رہی محلہ والے اس کو سمجھا کر لائے غرضکہ اسی طرح کبھی وہ چلا جاتا اور کبھی آجاتا یونہی عرصہ نو سال کا ہوا بعد نو سال کے وہ لوگ جو نکاح کے گواہ تھے ان کے سامنے کہہ گیا تین بار کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی اور کہا نہ تو میری بی بی نہ میں تیرا شوہر اب اس صورت میں نکاح جائز رہا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سچ اور جھوٹ کا حال اللہ جانتا ہے، یہ حلال و حرام و قبر و حشر کا معاملہ ہے، بناوٹ سے حلال و حرام نہ ہو جائے گا، نہ اللہ تعالٰی کے یہاں بناوٹ کام دے گی جو لوگوں کی چھپی جانتا ہے، اگر واقع میں عورت جانتی ہے کہ وہ تین بار اس سے یہ لفظ کہہ گیا تو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر شوہر واپس آئے اور طلاق سے منکر ہو اور گواہوں میں دو گواہ حامل قبول شرع نہ نکلیں تو طلاق ثابت نہ ہوگی شوہر کے حلف کے بعد عورت اُسے جبراً واپس دلائی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱ تا ۱۶۳: از فتحپور ضلع شیخاواٹی درگاہ مسئولہ پیرجی محمد حنیف صاحب ۵ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) کتنی بار طلاق دینے سے عورت خاوند پر حرام ہو سکتی ہے؟

(۲) جو شخص اپنی زوجہ کو دس بار طلاق دے اور اس کے ثبوت میں تین بار خاص اپنے ہاتھ سے تحریر لکھ لکھ کر لوگوں پر ظاہر کرے تو کیا وہ عورت بغیر حلالہ اُس کے لئے بغیر نکاح حلال ہو سکتی ہے؟

(۳) اسی مطلقہ سے انہیں شرطوں پر بغیر حلالہ کئے رہی، طلاق دینے والا خاوند صحبت کرتا رہے اور اس کو بدستور اپنے عملدرآمد میں لاتا رہے اُس کا کیا حکم ہے؟ اُس کی اولاد کیسی ہے اور اس کی جائداد کی مستحق ہوگی یا نہیں اور ایسا شخص قابلِ خلافت و سجادگی و خرقہ درویشی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

(۱) جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں پھر وُہ عورت اُس کے لئے بے حلالہ کسی طرح حلال نہیں ہوسکتی ،

قال الله تعالیٰ فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[1] ۔ والله تعالیٰ اعلم ۔

الله تعالیٰ نے فرمایا ہے : اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے ۔ والله تعالیٰ اعلم (ت)

(۲) جس نے دس طلاقیں دیں، تین سے طلاق مغلظ ہوگئی اور باقی سات شریعت سے اس کا استہزا تھیں، بلا نکاح تو مطلقہ بائن بھی حلال نہیں ہوسکتی ہے اور یہ تو نکاح سے حرام محض رہے گی جب تک حلالہ نہ ہو کہ اس طلاق کی عدت گزرے پھر عورت دوسرے سے نکاح کرے اور اس سے ہم بستر بھی ہو، پھر وُہ طلاق دے یا مرجائے اور بہرحال اس کی عدت گزر جائے اس کے بعد اس پہلے سے نکاح ہوسکتا ہے ورنہ ہرگز نہیں ۔ والله تعالیٰ اعلم ۔

(۳) وُہ صحبت زنا ہوگی اور اسے اگر مسئلہ معلوم ہے تو یہ زانی اور شرعًا سزائے زنا کا مستحق اور اولاد ولد الزنا ۔ اور ترکہ پدری سے محروم ، اور ایسا شخص قابلِ خلافت وسجادہ نشینی نہیں ،

وقد قال فی رد المحتار وغیرہ من الاسفار انہ زنا اذا علم بالحرمۃ[2] ۔

ردالمحتار وغیرہ کتب میں فرمایا ، جب حرام ہونا معلوم ہے تو یہ زنا ہے ۔ (ت)

اور اس میں برابر ہے کہ تین طلاقیں ایک ساتھ ہوں یا متفرق ۔ درمختار میں ہے :

لاحد بشبہۃ الفعل ان ظن حلہ کوطء معتدۃ الثلاث ولو جملۃ[3] (ملخصًا)

جب حلال ہونے کا گمان کیا تو یہ شبہہ فعل ہوگا جس پر حد نہیں ، جیسا کہ اپنی مطلقہ ثلاثہ کی عدت میں جماع کیا اگرچہ اکٹھی تین طلاقیں ہوں (ملخصًا) (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ای ولوکان تطلیقۃ الثلاث بلفظ واحد فلا یسقط عنہ الحد الا ان ادعی ظن الحل

یعنی ایک لفظ سے تینوں طلاقیں دے دی ہوں تو عدت میں وطی کرنے پر حد ساقط نہ ہوگی مگر اس نے اس صورت میں حلال ہونا گمان ہو تو پھر

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۰، ۶۱۲، ۶۱۵

[3] درمختار باب العطاء الذی لایوجب الحد الخ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۱۸

وکذا لووقع الثلاث متفرقۃ بالطریق الاولیٰ اذ لم یخالف فیہ احد لان القرآن ناطق بانتفاء المحل بعد الثلاثۃ۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس پر حد نہ ہوگی، اور یوں ہی اگر اس نے تین متفرق دی ہوں تو بطریق اولیٰ حد ساقط نہ ہوگی کیونکہ اس میں کوئی مخالف نہیں تین طلاقوں کے بعد بیوی کا محلِ وطی نہ رہنا قرآن کی نص ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶۴ تا ۱۶۶ ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ نابالغ اور نابالغہ کا نکاح بذریعہ اُن کے ولی کے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے اپنی لڑکی نابالغہ عمر تقریباً دس سال کا نکاح ایک لڑکے چوبیس[۲۴] سالہ کے ساتھ کردیا اپنی ولایت سے درست ہے یا نہیں؟

(۳) اگر اس لڑکی نے کچھ اشارہ وقت لینے اقرار کے کردیا ہو تو بھی نکاح درست ہے۔ اب عمرو نے ان تینوں صورتوں میں ایسی کسی صورت کو حاصل کرکے اپنی بی بی کو طلاق دے دی اس کے باپ کے کہنے سے، اور لڑکی بھی اپنی نادانی سے طلاق پر رضامند تھی طلاق ہوگئی، لفظ طلاق یوں کہا طلاق دی طلاق دی طلاق دی، تین دفعہ کہنے سے طلاق ہوگئی، اب بعد طلاق اُس کا نکاح پھر پڑھا جاوے تو کس شرط کے بعد نکاح جائز ہوجائے گا؟ بینوا توجروا (بیان کرکے اجر پاؤ۔ ت)

الجواب

نابالغ نابالغہ کا نکاح بذریعہ ولی کے ہوسکتا ہے۔

(۲) باپ نے اپنی نو دس برس کی لڑکی کا نکاح چوبیس سالہ لڑکے کے ساتھ کردیا درست ہے،

وقد تزوج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا وھی بنت ست سنین وبنی بھا وھی بنت تسع سنین۔[2]

بیشک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا تو وہ چھ سال کی تھیں آپ نے رخصتی حاصل کی تو وہ نو سال کی تھیں۔ (ت)

(۳) ولی جائز کے ہوتے نابالغہ کے اشارہ کی کوئی حاجت نہیں اور بغیر ولی کے نابالغہ کا اشارہ یا خود زبان سے صراحت ایجاب وقبول کرنا کافی نہیں، شوہر عاقل بالغ نے اگر اپنی زوجہ نابالغہ کو طلاق دی

---

[1] ردالمحتار باب الوطی الذی یوجب الحد والذی لایوجبہ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۱۵۲

[2] سنن ابن ماجہ باب نکاح الصغار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۶

طلاق ہوجائے گی، زوجہ کا راضی یا ناراض ہونا کچھ معتبر نہیں۔ زوجہ سے اگر خلوتِ صحیحہ خواہ فاسدہ ہوچکی تھی توصورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، عورت پر اگرچہ نابالغہ ہو عدت لازم ہے، جسے حیض نہ آیا اس کی عدت تین مہینے ہے۔

قال اللہ تعالٰی فعدتھن ثلثۃ اشھر و اللّٰئی لم یحضن[1]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: نابالغہ اور جن کو حیض بند ہوگیا ہے ان کی عدت تین ماہ ہے۔ (ت)

اس کے بعد اس کا نکاح ہوسکتا ہے۔

فی الدرالمختار العدۃ فی حق من لم تحض لصغر بان لم تبلغ تسعا اوکبر بان بلغت سن الایاس ثلثۃ اشھر ان وطئت فی الکل ولو حکما کالخلوۃ ولو فاسدۃ مطلقا[2]۔

درمختار میں ہے: جن عورتوں کو نابالغی یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، نابالغی سے مراد جو نو سال کو نہ پہنچی اور بڑھاپے سے مراد جن کا رحم ناقابل ہوگیا' تو ان سب کی عدت تین ماہ ہے، عدت کا یہ حکم سب مدخولہ عورتوں کے لئے ہے اگرچہ حکماً مدخولہ ہوں جیسا کہ خلوت مطلقاً خواہ فاسدہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المطلقۃ قبل الدخول لا یلحقھا طلاق اٰخر اذا لم تکن معتدۃ بخلاف ھذہ[3]۔

قبل از دخول مطلقہ کو دوسری طلاق ملحق نہ ہوگی بشرطیکہ عدت والی نہ ہو بخلاف عدت والی کے۔ (ت)

اور اگر ابھی خلوت کی نوبت نہ آئی تو ایک طلاق ہوئی اور عورت پر عدت نہیں اُسی وقت جس سے چاہے نکاح ممکن ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۷: از پنڈی ضلع منڈلہ مرسلہ ولی محمد صاحب ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

محمد بخش نے اپنی عورت کو اس ترکیب سے ایک خطبہ میں طلاق دیا کہ طلاق طلاق طلاق، اور مہر بھی جو کچھ تھا ادا کردیا، اور طلاق دئے ہوئے عرصہ ایک سال کا ہوا، اور اب پھر دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں مطابق دوسرے پارہ کے، جیسا کہ چودھویں رکوع میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے، مگر ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا

---

[1] القرآن ۶۵/ ۴

[2] درمختار باب العدۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۶

[3] ردالمحتار باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۴۱

صورتِ بالا میں مطابق قرآن و حدیث کے جواب مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب

اگر اس نے اتنے ہی لفظ کہے کہ طلاق طلاق طلاق، نہ یہ کہا کہ دی، نہ یہ کہا کہ تجھ کو یا اس عورت کو، نہ یہ الفاظ کسی ایسی بات کے جواب میں تھے جس سے عورت کو طلاق دینا مفہوم ہو تو طلاق اصلاً نہ ہوئی، وہ بدستور اس کی عورت ہے دوبارہ نکاح کی حاجت نہیں، اور اگر اُس کے ساتھ یا اُس بات میں جس کے جواب میں یہ الفاظ تھے وہ لفظ موجود تھے جن سے یہ مفہوم ہو کہ اس نے اپنی عورت کو طلاق دی یا وہ اقرار کرے کہ میں نے یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیت سے کہے تھے تو تین طلاقیں ہو گئیں بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی' واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۶۸ از ڈھاکہ مرسلہ عبدالکریم میاں ۱۳ شوال ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنی برادری میں کوئی بات لے کر آپس میں تنازع ہو رہے تھے اس گفتگو میں وہ شخص کہنے لگا بھائی! میں ایک پریشانی اُٹھاتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں اپنی زوجہ کی سبب سے ہمیشہ پریشان ہوں کیونکہ وہ عورت میری باتوں میں دخل دیا کرتی ہے لہذا میں شرمندہ ہوں اُس وقت اُن کی زوجہ گھر میں تھی میاں جو اپنی زوجہ کی شکایت کیا زوجہ نے از اول تا آخر سب سُنا زوجہ نے جواب دیا اگر میرے سبب تمھارے تکلیف اور ناگوار ہو تو مجھے نکال دو گے اور کیا کرو گے' زوج زوجہ کا کلام سُنتے ہی خفا ہو گیا اور کہا جا ایک طلاق دو طلاق تین طلاق دادم، آیا اس صورت مذکورہ میں وہ عورت تین طلاقے مغلظہ ہوئی یا نہیں مگر طالق نہ مخاطب زوجہ کو ہوا نہ اُن کا نام لیا اور سوال میں جو لفظ "جا" مقولہ طالق ہے یہ معنی امر کی مقصود نہیں ہے بلکہ وہ اپنے کلام میں اکثر یہ لفظ بولا کرتے ہیں معنی امر کے نہیں ہوتے ہیں باوجود ان وجوہات کے کیا حکم؟

الجواب

اگر "جا" سرے سے کلمہ خطاب نہ ہوتا یا حسب قول سائل یہ اُس کا تکیہ کلام ہے اس سے خطاب کا ارادہ نہیں کرتا اور کلام مُطلَق کہ جواب زوجہ میں ہے اُس کے جواب میں بھی نہ ہوتا ابتداءً وہ اتنا ہی کہتا کہ "تین طلاق دادم" جب بھی بلاشبہہ حکم طلاق مغلظہ دیا جاتا کہ طلاق دینے سے ظاہر زوجہ ہی کا ارادہ ہے ہاں از انجا کہ کلام زوجہ میں سوال طلاق نہ تھا نہ کلام زوج الفاظ ایک طلاق دو طلاق الخ عورت کی طرف اضافت ہے اور "جا" احتمال مذکور سائل کے علاوہ خود کنایات سے ہے صریح الفاظ سے نہیں کہ تقدم طلاق ہو کر خود مذاکرہ ثابت ہو جائے ان وجوہ سے عدم نیت کا احتمال باقی ہے اگر زوج بحلفِ شرعی کہہ دے کہ اُس نے

نہ لفظ "جا" بہ نیت طلاق کہا نہ "طلاق دادم" سے زوجہ کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تو اس کا قول مان لیں گے اور اصلاً طلاق نہ ہونے کا حکم دیں گے اگر جھوٹا حلف کرے گا اپنے زنا اور زوجہ کے زنا کا سخت شدید وبال اس کی گردن پر ہے، اور اگر ان میں سے کسی بات پر حلف نہ کرے یا صرف امر دوم پر حلف کرے تو تینوں طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ اور اگر امر دوم پر حلف کرلے کہ اس طلاق دادم سے عورت کو طلاق کی نیت نہ تھی لیکن یہ حلف نہ کرے کہ لفظ "جا" بہ نیت نہ کہا تو عورت اُسے حاکم کے یہاں پیش کرے اگر حاکم کے سامنے حلف کرلے گا کہ "جا" بھی طلاق کی نیت سے نہ کہا تو حکم طلاق نہ ہوگا، اور اگر وہاں بھی اس پر حلف سے باز رہا تو تین طلاق ہوجانے کا حکم دیں گے۔

وذلك لان المطلوب فی اللفظ الثانی لعدم الحکم بالطلاق وجود الحلف بانه لم ینو به الطلاق فاذا لم یوجد حکم به قال فی الخانیة والبزازیة قال لها لاتخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکرہ حلفه بطلاقها و یحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1] اھ وفی رد المحتار یفھم منه انه لولم یقل ذلك (ای لم یحلف انه لم یرد به طلاقها بل طلاق غیرها) تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرها فقوله انی حلفت بالطلاق ینصرف الیها مالم یرد غیرها لانه یحتمله کلامه[2] اھ وتمام تحقیقه

یہ اس لئے کہ دوسرے لفظ میں طلاق نہ ہونے کا حکم، اس قسم پر کہ اس نے اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا، مطلوب ہے، تو جب قسم نہ پائی گئی تو طلاق کا حکم دیا جائے گا، خانیہ اور بزازیہ میں فرمایا خاوند نے بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر باہر نہ نکلو کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے تو بیوی باہر نکل گئی، اس پر طلاق نہ ہوگی کیونکہ بیوی کی طلاق کا قسم میں ذکر نہیں ہے اور اس میں کسی غیر عورت کی طلاق کا احتمال بھی ہے، اس لئے خاوند کی بات معتبر ہوگی اھ، اور ردالمحتار میں یُوں ہے کہ اس سے معلوم ہو رہا ہے اگر خاوند یہ بات نہ کہے، یعنی اپنی بیوی کی طلاق کا ارادہ نہ کرنے اور غیر کا ارادہ کرنے کی قسم نہ کھائے، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی، کیونکہ عادت یہ ہے کہ بیوی والا اپنی بیوی کی طلاق کی قسم کھاتا ہے کسی دوسری عورت کی طلاق کی قسم نہیں کھاتا تو خاوند کی قسم

---

[1] فتاوٰی بزازیة علٰی ہامش الفتاوی الھندیة کتاب الایمان نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۷۰

[2] ردالمحتار باب الصریح من کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۳۰

فیما علقناہ علیه والمطلوب فی اللفظ الاول لحکم الطلاق به نکوله عن الحلف بانه لم ینو به الطلاق والنکول لایکون الا عند القاضی فاذا نکل عندہ حکم بالطلاق به فحصلت الاضافة فی کلامه فحمل اللفظ الثانی من دون حاجة الی اقرارہ بالنیة لکونه صریحا قال فی الدرالمختار من الکنایات والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما مجتبی[1] قال ط ثم ش فان نکل ای عند القاضی لان النکول عند غیرہ لایعتبر[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔

طلاق کے متعلق اسکی اپنی بیوی کیلئے ہی ہوگی جب تک دوسری عورت کے ارادے کو ظاہر نہ کرے۔ کیونکہ دوسری کا بھی احتمال ہے اھ، اس کی مکمل تحقیق ردالمحتار پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ اور پہلے لفظ یعنی "جا" میں طلاق کا حکم لگانے کے لئے، اس کا قسم سے انکار مطلوب ہے کہ میں نے بیوی کی طلاق نہیں مراد لی، جبکہ قسم سے انکار صرف قاضی کے ہاں معتبر ہوتا ہے تو جب قاضی کے سامنے قسم سے انکار کر دے گا تو قاضی طلاق کا حکم کر دے گا، تو یوں انکار کی وجہ سے اسکے کلام میں اضافت حاصل ہوجائیگی، تو دوسرے لفظ کو طلاق پر محمول کرنے کے لئے اسکے اقرار بالنیۃ کی حاجت نہیں کیونکہ وہ اس میں صریح ہے، درمختار کے باب کنایات میں کنایات کے متعلق ہے خاوند کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی، اور گھر میں ہی اس سے قسم لینا کافی ہے اگر وہ قسم سے انکار کرے تو بیوی کو قاضی کے ہاں پیش کرنے کا حق ہوگا اگر وہ قاضی کے ہاں بھی حلف سے انکار کر دے تو قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا، مجتبٰی اھ، طحاوی پھر شامی نے فرمایا کہ قسم سے انکار قاضی کے ہاں انکار مراد ہے کیونکہ غیر قاضی کے ہاں قسم سے انکار معتبر نہیں ہوتا، واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۶۹: از سرائے چھپیلہ ضلع بلند شہر مرسلہ راحت اللہ صاحب امام مسجد جامع

۱۹ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے ہندہ کو طلاق دی، دس بارہ روز بعد نکاح کر کے اُسے پھر رکھ لیا برادری نے

---

[1] درمختار | باب الکنایات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲۴
[2] ردالمحتار | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۶۵

زید کو دبایا تو کہا میں نے طلاق رجعی دی تھی وُہ بھی ایامِ حیض میں، جو گواہ وقتِ طلاق موجود تھے وہ حلفی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے تین طلاقیں دیں اور زید بھی حلفی بیان کرتا ہے کہ ہاں طلاق دی مگر یہ نہیں کہتا کہ تین دیں یا ایک، مجھے یاد نہیں، قولِ زید ہے کہ عورت سے جو تکرار رہتی تھی اس لئے دھمکانے کو کاغذ تحریر کردیا تھا اب عورت و مرد نے کاغذ دونوں چاک کر ڈالے، زید کہتا ہے کہ حشر کا بوجھ میں اپنے ذمہ لیتا ہوں گواہ غلط بیان کرتے ہیں برادری نے اس زید کو خارج کردیا ہے اور ۲۵ عـــہ جرمانہ کر دے تو اب برادری میں اُسے ملالیں یا عورت کو الگ کرا کر ملا دیں اور جرمانہ برادری کا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

طلاق جب دی جائے واقع ہوجائے گی خواہ دھمکی مقصود ہو یا کچھ اور صریح لفظ محتاجِ نیت نہیں ہوتے اُن سے نیت کرے یا نہ کرے طلاق ہوجاتی ہے، اگر وُہ تین طلاقیں دینے یا لکھنے کا مقر ہے اور عذر یہ بیان کرتا ہے کہ دھمکی مقصود تھی طلاق کی نیت نہ تھی تو بلاشک تین طلاقیں ہوگئیں اور بغیر حلالہ اُسے رکھنا زنائے محض ہے، جب تک اُس عورت کو نکال نہ دے اور علانیہ توبہ نہ کرے برادری میں ہرگز نہ ملایا جائے، یونہی اگر وُہ مقر نہ ہو مگر دو گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اپنے سامنے تین طلاقیں دینے کی شہادت دیتے ہوں جب بھی تین طلاقیں ہوگئیں، اور حکم یہی ہے جو اُوپر گزرا، اگر نہ وُہ تین طلاقوں کا اقرار کرتا ہو نہ گواہوں میں دو شخص ثقہ قابلِ قبول شرع ہوں . . . . (مسودہ ناقص ملا) [تاہم خلاصہ کلام متروکہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں زید کے اقرار پر فیصلہ ہوگا - مترجم]

مسئلہ ۱۷۰ ازلمکن ضلع بریلی مرسلہ قاضی اشفاق حسین صاحب ۲۲ صفر ۱۳۱۶ھ

مع فتوائے شخصے مجہول غیر مقلد کہ تین طلاقیں ایک جلسہ میں ایک ہی طلاق ہے حضرت ارشاد فرمائیں کہ یہ فتوٰی صحیح ہے یا نہیں اور اس پر عمل جائز ہے یا نہیں؟ ہمیں فقط حضرت پر اطمینان ہے جو حکم ہو اس پر عمل کریں۔ والسلام

الجواب

مکرمی کرمفرمائے قاضی محمد اشفاق صاحب اکرمکم اللہ تعالٰی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،۔

یہ فتوٰی جس کی نسبت فقیر کا مسلک آپ دریافت فرماتے ہیں نظر سے گزرا یہ محض غلط حکم ہے اس پر عمل حرام ہے، یہ نہ صرف ہمارے ائمہ بلکہ چاروں مذہب کے خلاف ہے، اس کی تفصیل علمائے کرام اپنی تصانیف میں اعلٰی درجہ پر فرما چکے انھیں باتوں کو جن کے جواب ہزار ہزار بار دے دئے گئے پھر پیش کر دینا حضرات وہابیہ کا قدیمی داب ہے، لطف یہ ہے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نسبت صریح لکھا کہ انھوں نے فتوٰی دیا اور پھر کہ حکم خدا و رسول اس کے خلاف تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہ عمر نے خدا و رسول کا خلاف

نہ کرنا چاہا، حکم خدا اور رسول خود بھی جانتے تھے کہ وہ یہی ہے کیا فتویٰ اپنے گھر سے جو جی میں آئے کہہ دینے کا نام ہے یا خدا اور رسول کا حکم بتانا، ان کے اگلوں نے اسی معاملہ میں امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر صریح تبرا لکھے ہیں محمد بن اسحٰق عـہ کی نقل کی اور دعویٰ یہ کہ ہم کسی کے مقلد نہیں، اگر مقلد نہیں ہو تو امام بخاری کی بات ماننی کس آیت وحدیث نے فرض کی، امام بخاری سے پہلے جو ائمہ کرام امام مالک و امام ہشام بن عروہ کہ تبع تابعین تھے اور امام بخاری سے علم حدیث وعلم فقہ ہر بات میں بدرجہا افضل و اعلیٰ تھے، اور ان کے سوا اور ائمہ نے جو قسمیں کھا کھا کر فرمایا کہ ابن اسحاق دجال کذاب ہے، وہ کیوں نہ مانیے۔ اس سے مقصود یہ کہ یہ حضرات جہاں جس کی بات مطلب کی دیکھتے ہیں اُس کا کلام وحی قرآن وحدیث ٹھہرا لیتے ہیں ورنہ پھینک دیتے ہیں کہ ہم کسی کے مقلد نہیں، والسلام!

مسائل ۲۷۲ تا ۲۷۴: از بلرام پور ضلع گونڈہ محلہ پورنیا تالاب متصل یتیم خانہ مرسلہ نذر محمد آتشباز ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں ایک مجمع میں دیں۔ ہندہ عرصہ پانچ ماہ تک اپنے باپ کے گھر رہی، پانچ مہینے کے بعد پھر زید کے گھر چلی گئی اور عرصہ دراز تک زید کے گھر رہی، ہندہ کو جب تین طلاق کا مسئلہ معلوم ہوا تو زید سے منہ موڑنا چاہا تب زید قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے ایک طلاق دی تھی اور ایک مہینہ کے بعد رجعت کرلی تھی، ہندہ رجعت کی منکر ہے اور تین طلاق پر گواہ رکھتی ہے، ایسے وقت میں ہندہ کے گواہ معتبر ہوں گے یا زید کی قسم معتبر ہوگی۔

(۲) اگر عورت نے شہادت پیش کرکے کچہری انگریزی سے ڈگری اپنی طلاق کی حاصل کرلے تو یہ عورت دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا اب تک پہلے ہی شوہر کی منکوحہ رہے گی۔

(۳) تین طلاق یا طلاق کچہری انگریزی کی صورت میں اگر کچھ لوگ شوہر کی طرفداری کرکے عورت کو لوٹانا چاہیں تو کیا حکم ہے، ان لوگوں کے ساتھ میل جول جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ایسی صورت میں ہندہ کے گواہ معتبر ہیں جبکہ قابل قبول شرع ہوں اور زید کی قسم پر کچھ لحاظ نہ ہوگا ہاں اگر گواہ نا قابل قبول ہوں تو زید کی قسم معتبر ہوگی پھر اگر ہندہ اپنے ذاتی یقینی علم سے جانتی ہے کہ زید نے اسے تین طلاقیں دی ہیں تو اُسے جائز نہ ہوگا کہ زید کے ساتھ رہے ناچار اپنا مہر یا مال دے کر جس طرح ممکن ہو طلاق بائن لے اور یہ بھی ناممکن ہو تو زید سے دُور بھاگے اور یہ بھی ناممکن ہو تو وبال زید

عـہ اصل میں بیاض ہے ۱۲۔

پر ہے جب تک کہ ہندہ راضی نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۷۴ تا ۱۸۰: از جھریا ضلع مان بھوم محلہ گوالہ ٹولی مسئولہ محمد یوسف صاحب ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کا ہندہ کو تین بار طلاق دینا ایک طلاق کا حکم رکھتا ہے یا تینوں طلاق واقع ہوگئیں اور حلالہ کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟

(۲) باوجود ممانعت زید کا نہ ماننا اور صریح لفظوں میں تین بار یہ کہنا کہ میں نے طلاق دیا، ایسی صورت میں نیت پر طلاق کا مدار رہے گا یا نہیں؟ اور زید کا یہ قول کہ لوٹانے کی نیت بھی معتبر ہوگا۔

(۳) بہ نیت حلالہ خالد و ہندہ کو سمجھا کر راضی کرنا اور بدون اجازت ولی ہر دو کا برضا ایجاب و قبول کرلینا یہ نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟

(۴) اگر خالد کا نکاح درست ہے تو بغیر خالد کے طلاق دئے یا بغیر صحبت کئے و عدت گزارے شوہر اول سے ہندہ کا نکاح کرا دینا اور میاں بیوی کی طرح دونوں کا اکٹھا رہنا کیسا ہے اور نکاح کرانے والے حضرات اور جو لوگ اس نکاح سے راضی ہیں اور جو ایسے آدمی سے میل جول رکھتے ہیں اُن کے لئے کیا وعید اور حکم شرعی ہے؟

(۵) بالفاظِ مرقومہ بالا حلالہ کی ترغیب دلانے والے کے لئے کیا حکم شرعی ہے؟

(۶) خلافِ واقع جھوٹی باتیں کہہ کر حق کو ناحق بنانے اور رسمِ قدیم نہ ٹوٹنے اور اپنی مونچھ کو تار رکھنے کے لئے اور حلال و حرام کی پرواہ نہ کرنے والے کے واسطے حکم شرع کیا ہے؟

(۷) لڑکی و لڑکا حدِ بلوغت کو کتنے برس کے بعد ہوتے ہیں، اور جب بالغ دونوں ہیں تو اپنے نکاح کے مختار ہیں کہ نہیں کہ اس میں بھی ولی کی ضرورت ہے کہ نہیں؟

الجواب

(۱) بلاشبہہ باجماعِ ائمہ اربعہ تین طلاقیں ہوگئیں اور بے حلالہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی قال اللہ تعالٰی:

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر تیسری طلاق دے دی تو بیوی اس کے بعد حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۰

(۲) اس صورت میں لوٹانے کی نیت حکمِ الٰہی کو بدلنا ہے اور یہ الفاظ صریح ہیں صریح میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، جس نے یہ فتوٰی دیا ہے کہ رجعت کی نیت تھی تو ایک رجعی ہُوئی وہ گمراہ ہے۔

(۳) اگر خالد ہندہ کا کفو تھا یعنی مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم نہ تھا کہ ہندہ کا اُس سے نکاح اس کمی کے سبب اولیائے ہندہ کے لئے ننگ و عار ہو اور اُنھوں نے دو گواہوں کے سامنے جو سُنتے اور سمجھتے تھے ایجاب و قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہوگیا اجازتِ ولی کی کوئی حاجت نہ تھی،

اذ لا ولایة مجبرة علی البالغین کما نصوا علیه فی الکتب قاطبة۔

کیونکہ بالغ حضرات پر کسی کو جبری ولایت نہیں ہے جیسا کہ تمام کتب میں نصوص ہیں (ت)

(۴) بحالت صحت نکاحِ خالد ظاہر ہے کہ بے طلاق وہ کسی سے نکاح نہیں کرسکتی۔

قال تعالٰی والمحصنٰت من النساء[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: شادی شدہ (منکوحہ) عورتیں دوسروں کے لئے حرام ہیں (ت)

اور اگر خالد بے صحبت کئے طلاق دے بھی دے جب بھی ہرگز شوہرِ اوّل کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیه لا تحلین لزوجك الاول حتی یذوق الاخر عسیلتك وتذوقی عسیلته[2]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے عورت تو حلال نہیں پہلے شوہر کیلئے جب تک دُوسرا خاوند تیرا اور تو اس کا مزہ نہ چکھ لے (یعنی جماع نہ کرلو)۔ (ت)

جن لوگوں نے دانستہ یہ نکاح کرادیا سب زنا کے دلال ہُوئے اور زید و ہندہ زانی وزانیہ۔ اور اُن سب کے لئے عذابِ شدید و نارِ جہنم کی وعید ہے، یُونہی وُہ جو اس سے نکاح پر راضی ہُوئے، نکاح نہیں زنا پر راضی ہُوئے۔

والرضا بالحرام حرام وقد یکون کفرا والعیاذ باللہ تعالٰی۔

حرام فعل پر رضا حرام ہے اور کبھی یہ رضا کفر ہوتی ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ (ت)

ان سب سے مسلمانوں کو میل جول منع ہے، قال تعالٰی:

واما ینسینك الشیطٰن فلا تقعد بعد

خبردار شیطان تجھے بھلا دیتا ہے یاد ہونے پر

---

[1] القرآن ۴/۲۴

[2] صحیح بخاری باب لم تحرم ما احل اللہ لک قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۹۲

الذکری مع القوم الظّٰلمین[1]۔ ظالموں کے پاس مت بیٹھو۔ (ت)

اُن سے میل جول کرنے والے اگر اُس نکاح پر راضی یا اُسے ہلکا جانتے ہیں تو اُن کے لئے بھی یہی حکم ہے۔

(۵) اگر اُس نے زن وشو میں اصلاح اور اُن کی مشکلکشائی کی نیّت سے ترغیب دلائی تو اس پر الزام نہیں بلکہ باعثِ اجر وثواب ہے۔

(۶) جھُوٹی باتیں کہہ کر حق کو ناحق یا ناحق کو حق بنانا یہودیوں کی خصلت ہے۔

قال اللہ تعالٰی ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق وانتم تعلمون[2]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا، حق کو باطل سے خلط ملط نہ کرو اور دیدہ ودانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔ (ت)

رسمِ باطل کی پیروی کے لئے حلال وحرام کی پروا نہ کرنا کافروں کی عادت ہے۔ قالوا بل نتبع ما الفینا علیه اٰباءنا[3] (کفار نے کہا بلکہ ہم اپنے آباء واجداد کی پیروی کریں گے۔ ت)

(۷) لڑکے اور لڑکی کو جب آثارِ بلوغ ظاہر ہوں مثلاً لڑکے کو احتلام ہو اور لڑکی کو حیض آئے اُس وقت سے وُہ بالغ ہیں اور اگر آثار ظاہر نہ ہوں تو پندرہ برس کی عمر پُوری ہونے سے بالغ سمجھے جائیں گے کما فی الدرالمختار وعامۃ الاسفار (جیسا کہ درمختار اور عام کتب میں ہے۔ ت) بالغ کو اپنے نکاح میں ولی کی اصلاً ضرورت نہیں یُونہی بالغہ کو جبکہ نکاح کفو سے ہو یا غیر کفو سے ہو تو اس کا کوئی ولی نہ ہو، ورنہ جب تک ولی قبل نکاح اس غیر کفو کو غیر کفو جان کر صریح اجازت نہ دے گا بالغہ کا نکاح صحیح نہ ہوگا،

فی الدرالمختار ویفتی فی غیر الکفوٴ بعدم جوازہ اصلا لفساد الزمان[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ درمختار میں ہے، زمانہ کے فساد کی بناء پر غیر کفو میں نکاح اصلاً جائز نہ ہونے پر فتوٰی دیا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اور ایک بات یہ بھی قابلِ بیان رہی کہ وُہ جس نے استہزاءً کہا تھا چھوٹی کتاب میں جائز لکھا ہے وُہ بھی سخت گنہ گار ہُوا توبہ فرض ہے مسئلہ شرعیہ استہزاء کا محل نہیں۔ واللہ تعالٰے اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۶/ ۶۸

[2] " " ۲/ ۴۲

[3] " " ۲/ ۱۷۰

[4] درمختار باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۱

مسئلہ ۱۸۱: از ڈھاکہ پٹی ضلع نوگانوں ملک آسام مرسلہ عبدالسبحان صاحب ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تمیز الدین اپنی منکوحہ سراج النساء کی حقیقی بہن پر عاشق ہو کر ایک رات مولوی اسرائیل علی صاحب و محمد اسرافیل بیوپاری اور تمیز الدین بیوپاری اور عبدالغفار خیاط کو اپنے گھر میں بلالے جاکر کہا کہ آپ لوگ میری سالی کے ساتھ میرا عقد پڑھا دیجئے، تب یہ لوگ پوچھے کہ تم اپنی بی بی کی موجودگی میں اس کی حقیقی بہن کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتے ہو اس وقت تمیز نے کہا تین روز قبل میں اپنی بیوی کو طلاق دے دیا کسی نے ان میں سے تمیز الدین کو پوچھا تم نے کس طرح پر طلاق دیا وہ جواب دیا کہ میں اپنی منکوحہ کو اس طرح پر طلاق دیا کہ تم کو ایک طلاق دو طلاق تین طلاق بائن دیا اس وقت اس کا بیوی پس پردہ حاضر تھی شاہد مذکورین نے اس سے سوال کیا تجھ کو طلاق ملا وہ صاف جواب دی کہ مجھ کو طلاق ملا اس کی بعد مولوی صاحب مذکور وغیرہم عقد پڑھا کر چلے آئے اور تمیز الدین کی ساس نے صبح کو اپنی چھوٹی لڑکی جس پر تمیز الدین نے عاشق ہو کر عقد کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا تمیز الدین کے گھر سے اپنے گھر میں لے گئی کئے روز بعد تمیز الدین جو اپنی بیوی کو علیحدہ رکھا تھا اس سے ہمبستر ہونا شروع کیا تب لوگوں نے پوچھا تم اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر حاضران محفل میں اقرار بھی کرچکے اب حرامی کیوں کرتے ہو تب تمیز الدین نے جواب دیا موافق شرع کے میں اپنی منکوحہ کو طلاق نہیں دیا بلکہ ایک کاغذ میں لکھ کر الماری پر رکھا تھا اس کو میری بیوی مکان صاف کرنے کے وقت پائی اور وہ عوام الناس میں شور مچائی فی الحقیقت میں نے زبان سے طلاق نہیں دیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگا یا کہ نہیں اگر واقع میں ہو تو کس روز طلاق واقع ہوگا۔ بینوا توجروا

الجواب

صورت مذکور میں تمیز الدین اللہ و رسول کا سخت گنہگار اور زانی حرامکار ہے وہ صاف صاف تین طلاق کا اقرار کرچکا اب اُس سے پھرنے کا اُسے کوئی اختیار نہیں، پہلی عورت اس پر ہمیشہ کو حرام ہوگئی جب تک حلالہ نہ ہو اُن مرد و عورت پر فرض ہے کہ فوراً جدا ہوجائیں اور اگر نہ مانیں تو مسلمان اُن کو چھوڑ دیں کہ وہ زانی اور زانیہ ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

لووطیٔ معتدتہ من الثلاث عالما بحرمتہا فانہ زنا یحد بہ[1]

اگر تین طلاق کے بعد بیوی سے عدت میں جماع کیا تو زنا ہوگا اور اس کو اس پر حد لگائی جائے گی بشرطیکہ خاوند کو اس کے حرام ہونے کا علم ہو۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ الطباعۃ المصریۃ مصر ۲/ ۶۱۲

اور دُوسری سے جو نکاح کیا وُہ بھی حرام و باطل ہے کہ بہن کی عدت میں بھی دُوسری بہن سے نکاح حرام ہے۔ دُرمختار میں ہے :

حرم الجمع بین المحارم نکاحًا و عدۃً۔[1] محرم عورتوں کو جمع کرنا حرام ہے نکاح میں اور عدت میں۔(ت)

وُہ لوگ کہ صرف طلاق سُن کر عدت میں نکاح پڑھا آئے سب گنہگار ہُوئے سب پر توبہ فرض ہے۔

مسئلہ ۱۸۲ تا ۱۸۳ از لکھنؤ محلہ چار باغ بانسمنڈی مرسلہ شاہ نعیم اللہ فخری چشتی نظامی قادری سہروردی ۲۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

کتاب ارشاد الطالبین، فقیہ سید علی ترمذی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا قول ہے جو بعینہٖ نقل کی جاتی ہے کہ :

بداں اے فرزند کہ ہر چہار مذہب حق اند و دانستن آں فرض ست و اختلاف درمیان ایشاں اختلاف برحمت ست نہ اختلاف بعداوت کہ الاختلاف راحت گفتہ اند و حنفی مذہب رانشاید کہ گوید مرا بشافعی چہ کارست زیراکہ در ہنگام ضرورت از مذہبے بمذہبے انتقال کردہ شود چنانکہ حج رفتن پیادہ بمذہب امام ابوحنیفہ روا نیست، پس عالمان حاجی ماشی را بمذہب مالک می سپارند کہ در مذہب او رواست و چوں بعرفات حاضر شد باز بمذہب ابوحنیفہ میگرد د ایضا چوں کسے مطلقہ ثلٰثہ را حیلہ بکند باید کہ او را از احکام و ارکان ایمان بپرسید تا بے تحلیل نکاح جدید کند و اگر ہماں را نیز میداند باید کہ او را در مذہب امام احمد آرد کہ در مذہب او حق تعالٰی را بذات و صفات شناختن فرض ست اگر آں را نمیداند نکاح جدید کند و اگر آں را نیز میداند ایں ہنگام تحلیل باید کرد۔ عبارت ارشاد الطالبین ختم۔

ارے بیٹے ! چاروں مذہب حق ہیں، یہ عقیدہ فرض ہے۔ ان کا اختلاف رحمت ہے۔ یہ اختلاف مبنی بر لفت پر مبنی نہیں ہے کیونکہ آسانی کے لئے اختلاف کرتے ہیں، کسی حنفی کو نہ چاہیے کہ وُہ کہے کہ شافعی سے مجھے کیا کام، کیونکہ ضرورت کے وقت ایک مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب کی پیروی جائز ہے جس طرح کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں پیدل حج جائز نہیں ہے، لہٰذا علماء حاجی کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر پیدل حج کا کہیں کیونکہ ان کے مذہب میں پیدل حج جائز ہے، اور جب عرفات میں پہنچ جائے تو پھر حنفی مذہب اپنا لے، اور یونہی اگر کوئی شخص تین طلاق دی ہُوئی بیوی کے لئے حیلہ کرنا چاہے تو چاہیے کہ اس طلاق دینے والے سے ایمان کے ارکان و احکام پوچھے جائیں اگر وُہ بتا دے تو پھر اس سے نماز کے احکام و ارکان پُوچھے جائیں، اگر نہ بتا سکے تو وُہ بغیر حلالہ اپنی مطلقہ سے نکاح کرلے اگر وُہ بھی بتا دے تو اس کو امام احمد کے مذہب پر پابند کریں کیونکہ ان کے مذہب

[1] درمختار فصل فی المحرمات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۸۸

پر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا جاننا ضروری اور فرض ہے، اگر ذات وصفاتِ باری تعالیٰ نہ بتا سکے تو وُہ بیوی سے بغیر حلالہ دوبارہ نکاح کرلے، اور اگر صفات و ذاتِ باری تعالیٰ کو جانتا ہو تو پھر اس کو حلالہ کرنا ہوگا۔ ارشاد الطالبین کی عبارت ختم ہُوئی۔ (ت)

یہ کتاب (ارشاد الطالبین) مولوی حافظ محمد جان صاحب فرنگی محلی معلم مدرسہ مولوی عین القضاۃ صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی اُنھوں نے کہا کہ جو کچھ کہ لکھا ہے وُہ درست ہے عند الضرورۃ شرعی ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں انتقال کرنا جائز ہے، ایک جلسہ میں اگر تین طلاق دی جائے توامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک طلاق ہوجاتی ہے مگر اور ائمہ کے نزدیک طلاق نہیں ہوتی، لہذا عند الضرورۃ دوسرے مذہب میں انتقال کرنے سے طلاق نہیں ہوگی، اسی طریق پر اگر کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہوجائے توامام ابوحنیفہ کے نزدیک ۹۰ برس کے بعد اس کا دُوسرا عقد ہوسکتا ہے مگر اور ائمہ کے نزدیک چار برس کے بعد اُس کو عدت بٹھلا دیا جائے اور بعد گزرنے میعاد عدت کے اُس کا دوسرا عقد کیا جاسکتا ہے پس عند الضرورۃ شرعی جو عورت کہ پابند مذہب امام ابوحنیفہ ہے دوسرے ائمہ کے مذہب میں انتقال کرکے اس طریق پر نکاحِ جدید کرسکتی ہے، پر انتقال کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کو اُس مذہب میں فرض کرلے اور ضرورتِ شرعی اسے کہتے ہیں کہ مثلاً مطلقہ کا عقد نہ ہونے پر خوف ہے کہ وُہ ارتکاب زنا کرے اور اس طرح سے مبتلائے گناہ ہوجائے، یا اس طرح کی کوئی اور خرابی پیش آئے، لہذا ایسی صورت میں مطلع صاف ہے مذہب امام احمد میں لاکر عقدِ جدید کرسکتا ہے۔

(۱) مولوی صاحب نے جو فرمایا کہ وُہ عورت جو کہ پابند مذہب امام ابوحنیفہ ہے اس کو دوسرے مذہب میں انتقال کرنا جائز ہے، مولوی حافظ محمد جان اور مولوی فقیہ سیّد علی کا قول کس مذہب کے اصول سے ہے اور اصل مقصد کیا ہے۔

(۲) جو عورت کہ پابند نہ ہو کسی مذہب خاص کی رُو سے کیا کرنا چاہئے حالانکہ وُہ اپنے آپ کو گروہِ اسلام سے سمجھتی ہے اور دعویٰ مذہب حنفیہ، باوجود اس دعویٰ کے سماع بالمزامیر مذہب شافعیہ سے گروہِ خاصاں میں سے انتخاب کرکے اپنے اُوپر روا رکھا ہم بریں بالائے طاق وُہ گانا بجانا جس میں اشتعال نفسانی ہوا و ہوس شیطانی پُر ہیں اور ہر مذہب میں وُہ سراسر حرام پایا گیا اس کا بھی وُہ ارتکاب کرتی ہو اور جہالتِ زمانہ سے رسوم گراں دکا فراں برتتی ہے کیسے پابندی مذہب حنفیہ ایسے پر نامزد ہوسکتی ہے دعوی پابندی مذہب خصوصیت کا باطل، لہذا ایسی عورت کو مذہبِ امامِ احمد میں فرض کرلینا جائز ہے یا فی الواقع اتباع ضروری چونکہ فتوٰی یہاں خدمت میں جناب مولٰنا مولوی عبد الکافی صاحب مدظلہ العالی کے

پیش کیا گیا مولنا موصوف نے فرمایا، حضور میں مولنا احمد رضا خاں صاحب کے بھیجا جائے لہذا مستدعی کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

الجواب

یہ مہملات ہیں اور شریعت پر جرأت اور ایک مسلمان کو خواہی نخواہی کفر میں دھکیلنا اور یہ چاہنا کہ جس طرح بنے اسے کافر کرلیں، ائمہ دین تو یہ تصریح فرماتے ہیں کہ جاہلوں سے اگر کوئی مسئلہ ذات وصفات عقائد اسلامیہ کے متعلق پوچھو تو جواب پہلے بتادو نہ کہ اس سے دقیق مسائل ذات وصفات پوچھے جائیں کہ کسی طرح اُسے کافر بنالیا جائے، ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ ائمہ دین فرماتے ہیں جو کسی مسلمان کی نسبت یہ چاہے کہ اس سے کفر صادر ہو وہ کفر کرے یا نہ کرے یہ ابھی کافر ہوگیا کہ مسلمان کا کافر ہونا چاہا اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ جس مصیبت کے واسطے یہ بلائے عظیم اوڑھنی چاہی وہ دو وجہ سے بدستور رہی ایک تو یہ محض کذب اور جھوٹ اور شریعت پر افترا ہے کہ تین طلاق کی مطلقہ اگر کفر کرے تو حلالہ کی حاجت نہیں اگر کفر کرے گی تو دوسری حرمت ہوگئی ایک تو تین طلاق کی تھی وہ خاص اسی کے لئے تھی اور دوسری اس کے مرتد ہونے کی ہوئی کہ اب وہ جہان بھر میں کسی مسلمان کسی کافر کسی مرتد کسی آدمی کسی جانور کے نکاح کے قابل نہ رہی مرتدہ کا نکاح جہان بھر میں کسی سے نہیں ہوسکتا نہ مرتد کا جس سے ہوگا زنائے محض ہوگا کما فی العلمگیریۃ وغیرھا (جیسا کہ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے۔ ت) اور اگر اُسے کافرہ کرکے پھر مسلمان کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ اب حلالہ کی حاجت نہ رہی تو یہ بھی محض ہوس رجیم ہے حلالہ ضرور کرنا ہوگا اور بغیر حلالہ قطعاً حرام، ایک تو یہ بھاری مصیبت ہوئی دوسرے وہ سب سے سخت پہاڑ ٹوٹا کہ یہ اس کا کفر چاہنے والے اس سے پہلے کافر مرتد ہوگئے، اور اب دنیا میں کسی سے اُس کا نکاح حلال نہ رہا، اگر اب مسلمان ہُوا اور یہ سمجھے کہ اب مجھے حلالہ کی حاجت نہ ہوگی تو یہ وہی ہوس ملعون ہے حلالہ اُن کی دُم سے بندھا ہُوا ہے ہرگز پیچھا نہ چھوڑے گا تو کھایا اور کال بھی نہ کٹا' اور رکھایا بھی کیسا کہ آپ بھی مرتد عورت بھی مرتد، انا للہ وانا الیہ راجعون (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لَوٹنے والے ہیں۔ ت) سید علی ترمذی کی کوئی کتاب ارشاد الطالبین ہمیں نہیں معلوم' اور ہو بھی تو حکم علی ترمذی کا نہیں محمد مدنی کا ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم، اس کی تفاصیل میں کلام کثیر ہے مگر اس کے بعد زیادہ تطویل کی حاجت نہیں۔ درخانہ اگر کس است یک حرف بس است (اگر خانۂ عقل میں کچھ سُوجھ ہو تو اشارۃً ایک حرف بھی کافی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۴ از موضع گیلانی ڈاکخانہ بر بگھ ریلوے اسٹیشن لکھی سرائے مرسلہ ضمیر الحسن صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۵ھ

تمامی علمائے ہند کی خدمت میں گزارش ہے کہ برابر بزرگان سے سُنتے چلے آتے تھے کہ تین طلاق ایک جلسے میں دی جائے یا جلساتِ متفرقہ میں، طلاق مغلظ پڑے گی، لیکن بالفعل لوگوں نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر ایک جلسے میں تین طلاق دی جائے رجعی پڑے گی، جو لوگ بیچارے مسکین عمر کی تائید کرتے ہیں گمراہ کرتے ہیں۔

الجوابؑ

المجیب مصیب فی الواقع مذہبِ منصور و مشربِ جمہور و قول ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوں گی، ائمہ کرام و علمائے اعلام شکر اللہ تعالٰی مساعیہم بحث تمام فرما چکے، اب باتباعِ ابنِ قیم ظاہری المذہب فاسد المشرب سوادِ اعظم امت و حق واضح کی مخالفت نہ کرے گا الا من سفہ نفسہ (مگر وہ جس نے اپنے آپ کو بیوقوف بنایا ہو۔ ت) اور امیر المومنین غیظ المنافقین امام العادلین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شان اجل وارفع میں کلماتِ گستاخی بکنے اور ان کے مؤید کو گمراہ گرکہنے والا کھلا رافضی ہے خذلہم اللہ تعالٰی، وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[1] (اللہ تعالٰی ان کو ذلیل کرے، اور عنقریب ظالم لوگ جان لیں گے کہ وہ کس طرف پلٹے ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵ از رامپور متصل مراد آباد محلہ ملا ظریف مرسلہ مولوی ریاست حسین خان صاحب ۴ رمضان ۱۳۱۵ھ

بخدمت شریف جناب مولوی صاحب دامت فیوضہم بعد سلام مسنون التماس محزون اینکہ برائے جواب مسئلہ اشد ضرورتست اگر زود

بخدمت شریف جناب مولوی صاحب دامت فیوضہم بعد سلام مسنون پریشان حال کا التماس یہ ہے کہ ایک مسئلہ کا جواب اشد ضروری

ع: با او جواب مولوی ابوالنصر گیلانوی بود ایں دو حرف در تصویبش نوشتہ شد ۱۲ (م)

یہ جواب بعینہٖ وہی جواب ہے جو ابوالنصر گیلانوی نے دیا ہے یہ دو حرف اس کی درستگی سے متعلق لکھے گئے ہیں ۱۲ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

تحریر فرمودہ عنایت فرمایند از عنایت و احسان بعید نخواہد شد و مردمان بسیار دُعا سازند فیصلہ دریں باب درمیان فریقین تحریر آنجناب قرار یافتہ است و عبارت خلاصۃ التفاسیر منقولہ از تفسیر احمدی :

ہے، اگر جلدی تحریر فرمادیں تو مہربانی ہوگی، یہ آپ کی مہربانی اور احسان سے بعید نہ ہوگا، اور لوگ بہت دُعائیں دیں گے، اس بارے میں فریقین میں فیصلہ آپ کی تحریر پر طے ہُوا ہے، اور تفسیر احمدی سے منقول خلاصۃ التفاسیر کی عبارت یہ ہے :

(چونکہ عدد طلاق کے جاہلیت میں مقرر نہ تھے جس قدر چاہتے طلاق دیتے یہاں تک کہ ایک عورت ام المومنین عائشہ کے پاس آئی اور اپنے شوہر کے بار بار رجوع کرنے کی شکایت کی یعنی طلاق دی جب عدت پُوری ہونے آئی رجوع کیا پھر طلاق دی یونہی اسے معلق چھوڑ دیا تھا حضرت صدیقہ نے حضور میں عرض کیا حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے نازل فرمایا الطلاق مرتٰن الخ)

بباعث اردو قابل تسلیم فریقین دریک مسئلہ ہم قرار نیافتہ۔ اگر عبارت تفسیر احمدی مرقوم بودے قابل فیصلہ شدے اکنوں امید دارم کہ آنحضور تحریر عبارت کتب سرفراز نمودہ فیصلہ فرمایند، والسلام۔

اُردو کی وجہ سے فریقین ایک مسئلہ پر متفق نہ ہوسکے، اگر تفسیر احمدی کی اصل عبارت ہوتی تو فیصلہ کے قابل ہوتی، اب آپ سے امید ہے کہ جناب کتب کی عبارت تحریر فرماکر سرفراز فرمائیں گے، والسلام۔ (ت)

زید زوجہ خود را یک طلاق رجعی دادہ در عدت رجوع کردہ با او دو سال زندگانی کرد باز یک طلاق رجعی دادہ در عدت رجوع کردہ سہ سال او را بخانہ خود داشت بعدہ باز یک طلاق رجعی داد اکنوں زید زوجہ مذکورہ را بلا تحلیل تیس مستعار در نکاح خود تواں آورد یا نہ؟ بیّنوا توجروا۔

زید نے اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کرلیا، اور دو سال گزارنے کے بعد پھر ایک طلاق رجعی دی اور عدت میں رجوع کرلیا، تین سال گھر رکھنے کے بعد پھر ایک طلاق دی اب زید مذکورہ بیوی کو نئے شخص سے نکاح اور حلالہ کے بغیر نکاح میں دوبارہ لاسکتا ہے یا نہیں؟ بیان کرو اور اجر پاؤ۔ (ت)

الجواب

حرام ست بالنص والاجماع تا بنکاح شوہرے دیگر در آید و شہد او را ذوق نماید و او طلاقش

دوسرے شخص سے نکاح اور پھر جماع کے بعد طلاق ہو یا دوسرا شخص فوت ہوجائے اور اس

وہدیا میرود عدتش فراغ پذیرد قال تعالٰی الطلاق مرتٰن فامساك بمعروف اوتسریح باحسان[1] الٰی قوله عزوجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقها فلاجناح علیهما ان یتراجعا[2] الآیة ، قال رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتحلین لزوجك الاول حتی یذوق الاٰخر عسیلتك وتذوق عسیلته[3] ، وفی المعالم عن عروة کان الناس فی الابتداء یطلقون من غیر حصر ولا عدد وکان الرجل یطلق امرأته فاذا قاربت انقضاء عدتها راجعها ثم طلقها کذلك ثم راجعها یقصد مضارتها فنزلت هذه الآیة الطلاق مرتٰن یعنی الطلاق الذی یملك الرجعة عقیبه مرتان فاذا طلق ثلثا فلا تحل

کی عدت پُوری ہوجانے کے بغیر دوبارہ زید کا مذکورہ بیوی سے نکاح حرام ہے یہ حرمت نصِ قرآن اور اجماع سے ثابت ہے۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا دو طلاقیں دی ہیں تو بیوی کو بھلائی کرتے ہُوئے روک لے یا احسان کرتے ہوئے چھوڑ دے۔تا۔ اگر تیسری طلاق دی تو مطلقہ بیوی اس کے بعد حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وہ مطلقہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے پس اگر اس نے طلاق دے دی تو دونوں پر رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے الآیۃ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا اے عورت تو پہلے خاوند کیلئے حلال نہ ہوگی حتی کہ تو دوسرے خاوند کا اور وہ تیرا مزہ نہ چکھ لے یعنی جماع نہ کرلے"۔ اور معالم التنزیل میں عروہ بن الزبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ ابتداء میں لوگ بے حساب اور لاتعداد طلاقیں دیا کرتے تھے، اور مرد بیوی کو طلاق دیتا تو جب عدت پُورا ہونے کے قریب ہوتی تو پھر طلاق دیتا اور یُونہی بار بار کرتا اور مقصد بیوی کو پریشان کرنا ہوتا تھا، تو اس واقعہ پر قرآن پاک کی آیۃ کریمہ الطلاق مرتٰن الآیۃ نازل ہوئی۔ یعنی وہ طلاق جس کے بعد خاوند رجوع کرسکتا ہے، دو طلاقیں ہیں، تو جب تیسری طلاق دے دے تو اب دُوسرے

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

[2] " " ۲/ ۲۳۰

[3] صحیح بخاری باب لم تحرم ما احل اللہ لک قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۹۲

لہ الا بعد نکاح زوج غیرہ[1] اھ والمسئلۃ اوضح من ان توضح۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

نکاح کے بغیر اس کے لئے حلال نہیں ہے اھ، اور مسئلہ وضاحت کا محتاج نہیں۔ (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ ۱۸۶ تا ۱۸۷: از ضلع خاندیس پچھم بھاگ تعلقہ تلودھا ڈاکخانہ نگر مندھا سوستان کاٹھی مقام عکلکوا مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب ۱۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

(۱) حلالے کے بارے میں ایک شخص نے نکاح کیا اور پہلی بی بی کا حق کُل نہیں ادا کیا، وہاں پر قاضی نہیں ہے، اپنے مکان کے لوگ آپ ہی قاضی آپ ہی وکیل آپ ہی گواہ، جس شخص نے پہلے نکاح کیا اس نے خوشی سے طلاق دیا اور اس عورت نے خوشی سے طلاق لیا، بعد دس روز اُسی عورت اور وہی دھنی ایک جگہ رہنے لگے، اور اس شخص طلاق دے کر تین مہینے رکھا، پھر تین مہینے بعد حلالہ کیا، حلالہ کرنے والا جو شخص تھا اُس کی بی بی نے رضا نہیں دی، رضا لینے کے واسطے اپنی بی بی کو مارا، تو بی بی نے زبردستی سے رضا دی، اُس کا حلالہ درست ہُوا کہ نہیں؟

(۲) ایک دُوسرا آدمی ایک عورت لے کے بھاگ گیا، اُس کی دُو لڑکیاں تھیں، دُو برس بغیر نکاح کے اُس عورت کو رکھا، بعد دو برس کے لڑکی ہوشیار ہوگئی، اُس عورت کو چھوڑ کر بیٹی کو رکھنے لگا، اُس شخص کے حرام سے ایک لڑکی ایک لڑکا پیدا ہُوئے، سو یہاں کے پنچوں نے جماعت سے باہر کردیا سو اس لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہُوا ہے، بعد بارہ[۱۲] مہینے کے جماعت کے آدھے لوگ اُس کو ہمراہ لے گئے اور وہی لوگ کہتے تھے اس کا منہ دیکھنا روا نہیں ہے، اب وہی لوگ اس کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، اس کے بارے میں مسئلہ کیا کہتا ہے، اور یہاں اسلام کی ٹھٹھول کرتے ہیں اور کسی کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم اسلام کی مسخری کریں گے تو ہمارے کیا حال ہوں گے، اس پر حضرت رسولِ خدا (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) کی شریعت کا کیا بیان ہے؟

الجواب

(۱) شریعت کا حکم یہ ہے کہ جس شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دی ہوں ایک دفعہ میں خواہ برسوں میں کہ ایک کبھی دی اور رجعت کرلی پھر دوسری دی اور رجعت کرلی اب تیسری دی دونوں صورتوں

---

[1] معالم التنزیل علٰی ہامش تفسیر الخازن تفسیر آیۃ الطلاق مرّتان مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۲۴

میں عورت اُس پر بغیر حلالہ حرام ہے۔ حلالہ کے یہ معنیٰ ہیں کہ اُس طلاق کے بعد عورت اگر حیض والی ہے تو اُسے تین حیض شروع ہو کر ختم ہو جائیں، اور اگر حیض والی نہیں مثلاً نو برس سے کم عمر کی لڑکی ہے یا پچپن برس سے زائد عمر کی عورت ہے اور اس طلاق کے بعد تین مہینے کامل گزر جائیں یا اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہولے، اس وقت اس طلاق کی عدت سے نکلے گی، اُس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح بروجہ صحیح کرے یعنی وُہ شوہر ثانی اس کا کفو ہو کہ مذہب، نسب، چال چلن، پیشہ کسی میں ایسا کم نہ ہو کہ اس سے اُس عورت کا نکاح عورت کے اولیاء کے لئے باعثِ بدنامی ہو، یا اگر ایسا کم ہے تو عورت کا ولی نکاح ہونے سے پہلے اس کو یہ جان کر کہ یہ کفو نہیں ہے اس کے ساتھ نکاح کی بالتصریح اجازت دے دے، یا یہ ہو کہ عورت بالغہ کا کوئی ولی ہی نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، اور ولی نے اسے غیر کفو جانکر نکاح سے پہلے صریح اجازت نہ دی تو نکاح ہی نہ ہوگا۔ یُونہی لڑکی اگر نابالغہ ہے اور اس کے نہ باپ ہے نہ دادا بھائی چچا وغیرہ ولی ہیں، لوگوں نے کسی غیر کفو سے اُس کا نکاح کر دیا جب بھی نکاح نہ ہوگا، غرض جب شوہر ثانی سے نکاح صحیح طور پر واقع ہو اور وُہ اس سے ہمبستری بھی کرلے اور اُس کے بعد وُہ طلاق دے اور اُس طلاق کی عدت اسی طرح گزرے کہ تین حیض ہوں اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے، اور حمل رہ جائے تو بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کے بعد پہلا شوہر اُس سے نکاح کرسکتا ہے، ان میں سے ایک بات بھی کم ہوگی تو وہ نکاح نہ ہوگا زنا ہوگا، ہاں نکاح کے لئے چاہے وُہ شوہر ثانی سے ہو یا پہلے سے قاضی یا وکیل یا برادری کے لوگوں کی ضرورت نہیں فقط مرد و عورت دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کریں نکاح ہو جائے گا، نہ اس کی ضرورت ہے کہ مرد نکاح ثانی کرے تو پہلی بیوی سے اجازت لے، یہ سب باتیں بے اصل ہیں، فقط اُس طریقہ کی ضرورت ہے جو ہم نے لکھا اُس طرح پر اگر اصلاً نہ ہُوا مثلاً دوسرے شوہر نے جب طلاق دی تو اُس کے دسُ ہی دن بعد بے عدت گزرے پہلے شوہر نے اس سے نکاح کرلیا تو یہ نکاح نہ ہُوا زنا حرام ہُوا اُس صورت میں ضرور ہوگا کہ عورت کو اُس سے جُدا کر دیا جائے اور نہ مانے تو اُسے برادری سے خارج کر دیا جائے۔

(۲) اسی طرح وُہ شخص جس نے عورت کو رکھا اب اُس کی بیٹی کو رکھتا ہے وہ اُس پر ضرور حرام ہے اگر نکاح نہ کرے جب تو زنا ہے ہی، اور نکاح کرے جب بھی حرام ہے کہ وہ اس کی بیٹی ہو چکی۔ برادری والوں کو چاہئے کہ اگر وُہ مرد و عورت جُدا نہ ہوں تو اُن کو برادری سے خارج کر دیں، اُن سے سلام کلام نہ کریں، اُن کے پاس نہ بیٹھیں، اُنھیں اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں، اور وہ لوگ جو پہلے اُن سے

جُدا ہوگئے تھے اور اب مل گئے اور اُن کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں بیجا کرتے ہیں اُنھیں چاہئے اس سے باز رہیں، اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

واما ینسینك الشیطان فلا تقعد بعد الذکرٰی مع القوم الظٰلمین[۱]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

شیطان تجھے بھلا دیتا ہے، تو یاد آنے پر ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۸: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حلالہ مع شرط کے یعنی اس قصد سے کہ بعد چند روز کے طلاق دے دے تاکہ زوج سابق کے واسطے بعد عدت گزرنے کے حلال ہوجائے جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

شرائط اور چیز ہے اور قصد اور چیز۔ شرط تو یہ کہ عقد نکاح میں یہ شرط لگالے یہ ناجائز و گناہ ہے اور حدیث میں ایسے حلالہ کرنے والے پر لعنت آئی ہے، اور قصد یہ کہ دل میں اس کا ارادہ ہو مگر شرط نہ کی جائے تو یہ جائز ہے بلکہ اس پر اجر کی امید ہے۔ درمختار میں ہے:

(کرہ) التزوج للثانی (تحریما) لحدیث لعن اللہ المحلل والمحلل لہ (بشرط التحلیل) کتزوجتك علی ان احللك (اما اذا اضمر ذٰلك لا) یکرہ (وکان) الرجل (ماجورا) لقصد الاصلاح[۲] اھ مختصرا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حلالہ کی شرط پر نکاح کہ میں اس شرط پر تجھ سے نکاح کرتا ہوں کہ تجھے طلاق دے کر حلال کردوں گا، دوسرے شخص کا نکاح مکروہ تحریمہ ہے لیکن دونوں اگر دل میں حلالہ کی نیت کی تو مکروہ نہیں، اس صورت میں دوسرا شخص اصلاح کی غرض سے نکاح کرنے پر اجر کا مستحق ہوگا اھ مختصراً۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۹: از کانپور بیگم گنج طلاق محل مرسلہ احمد علی خاں وکیل ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک وقت حالت غصہ میں مجبور ہو کر ہندہ زوجہ کو تین بار طلاق دی، نزدیک امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مغلظ ہوگئی اور نزدیک امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک رہی، تو ایسی حالت میں جو پیرو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں؟ حالات مقدمہ یہ ہیں کہ زید کو ہندہ کے ساتھ محبت قلبی ہے اُس نے قصداً چھوڑ

---

[۱] القرآن الکریم ۶ /۶۸

[۲] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱ /۲۴۱

دینے کی نیت سے طلاق نہیں دی اور نہ ہندہ اپنے عدول حکم پر سمجھ سکتی ہے کہ مجھ پر طلاق ہوگی کیونکہ بجائے خود نادم تھی، مگر ہندہ کی بہن جو دشمن ہندہ کی ہے چند الفاظ غیرت دلانے والے جو طلاق دینے پر مبنی تھے ایسے کہ جس سے زید کو مجبوراً غیظ آگیا اور دفعۃً تین بار طلاق دے کر ہندہ کے مکان سے اُٹھ آیا، اب زید و ہندہ کو سخت صدمہ ہے اور دو لڑکے یعنی ایک پسر بعمر ۹ سال اور ایک دختر بعمر ۵ سال جو ہندہ کے پاس ہیں اور ہندہ محتاج ہے پرورش بدقت کر سکتی ہے اور نیز بلا تعلیم رہنے کا خیال قوی ہے اور زید کو ایسا رنج ہے کہ نوبت بجان ہے بر نظر حالات رجوع کر سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایک بار تین طلاق دینے سے نہ صرف نزد حنفیہ بلکہ اجماعِ مذاہبِ اربعہ تین طلاقیں مغلظہ ہو جاتی ہیں، امام شافعی، امام مالک، امام احمد رضی اللہ تعالٰی عنہم ائمہ متبوعین سے کوئی امام اس باب میں اصلاً مخالف نہیں صورتِ مستفسرہ میں ہندہ پر تین طلاقیں ہو گئیں، ایک ساتھ تین طلاقیں دینا گناہ ہے، زید گنہگار ہوا اور عورت اس کے نکاح سے ایسی خارج ہوئی کہ اب بے حلالہ ہرگز اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، اگر یونہی رجوع کرلی بلا حلالہ نکاح جدید باہم کرلیا تو دونوں مبتلائے حرامکاری ہوں گے اور عمر بھر حرام کاری کریں گے۔ اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے:

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔[1] جو اللہ تعالٰی سے ڈرتا ہے اللہ تعالٰی اس کیلئے راستہ بنا دیتا ہے۔(ت)

اس نے تقوٰی نہ کیا بلکہ خلافِ خدا و رسول تین طلاقیں لگاتار دینے کا مرتکب ہوا اللہ عزوجل نے اس کے لئے مخرج نہ رکھا اب حلالہ کے سخت تازیانے سے اُسے ہرگز مفر نہیں یہاں تک کہ ائمہ دین نے فرمایا کہ اگر قاضی شرع حاکمِ اسلام ایسے مسئلہ میں ایک طلاق پڑنے کا حکم دے تو وہ حکم باطل و مردود ہے۔ وہابیہ غیر مقلدین اب اس مسئلہ میں خلاف اُٹھا رہے ہیں وہ گمراہ بد دین ہیں، ان کی تقلید حلال نہیں، فتح القدیر میں ہے:

ذھب جمھور الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلث، وفی سنن ابی داؤد عن مجاھد قال کنت عند بن عباس رضی اللہ تعالٰی

جمہور صحابہ، تابعین اور ان کے بعد والے مسلمانوں کے ائمہ کرام کا مسلک ہے بیک لفظ تین طلاقیں تین ہوں گی۔ امام مجاہد سے سنن ابوداؤد میں مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کے

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

عنهما فجاء رجل فقال انه طلق امرأته
ثلثا قال فسکت حتی ظننت انه رادها
الیه ثم قال ایطلق احدکم فیرکب الحموقة
ثم یقول یا ابن عباس یا ابن
عباس فان اللہ عز وجل
قال ومن یتق اللہ یجعل
له مخرجا عصیت ربك
وبانت منك امرأتك ثم ذکر
ادلته بروایة الموطا عن
ابن عباس وعن ابن
مسعود ولابی داؤد عن
ابن عباس وابی هریرة
معا ومثله عن ابن عمر
قال وروی ایضا عن عبد اللہ
بن عمرو بن العاص و
اسند عبد الرزاق عن
علقمة عن ابن مسعود
ووکیع عن امیر المؤمنین
علی وامیر المومنین عثمان
بن عفان وقد قدمه عن
امیر المومنین عمر واورده
بروایة ابن ابی شیبة و
الدارقطنی عن ابن عمر
عن النبی صلی اللہ تعالٰی
علیه وسلم وذکره فی اٰخر

پاس موجود تھا تو ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے اپنی
بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، مجاہد کہتے ہیں کہ
حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کچھ دیر خاموش
رہے تو میں نے خیال کیا کہ شاید ابن عباس سائل کو
بیوی واپس کردیں گے، تو کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا
تم میں سے بعض لوگ بیوی کو طلاق دیتے ہوئے حماقت
سے کام لیتے ہیں اور پھر اے ابن عباس اے ابن عباس
کہتے ہیں، تو یاد رکھو اللہ تعالٰی نے فرمایا، اور جو شخص
اللہ تعالٰی سے ڈرتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے لئے
کوئی سبیل پیدا فرمادیتا ہے، جبکہ تُو نے اللہ تعالٰی
کی نافرمانی کی ہے تیری بیوی تجھ سے لاتعلق ہوچکی ہے۔
اس کے بعد فتح القدیر نے اس پر دلائل ذکر کئے۔
موطا کے حوالے سے ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ
عنہما کی روایات ذکر کیں جیسا کہ ابوداؤد نے ابن عباس
اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے اکٹھی روایت کی،
اس طرح کی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کی
اور کہا کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالٰی عنہ سے
بھی مروی ہے، اور انھوں نے کہا کہ عبد الرزاق نے
علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اور وکیع عن امیر المومنین
علی و امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم سے
سند ذکر کی، اور قبل ازیں فتح القدیر نے امیر المومنین
عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت ذکر
کی اور انھوں نے ابن ابی شیبہ اور دارقطنی کی روایت بھی
ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ذریعہ حضور علیہ الصلوٰۃ و
السلام سے بیان کی۔ اور اسی کو انھوں نے کلام کے

الکلام بروایۃ عبدالرزاق فی مصنفہ عن عبادۃ بن الصامت عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین الی ان قال قد اثبتنا النقل عن اکثرھم صریحا بایقاع الثلث ولم یظھر لھم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ھذا قلنا لوحکم حاکم بان الثلث بفم واحد واحدۃ لم ینفذ حکمہ لانہ لایسوغ الاجتھاد فیہ فھو خلاف لا اختلاف[1] (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم۔

آخر میں یُوں ذکر کیا کہ عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں عبادہ بن الصامت کے واسطہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کیا، یہاں تک کہا کہ ہم نے اکثر حضرات سے تین طلاقوں کا نافذ ہونا صراحتًا ثابت کیا اور ان حضرات کا کوئی بھی مخالف ظاہر نہ ہُوا، تو اس حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہوسکتا، اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی حاکم نے بیک زبان تین طلاقوں کو ایک طلاق کا حکم دیا تو اس کا حکم نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے اور یہ حق کے خلاف ہوگا اس کو اختلاف نہ کہا جائے گا (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۰: از پیلی بھیت محلہ محمد واصل مرسلہ خلیق احمد صاحب ۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مہلک مریض نے اپنی زوجہ کی نافرمانی کے سبب جو اس کی زوجہ نے اپنی ماں کے اشتعال کی وجہ سے اپنے زوج کو تکلیف دی اور ہر قسم کی خبرگیری شوہر سے کنارہ کش رہی اور وُہ ۶ یا ۷ ماہ کی حاملہ تھی شخص مہلک مریض شوہر نے اپنی زوجہ کو پوسٹ کارڈ مروجہ پر حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے طلاق لکھ بھیجی "مسماۃ فلاں بنت فلاں کو واضح ہو کہ تم نے اپنی ماں کے اشتعال کے باعث جو کچھ میرے ساتھ برتاؤ کیا اور اسباب متفرق معہ عکس محمولہ پارچہ وغیرہ میرا رکھ لیا بہت اچھا کیا یہ ایک عمدہ طریقہ حصول مالیت کا ہے اس طور سے بہت کچھ جمع ہوسکتا ہے اس وجہ سے تم میرے لائق نہیں ہو، لہذا میں تم کو طلاق دیتا ہُوں، مسماۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے طلاق دی مسماۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے طلاق دی مسماۃ فلاں بنت فلاں جو میرے نکاح میں تھی آج کی تاریخ میں نے اُس کو طلاق دی۔ عورت کے بھائی کے نام کارڈ کا پتہ اس طور سے لکھا تھا جو ناخواندہ ہے بمقام فلاں محلہ

---

[1] فتح القدیر باب طلاق السنۃ نوریہ رضویہ سکھر ۳/۳۳۰

فلاں پاس فلاں پہنچ کر مسماۃ فلاں بنت فلاں کو ملے۔ اب چونکہ شوہر کئی ماہ بعد صحت یاب ہوا لوگ طرفین پر زور دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طور پر طلاق نہیں ہوئی اگر تحریر پوسٹ کارڈ کسی دوسرے کے نام جاتی جو اس کام کے واسطے مقرر کیا جاتا اس کو لکھا جاتا کہ تم میری طرف سے بطور وکیل طلاق دے دو تب طلاق ہو جاتی، دُوسرے یہ کہ وُہ عورت حاملہ تھی کسی صورت میں بھی طلاق نہیں ہُوئی، لہذا آنجناب فیض مآب کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اس بارہ میں جو حکم شرع شریف ہو بدلائل اس سے سائل کو جلد مطلع فرمایئے۔

الجواب

شخص مذکور تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے گنہگار ہُوا اور عورت پر تین طلاقیں پڑ گئیں وُہ نکاح سے نکل گئی، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کر سکتا، عورت کا حاملہ ہونا یا کسی کو طلاق دینے کا وکیل نہ کرنا کچھ منافی طلاق نہیں، یہ محض جاہلانہ خیال ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۱: از بھوری ڈاکخانہ بھیکم پور ضلع علیگڑھ مرسلہ عبدالرزاق صاحب ۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید نے بذریعہ خطوط اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں پہلا خط جو کہ اپنے خسر کو لکھا یہ ہے کہ میں اپنے اظہارِ خیالات کی اجازت چاہتا ہُوں، مگر آپ کی رائے کا منتظر ہُوں، امید کہ مجھ کو اظہارِ خیالات کی اجازت دی جائے گی مگر خسر نے جواب نہیں دیا، اس پر دوسرے خط میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے اپنے اظہارِ خیالات کی اجازت چاہی تھی مگر قبلہ نے سکوت اختیار فرمایا اب میں جرأت کرتا ہُوں کہ میری شادی آپ کی لڑکی سے محض والد صاحب کی خواہش تھی مجھ کو منظور نہ تھی ورنہ مجھ کو آپ کی صاحبزادی سے کسی قسم کا تعلق رہا اور نہ آئندہ رکھنا چاہتا ہوں آج کی تاریخ سے آپ کی لڑکی کو طلاق طلاق دیتا ہوں آپ جانیں والد صاحب جانیں۔ اب اُس خط سے جس میں طلاق ہے اول میں انکار تھا اظہار جرأت والے خط میں اقرار تھا اس کے تین سال بعد زید کا خسر زید کے پاس گیا اور کہا میری لڑکی کے ساتھ تمہارا کیا ارادہ ہے، اس نے کہا میرا کچھ تعلق نہیں ہے، اس نے کہا کہ میرے ساتھ سرائے تک چلو تاکہ تمہارے بیان کا سرائے میں کوئی گواہ بھی ہو جائے، چنانچہ وُہ سرائے میں آیا اور دو آدمیوں کے سامنے جن کا نام مرزا محمد صدیق بیگ ساکن خورجہ ضلع بلند شہر اور دوسرے کا نام حافظ فخرالدین ساکن آنولہ محلہ پٹھاناں، چنانچہ دونوں گواہوں کے بیانات ایک عالم محمد عبدالرشید سہسوانی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول فرخ آباد کے سامنے بیان ہوئے، اُنھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ میں نے یعنی زید نے کہ پہلے خطوط میں بھی اپنی بی بی کو طلاق دے چکا ہُوں اور اب بھی طلاق مکرر سہ کرر دیتا ہوں، چنانچہ وہ دونوں خطوں کی نقل اور تینوں کاغذات کی نقل دو کاغذ بیانات گواہ اور ایک کاغذ مولوی عبدالرشید

صاحب موصوف کے ہمرشتہ سوال ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس صورتِ بالا میں زید کی بی بی کو طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی ہے تو عدت خطوط کے وقت سے شروع ہوگی یا گواہی دینے گوایان مذکور سے؟

نقل خط اوّل

قبلہ وکعبہ مدظلہ، تسلیم بعد تعظیم، عرصہ سے خیریت دریافت نہیں ہوئی تردد ہے، امید کہ مطلع فرمایا جاؤں، نیازمند کسی قدر اپنے اظہارِ خیالات کی اجازت چاہتا ہے جو میری دانست میں ضروری ہیں لیکن بلا استخراج رائے جرأت نہیں کرسکتا، مجھے امید ہے کہ آپ میری اس قسم کی گذارش کو ضرور منظور فرمائیں گے جس کی شاہدات میری نظروں میں نہایت خوش آیند و دلفریب ہیں، زیادہ نیاز۔
احقرازلی سید عابد علی۔

خط دوم بعد کا

قبلۂ نعمت وکعبۂ کرامت مدظلہ العالی تسلیم بعد تکریم، نیازمند قبل اس کے اظہارِ خیالات اپنے کی اجازت چاہی، قبلہ نے سکوت اختیار فرمایا، نیازمند خاموش ہو رہا، اب جرأت کرتا ہوں عرض کرنے کی جس کو جناب منظور فرمائیں گے۔ میری شادی جناب کی دختر کے ساتھ ہوئی محض والدصاحب کی خواہش تھی مجھ کو منظور نہ تھی، نہ مجھ کو آپ کی صاحبزادی سے کسی قسم کا تعلق رہا اور نہ آئندہ رکھنا چاہتا ہوں بموجب شرع کے آپ کی لڑکی کو آج کی تاریخ سے طلاق طلاق طلاق دیتا ہوں، آپ جانیں والد صاحب جانیں۔

بیان مرزا صدیق بیگ گواہ جن کے سامنے عابد علی نے اپنی زوجہ کو طلاق دینے کا اقرار کیا

عابد علی نے ہمارے سامنے عبدالرزاق سے سرائے بلہور میں یوں کہا کہ میں نے تمہاری لڑکی کو ایک عرصہ گزرا کہ بذریعہ تحریر کے طلاق دے چکا ہوں تم اسی میری تحریر پر عملدرآمد کرو اور مکرر سہ کرر کہتا ہوں کہ میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی اور یہ لوگ مسافر مسلمان ہیں ان کے سامنے کہتا ہوں یہ لوگ شرعی گواہ ہو چکے ہیں، یہ اشارہ اُن کا ہم مسافروں کی طرف تھا۔

بقلم مرزا صدیق بیگ ساکن خورجہ ضلع بلند شہر

مہر

ابومحمد عبدالرشید
ظہور الاسلام
سہسوانی

بیان حافظ فخر الدین ولد حافظ قیام الدین صاحب ساکن قصبہ آنولہ محلہ پٹھاناں

عابد علی نے ہمارے سامنے عبدالرزاق صاحب سے سرائے بلہور میں یوں کہا کہ میں نے تمہاری لڑکی کو ایک عرصہ گزرا کہ بذریعہ اپنی تحریر کارڈ رجسٹری شدہ کے طلاق شرعی دے چکا ہوں تم اسی میری تحریر پر عملدرآمد کرو

اور اب مکرر سہ کرر کہتا ہوں کہ میں نے طلاق دی طلاق دی طلاق دی، اور یہ لوگ مسافر مسلمان ہیں ان سے کہتا ہوں یہ لوگ شرعی گواہ ہو چکے ہیں، یہ اشارہ ہم مسافران کی طرف تھا۔

العبد حافظ فخر الدین ولد حافظ قیام الدین ساکن آنولہ محلہ پٹھانان بقلم خود مہر (ابو محمد عبد الرشید ظہور الاسلام سہسوانی)

آج تاریخ ۲ جولائی ۱۹۱۷ء مطابق ۱۱ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ سید عبد الرزاق صاحب سکنہ بھموری میرے یہاں تشریف لائے اور تین صاحب اور اُن کے ہمراہ تھے، سید عبد الرزاق صاحب نے میر عابد علی اپنے داماد کا اُن کی لڑکی کو بذریعہ رجسٹرڈ تحریر موجودہ کے طلاق دینا اُن تینوں ہمراہیوں میں سے دو صاحبوں کو میر عابد علی مذکور کے طلاق مذکور کے اقرار زبانی کا گواہ بیان کیا۔ گواہان مذکور الصدر نے میرے سامنے بدستخط خود اپنے اپنے بیان تحریر کئے رجسٹرڈ تحریر موجود کا خود میر عابد علی کی تحریر ہونا اور نیز زبانی طلاق مکرر سہ کرر دینا بخوبی ثابت ہے، بیانات مذکورہ ہمرشتہ تحریر ہذا ہے۔

الراقم خادم الاطباء والعلماء ابو محمد عبد الرشید ظہور الاسلام سہسوانی ہیڈ مولوی گورنمنٹ ہائی اسکول فرخ آباد۔

مہر و دستخط سے آج تاریخ ۲ جولائی ۱۹۱۷ء کو روانہ کیا گیا۔

فہرست اوراق { تحریر راقم ایک، بیان مرزا صدیق بیگ ایک، بیان حافظ فخر الدین صاحب ایک } کل تین اوراق۔

الجواب

کوئی تحریر بے شہادت یا اقرار کاتب مسلّم نہیں ہوسکتی اگرچہ خط اُسی کا معلوم ہوتا ہو، علماء فرماتے ہیں:

الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم کما فی الهندیة[1] وغیرها۔ خط دوسرے خط اور مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوتی ہے جیسا کہ ہندیہ وغیرہا میں ہے (ت)

یہاں عابد علی اس خط سے منکر ہے تو شہادت درکار، اُن دو گواہوں نے جو گواہی دی ناقص و ناتمام ہے وہ اپنے بیانوں میں، عابد و عبد الرزاق کہتے ہیں ملک میں اس نام کے ہزاروں ہوں گے۔ شرط شہادت یہ ہے کہ اگر وہ حاضر ہوں تو اُن کی طرف اشارہ کرکے گواہی دے کہ اس عابد علی نے اس عبد الرزاق کی بیٹی اپنی زوجہ کی نسبت یہ کہا اور اگر حاضر نہ ہوں تو اُن کا نسب پاک دادا تک بیان کرے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب ۲۳ کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

عابد علی بن فلاں بن فلاں نے اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کی نسبت یہ کہا اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا ذکر بھی ضرور ہے کمافی العلمگیریۃ (جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے۔ ت) یعنی جبکہ فقط باپ کی طرف نسبت سے تمیز کامل نہ ہو جاتی ہو،

فان المقصود التعریف لا تکثیر الحروف کمافی جامع الفصولین والدرالمختار۔

کیونکہ معرفت مقصود ہے حروف کی کثرت مقصود نہیں ہے، جیسا کہ جامع الفصولین اور درمختار میں ہے۔ (ت)

اگر دو گواہ ثقہ عادل اگرچہ یہی دو ہوں اس طرح شہادت ادا کریں تو ضرور تین طلاقیں ثابت ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۹۲: از امریا ضلع پیلی بھیت مرسلہ مظفر علی خاں ۳ محرم ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی منکوحہ محمودہ کے حق میں مضمون طلاق مندرجہ ذیل بہ شہادت دو شخصوں کے تحریر کر دیا طلاق بائنہ ہوئی یا رجعی؟

مضمون طلاق

میں نے محمودہ منکوحہ اپنی کو طلاق دے دی اور چھوڑ دیا اور مجھ کو اب اُس سے کوئی واسطہ نہیں رہا اور زبان سے تین بار طلاق ادا نہیں کیا صرف کاغذ پر تحریر کر دی۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں زید سخت گنہ گار ہُوا، عورت اس کے نکاح سے نکل گئی، اس پر تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس سے نکاح بھی نہیں کر سکتا، زبان سے کچھ کہنا ضرور نہیں تحریر کافی ہے جبکہ بلا جبر واکراہ شرعی ہو جیسا کہ یہاں ہُوا، اشباہ میں ہے: الکتاب کالخطاب[1] (تحریر، خطاب کی طرح ہے۔ ت) لفظ اوّل و دوم دونوں صریح طلاق ہیں اور تیسرا لفظ اگرچہ کنایہ تھا مگر تقدمِ طلاق نے اُسے بھی طلاق کے لئے معیّن کر دیا، ردالمحتار میں ہے:

دلالۃ الحال المراد بہا الحالۃ الظاھرۃ المفیدۃ للمقصود،

دلالتِ حال سے مراد وہ حالت جو ظاہر طور پر مقصود کو مفید ہو۔ اس کی ایک صورت، پہلے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶-۵۹۷

ومنھا تقدم ذکر الطلاق بحر عن المحیط۔[1]

طلاق کا ذکر ہونا ہے، محیط سے منقول بحر میں۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فی النھر دلالۃ الحال تعم دلالۃ المقال فتفسر المذاکرۃ بسؤال الطلاق او تقدیم الایقاع کما فی اعتدی ثلاثا۔[2]

نہر میں ہے کہ دلالتِ حال، دلالتِ قول کو شامل ہے، لہٰذا اس کی تفسیر یُوں درست ہے کہ طلاق کے مطالبہ کے طور مذاکرہ، یا پہلے طلاق واقع کرنا، مثلاً عدت پُوری کر تین کی۔ (ت)

اسی طرح اور مواقع میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۳ از شاہ گڈھ ڈاکخانہ شب نگر ضلع پیلی بھیت مرسلہ حافظ عبدالرحمن صاحب ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک بیوہ مسماۃ ہندہ سے بدیں شرط نکاح کیا کہ وُہ اپنے ناجائز متعلق سے قطع تعلق کرلے، اس نے منظور کیا اور نکاح ہوگیا، ہندہ مذکور نے گو اس ناجائز متعلق سے قطع تعلق کرلیا لیکن زید نے اس سے گفتگو کرتے دیکھ لیا اور اس غصہ میں زید نے ایک لکھے پڑھے شخص سے کہا کہ تم ایک مضمون لکھ دو جس سے میں ہندہ سے دست بردار ہوجاؤں اور وہ تحریر بذریعہ رجسٹری مسماۃ کے پاس بھیج دُوں۔ یہ وُہ الفاظ بعینہ تھے جو ادا کئے گئے تھے لکھے پڑھے شخص نے ایک تحریر لکھی جس میں ہندہ کو تحریر کیا کہ تم نے شرط پُوری نہیں کی لہٰذا تم میری بیوی نہیں رہیں تم کو طلاق طلاق طلاق دیتا ہُوں، اب مسماۃ ہندہ کہتی ہے کہ گو میں نے شخص متعلق سے تمہاری مرضی کے خلاف گفتگو کی ہے لیکن اب کوئی واسطہ نہیں ہے نہ اب گفتگو کروں۔ چونکہ زید کو طلاق رجعی یا بائن کا کچھ علم نہیں تھا لیکن زید کے ذہن میں قطعاً قطع تعلق نکاح نہ تھا زید نے مضمونِ طلاق سُن لیا تھا اب مسماۃ پشیمانی کے ساتھ طالبِ معافی ہے اور زید بھی چاہتا ہے کہ مسماۃ ہندہ مذکور میرے نکاح میں رہے۔ واضح رائے عالی ہو کہ مسماۃ ہندہ کو شخص متعلق سے گفتگو کرتے دیکھ کر اُس کے دوسرے تیسرے دن تحریر رجسٹری طلاق کی بھیجی تھی اور جس روز تحریری طلاق بھیجی اُسی روز ہندہ اور زید میں گفتگو ہوکر خواہشمند بقائے نکاح

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۳

[2] ایضاً

ہوئے ہیں کہ نکاح رہا یا نہیں ؟

الجواب

اُس نے اس کی درخواست سے لکھا اور اس نے لکھنے کے بعد سُن بھی لیا اور عورت کو بھیج دیا عورت پر تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ ذہن میں ہونے نہ ہونے وغیرہ کے عذر بیکار ہیں۔ قال اللہ تعالٰی :

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر تیسری طلاق دے دے تو اس کے بعد عورت حلال نہ ہوگی تاوقتیکہ وُہ کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۴ از قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد مرسلہ عطاء اللہ خاں سوداگر جفت ۱۵ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ سے عرصہ سے ناراض ہے اس کو زوجہ کی جانب بدگمانی ہے وُہ عرصہ سے اس سے تقریری وتحریری ذرائع سے واقعات کو دریافت کر رہا ہے اب اُس نے ایک خط اپنی زوجہ کے نام پردیس سے تحریر کیا ہے جس کی عبارت طول طویل ہے اس میں سے بقدر ضرورت عبارت ذیل میں نقل کی جاتی ہے یہ ثابت ہے کہ یہ خط زید کا ہے کیونکہ وُہ اپنے والد کو لکھتا ہے کہ میرے لڑکے کو اور میرے سامان کو زوجہ سے لے لو اور زید اپنے سالے کو بھی لکھتا ہے کہ تم میرے والد کو میرا سامان دے دو اور اپنی ہمشیرہ کے جہیز کا سامان اپنی ہمشیرہ کو دے دو اور میرے لڑکے کو بھی والد کو دے دو، اسی خط میں اور بہت سی بیہودہ باتیں اپنی زوجہ کے متعلق تحریر کی ہیں اور کوئی اجنبی شخص ان کو نہیں لکھ سکتا اور زید کی بہت سی تحریریں انھیں قرائن کو ظاہر کرتی ہیں، زید کے خط کی عبارت یہ ہے :
" تُونے جس قدر جھُوٹ سے کام لیا تیرے دل کو معلوم ہے مگر تُونے اب بھی پوشیدہ حال رکھا ہے اب میں اپنے دل سے طلاق دیتا ہُوں طلاق دیتا ہُوں طلاق دیتا ہُوں اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی ہیں اس وجہ سے وہاں سے چُپ ہو کر چلا آیا ہُوں کہ تُو ڈر کے مارے نہیں بتاتی۔" دریافت طلب امر یہ ہُوا کہ زید نے جو یہ کلمات اپنے خط میں لکھے ہیں کیا اس کی زوجہ مطلقہ ہوگئی یا نہیں اگرچہ اس کی زوجہ نے کوئی راز پوشیدہ ہی رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔

الجواب

ثبوت خط کے لئے اُس کا اقرار ہو یا گواہان عادل کی شہادت، اگر وُہ انکار کرے اور گواہ نہ ہوں

---

[1] القرآن ۲/ ۲۳۰

تو مجرد خط ملنے یا اُن قرائن سے ثبوت نہیں ہوسکتا، علماء نے فرمایا ہے: لا یعمل بالخط (خط پر عمل نہ کیا جائے گا۔ ت) اور فرمایا ہے:

الخط یشبه الخط و الخاتم یشبه الخاتم[1] خط دوسرے خط اور مُہر دوسری مُہر کے مشابہ ہوتی ہے۔ (ت)

پھر وُہ لفظ کہ اس نے لکھے ہیں محتمل ہیں کہ پوشیدہ رکھی بیائے معروف یا بیائے مجہول، اگر عورت کو وثوق ہے کہ یہ خط اُسی کا ہے تو جب تک وُہ انکار نہ کرے اس پر کاربندی کرسکتی ہے، اگر یائے معروف ہے تو تین طلاقیں سمجھ سکتی ہے اگر کوئی بات پوشیدہ رکھی تھی اور یائے مجہول ہے تو اب تین طلاقیں سمجھ سکتی ہے اگر کوئی بات اس خط کے بعد پوشیدہ کرے لیکن اگر وُہ اس خط سے منکر ہو تو عورت کو بے شہادت عادلہ بالائی وثوق کام نہ دے گا۔

مسئلہ ۱۹۵ از محمود آباد ضلع سیتاپور مرسلہ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب سُنّی حنفی محمود آبادی

۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

حضرات علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کیا حکم فرماتے ہیں کہ زید نے ایک دن غصہ میں اپنی منکوحہ عورت کے واسطے فارغخطی تحریر کیا اور لکھا کہ میں نے طلاقیں دیں مگر زبان سے کچھ نہیں کہا اور نہ عورت نہ کسی اور کو اس کی بابت کچھ معلوم ہوا محض لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا مگر عورت نے کسی طرح معلوم کرلیا' لہذا ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر فارغخطی باضابطہ لکھی تھی کہ میں فلاں بن فلاں ساکن فلاں ہُوں مَیں نے اپنی زوجہ فلاں کو تین طلاقیں دیں جیسا کہ لفظ فارغخطی سے بھی ظاہر ہے۔ فارغخطی باضابطہ کاغذ ہی کو کہتے ہیں تو بلاشبہہ تین طلاقیں ہوگئیں، عورت بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی عورت کو یا کسی کو خبر نہ ہونا شرطِ طلاق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۶ از شہر محلہ کوہاڑا پیر مسئولہ قمرالدین صاحب ۲۰ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عقد نکاح کیا ہندہ کے ساتھ، مگر بعدہٗ حسب شرائط ذیل بوجوہ خانگی ومصالح خاندانی تجویز طلاق قرار پائی اور طلاقنامہ لکھا گیا مگر حسب اندراج دستاویز مذکور کلمات شرعیہ کہ طلاق دی طلاق دی طلاق دی اور جلسۂ عام میں طلقت کہا وقوع میں نہیں آئی بلکہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ باب ۲۳ کتاب القاضی الی القاضی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۸۱

سرپرستِ منکوحہ نے حکمتِ عملی سے زبردستی دستاویز حاصل کرلیا اور اُس نے اُس کو روک لیا نیز مخفی نہ رہے کہ بعد عقد ہنوز رخصتی کے رسم عمل میں نہیں آئی ہے، آیا بعد ملاحظہ بالا و لحاظ شرائط تحت طلاق جائز ہے یا واقعی عمل میں بموجب شرع شریف نہیں آئی۔

شرائط جو عمل میں نہیں آئیں

(۱) کھنڈوہ طلائی وزنی ۴ تولہ بوقتِ عقد منجانب ناکح چڑھائے گئے تھے واپس ہوں گی اور نیز مبلغ سعہ روپیہ لڑکی والا بابت خرچ ناکح کو ادا کرے گا۔

(۲) کل پارچہ پوشیدنی لڑکی والا ناکح کو واپس کرے گا جو کہ بوقتِ عقد چڑھایا تھا۔

(۳) شرائط ۱ و ۲ کی تکمیل منجانب لڑکی والے کے ہونے کے بعد ناکح بروئے دستاویز مذکورہ طلاق دے گا اور جلسہ عام میں اس کا اعلان کرے گا۔

(۴) شرط ۳ کی تکمیل کے ساتھ معافی مہر منجانب منکوحہ لازم تھی۔

الجواب

ایسے معاہدوں میں معروف یہ ہے کہ دستاویز کا لکھنا معاہدے کی تمہید ہوتا ہے نہ کہ تنفیذ۔ تنفیذ انھیں شرائط پر مشروط ہوتی ہے جو معاہدے میں قرار پائے، تو یہاں اگرچہ لفظاً تعلیق ہو عرفاً تعلیق ہوتی ہے والمشروط عرفاً کالمشروط لفظاً (عرف میں مشروط چیز، لفظوں میں مذکور مشروط کی طرح ہے۔ ت) ولہذا اگر شوہر عورت سے کہے کہ تو مہر معاف کردے تو میں تجھے طلاق دے دوں گا، عورت نے کہا میں نے اپنا مہر معاف کیا، شوہر نے طلاق نہ دی، مہر معاف نہ ہُوا کہ اگرچہ اُس نے بلا شرط الفاظ معافی کہے، لفظوں میں کوئی شرط نہ تھی مگر معنیً شرط موجود تھی اور وُہ نہ پائی گئی لہذا معافی نہ ہُوئی، اسی طرح یہاں طلاق معنیً اُن شرائط سے مشروط ہے اور وُہ نہ پائی گئی لہذا طلاق نہ ہُوئی۔ عالمگیریہ میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجہا کابین تو بخشیدم چنگ از من بداران لم یطلقہا لم یبرأ عن المہر کذا فی الظہیریۃ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بیوی نے خاوند کو کہا میں تجھے مہر بخشتی ہوں تو مجھ پر سے قبضہ ختم کردے یعنی طلاق دے دے، اگر خاوند نے طلاق نہ دی تو مہر معاف نہ ہوگا ظہیریہ میں اسی طرح ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں ، فصل الخلع بالفارسیہ نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۵۸

مسئلہ ۱۹۷ از شہر کہنہ ۱۲ صفر ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو جس کو عرصہ قریب تین سال کے ہُوا طلاق دے دی طلاق ہو جانے کا اقرار بکر نے زبانی عورت مطلقہ اور نیز عورت مذکورہ کے بھائیوں کی زبانی سُنا ہے اب بکر مذکور اپنا نکاح اس عورت سے کیا چاہتا ہے، لہذا شرع کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ عورت اور اس کے بھائی تین طلاقیں اُتنی مدّت سے ہونا بیان کرتے ہیں اور اب زید سال بھر سے غائب ہے اس صورت میں بکر کو چاہئے کہ اپنے دل کی طرف غور کرے، اگر عورت اور اُس کے بھائیوں کا بیان دل پر جمتا ہو کہ یہ لوگ اس میں سچے ہیں اور کوئی فریب نہیں کرتے تو بکر کو اختیار ہے کہ اس عورت سے نکاح کرلے جبکہ وہ اُس طلاق کے بعد عدّت بھی گزر جانا بیان کرتی ہو یعنی طلاق کے وقت اگر حاملہ ہونا کہے جب تو ظاہر ہے کہ تین سال کے قریب زمانہ گزرا ضرور وضعِ حمل ہو کر عدّت گزر گئی، اور اگر حمل نہ تھا تو عورت یہ بیان کرے کہ طلاق کے بعد اُسے حیض تین بار شروع ہو کر ختم ہوچکا ہے اور اگر بکر کے دل پر اُن کا سچ نہ جمے فریب معلوم ہوتا ہو تو ہرگز نکاح نہ کرے،

فی الھندیة عن الذخیرة لو ان امرأة قالت لرجل ان زوجی طلقنی ثلثا وانقضت عدتی فان کانت عدلة وسعه ان یتزوجها وان کانت فاسقة تحری وعمل بما وقع تحریه علیه[1]۔

ہندیہ میں ذخیرہ سے منقول ہے، اگر ایک عورت نے کسی مرد کو کہا کہ میرے خاوند نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں اور عدّت بھی گزر چکی ہے، تو اگر عورت عادلہ ہے تو اس شخص کو اس پر اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے، اور اگر وُہ عورت فاسقہ ہے تو پھر وُہ شخص غور وفکر کرے اور غور وفکر کے نتیجہ پر عمل کرے۔ (ت)

اس کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ آج کل عادل شخص کا ملنا دشوار ہے ورنہ اگر عورت عادلہ ہو تو اس کا صرف اتنا بیان ہی کہ مجھے طلاق ہوگئی اور عدت گزر گئی جواز کے لئے کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۸ قاضی عبدالغنی صاحب از ڈیڈوانہ مارواڑ محلہ قاضیان

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور بسبب دلی رنجش کے بہ رُوبرُو دو تین شخص کے حرفِ طلاق مکرر سہ کرر زبان پر لایا، ہندہ کے پاس ایک طفلِ شیرخوار تھا اس وجہ سے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۱۳

اُس نے اس کی پرورش کی درخواست کی جس کا زید نے اقرار کیا کہ ہر ماہوار دُودھ خرچ کے دیا کرے گا، چند عرصہ کے بعد ہندہ طالب مہر و زر ہوئی، اب زید نے دیکھا کہ روپیہ ہاتھ سے جاتا ہے انکاری ہوگیا کہ میں نے طلاق نہیں دی اس غرض سے کہ ہندہ نہ تو کسی دوسرے سے نکاح کر سکے گی اور نہ گھر سے خرچ ہوگا۔ اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیا یہ طلاق جائز ہے یا ناجائز، طلاق کن کن امور سے ہوتی ہے کیا ہندہ مستحق پرورش خرچ مہر ہے؟

الجواب

طلاق کے مسئلے ایسے گول لکھنے کے نہیں ہوتے، حروف طلاق مکرر سہ کر زبان پر لایا اس سے کیا معلوم ہوا کہ اس نے کیا الفاظ کہے حرف طلاق لاکھ بار زبان پر لانے سے بھی طلاق نہیں ہوتی اور ایک ہی بار کہنے سے ہوجاتی ہے، اس کے پورے الفاظ لکھے جائیں جن پر اصلاً کم و بیش تغیر نہ ہو اور یہ بھی کہ اس کے گواہ کون کون لوگ ہیں کہ اُس نے یہ لفظ کہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۹ از ٹانڈہ ضلع فیض آباد مسئولہ حکیم سید حاضر علی ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

رہبر شریعت و طریقت جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب، السلام علیکم! ایک شخص سلیمان نے کئی آدمیوں کے سامنے طلاق دے کر طلاق نامے پر انگوٹھے کا نشان ثبت کردیا۔ اس طلاق نامہ کے وصول پر مسماۃ صغرٰی بی بی بالغ کے باپ نے اس کا عقد چھ ماہ ہوا ایک متمول خوبصورت شخص سے کردیا اب سلیمان چند مفسدوں کے بہکانے سے کہتا ہے میں نے طلاق نہیں دیا ہے، مفسدوں کا منشا ہے کہ شوہر ثانی سے ناجائز طور پر کثیر رقم وصول ہو۔ نقل طلاق نامہ یہ ہے: "۱۲ ماہ جمادی الثانی ۱۳۳۸ ہجری بروز شنبہ منکہ سلیمان بن عبدالرزاق حافظ، روبرو پنچوں کے لکھوا دیا ہوں کہ میری طبیعت خراب رہتی ہے میرے سر پر گرمی چڑھتی ہے تو تین تین چار چار روز ہوش نہیں رہتا اس وقت میری طبیعت بہت ٹھیک ہے اس لئے میں چار گواہی دے کر کے میری منکوحہ مسماۃ صغرٰی بنت حیدر اُس کو تین طلاق دے کر اپنے نکاح سے دُور کردیا اگر مجھ کو کوئی دیوانہ گردانے تو واقعی دیوانہ ہوں لیکن اس وقت دیوانہ نہیں ہوں اور مسماۃ مذکور کی جانب سے ولی محمد ابن امام الدین مختار ہو کر مہر عدت معاف کردیا ہے جب میں طلاق دیا ہوں۔"

ٹکٹ ۱؎ (نشان انگوٹھا سلیمان ولد عبدالرزاق حافظ)

الجواب

صورت مستفسرہ میں اگر سلیمان کو اس تحریر کا اقرار ہے یا گواہان عادل سے ثابت ہے تو بیشک صغرٰی پر تین طلاقیں ہوگئیں اس کا نکاح اگر عدت گزرنے کے بعد دوسرے شخص سے کیا گیا تو وہ نکاح صحیح ہے

اور اگر عدت کے اندر کردیا کہ سوال میں انقضائے عدت کا کوئی ذکر نہیں اور طلاق نامہ میں عدت کا معاف کرنا جاہلانہ لکھا ہے تو یہ دُوسرا نکاح بھی باطل ہُوا اگر سلیمان کو اب بھی صغرٰی پر کوئی دعوٰی نہیں پہنچتا نہ وہ صغرٰی سے نکاح کرسکتا ہے کہ اس نکاح ثانی کے باطل ہونے کے سبب حلالہ صحیح نہ ہُوا ۔ درمختار میں ہے :

لاینکح مطلقۃ بالثلاث حتی یطأھا غیرہ بنکاح نافذ خرج الفاسد والموقوف[1] (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم۔

تین طلاقوں سے مطلقہ عورت سے دوبارہ اس وقت تک نکاح نہیں ہوسکتا جب تک دوسرا خاوند صحیح اور نافذ نکاح کے ساتھ اس عورت سے جماع نہ کرلے، صحیح اور نافذ نکاح کی قید سے نکاح فاسد اور نکاح موقوف خارج ہوگیا (ملخصًا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲: از انبالہ چھاؤنی صدر بازار محلہ پلیداران مرسلہ ننّے خاں نبیت ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

ایک شخص نے بخوشی چار آدمیوں کے سامنے اپنی عورت کو طلاق دی اب وُہ کہتا ہے کہ میں نے نہیں دی۔ یہ طلاق ہُوئی یا نہیں ؟

الجواب

اگر واقع میں تین طلاقیں دی ہیں عنداللہ عورت اُس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی ۔ قال اللہ تعالٰی :

فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ[2]۔

مطلقہ ثلاثہ عورت خاوند کے لئے حلال نہیں تاوقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے (ت)

اور اس کا انکار اللہ عزّوجل کے یہاں کچھ نفع نہ دے گا اُن گواہوں پر فرض ہے کہ گواہی دیں اگر اُن میں دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شرعی ہوں طلاق ثابت ہوجائے گی اور اس کا انکار دُنیا میں بھی نہ سُنا جائے گا اور اگر ان میں ایسے گواہ نہ ہوں اور عورت کے سامنے طلاق نہ دی ہو تو عورت اس سے حلف لے اگر وُہ حلف دے کہ میں نے طلاق نہ دی تو عورت اپنے آپ کو اس کی زوجہ سمجھے اگر اُس نے حلف جھُوٹا کیا تو وبال اس پر ہے اور اگر خود زوجہ کے سامنے اُسے تین طلاقیں

---

[1] درمختار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۰

[2] القرآن ۲/۲۳۰

دیں او رمنکر ہوگیا اور گواہ عادل نہیں ملتے تو عورت جس طرح جانے اس سے رہائی لے اگرچہ اپنا مہر چھوڑ کر، یا اور مال دے کر، اور اگر وہ یوں بھی نہ چھوڑے تو جس طرح بن پڑے اس کے پاس سے بھاگے اور اُسے اپنے اُوپر قابو نہ دے، اور اگر یہ بھی نہ ممکن ہو تو کبھی اپنی خواہش سے اس کے ساتھ زن وشو کا برتاؤ نہ کرے نہ اس کے مجبور کرنے پر اس سے راضی ہو پھر وبال اس پر ہے، لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا (اللہ تعالٰی وسعت کے مطابق ہی کسی جان کو تکلیف دیتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۱: از گنج مراد آباد ضلع اوناؤ مرسلہ شیخ حرمت علی صاحب ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۱۵ھ

چہ می فرمایند علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ قریب دو سال کا ہوتا ہے کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کے بارے میں بکر اور عمر کو خط لکھے ہیں کہ میں نے ہندہ کو طلاق دی اُس کو اب اختیار حاصل ہے اب زید آیا اور وہ حلفیہ بیان کرتا ہے میں نے بکر اور عمر کو خط نہیں لکھے اور وہ خط ہندہ کے پاس بکر نے رکھے تھے اب گم ہوگئے اور اسی دریافت میں زید نے بکر سے کہا تم نے خود خواہش ظاہر کی تھی کہ ہندہ کو طلاق دو تب میں نے طلاق نہیں دی ہندہ بھی اقرار کرتی ہے کہ زید سے بکر نے خواہش ظاہر کی تھی فقط، بیّنوا توجروا باحسن الثواب۔

الجواب

ایسے خطوط سے ثبوت طلاق دو امر پر موقوف یا تو شوہر اقرار کرے کہ واقعی میں نے یہ خط لکھا تھا یا دو مرد خواہ ایک مرد دو عورتیں ثقہ عادل شہادت شرعیہ دیں کہ ہمارے سامنے شوہر نے خط مذکور لکھا، اشباہ وغیرہا میں ہے:

ان کتب علی وجہ الرسالۃ مصدرا معنونا وثبت ذٰلك باقرارہ اوبالبینۃ فکالخطاب[2]۔ اگر خاوند نے تحریری طلاق کو طلاق نامہ کے انداز سے معنون کرکے ارسال کیا اور اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہوجائے کہ طلاق دی ہے تو زبانی طلاق کی طرح نافذ ہوگی۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں اگر شہادت معتمدہ سے بروجہ کافی تحریر خط ثابت ہو تو الفاظ مذکورۂ سوال ایک سے تین تک جتنے خطوں میں لکھنے کا ثبوت تابقائے عدت ہو اُسی قدر طلاقیں وقتِ تحریر سے پڑنے کا

---

[1] القرآن ۲/ ۲۸۰

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۹۸-۵۹۷
ردالمحتار کتاب القاضی داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

حکم دیا جائے گا مثلاً شہادت مقبولہ سے صرف ایک خط کا ثبوت ہوا تو جس وقت اُس نے یہ خط لکھا اُس وقت سے ایک طلاق مانیں گے اور اگر ایک خط عمرو کے نام اور دوسرا عدت کے اندر انھیں الفاظ یا اُن کے مثل سے بکر یا عمرو ہی کے نام لکھنا ثابت ہو تو دو اور اگر اسی طرح کے تین یا زائد خط ایک ہی شخص خواہ متعدد اشخاص کے نام لکھنے ثابت ہوں تو تین کہ الفاظ مذکورہ کہ صریح ہیں ان میں ہر شخص کو لکھنا ہر بار کا لکھنا جدا طلاق سمجھا جائیگا

لما نصوا علیہ من ان التاسیس خیر من التاکید وان الصریح یلحق غیرہ۔ کیونکہ فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ کلام سے نیا فائدہ اخذ کرنا پہلے ذکر شدہ فائدہ سے بہتر ہے اور یہ کہ صریح طلاق پہلی طلاق کو لاحق ہو سکتی ہے۔ (ت)

ہاں اگر بعض خطوط میں الفاظ مذکور اور باقی میں اس طرح کا مضمون مسطور ہو کہ میں فلاں کو ایسا لکھ چکا ہوں یا میں نے پہلے ہی لکھ دیا ہے،

وامثال ذلک مما یتعین الاخبار عن ذالک السابق لایصلح للانشاء۔ اس کی مثل وُہ الفاظ جو پہلے خبر کے لئے متعین ہو چکے ہوں تو وُہ الفاظ دوبارہ استعمال پر انشاء کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ (ت)

تو ان باقی خطوط کی تحریر اُسی طلاق سابق کا ذکر قرار پائے گی جُدا طلاق نہ ٹھہرے گی،

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ لوطلقھا ثم قال لہا طلاق دادمت یقع اخری ولو قال طلاق دادہ است لایقع اخری[1]۔ ہندیہ میں ظہیریہ سے منقول ہے اگر خاوند نے طلاق دینے کے بعد کہا تجھے میں نے طلاق دی، تو یہ دوسری طلاق شمار ہوگی، اور اگر کہا طلاق دی گئی ہے، تو یہ دوسری طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

اور اگر شہادت کافیہ نہ ہو تو ازانجا کہ زید منکر ہے اصلاً ثبوت طلاق نہیں اگرچہ خطوط موجود اور اس کے خط سے بالکل مشابہ ہوتے کہ خط ملنا کوئی حجت شرعیہ نہیں،

لما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب ان الخط یشبہ الخط فلا یعتبر[2]۔ کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ خط دوسرے خط کے مشابہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ عام کتب میں ہے، لہٰذا خط کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الاول فی الطلاق بالصریح نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۶
[2] فتاوٰی ہندیہ باب ۲۳ کتاب القاضی الی القاضی " " " ۳/۳۸۱
الہدایۃ " " " مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۳۹

بکر و عمرو کا بیان کہ ہمیں خط لکھے اگرچہ وُہ دونوں ثقہ عادل بھی ہوں اگرچہ بکر پر اُس اظہارِ خواہش کے سبب اس امر میں کوئی اپنی غرض و تہمت بھی نہ ہو اصلاً قابلِ التفات نہیں کہ کوئی کسی کو اس کے سامنے خط نہیں لکھا کرتا ڈاک میں آئے یا قاصد لایا بہرحال اُن کا یہ اظہار اُسی مشابہت خط یا بیانِ ایلچی پر مبنی ہوگا اور یہ کوئی شہادت شرعیہ نہیں کما لا یخفی علی ادنی خادم للفقہ و قد بیناہ فی رسالتنا الازکی الاہلال (جیسا کہ یہ بات علم کے ادنٰی خادم پر مخفی نہیں ہے اور اس کو ہم نے اپنے رسالہ ازکی الاہلال میں بیان کیا ہے۔ ت) یہ جو کچھ گزرا دربارۂ حکم قضا ہے یعنی جب تک اُن دو وجہ شہادت و اقرار میں کسی وجہ سے ثبوت نہ ہو حکمِ طلاق نہ دیا جائے گا، عورت کو حرام ہے کہ باوصف انکار شوہر ایسی مہمل خبر پر اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر کوئی کارروائی آزادی کرے، مردوں کو حرام ہے کہ اُسے مطلقہ ٹھہرا کر قصدِ تزوّج کریں، مگر فی الواقع اگر زید اس انکار میں جھوٹا ہے تو اُس کا حساب لینے والا خدا ہے عورت اس وبال سے پاک و جدا ہے خدا سے ڈرے اور حق ظاہر کرے واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم۔

مسئلہ ۲۰۲: مرسلہ حکیم علی حسین خاں از بریلی محلہ فراشی ٹولہ ۲۰ رجب ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین حامی شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عرصہ ساڑھے تین سال سے رنڈی کے ساتھ نکاح کرلیا اور ہندہ قدیمہ زوجہ کو اذیت و تکلیف دیتا رہا حتی کہ ایک روز سال گزشتہ ۱۴ مئی ۱۹۱۶ء کو بمواجہہ دو شخص ثقہ عاقل و بالغ مسلم عمرو و بکر جو کہ اس کے قرابت دار ہیں زید نے ہندہ سے کہا کہ مجھے دو عورت کی استطاعت نہیں، میں اپنے پسند سے رنڈی لے آیا اور تو میرے مطلب کی نہیں، میں تجھ کو رکھنا نہیں چاہتا ہوں، تجھ کو میں نے طلاق دی، تو میرے پاس سے چلی جا، تجھ کو اختیار اپنا ہے جو چاہ سو کر، مجھ کو اپنا اختیار ہے کہ میں نے رنڈی سے نکاح کرلیا اب زید طلاق سے انکار کرتا ہے اور نہ بلاتا ہے اور نہ آتا ہے اور نہ روٹی کپڑا دیتا ہے اور وُہ دونوں شخص مقر ہیں اور زید کہتا ہے کہ میں ہندہ کو خوب دق کرونگا اور ہندہ صبر و تحمل سے عاجز ہو کر نکاح ثانی کرنا چاہتی ہے پس بحکم شرع شریف طلاق ہُوئی یا نہیں، اور الفاظ مذکورہ سے کتنے طلاق واقع ہُوئے اور ہندہ بعد عدت نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں، شمارِ عدت کب سے ہوگا اور دین مہر کی مستحق ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جاہلوں سے فتوٰی لینا حرام ہے، مخالفانِ دین کی طرف رجوع کرنا سخت اشد حرام ہے، اس طلاق کو رجعی سمجھنا سخت جہالت ہے اور عدت اس وقت سے شروع نہ جاننا اگر یہ طلاق بحالت حیض ہو بلکہ جب یہ حیض ختم ہو اس کے بعد کا طُہر ختم ہو جدید حیض شروع ہو اُس وقت سے عدت کا آغاز لینا دوسری جہالت ہے

بلکہ حکم شرعی یہ ہے کہ صورت مستفسرہ میں اگر بیانِ مذکور صحیح ہے عورت پر دو طلاقیں بائن پڑگئیں، عورت نکاح سے نکل گئی، شوہر کو رجعت کا کچھ اختیار نہ رہا،

فان اللفظ الخامس طلاق صریح والسادس لکونہ یحتمل الرد ان توقف علی النیۃ حتی فی المذاکرۃ فالسابع لا یحتملہ وقد صارت الحالۃ بالطلاق حالۃ المذاکرۃ فوقع بلا نیۃ لان البائن یلحق الصریح ولکونہ بائنا عاد الاول ایضا مثلہ لاستحالۃ الرجعۃ بعد البینونۃ فطلقت تطلیقتین بائنتین۔

کیونکہ پانچواں لفظ صریح طلاق ہے اور چھٹا لفظ جواب کا احتمال رکھتا ہے اس لئے اس میں نیّت کی ضرورت ہے حتی کہ مذاکرہ طلاق میں نیّت پر موقوف ہے اور ساتواں لفظ رَد کا احتمال نہیں رکھتا پہلے طلاق کہنے کی بنا پر مذاکرہ طلاق ہوجانے کی وجہ سے یہ طلاق بھی بغیر نیّت واقع ہوگئی، کیونکہ یہ بائنہ طلاق ہے، اور بائنہ، رجعی طلاق کو لاحق ہوجاتی ہے اور بائنہ پہلی کو بھی اپنے جیسی بنادیتی ہے اس لئے کہ بائنہ کے بعد رجوع ناممکن ہوجاتا ہے، لہٰذا مذکورہ سوال میں دو بائنہ طلاقیں ہوگئی ہیں۔ (ت)

عدّت اسی وقت سے لی جائیگی جب سے یہ طلاق دی اگرچہ حالتِ حیض میں دی ہو تمام احکامِ عدّت مثلاً عورت پر گھر سے باہر جانے کی حرمت وغیرہ اسی وقت سے ثابت ہوجائیں گے نہ یہ کہ حیض جدید کے بعد آغاز ہوں، ہاں صرف یہ حیض شمار میں نہ آئے گا بلکہ اس کے بعد تین حیض کامل درکار ہوں گے، جس وقت سے یہ طلاق پڑی عورت کا مہر واجب الادا ہوگیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰۳: از کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ محمد ابراہیم خاں وکیل سررشتہ ۲۳ رجب ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو جس کی عمر ۱۵ سال کی ہے ہندہ کے باپ عمرو کے مواجہہ میں طلاق بائن مغلظ دے دیا اس طلاق کے اندازاً ایک سال بعد زید نے کسی طرح پر ہندہ کو بہکاکر یہ کہلادیا کہ مجھے طلاق نہیں ہُوئی ہے اور زید بھی طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں پدر ہندہ عمرو کو بروئے شریعت کیسا اختیار حاصل ہے، کیا عمرو قاضی کے سامنے دعوٰی پیش کرکے استقرارِ طلاق کی ڈگری لے سکتا ہے اور اپنی لڑکی ہندہ نابالغہ کو زید کے قبضہ سے نکال سکتا ہے؟

الجواب

اللہ عزوجل ہر غیب کو جانتا ہے فی الواقع اگر زید نے ہندہ کو طلاق مغلظہ دی تھی اور اب زید و ہندہ دونوں منکر ہوگئے ہیں تو اُن کا انکار کچھ مسموع نہیں، اور ان پر فرض ہے کہ فوراً فوراً جُدا ہوجائیں ورنہ زنا ہے اور دونوں کو عذابِ جہنّم وغضبِ جبّار کا استحقاق ہے اگر وہ جُدا نہ ہوں تو ہندہ کے باپ پر فرض ہے کہ قاضی کے

یہاں دعوٰی طلاق کرکے فوراً جُدائی کرالے اگروہ نہ کرے تو جو مسلمان اس پر اطلاع رکھتا ہے اُس پر فرض ہے کہ دعوٰی کرکے اُن میں جُدائی کرادے اس میں ہر مسلمان کو دعوٰی کا اختیار ہے بلکہ اگر کوئی شخص دعوٰی نہ کرے تو جن جن کے سامنے زید نے طلاق دی تھی اُن پر فرض ہے کہ قاضی کے یہاں حاضر ہوکر گواہی دیں اور اگر اُن میں دُو گواہ قابل قبولِ شرع ہوں تو قاضی پر فرض ہے کہ بغیر کسی مدعی کے اُن کی شہادت سُن لے اور اُن مرد و عورت کو جبراً جُدا کردے۔ اشباہ والنظائر میں ہے:

تسمع الشھادۃ بدون الدعوی فی الحد الخالص وفی الطلاق والایلاء والظھار[1]

خالص حد، طلاق، ایلاء اور ظہار میں بغیر دعوٰی بھی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولھا بخلاف حقوق اللہ تعالٰی لوجوب اقامتھا علی کل احد فکل احد خصم فکان الدعوی موجودۃ[2] (ملخصاً)

حقوق العباد میں شہادت قبول کرنے کے لئے پہلے دعوٰی پایا جانا شرط ہے بخلاف حقوق اللہ کے کہ ہر ایک پر واجب ہے کہ ان کو قائم کرے اس لئے حقوق اللہ کے معاملہ میں ہر ایک فریق ہوسکتا ہے، گویا کہ دعوٰی موجود قرار پائے گا۔ (ت)

ہاں واقع میں زید نے طلاق نہ دی اور ہندہ کا باپ جھوٹا دعوٰی طلاق کرکے جُدا کرانا چاہتا ہے تو وہ سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ والعیاذ باللہ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۴: از بلرامپور ڈاکخانہ خاص ضلع گونڈہ محلہ پھاٹک جانب اوتر سرائے پختہ مرسلہ نور محمد آتشباز ۲۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک خواندہ آدمی ہے عرصہ پندرہ سولہ سال کا گزرتا ہے کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ کو بوجہ چندوجوہ طلاق واحد تنبیہاً دی اور بعد گزرنے پندرہ یوم کے دونوں میاں بیوی نے رجعت کرلی اور آج تک زید کی زوجیت میں رہی اتفاقاً بعد سولہ برس کے دونوں میں نااتفاقی بوجہ ورغلانے ایک شخص کے جو زید کی تجارت میں شریک تھا ہوگئی اور زید کے مکان سے فرار ہوگئی بعد چند روز کے واپس آئی اور

---

[1] الاشباہ والنظائر کتاب الشہادات والدعاوی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی ۱/ ۳۵۸
[2] درمختار باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۸

سابقہ طلاق واحد کو تین طلاقوں کی مقر ہوئی، چونکہ زید برادری والا آدمی ہے پنچایت میں یہ مقدمہ پیش ہُوا اور گواہوں نے بیان کیا مجھے یاد نہیں ہے کہ زید نے طلاق واحد دی تھی یا طلاق ثلاثہ، اس وقت پنچایت میں زید سے قسم لی گئی، زید نے طلاقِ واحد کی قسم کھالی، ہندہ پھر زید کی زوجیت میں چند روز رہی، بعدازاں ہندہ پھر فرار ہوکر اور دو گواہ بے نمازی دائمی اور شراب خوار و زانی ایک برادری و دیگر نے قوم دیگر کچہری دیوانی میں پیش کرکے مقدمہ دائر کرکے ڈگری حاصل کرلی اور اس شخص کے مکان پر رہتی ہے جو کہ زید کا شریک تھا اور اسی کے ورغلانے کا گمان غالب تھا، پس صورتِ مسئولہ میں ہندہ کے گواہ مذکور کچہری کا قول معتبر ہوگا یا کہ گواہ اول پنچایتی برادرانِ زید کا قسم معتبر ہوگا اور اہلِ برادری کو زید کے شریک جہاں ہندہ رہتی ہے اور اُسی کے ورغلانے کا تمام اہلِ برادری کو اور زید کو گمان غالب ہے تنبیہاً خاندان ترک کردینا جائز ہے یا نہیں؛ اور ہندہ زوجۂ زید ہوسکتی ہے یا نہیں؛

الجواب

اگر یہ بیان واقعی ہے تو پنچایت کا فیصلہ حق تھا اس کے بعد ہندہ کا چند روز اس پر کاربند رہ کر اغوائے شیطان سے پھر فساد اُٹھانا اور دو فاسق گواہ پیش کرکے کچہری سے ڈگری لینا اُسے شرعاً کچھ مفید نہیں، ہندہ بدستور زوجۂ زید ہے اور شریکِ زید پر اگر ہندہ کے اغوا کا ثبوت ہو تو اہلِ برادری ضرور اُسے برادری سے خارج کریں اُس سے میل جول چھوڑ دیں اُس کے پاس نہ بیٹھیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واِمّا یُنسینّک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین[1] اگر تجھے شیطان بھلادے تو یاد آئے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علٰی زوجھا[2] رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الصغیر ونحوہ فی الاوسط عن ابن عمر و ہمارے گروہ سے نہیں جو کسی کی عورت کو اُس سے بگاڑ دے (اس کو ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے صغیر اور اس کی مثل اوسط میں ابن عمر رضی اللہ

---

[1] القرآن ۶/۶۸

[2] سنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۹۶
المستدرک للحاکم باب لیس منّا من خبب امرأۃ علٰی زوجہا الخ دارالفکر بیروت ۲/۱۹۶

فی الاوسط کابی یعلی بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔	تعالٰی عنہ سے، اور اوسط میں ابویعلٰی کی طرح صحیح سند سے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۰۵: از پھریرا ضلع مظفرپور محلہ نورالعین شاہ شریف آباد رائے پور مظفرپور مرسلہ شریف الرحمن صاحب ۳ شعبان ۱۳۳۶ھ

ہندہ کہتی ہے کہ مجھے میرا شوہر شیخ اسمٰعیل نے بیکدم پانچ طلاق دی ہے اور ایک ماں اور ایک بھاوج اور ایک غیر عورت بالغ اور ایک لڑکا بارہ چودہ سالہ گواہ رکھتی ہے اُس کی مائی کہتی ہے کہ ہاں پانچ طلاق دی ہے اور بھاوج کہتی ہے کہ پانچ طلاق دی ہے، غیر عورت موجودہ کہتی ہے کہ دو دی ہے، لڑکا کہتا ہے کہ تین دی ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ وہاں مسماۃ مورن بھی تھی مسماۃ مورن کہتی ہے کہ طلاق نہیں دی ہے، اور پڑوس کے موجودہ لوگ سب بیک زبان کہتے ہیں کہ طلاق نہیں دی ہے، اور اسمٰعیل شوہر ہندہ کہتا ہے کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ میں نے ہندہ کو طلاق نہیں دی ہے اور نہ دوں گا، ہندہ اور ہندہ کی ماں اور بھاوج باہمی سازش سے مجھ پر تہمت جھوٹی کی ہے چونکہ میں بیمار تھا ہندہ کو اپنی خدمت کے لئے تنبیہ و مجبور کرتا تھا اس لئے مجھ سے ناراض ہوکر جھوٹی تہمت مجھ پر کی ہے۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں کہ اگر وُہ لڑکا نابالغ ہو یا وُہ خواہ بھاوج خواہ وُہ دوسری عورت کہ دو طلاق کہتی ہے ثقہ عادل شرعی نہ ہو جب تو ظاہر یہاں تک کہ اگر یہ لڑکا بالغ اور یہ اور ماں اور بھاوج سب ثقہ عادل ہوں فقط وُہ غیر عورت ثقہ نہ ہو جب بھی طلاق اصلاً ثابت نہ ہوگی پہلی صُورت میں اس لئے کہ صرف عورتیں ہیں اور تنہا عورتوں کی گواہی مقبول نہیں اور دوسری صورت میں اس لئے کہ عدالت نہیں اور تیسری صورت میں اس لئے کہ ماں کی گواہی بیٹے کے حق میں مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

لا تقبل شہادۃ الفرع لاصلہ وبالعکس[1] (ملخصاً)	فرع (اولاد) کی شہادت اصل (والدین اور اوپر) کے حق میں اور اس کا عکس ہو تو بھی مقبول نہیں (ملخصاً)۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

فی الولوالجیۃ تجوز شہادۃ الابن علی	ولوالجیہ میں ہے کہ باپ نے اگر اپنی بیوی کو طلاق

[1] درمختار کتاب الشہادت باب القبول و عدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۴

ابیه بطلاق امرأته اذا لم تکن لامه او لضرتها لانها شهادة علی ابیه و ان کان لامه اولضرتها لا تجوز لانها شهادة لامه[1]

دی تو بیٹے کی اپنے باپ کے خلاف شہادت مقبول ہوگی بشرطیکہ جس کو طلاق دی گئی ہو وہ اس بیٹے کی ماں یا ماں کی سہیلی نہ ہو، یہ شہادت باپ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مقبول ہوگی اور اگر بیٹے کی ماں یا اس کی سہیلی ہو تو پھر بیٹے کی یہ شہادت مقبول نہیں کیونکہ اگرچہ باپ کے خلاف ہے لیکن ماں کے حق میں ہے۔ (ت)

اور بالفرض اگر یہ لڑکا بالغ اور بھاوج اور وُہ دوسری عورت سب ثقہ عادل ہوں بھی تو دو طلاقیں ثابت ہوسکتیں کہ اسی قدر تینوں شاہدوں کا اتفاق ہے لیکن یہ مذہب صاحبین کا ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اب بھی شہادت مقبول نہیں کہ دو اور تین میں اختلاف ہے اور اختلاف شہود موجب رَدِّ شہادت۔ ہدایہ میں ہے،

یعتبر اتفاق الشاهدین فی اللفظ والمعنی عند ابی حنیفة فاذا شهد احدهما بالف والاٰخر بالفین لم تقبل الشهادة عنده وعندهما تقبل علی الالف اذا کان المدعی یدعی الالفین وعلی هذا الطلقة والطلقتان والطلقة والثلث[2]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک دونوں گواہوں کا لفظاً اور معنیً میں اتفاق معتبر ہے لہذا اگر ایک گواہ نے ایک ہزار کہا اور دوسرے نے دو ہزار کہا تو یہ شہادت امام صاحب کے نزدیک مقبول نہ ہوگی، اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک مذکورہ صورت میں ایک ہزار پر دونوں گواہوں کی شہادت قبول کرلی جائے گی بشرطیکہ مدعی نے دو ہزار کا دعوٰی کیا ہو، یُوں ہی ایک طلاق اور دو طلاق کا یا ایک اور تین طلاقوں میں گواہوں کا اختلاف ہو تو امام صاحب کے نزدیک اس اختلاف میں کوئی طلاق بھی ثابت نہ ہوگی۔ (ت)

تو ثابت ہُوا کہ صورتِ مستفسرہ میں اصلاً طلاق ثابت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۰۶: از گلاوٹھی ضلع بلندشہر مدرسہ اسلامیہ مرسلہ مولوی کریم بخش صاحب مدرس ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا بیان ہے کہ میرے شوہر نے مجھ کو

---

[1] بحرالرائق باب من تقبل شہادتہ ومن لاتقبل ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۷/ ۸۰

[2] ہدایہ باب الاختلاف فی الشہادۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۶۵

طلاق دے دی ہے قطعی جس کو عرصہ ۷ مہینے کا ہوا اور اپنے بیان کی تائید میں اپنے دو بھائی حقیقی اور دو شخص غیر کو پیش کرتی ہے، چنانچہ وہ چاروں قطعی طلاق دینا مسماۃ کو بیان کرتے ہیں اور شوہر سے جو دریافت کیا گیا تو وہ انکار کرتا ہے اس صورت میں عورت مطلقہ سمجھی جائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ان چاروں میں اگر عورت کے دونوں بھائی یا دونوں غیر یا ایک بھائی ایک غیر غرض کوئی سے دو شخص ثقہ عادل شرعی قابل قبول شہادت ہوں تو عورت ضرور مطلقہ سمجھی جائے گی شوہر کا انکار گواہان ثقہ کے حضور اصلاً مسموع نہ ہوگا، بھائی کی گواہی بہن کے حق میں شرعاً قبول ہے۔ درمختار میں ہے:

نصابہا للنکاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان[1] اھ ملخصا ملتقطا۔

نکاح وطلاق میں شہادت کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے اھ ملخصا ملتقطا (ت)

فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

تجوز شہادۃ الاخ لاختہ کذا فی محیط السرخسی[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بھائی کی شہادت بہن کے حق میں مقبول ہے، جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۷: از ریاست رامپور مسئولہ امراؤ دلہا مفتی غلام حیدر صاحب محلہ زاخ دوارہ مورخہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کے دروازہ پر جاکر بآوازِ بلند اپنی زوجہ کے متعلق کہا کہ میں نے فلانے کی بیٹی فلانی کو طلاق دی، اب شوہر کہتا ہے کہ میں نے یہ لفظ ایک دفعہ محض خوف دلانے کے لئے غصہ کی حالت میں کہا تھا اور گھر میں زوجہ کے دو بھائی اور والدہ اور نانی اور دروازہ پر ایک ملازم کا بیان ہے کہ ہم نے طلاق دی دی دی کا لفظ تین دفعہ سنا اور دروازہ کے باہر دو شخصوں نے بھی اسی آواز کو سنا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے دی کا لفظ ایک دفعہ سنا اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں تین طلاق ہوئیں یا ایک طلاق رجعی۔ بینوا توجروا۔

---

[1] درمختار کتاب الشہادات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۱

[2] الفتاوی الہندیۃ الفصل الثالث فیمن لاتقبل شہادتہ للتہمۃ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۴۷۰

الجواب

عورت کے دونوں بھائی اور ملازم ان تینوں شخصوں میں اگر دو ثقہ عادل قابل قبول شرع ہیں تو تین طلاقیں ہوگئیں عورت بے حلالہ نکاح میں نہیں آسکتی بشرطیکہ بھائیوں نے اُسے آنکھ سے دیکھا ہو اور اس کے قول مذکور کو کان سے سُنا اور اگر وہ گھر ہی میں رہے اور یہ باہر ہی رہا تو محض شناخت آواز پر شہادت نہیں ایک طلاق سے زائد ثابت نہ ہوگی پھر اگر واقع میں تین بار دی کا لفظ کہا تو اس پر فرض ہے کہ اُسے چھوڑ دے اور بے حلالہ ہاتھ نہ لگائے اگر خلاف کرے گا مبتلائے زنا ہوگا اور مستحق عذاب شدید، واللہ علٰی کل شیئ شہید۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۸ تحصیل کچھا نینی تال مرسلہ عبدالغنی صاحب ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو منکوحہ ہیں ہندہ، زینب۔ ہندہ نے چاہا کہ زینب زوجہ ثانیہ کو طلاق ہو جائے زید کو اہلِ دِہ نے بہت ڈرایا دھمکایا مگر زید نے ہرگز نہ مانا زینب کو طلاق نہ دی ان مغویان دِہ نے پٹواری دِہ سے کہ از قوم ہنود تھا ساز کر کے طرح طرح کے نقصان مالی وجانی منجانب کچہری کے اندیشہ پیدا کر دیا اور کہا تمھاری سلامتی اسی میں ہے کہ تم اپنی عورت زینب کو طلاق دے دو اور یہ کلمات اُس پٹواری ہندو نے اپنی زبان سے اس طرح نکالے کہ کہو کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی زید نے پٹواری سے پُورا مخوف ہو کر کہا کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دے دی تین مرتبہ اس کلمہ کا اعادہ کیا اور کرایا مگر یہ لفظ طلاق سے ثابت نہ ہُوا کہ کون سی بی بی کو زید سے مرد ہنود پٹواری نے طلاق دلوائی بعد تھوڑی دیر کے جبکہ جلسہ منتشر ہوگیا پٹواری نے زید سے دریافت کیا کہ تم نے اپنی کون سی بی بی کو طلاق دی زید نے کسی کا کچھ نام بھی نہیں لیا اور کسی عورت کی طرف اشارہ بھی نہ کیا اس صورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں اور زید شوہر اور زینب زوجہ کو باہم کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

جبکہ زید نے تین بار جُدا جُدا یہ لفظ اپنی زبان سے کہے کہ "میں نے اپنی بی بی کو طلاق دی" اگرچہ ڈرانے دھمکانے جبر واکراہ سے اگرچہ وہ کہلوانے والا ہندو یا کوئی تھا اُس پر تین عدد طلاق ضرور لازم آئی اگر اُس کی مراد زینب تھی تو زینب پر تین طلاق ہوگئیں اور اگر ہندہ مراد تھی تو ہندہ کو تین طلاقیں ہوگئیں اور اگر دھمکانے سے وہ الفاظ زبان سے ادا کر دئے اور نیت نہ زینب کی تھی نہ ہندہ کی، تو اب اس کے اختیار میں ہے جس کی طرف چاہے ڈال دے اگر زینب کو کہے گا اُس پر تین طلاقیں ہو جائیں گی اور ہندہ کو تو اُس پر۔ تنویر میں ہے:

لوقال امرأتی طالق ولہ امرأتان او ثلاث تطلق واحدۃ منھن ولہ	اگر خاوند نے کہا میری بیوی کو طلاق ہے جبکہ اس کی بیویاں دو تھیں یا تین تو ان میں سے ایک کو طلاق

خیار التعیین[1]

ہو گی ان میں سے طلاق کے لئے ایک معین کرنے کا اختیار خاوند کو حاصل ہوگا۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے :

لافرق فی ذلك بین المعلق والمنجز وکذا لافرق بین حلفه مرة او اکثر فله صرف الاکثر الی واحدة ففی البزازیة عن فوائد شیخ الاسلام قال حلال الله علیه حرام ان فعل کذا وفعله وحلف بطلاق امرأته ان فعل کذا وفعله وله امرأتان فاراد ان یصرف هذین الطلاقین فی واحدة منها اشار فی الزیادات الی انه یملك ذلك[2]

مذکورہ صورت میں طلاق معلق ہو یا غیر معلق ہو اور یونہی ایک یا متعدد بار کہنے میں کوئی فرق نہیں، ایک سے زائد طلاقوں کو ایک ہی بیوی کے لئے مراد لینے کا بھی خاوند کو اختیار ہے، تو بزازیہ میں شیخ الاسلام کے فوائد سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے کہا کہ اللہ تعالٰی کی حلال کی ہوئی چیز مجھ پر حرام ہے اگر میں فلاں کام کروں، اور پھر اس نے وہ کام کرلیا اور اس کے بعد پھر اس نے کہا اگر میں فلاں کام کروں تو میری بیوی کو طلاق، پھر اس نے وہ کام کرلیا، تو ان دونوں قسموں کے بعد خاوند کو دو بیویوں کی صورت میں اختیار ہے ان دونوں طلاقوں کو ایک ہی بیوی کے لئے قرار دے، زیادات میں خاوند کو اس اختیار کا مالک قرار دینے کا اشارہ دیا ہے۔ (ت)

اور جبکہ وہ خالی الذہن تھا کسی لفظ سے کسی عورت کی نیت نہ تھی لیکن یہ الفاظ خالی نہیں جاتے اور شرع اُسے تعیین کا اختیار دیتی ہے تو ظاہر اس پر لازم نہیں کہ تینوں طلاقیں ایک ہی عورت پر ڈالے بلکہ ایک پر ایک اور ایک پر دو ڈال سکتا ہے اور دونوں پر یہ طلاق رجعی ہونی چاہئے جبکہ اس سے پہلے دو والی کو ایک اور ایک والی کو دو طلاقیں نہ دے چکا ہو، پھر اگر دونوں کو اپنے نکاح میں رکھنا چاہے تو عدت کے اندر رجعت کرلے دونوں بدستور اس کی زوجہ رہیں گی، ہاں آئندہ کبھی اگر دو والی کو ایک یا ایک والی کو دو طلاقیں دے گا تو تین ہوجائیں گی اور پھر بے حلالہ اُس سے نکاح نہ کرسکے گا۔

اقول والدلیل علی جواز التفریق مامر عن البزازیة عن

اقول (میں کہتا ہوں) مذکورہ صورتوں میں طلاقوں کو بیویوں پر متفرق کرسکتا ہے اور اس کے جواز کی

---

[1] درمختار باب طلاق غیر المدخول بہا مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۳

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی ۲/۴۵۹

شیخ الاسلام عن اشارۃ محمد انہ یملک
الصرف الی واحدۃ ان اراد فقط افاد انہ
یملک التفریق ان شاء والثلاث والاربع و
الاثنان فی ذلک سواء ولیس قولہ طلقت
طلقت طلقت اوامرأتہ طالق امرأتہ طالق
امرأتہ طالق کقولہ طلقت
امرأتی ثلاثا او امرأتی طالق
ثلاثا فان ھنا قد افھم
المغلظۃ فلا یملک التخفیف بالتفریق
مع ان المروی عن الامام فیہ
ایضا خیار التفریق غیر انہ
تقع علی کل منھن واحدۃ
بائنۃ لئلا یلغی وصف الاصل
فی رد المحتار رأیت بخط شیخ
مشائخنا السائحانی عن
المنیۃ لو کان لرجل ثلاث
نساء فقال امرأتی ثلاث
تطلیقات یقع ثلاث لکل واحدۃ
وعند ابی حنیفۃ رضی اللہ
تعالٰی عنہ لکل واحدۃ منھن
طلاق بائن وھو الاصح[1] اھ
اقول ای الا اذا بین وعین
احدٰھن فعلیھا الثلاث

دلیل بزازیہ کی گزشتہ عبارت شیخ الاسلام سے منقول کہ
امام محمد نے اس میں اشارہ فرمایا کہ خاوند کو ایک
ہی بیوی پر دونوں طلاقوں کو صرف کرنیکا اختیار ہے اگر چاہے
تو واضح ہُوا کہ انھوں نے افادہ کیا کہ خاوند اگر چاہے تو
ان طلاقوں کو اپنی متعدد بیویوں پر متفرق کرسکتا ہے اس
میں بیویوں کی تعداد دو یا تین چار ہونے میں
کوئی فرق نہیں، اور خاوند کا "میں نے طلاق دی میں نے
طلاق دی" یا یوں "میری بیوی طلاق والی ہے"
تین بار کہنا، اس کا حکم وُہ نہیں جو "میں نے بیوی کو
تین طلاقیں دیں" یا "میری بیوی تین طلاق والی ہے" کا
حکم ہے کیونکہ آخری دونوں الفاظ میں طلاق مغلظ
مفہوم ہوتا ہے تو اب اس مغلظہ کو متعدد بیویوں پر تقسیم کرکے
مخفف نہیں بنا سکتا (لہذا یہ تین ایک ہی بیوی کے لئے
قرار پائیں گی) حالانکہ امام سے اس مسئلہ میں بھی مروی
ہے کہ انھوں نے یہاں بھی تفریق کا اختیار خاوند کو
دیا ہے صرف اس میں یہ بات فرمائی کہ ہر ایک بیوی
کو ایک طلاق بائنہ ہوگی تاکہ اصل طلاق کا وصف
لغو نہ جائے۔ رد المحتار میں ہے کہ میں نے شیخ المشائخ
سائحانی کے خط میں دیکھا انھوں نے منیۃ الفقہاء سے
نقل کیا کہ اگر ایک شخص کی تین بیویاں ہوں اور وُہ کہے
"میری بیوی کو تین طلاقیں ہیں" تو اس کی تینوں
بیویوں میں سے ہر ایک کو تین تین طلاقیں واقع ہونگی
اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک ہر ایک

[1] رد المحتار باب طلاق غیر المدخول بہا دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۹

فلا مخالفة فيه لمسألة خيار التعيين خلافا لما فهم العلامة الشامی اما ههنا فكل كلمة على واحدة وكل تحتمل كل امرأته ولا ترجيح فاليه البيان فان شاء جمع الكل على حدة وان شاء فرق فاذا فرق فالواقع على كل رجعية اذلا اصل ههنا موصوفا بالبينونة وبه انحل مافی ردالمحتار، وبالله التوفيق والله تعالٰی اعلم۔

بیوی کو ایک ایک بائنہ طلاق ہوگی، اور یہی زیادہ صحیح ہے اھ **اقول** (میں کہتا ہوں) مگر یہ اس صورت میں ہے جب خاوند نے بیویوں میں کسی کو معین نہ کیا ہو اور اگر اس نے تینوں بیویوں سے ایک کو واضح طور معین کرلیا تو پھر ایک کو ہی تین طلاقیں ہوں گی، لہذا یہ صورت، تعین کے اختیار والے مسئلہ کے مخالف نہیں، یہ بات علامہ شامی کے فہم کے خلاف ہے، لیکن یہاں زیر بحث مسئلہ میں تو ہر طلاق علیحدہ ذکر کی گئی ہے جو کہ ہر بیوی کے لئے ہوسکتی ہے اور کوئی وجہ ترجیح نہیں ہے لہذا خاوند کو ہی بیان کا حق ہوگا، اگر وہ چاہے تو سب طلاقیں ایک کے لئے بیان کرے اگر چاہے تو ان طلاقوں کو متعدد بیویوں پر متفرق کر دے، اگر اس نے متفرق کردیں تو پھر ہر ایک طلاق رجعی ہوگی کیونکہ یہاں طلاق کو بائنہ سے موصوف نہیں کیا گیا، اور اس تقریر سے ردالمحتار میں ذکر کردہ اشکال حل ہوگیا، اور توفیق اللہ تعالٰی سے ہی حاصل ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۹: ۲۳ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی دو زوجہ ہیں چھمی اور شیرن، اور اس نے دو بار یا تین بار کہا میری عورت پر طلاق، اور کسی عورت کا نام نہ لیا تو اُن میں کس پر اور کتنی طلاقیں پڑیں گی، بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں یا تو وہ دونوں عورتیں مدخولہ ہوں گی یا دونوں غیر مدخولہ یا ایک مدخولہ ایک غیر مدخولہ، اور ہر صورت میں یا تو ایک کی تخصیص کرے گا کہ میں نے اسی کو طلاقیں دی تھیں یا دونوں کو دینا بتائے گا تو یہ چھ صورتیں ہوئیں اور ہر تقدیر لفظ مذکور دو بار کہا یا تین بار تو مجموع بارہ ہیں جن میں ہر جگہ مدخولہ کے اس لحاظ سے کہ اُسے پہلے ایک طلاق دے چکا ہے یا دو یا نہیں چالیس[عہ] بلکہ

عہ دونوں مدخولہ ہونے میں چھ صورتیں ہیں کہ دونوں[۱] سادہ ہوں یعنی اس سے پہلے کسی کو کوئی طلاق نہ دی تھی

(باقی اگلے صفحہ پر)

اٹھاون ہوجائیں گی، ان سب کا حکم چار اصل کلی سے نکل سکتا ہے:

اوّل زنِ غیر مدخولہ تفریقِ طلاق کی صلاحیت نہیں رکھتی یعنی غیر مدخولہ کو یوں کہے کہ اس پر دو طلاق یا اس پر تین طلاق، جب تو اس پر دو یا تین طلاقیں ہوں گی اور اگر دو یا تین یوں کہا کہ تجھ پر طلاق تجھ پر طلاق تو ایک ہی طلاق ہوکر نکاح سے نکل جائے گی باقی لغو جائیں گی۔

دوم مدخولہ جمعاً و تفریقاً ہر طرح تین طلاق تک کی صالحہ ہے زیادہ کی نہیں کہ تین سے آگے طلاق ہی نہیں، تو جس مدخولہ کو کبھی ایک طلاق دے چکا تھا اب اُسے دو سے زائد نہیں دے سکتا اور جسے وہ دو دے چکا اس پر ایک سے زیادہ نہیں ڈال سکتا، اگر زیادہ دے گا باقی لغو ہوجائیں گی۔

سوم کلام جب تک مؤثر بن سکے گا لغو نہ ٹھہرائیں گے، اور ایسا دعوٰی جس میں کوئی حصہ کلام کا لغو جاتا ہو تسلیم

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

یا دونوں کو ایک ایک دے چکا تھا یا دو دو یا ایک سادہ دوسری کو ایک یا ایک سادہ دوسری کو دو یا ایک کو ایک دوسری کو دو، اور ایک مدخولہ دوسری غیر مدخولہ میں تین صورتیں ہیں کہ وہ مدخولہ سادہ ہو یا ایک پاچکی ہو یا دو، تو یہ نو ہوئیں اور دسویں وہ کہ دونوں غیر مدخولہ ان دسوں پر محتمل ہے کہ ایک کی تخصیص کرے یا دونوں کو دینی کے بیس ہوئیں ان بیسوں پر احتمال ہے کہ لفظ دو بار کہا یا تین بار، چالیس ہوئیں ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ہذا)

عہ اس لئے کہ ان دس صورتوں میں چھ صورتیں اختلاف حال زوجہ کی ہیں یعنی چوتھی سے جس میں ایک سادہ اور دوسری کو ایک ہوچکی ہے نویں ایک مدخولہ اور دوسری غیر مدخولہ ہے اور چار صورتیں دسوں سے متعلق ہونے والی ہیں دو کی تخصیص دو کی تقسیم، تین کی تخصیص تین کی تقسیم، ان صورتوں سے ان چار شکلوں میں جن میں حال زوجتین متفق ہے کوئی اختلاف نہ پڑے گا جس کی چاہو تخصیص مان لو یا تین قسم کی تقسیم جب پر طلاق چاہو دو اور دوسری پر ایک واقع مان لو حکم ایک ہی رہے گا، لہذا یہ چاروں چار سے مل کر سولہ ہی ہوئیں اور اسی طرح ان چھ صور اختلاف حالین میں تقسیم دو سے کوئی فرق نہ آئے گا کہ ہر ایک پر ایک پڑے گی اور بیشک وہ دونوں ایک حال کی ہوں ایک کے پڑنے کی ضرور صالحہ ہیں ورنہ اس کے نکاح ہی میں نہ ہوتیں، یہ چھ طلاق چھ ہی رہیں، سولہ اور چھ بائیس، مگر بحالتِ تخصیص دو یا سہ، یہ چھ مختلف الحکم ہوں گی کہ تخصیص ۲ یا ۳ اس عورت سے کی یا اس سے اور تقسیم، تین میں دو اس پر مانیں اور ایک اس پر، بالعکس تو یہ چھ یہاں آکر بارہ ہوئیں اور تین صور تخصیص دو و سہ و تقسیم سہ سے ضرب کھا کر چھتیس چھتیس بائیس اٹھاون۔ واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ

نہ کریں گے۔

چہارم جس کے پاس دو زوجہ ہوں اور وہ بلاتعیین اپنی عورت کو طلاق دے تو اُسے اختیار ہے کہ وہ طلاق اُن میں سے جس کی طرف چاہے پھیرے تعیین مطلقہ میں اس کا بیان معتبر ہوگا جب تک اس کے قبول میں کلام کا لغو ہونا نہ لازم آتا ہو۔

یہ چاروں اصول جابجا کُتبِ فقہ میں مصرح ہیں، پس اگر ہجمی و بشیرن دونوں **مدخولہ** ہیں تو اب ان میں سے جس کی تخصیص کرے گا دو یا تین جتنی طلاقیں دی ہیں سب اُسی پر پڑیں گی دُوسری پر کچھ نہیں بشرطیکہ وہ اتنی طلاقوں کی صلاحیت رکھتی ہو مثلاً دو بار لفظ مذکور کہا تو اب جس کی تخصیص کرتا ہے اُسے دو طلاقیں کبھی نہ دی ہوں یا تین بار کہا تو اصلاً نہ دی ہو ورنہ جس قدر کی اس میں صلاحیت ہے اُتنی اس پر باقی دُوسری پر پڑیں گی جبکہ اس میں کل باقی کی صلاحیت ہو ورنہ ایک طلاق بناچاری لغو ٹھہرے گی مثلاً دو بار کہا اور ہجمی کی تخصیص کی اور اسے پہلے دو بار دے چکا تھا تو اس بار اس پر ایک ہی پڑ کر وہ تین طلاقوں سے مطلقہ ہوجائے گی' اور اگر تین بار کہا اور اس سے پہلے ایک دے چکا تھا تو اب اس پر دو ہی پڑ کر تین ہوجائیں گی اور دونوں صورتوں میں باقی ایک بشیرن پر پڑے گی' اور اگر ہجمی کو دو دے چکا تھا اب تین بار کہا تو اس پر ایک پڑ کر تین ہوگئیں اور باقی دو بشیرن پر پڑیں گی جبکہ بشیرن کو پہلے دو نہ دے چکا ہو ورنہ ان دو باقیماندہ سے ایک ہی بشیرن پر پڑ کر اس کی بھی تین ہوجائیں گی اور ایک مجبوراً لغو ہوجائے گی کہ اس کے لئے کوئی محل نہیں، اور اگر دونوں کو دینا بتاتا ہے تو ہر ایک پر ایک ایک تو ضرور پڑے گی، رہی تیسری' اگر اس کی صلاحیت کسی میں نہیں تو لغو جائے گی اور خاص ایک میں ہے تو اُسی پر پڑے گی اور دونوں میں ہیں تو وہ جسے بتائے گا اس پر ہوگی مثلاً ہجمی و بشیرن دونوں پہلے دو دو طلاقیں پاچکی تھیں تو اب ہر ایک پر ایک ایک پڑ کر تین تین ہوگئیں تیسری بیکار، اور اگر مثلاً ہجمی کو دو ہوچکی تھیں اور بشیرن کو ایک، تو یہ تین جو دونوں کو دیں ان میں کی دو خاص بشیرن پر پڑیں گی اور ہجمی پر ایک' اگرچہ وہ اس کا عکس بتاتا ہو کہ میں نے ہجمی پر دو ڈالیں اور بشیرن پر ایک۔ اور اگر دونوں کو ایک ایک طلاق ہوچکی تھی یا ایک بھی نہ ہوئی تھی یا ایک کو ایک، دوسری کو اصلاً نہ ہوئی تھی تو دونوں ان تینوں میں سے دو کی قابل ہیں جس پر دو بتائے گا اس پر ان میں کی دو پڑیں گی' اور جس پر ایک اس پر ایک۔ اور اگر دونوں **غیر مدخولہ** ہیں تو ایک کی تخصیص اصلاً قبول نہ ہوگی کہ باقی کی لغویت لازم آتی ہے بلکہ ہر طرح دونوں پر ایک ایک پڑے گی، اور اگر تین بار کہا تھا تو تیسری عبث جائے گی۔ اور اگر **مدخولہ و غیر مدخولہ** ہیں اور تخصیص غیر مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول نہ ہوگی بلکہ دو کی صورت میں دونوں پر ایک ایک پڑے گی اور تین کی صورت میں غیر مدخولہ پر ایک اور باقی دو مدخولہ پر اگر اسے پہلے دو نہ دے چکا ہو ورنہ اس پر بھی ایک ہی، اور تیسری بیکار۔ اور اگر تخصیص مدخولہ کی کرتا ہے تو مقبول

ہو گی جبکہ دو کی صورت میں اُسے پہلے دو اور تین کی صورت میں پہلے ایک یا دو نہ دے چکا ہو ورنہ ایک یا دو مدخولہ پر پڑ کر باقی ایک غیر مدخولہ پر پڑجائیں گی، اور اگر دونوں کو دینا بتاتا ہے تو غیر مدخولہ پر ایک ہی پڑے گی اگرچہ اس پر تین میں سے دو بتاتا ہو باقی مدخولہ پر بشرطیکہ تین کی صورت میں اُسے پہلے دو نہ دی ہوں ورنہ اس پر بھی ایک پڑے گی اور ایک عبث۔ غرض تقسیم طلاق وتخصیص غیر مدخولہ کے احکام یکساں ہوں گے۔ خانیہ میں ہے:

لوکان له امرأتان لم یدخل بهما فقال امرأتی طالق امرأتی طالق بانتاوان قال اردت واحدة منهما لایصدق وکذا لوقال امرأتی طالق و امرأتی طالق وکذا العتق ولوکان دخل بهما فقال امرأتی طالق امرأتی طالق کان له ان یوقع الطلاقین علی احدٰهما[1]۔

ایک شخص کی دو بیویاں ہیں دونوں سے دخول ابھی نہیں کیا تو اس نے کہا میری بیوی کو طلاق میری بیوی کو طلاق، دو مرتبہ کہا، تو دونوں بیویوں کو ایک ایک بائنہ طلاق ہوجائے گی اگرچہ وہ کہے کہ میں نے ایک بیوی کے لئے کہا ہے تو اس کی تصدیق نہ کی جائیگی؛ اور یونہی اگر اُس نے کہا میری بیوی کو طلاق اور میری بیوی کو طلاق یعنی عطف کے ساتھ دونوں جُملے کہے تو بھی یہی حکم ہے۔ یُونہی اپنے دو غلاموں کے بارے میں عتق کے لئے ایسے کہا تو دونوں آزاد ہوجائیں گے، اور اگر دونوں بیویوں کو دخول کرچکا ہو تو ان کو "میری بیوی کو طلاق، میری بیوی کو طلاق" کہا تو خاوند کو اس صورت میں یہ اختیار ہوگا کہ وہ دونوں طلاقوں کو ایک بیوی کے لئے قرار دے۔ (ت)

جو ہمارے اس بیان کو سمجھ لے وہ اس مسئلہ کے تمام باقی صدہا صور کے بھی احکام نکال سکتا ہے مثلاً دو زوجہ کی حالت میں یہ لفظ چار یا پانچ یا چھ بار کہا یا تین کی حالت میں دو سے نو تک یا چار کی صورت میں دو سے بارہ تک کہ اس سے زائد جو کچھ ہے وہ مطلقاً فضول ہوگا کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ ت)۔ رہا ایک ہی بار کہنا اس کا حکم سب صور میں یہی ہے کہ جس پر چاہے ڈال سکتا ہے کہ کم سے کم ایک کی صلاحیت تو ہر زوجہ میں ضرور ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۰ ازبھیکم پور ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ حرہ کو یہ ہدایت کی کہ فلاں رشتہ دار میرا دشمن ہے لہذا تو اس سے مراسم اتحاد ترک کر، زوجہ نے نہ مانا، زید نے بموجودگی چند اشخاص زوجہ کو طلاق دی اور عدت منقضی ہوچکی ہے، اب زید رجوع کیا چاہتا ہے اور کہتا ہے میں نے ایک یا دو بار اس موقع پر جہاں

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰۷

طلاق واقع ہُوئی تھی طلاق دی تھی تین مرتبہ نہیں کہا تھا، اشخاص موجودین موقع و زوجہ مطلقہ بیانِ زید کی تصدیق کرتے ہیں مگر عمرو وہندہ وصفیہ کا بیان ہے کہ جب ہم سے ملا تھا اور ہم نے اُس سے کیفیت واقعہ طلاق کو اپنے مکان پر دریافت کیا تو زید نے ہمارے سامنے تین مرتبہ یہ کلمہ کہا کہ (میں طلاق دیتا ہوں) زید بیان عمرو وغیرہ کے تصدیق نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے عمرو وغیرہ میرے مخالف ہیں اور براہ مخالفت جو مجھ سے رکھتے ہیں یہ کہتے ہیں تاکہ میری عورت مغلظہ ہوجائے اور میں عورت سے رجوع نہ ہونے پاؤں ورنہ ظاہر ہے کہ موقع طلاق پر علیحدہ تین مرتبہ کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ عمرو وغیرہ نے مجھ سے کیفیت دریافت کی میں نے صورتِ واقعہ ظاہر کی، اس صورت میں زید بتجدید نکاح اپنی زوجہ سے رجوع کرسکتا ہے یا نہیں اور تحلیل کی ضرورت تو نہ ہوگی، اور اگر موقع وقوع طلاق سے علیحدہ ہوکر دوسرے مقام پر عمرو وغیرہ کے سامنے تین مرتبہ جملہ مذکور کہنا تسلیم کیا جائے تو وُہ جملہ متصور ہوگا یا واقع کرنے والا طلاق مغلظہ کا، مترصد کہ بحوالہ کتاب وحدیث سے ہدایت فرمائی جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ واقعہ اگر یُونہی ہے تو طلاق مغلظہ ہرگز ثابت نہیں، زید حرہ سے بے حاجت تحلیل نکاح کرسکتا ہے، عمرو وہندہ وصفیہ میں اگر ایک ہی شخص ثقہ عادل شرعی نہیں اگرچہ باقی دو بروجہ کمال عدالتِ شرعیہ رکھتے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ نصاب شہادت کامل نہیں اور آج کل عدالتِ شرعیہ مردوں میں کم ہے نہ کہ زنان ناقصات العقل والدین کہ اُن میں ثقہ شرعیہ ہندوستان میں شاید گنتی کی ہوں کما بیّنّاہ فی کتاب الشہادۃ من فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوٰی کی کتاب الشہادت میں بیان کیا ہے۔ت) اسی طرح اگر اُن میں کوئی شخص زید سے عداوت ظاہرہ دنیویہ اس حد پر رکھتا ہے جس کے باعث باوصف عدالت اُس کے حق میں متہم ہو جب بھی حسبِ فتوٰئ ائمہ متاخرین اس کی گواہی زید کے ضرر پر مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے:

تقبل من عدو بسبب الدین لانہا من التدین بخلاف الدنیویۃ فانہ لایامن من التقول علیہ[1]

دینی دشمن کی شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ شہادت دینداری ہے بخلاف دنیوی دشمن کے کہ وُہ جھوٹ بولنے سے پرہیز نہیں کرتا۔(ت)

اسی طرح اگر زید نے مکانِ عمرو پر وُہ جملہ اس وقت کہا ہو کہ حرہ کی عدت گزر چکی ہو،

---

[1] درمختار کتاب الشہادات باب القبول وعدمہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۹۳

فان انقضاء العدۃ یجعلھا اجنبیۃ خارجۃ عن محلیۃ الطلاق۔ کیونکہ عدّت کا گزر جانا بیوی اجنبی بنادیتا ہے اور اس کو طلاق کے محل سے خارج کردیتا ہے (ت)

اور اگر ان سب سے قطع نظر کیجئے بلکہ مان ہی لیجئے کہ زید نے جملہ مذکورہ ضرور کہا اور ایامِ عدّت کے اندر ہی کہا اور اس قدر شک نہیں کہ یہ جملہ زمان حال بتاتا ہے، نہ زمان ماضی، تو حکایت طلاق سابق نہ ہوگا بلکہ جبکہ لفظا اسی قدر ہیں کہ "میں طلاق دیتا ہوں" اور اس میں کچھ نام و ذکر نہیں کہ کسے دیتا ہوں نہ بیان کوئی قرینہ دالّہ ارادہ تطلیق حرہ پڑا تو حرہ پر وقوعِ طلاق کا حکم نہ ہوگا جب تک زید اقرار نہ کرے کہ میں نے ان لفظوں سے اُسے طلاق دینے کا قصد کیا تھا۔ خلاصہ و ہندیہ میں ہے:

سکران ھربت منہ امرأتہ فتبعھا ولم یظفر بھا فقال بالفارسیۃ بسہ طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والا لا۔[1] نشے والے کی بیوی بھاگی تو اس نے بیوی کا پیچھا کیا اور ناکام رہا تو اس نے کہا تین طلاق ہے، اگر اس پر خاوند نے کہا میں نے بیوی مراد لی ہے تو بیوی کو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر کچھ بھی وضاحت نہ کی تو طلاق نہ ہوگی (ت)

بزازیہ و القرویہ میں ہے:

فرت ولم یظفر بھا فقال سہ طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والا لا۔[2] عورت بھاگی گئی تو شوہر کپڑنے میں کامیاب ہوا، تو کہا تین طلاق، اگر وضاحت کی اور کہا بیوی کو دی ہے تو طلاق ہوجائے گی ورنہ نہیں۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے:

لو قال طالق فقیل من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ[3] فقد علق الوقوع علی اقرارہ انہ عنی امرأتہ۔ اگر کہا طلاق والی، تو پُوچھا گیا کس کو طلاق کہا ہے، تو خاوند نے کہا اپنی بیوی کو، تو اس کی بیوی کو طلاق ہوجائے گی۔ تو انھوں نے وقوعِ طلاق کو خاوند کے اس اقرار پر معلق رکھا کہ اس نے اپنی بیوی مراد لی ہے۔ (ت)

اور اگر بالفرض وجودِ قرینہ بھی تسلیم کرلیں تاہم جب کلام میں عورت کی طرف اصلاً اضافت نہیں تو زید کا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲
[2] فتاوٰی القرویہ الفصل مایقع بہ الطلاق ومالایقع بہ دارالاشاعت قندھار افغانستان ۱/ ۴۴
[3] بحرالرائق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۳

قول کہ میں نے طلاق حرہ کی نیّت نہ کی قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق مغلّظ کا حکم نہ ہوگا۔ محیط و خانیہ و ہندیہ میں ہے :

سئل شیخ الاسلام الفقیہ ابونصر عن سکران قال لامرأتہ اتریدین ان اطلقك قالت نعم فقال اگر تو زن منی یك طلاق دو طلاق سہ طلاق قومی اخرجی من عندی وھو یزعم انہ لم یرد بہ الطلاق فالقول قولہ[1]

شیخ الاسلام فقیہ ابونصر سے سوال کیا گیا کہ ایک نشے والے نے اپنی بیوی سے کہا کیا تُو چاہتی ہے کہ میں تجھے طلاق دوں، تو بیوی نے کہا ہاں۔ اس پر خاوند نے کہا اگر تُو میری بیوی ہے ایک طلاق دو طلاق تین طلاق، اُٹھ میرے پاس سے دُور ہوجا۔ اس کے بعد خاوند نے کہا کہ میں نے بیوی کو طلاق کی نیّت سے نہیں کہا، تو اس کی بات مان لی جائیگی (ت)

نیز عالمگیری میں ہے :

فی الفتاوی رجل قال لامرأتہ اگر زن منی سہ طلاق مع حذف الیاء لا یقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیھا[2]

فتاوی میں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو کہا اگر تُو میری بیوی ہے تین طلاق، اضافت کی یاء کو حذف کرکے کہا تو اگر وضاحت کرتے ہُوئے خاوند نے کہا کہ میں نے بیوی کی طلاق کی نیت سے نہیں کہا، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یائے اضافت کو حذف کرنے پر بیوی کی طرف نسبت نہ ہُوئی۔ (ت)

درمختار میں ہے :

لو قال ان خرجت یقع الطلاق او لا تخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لم یقع لترکہ الاضافۃ الیھا[3]

اگر خاوند نے کہا اگر تو نکلے گی تو طلاق واقع ہوگی یا یُوں کہا میری اجازت کے بغیر باہر جانا کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھا رکھی ہے، بیوی نکل گئی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے قسم میں بیوی کی طلاق کو ذکر نہیں کیا۔ (ت)

بزازیہ و خانیہ میں ہے :

لا یقع لعدم ذکر حلفہ بطلاقھا

مذکورہ صورت میں طلاق اس لئے نہ ہوگی کہ اس نے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۳

[2] ایضاً ۱/۳۸۲

[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸

ویحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول قولہ[1]

قسم میں بیوی کی طلاق کا ذکر نہیں کیا تو احتمال ہو سکتا ہے کہ غیر عورت کی طلاق کی قسم ہو، لہذا خاوند کی وضاحت قابلِ قبول ہوگی۔ (ت)

بالجملہ صورتِ مستفسرہ میں اگر عمرو و ہندہ و صفیہ کا بیان صحیح بھی مانا جائے تاہم کسی طرح تین طلاقیں ہونا ثابت نہیں البتہ اگر واقع میں زید نے ایامِ عدت کے اندر انشائے طلاق حرہ کی نیت سے دو بار بھی جملۂ مذکورہ کہا یا اگر پہلے دو طلاقیں دی تھیں تو ایک ہی بار بہ نیت ایقاع طلاق کہا ہو تو عنداللہ حرہ پر طلاق مغلظ ہوگئی اگر زید غلط انکار کرے گا مفتی کا فتوٰی نفع نہ دے گا اللہ سے ڈرے اور جو امر واقع ہو اس پر عمل کرے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۱   ازصدر بریلی   ۱۵ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی، اور بیوی کہتی ہے کہ دی، اور دونوں قسم کھاتے ہیں، اور زوجہ ایک کاغذ پیش کرتی ہے کہ جس میں طلاق لکھی ہوئی ہے آیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مرد کی قسم معتبر ہے، عورت کی قسم فضول ہے جب گواہ نہیں مرد کو اقرار نہیں اس کاغذ کو وہ اپنا لکھا مانتا نہیں، تو طلاق ہرگز ثابت نہ ہوگی، ہاں اگر واقع میں طلاق دے دی ہے اور جھوٹ انکار کرتا ہے تو اس کا وبال اور سخت عذاب اس پر ہے، عورت خوب جانتی ہے کہ اس نے طلاق دے دی تھی، تو اگر وہ طلاق رجعی تھی تو کچھ حرج نہیں، اور اگر بائن تھی تو عورت کو اس سے کہنا چاہئے کہ تُو نے طلاق نہیں دی سہی از سرِ نو نکاح میں کیا حرج ہے، اور مرد کو چاہئے کہ تجدیدِ نکاح کرلے، اور اگر عورت جانتی ہے کہ وہ تین طلاقیں دے چکا ہے تو جس طرح ممکن ہو اس سے بھاگے نجات حاصل کرے اپنا مہر وغیرہ چھوڑنے کے بدلے اُس سے طلاق مل سکے تو یُوں لے، نہ ممکن ہو تو عذاب اس پر رہے گا جب تک یہ خود اس کے پاس جانے کی رغبت نہ کرے گی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۲   ازشہر بریلی   ذخیرہ   مرسلہ کرامت حسینی

ماقولکم ایھا العلماء رحمکم اللہ تعالٰی (اے علماء کرام، اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے،

---

[1] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوٰی الہندیۃ   کتاب الایمان   نورانی کتب خانہ پشاور   ۴/ ۲۷۰

آپ کا کیا ارشاد ہے۔ ت) کہ زید کہتا ہے کہ میں نے دو طلاق اپنی زوجہ کو دی ہیں اور زوجہ کہتی ہے کہ مجھے علم طلاق دینے کا نہیں ہے، اور گواہ کہتے ہیں کہ زید نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں۔ آیا قول زید کا معتبر ہوگا یا گواہوں کا؟ مع تصحیح نقل بیان فرمائیے فقط۔

الجواب

اگر دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں نمازی پرہیزگار ثقہ عادل قابل قبول شرع گواہی شرعی دیں گے تو تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی، زید کا انکار نہ سنا جائے گا، اور اگر ایسے گواہ نہیں تو زید سے قسم لی جائے گی، اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کردیا جب بھی تین طلاقیں ثابت ہوجائیں گی، اور اگر قسم کھالے گا کہ میں نے صرف دو ہی طلاقیں دی ہیں تیسری طلاق نہ دی تو دو ہی ثابت ہوں گی، پھر اگر جھوٹی قسم کھالی تو اس کا وبال زید پر ہوگا عورت پر الزام نہیں، گواہ شرعی نہ ہوں تو قسم لینے کے لئے عورت کا گھر میں اس سے قسم لے لینا کافی ہوگا۔

والمسائل کلھا منصوص علیھا فی کتب المذھب کالدر المختار وغیرھا۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

یہ تمام مسائل مذہب کی تمام کتب میں واضح مذکور ہیں، جیسا کہ درمختار وغیرہا میں۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۱۳: محمد ارشاد علی صاحب معلم درجہ اول عربی مدرسہ عالیہ ریاست رام پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے لوگوں کے رُوبرو صرف یہ کہا کہ فلاں کو طلاق۔ زوجہ وغیرہ کسی کا نام نہیں لیا پھر کہا "عزیز الرحمٰن کے باپ کی بیٹی فلاں کو طلاق" بلا ذکر نام زوجہ کے اور اس شخص کے، علاوہ مطلق کی بی بی کے اور بھی کئی بیٹیاں ہیں، بعد کو جب ایک شخص نے کہا یہ فلاں فلاں کیا کہتا ہے تب کہا "آمنہ خاتون کو طلاق"، اور اس کی بیوی کا نام آمنہ خاتون ہے، غرض پہلے جو طلاق مطلق اور مبہم تھی اس کو اقرار ثالث میں بالکل متعین کرکے بیان کیا ہے تو اس صورت میں اس کی بی بی پر کتنی طلاقیں واقع ہوگئیں؟ جواب مدلل کتب فقہ سے مرحمت ہو۔

الجواب

صورتِ مذکورہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں وقد فسر المبھم بنفسہ ببعض السوال (اس نے مبہم کی تفسیر اپنے سوال کے ایک حصہ میں کردی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۴: از شاہجہان پور محمد خلیل مرسلہ مولوی ریاست علی خاں صاحب شاہجہان پوری ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر کسی دوسرے شہر میں ہے اور اس نے طلاق تحریر کرکے اور رجسٹری بھی حسبِ قانون انگریزی اس پر کراکے بذریعہ ڈاک کے پاس اولیائے ہندہ کے ارسال کی، تواب سوال یہ ہے کہ تحریری طلاق حالانکہ اُس کاغذ پر شہادت بھی گواہوں کی تھی، یہ شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اور بحالتِ عدمِ اعتبار ہندہ کو نکاحِ ثانی اپنا دوسرے شخص سے کرنا یا ولیِ ہندہ کو ہندہ کا نکاح کسی شخص ثانی سے کرادینا جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ایسی مرسوم معہود تحریر مطلقاً معتبر و موجب وقوعِ طلاق ہے جبکہ بلااکراہ ہو نص علٰی ذٰلک فی الاشباہ والبحر والدر والخانیۃ والھندیۃ وسائر الاسفار الغر (اشباہ، بحر، دُر، خانیہ، ہندیہ اور باقی مشہور کتب میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ت) تو واقع میں اگر یہ تحریر شوہرِ ہندہ نے برضائے خود لکھی دیانۃً ضرور طلاق واقع ہوگئی۔ رہا یہ کہ زن و اولیائے زن اس پر کہاں تک کاربند ہو سکتے ہیں، اس کی تین صورتیں ہیں:

اگر شوہر اس تحریر کا اقرار کرتا ہے تو ثبوت طلاق ظاہر، اور اگر منکر ہے تو ہرگز معتبر نہیں جب تک حجت شرعیہ قائم نہ ہو۔

فان الخط یشبہ الخط فلا یعتبر والقاضی انما یقضی بالحجۃ لا بمجرد الخط وقد حققناہ فی کتاب الصوم من فتاونا واکثرنا فیہ من النقول عن الائمۃ الفحول۔

خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے لہذا معتبر نہ ہوگا، اور قاضی دلیل کی بناء پر فیصلہ کرتا ہے صرف خط کی بناء پر فیصلہ نہیں کرے گا، اس کی تحقیق ہم اپنے فتاوٰی کی کتاب الصوم میں کرچکے ہیں اور وہاں ہم نے جلیل القدر ائمہ کرام کے اقوال خوب نقل کئے ہیں (ت)

اور اگر اقرار انکار کچھ معلوم نہیں مثلاً ہنوز اُس شہر سے واپس نہ آیا اس صورت میں اکبر رائے و غلبہ ظن ان کے لئے حجت کاربندی ہے، اگر اس خط کی صحت میں شبہہ ہو تو ہندہ کو ہرگز حلال نہیں کہ اپنے آپ کو مطلقہ سمجھ کر بعد عدت نکاحِ ثانی کرے، اور اگر انھیں اطمینانِ قلب حاصل ہے کہ یہ خط اُس کا ہے تو نظر بظاہر اُس پر عمل کرسکتے ہیں، شرعاً کافی لرخصۃ العمل ومغنی حاجت الاثبات میں فرق زمین و آسمان کا ہے، ولہذا اگر شوہر انکار و اعتراض سے پیش آئے ان کی اکبر رائے کام نہ دے گی اور پھر ثبوت بہ حجت شرعیہ کی حاجت پڑے گی، خانیہ میں ہے:

لو ان امرأۃ غاب عنہا زوجہا فاخبرہا مسلم ثقۃ ان زوجہا طلقہا ثلثا او مات عنہا اوکان غیر ثقۃ فاتاہا بکتاب من زوجہا بالطلاق وھی لا تدری ان الکتاب کتاب زوجہا ام لا الا ان اکبر رأیہا انہ حق لا باس بان تعتد وتتزوج[1]۔

اگر کسی عورت کا خاوند غائب ہوچکا ہے تو ایک ثقہ مسلمان نے آکر کہا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں، یا کہا اس کا خاوند فوت ہوگیا ہے، یا کوئی غیر ثقہ مسلمان آکر اس عورت کے خاوند کا طلاق نامہ دکھا دے، عورت کو معلوم نہیں کہ یہ اس کے خاوند کا خط ہے یا نہیں، لیکن عورت کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ حق و درست ہے تو عورت کو عدت گزار کر نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (ت)

ہندیہ میں ہے:

ذکر فی کتاب الاقضیۃ ان کتب الخلیفۃ الی قضاتہ اذا کان الکتاب فی الحکم بشہادۃ شاہدین شہدا عندہ بمنزلۃ کتاب القاضی الی القاضی لایقبل الا بالشرائط التی ذکرناھا واما کتابہ انہ ولی فلانا اوعزل فلانا فیقبل عنہ بدون تلک الشرائط ویعمل بہ المکتوب الیہ اذا وقع فی قلبہ انہ حق ویمضی علیہ وھو نظیر کتاب سائر الرعایا بشیئ من المعاملات فانہ یقبل بدون تلک الشرائط ویعمل بہ المکتوب الیہ وقع فی قلبہ انہ حق کذا ھنا[2] اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

انھوں نے کتاب الاقضیہ میں ذکر کیا کہ اگر خلیفہ نے قاضیوں کے نام کوئی حکم نامہ بذریعہ خط جاری کیا ہو اور دو گواہوں کی موجودگی میں خلیفہ نے فیصلہ اور حکم دیا، تو خلیفہ کا یہ حکم نامہ کتاب القاضی الی القاضی کی طرح ہوگا لہذا خلیفہ کا وہ خط ان شرائط کے بغیر قابل قبول نہ ہوگا جن کو ہم نے کتاب القاضی میں ذکر کیا ہے، لیکن اگر خلیفہ کا وہ خط کسی کی تقرری یا معزولی کے بارے میں ہو تو ان مذکورہ شرائط کے بغیر بھی قبول کر لیا جائے گا اور مکتوب الیہ اس پر عمل کرے گا بشرطیکہ مکتوب الیہ کو دلی اطمینان ہو کہ یہ درست ہے لہذا وہ عمل پیرا ہوگا اور یہ خط، عام رعایا کی آپس کے معاملات میں خط و کتابت کی طرح ہوگا کہ مکتوب الیہ کو دلی اطمینان پر عمل جائز ہے، یہ بھی ایسے ہی ہوگا اھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الحظر والاباحۃ نولکشور لکھنؤ ۷۹۱/۴

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب القضاء الباب الثالث والعشرون نورانی کتب خانہ پشاور ۳۹۶/۳

مسئلہ ۲۱۵ از بڑودہ ملک گجرات موتی باغ ببر یا مرسلہ سید غلام سرور صاحب ۲۴ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۲ھ

شرع محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم اس مسئلہ میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، ایک شخص نے اجمیر شریف سے جاکر اپنی عورت کو بڑودہ میں بذریعہ خط ایک طلاق بنام جماعت لکھ کر روانہ کیا میری عورت کو کہہ دینا میں نے ایک طلاق اپنی عورت کو دی، جماعت نے عورت کو خط سُنا دیا، دو مہینے کے بعد بڑودہ میں آیا، عورت نکاح میں رہی یا نکل گئی؟ مطابق سوال کے جواب عطا فرمائیے ثواب آپ کو خداوند تعالٰی عطا فرمائے گا۔

الجواب

اگر واقع میں اُس شخص نے یہ خط آپ کو لکھا یا دوسرے کو عبارت مذکورہ بتا کر لکھوایا کہ میری عورت کی نسبت یہ الفاظ لکھ دے تو جس وقت اُس کے قلم یا زبان سے یہ لفظ نکلے اسی وقت سے عورت پر ایک طلاق پڑ گئی اور اُسی وقت سے عدت کا شمار ہوگا اگرچہ یہ خط بڑودہ نہ پہنچتا یا وہ خود ہی لکھ کر نہ بھیجتا یا مکتوب الیہم عورت کو نہ سُناتے کہ جو الفاظ طلاق لکھے یا بتائے جب اُن میں کوئی شرط نہیں کہ یہ خط جب پہنچے یا سنایا جائے اُس وقت طلاق ہو تو اُن کا لکھنا یا بتانا ہی طلاق کا موجب ہوگیا بھیجنے پہنچنے سنانے پر توقف نہ رہا مگر از انجا کہ طلاق رجعی ہے عورت نکاح سے نہ نکلے گی جب تک عدت نہ گزر جائے۔ ایام عدت میں بے تجدید نکاح عورت سے رجعت کرسکتا ہے مثلاً زبان سے کہہ دے میں نے اسے اپنے نکاح میں پھیر لیا، بدستور اس کی زوجیت میں باقی رہے گی جس میں عورت کی رضامندی بھی ضرور نہیں، اور اگر عدت گزر گئی تو برضائے عورت اس سے از سرِ نو نکاح کرسکتا ہے کچھ حلالہ کی حاجت نہیں جبکہ اس سے پہلے دو طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ اور اگر واقع میں یہ اس شخص کا کام نہیں بلکہ کسی اور نے بطورِ خود اس کے نام سے لکھ بھیجا ہے تو طلاق نہ واقع ہوئی کہ دوسرے کی دی ہوئی طلاق جب تک شوہر نافذ نہ کرے محض بے اثر ہوتی ہے ولہٰذا اس خط کے ذریعہ سے لوگوں کے نزدیک طلاق اُسی وقت ثابت ہوگی جبکہ اُسے اس خط کا اقرار ہو یا انکار کرے تو گواہان عادل شرعی گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے یہ کارروائی کی بغیر اس کے صرف اتنی بات کہ خط اس کے ہاتھ کا لکھا معلوم ہوتا ہے بکار آمد نہیں، ہاں اگر واقع میں یہ کارروائی اُس کی تھی اور منکر ہوگیا اور گواہ نہیں تو اُس کا وبال اُسی پر ہے، عورت پر گناہ نہیں۔ مبسوط امام محمد[1] و خلاصہ[2] و بزازیہ[3] و اشباہ[4] و شافی و کفایہ[5] و ردالمحتار میں ہے:

ان کتب علی وجہ الرسالۃ مصدرا معنونا و ثبت ذلک باقرارہ او بالبینۃ

اگر طلاق نامہ تحریر کیا ہو تو باقاعدہ نامہ کے ساتھ بھیجنے کے انداز میں لکھا گیا ہو اور لکھنے والے کے اقرار سے یا گواہوں سے اس کا ثبوت ہو تو وہ زبانی

فکالخطاب[1]۔ | طلاق کی طرح نافذ العمل ہوگا۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں وعالمگیری میں ہے:

ان ارسل الطلاق فکما کتب یقع و تلزمها العدۃ من وقت الکتابۃ و ان علق بمجیئ الکتاب فمالم یجیئ الیھا لا[2] اھ ملخصًا۔

اگر تحریری طلاق بھیجی ہو تو جو کچھ اس میں لکھا ہے اتنی طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور تحریر کے وقت سے عدت شمار ہوجائے گی اور اگر طلاق کو خط ملنے پر معلق کیا ہو تو خط آنے سے پہلے طلاق نہ ہوگی اھ ملخصًا۔ (ت)

خانیہ میں ہے:

رجل قال لغیرہ اخبر امرأتی بطلاقھا اوقل لھا انھا طالق طلقت للحال کما لوقال اکتب الٰی امرأتی انھا طالق[3] اھ ملخصًا۔

ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق کی اطلاع دے دو، یا کہا کہ میری بیوی کو کہو کہ وہ طلاق والی ہے، تو اسی وقت سے طلاق ہوگی، جیسے کسی نے کہا کہ تُو میری بیوی کو لکھ کر وُہ طلاق والی ہے، تو اُسی وقت طلاق ہوجائے گی اھ ملخصًا (ت)

ہدایہ میں ہے:

لان الکتاب یشبہ الکتاب فلایثبت[4]

تحریر، تحریر کے مشابہ ہوتی ہے لہذا معتبر نہ ہوگی۔ (ت)

اس مسئلہ کی باقی تحقیق ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۶: از ملک چھتیس گڈھ شہر رائپور محلہ بیجناتھ بارہ مکان منشی رحیم بخش عرضی نویس مرسلہ منشی محمد اسحٰق صاحب ۱۰ رجب ۱۳۱۲ھ

بخدمت سراپا برکت جناب فیض مآب منبع علوم سبحانی ومعدن یزدانی جامع فروع واصول مولٰنا صاحب

---

[1] ردالمحتار | باب کتاب القاضی الی القاضی | داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۵۳

[2] فتاوٰی ہندیہ | الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ | نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۸

فتاوٰی قاضی خاں | فصل فی الطلاق بالکتابۃ | نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۸

[3] فتاوٰی قاضی خاں | کتاب الطلاق الفصل الاول فی صریح الطلاق | " " ۲/ ۲۱۰

[4] ہدایہ | کتاب القاضی الی القاضی | مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۳۹

سلّمہ اللہ تعالیٰ بعد از آداب کے بندہ محمد اسحٰق عرض رساں ہے کہ حضور پُرنور کا فتوٰی پہنچا کمال درجہ کی خوشی حاصل ہُوئی، اللہ تعالٰی آپ کو اجرِ عظیم بفحوائے خیرالناس من ینفع الناس (لوگوں میں سے بہتر وُہ جو لوگوں کو نفع پہنچائے۔ ت) عطا فرمائے گا، التماس خدمتِ بابرکت میں یہ ہے کہ طالعورخاں اقرار کرتا ہے ایک مرتبہ نہیں ہزار مرتبہ اقرار کرچکا ہے فقط اس کا مقولہ یہ ہے کہ بیشک یہ خط تو میں نے تحریر کیا ہے اب اس کے موافق مجھے شرع سے کیا حکم ہوتا ہے اور جب یہ خط آیا تو سرمست خاں صاحب نے طالعورخاں کی زوجہ عمدہ اور اس کے والد نجم خاں کو حرف بحرف پڑھ کر سُنا بھی دیا، اس صورت میں یہ معلوم کرنا منظور ہے کہ از رُوئے شرع عمدہ کے حق میں کیا حکم ہے، طالعورخاں اُس پر اپنے ساتھ نکاح کرلینے کا جبر کرسکتا ہے یا نہیں اور عمدہ کو بوجہ اس کے کہ عدت گزر چکی جس سے چاہے نکاح کرلینے کا اختیار ہے یا نہیں اور حکم وقوعِ طلاق میں کیا صرف پہلے خط کو دخل ہے یا اوروں کو بھی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ طالعورخاں اسی خط کے لکھنے کا مقر ہے اور سرمست خاں نے حسبِ درخواست طالعورخاں یہ خط اُن دونوں کو حرف بحرف سُنا بھی دیا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو مستفسرہ میں عمدہ کے حق میں حکم شرع یہ ہے کہ اُس پر دو طلاقیں بائن ہوگئیں ایک تو اُسی وقت جبکہ طالعورخاں نے یہ لفظ لکھے تھے کہ آپ کو اجازت دیتا ہُوں کہ اُس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو کہ دوسرے سے نکاحِ زن کی اجازت دینی بیشک کنایاتِ طلاق سے ہے اور اس خط کی عبارت اوّل تا آخر نیت ازالۂ نکاح میں ظاہر کما لایخفی علی کل ماھر وقد بیناہ فی ما سبق (جیسا کہ کسی ماہر پر مخفی نہیں ہے اور ہم نے اس کو پہلے بیان کردیا ہے۔ ت) اور ان کنایوں سے طلاق بائن ہی پڑتی ہے۔ کنز الدقائق میں ہے:

فی غیرھا بائنۃ وھی بائن، حرام، ابتغی الازواج[1] اھ ملخصًا۔

مذکورہ الفاظ ثلثہ کے غیر میں طلاق بائنہ ہوگی اور طلاق بائنہ کے الفاظ یہ ہیں: بائن، حرام، تُو شوہر تلاش کر اھ ملخصًا (ت)

تو لاجرم تحریر خط طلاق ہوگئی اور اسی وقت سے عدت کا شمار لیا جائے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ان ارسل الطلاق فکما کتب وتلزمھا

اگر طلاق لکھ کر بھیجی تو جو لکھا وہ طلاق واقع ہوگی،

---

[1] کنز الدقائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۱۶

العدۃ من وقت الکتابۃ الخ[1] (ملخصًا) — اور بیوی کو لکھائی کے وقت سے عدت لازم ہوگی۔ (ملخصًا)۔ (ت)

اور دوسری اس وقت جبکہ یہ خط حرف بحرف عمدہ اور اس کے والد کو سرمست خاں نے سنایا کہ طالعور خاں کا لکھا سرمست خاں سنادیں تاکہ اس پر طلاق شرعًا واجب ہوجائے طلاق معلق تھی تو جب شرط ایام عدت میں پائی گئی یہ طلاق بھی واقع ہوئی اور ازانجا کہ پہلی طلاق بائن تھی یہ دوسری بھی خواہی نخواہی بائن ہوگئی۔

ردالمحتار میں ہے:

اذا لحق الصریح البائن کان بائنا لان البینونۃ السابقۃ علیہ تمنع الرجعۃ کما فی الخلاصۃ۔[2] — اگر بائنہ طلاق کے بعد رجعی طلاق دی تو وہ رجعی بھی بائنہ ہوجائے گی، کیونکہ پہلی بائنہ کے بعد رجوع ممنوع ہوجاتا ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے (ت)

بالجملہ عمدہ پر واجب کہ اپنے آپ کو طالعور خاں کے نکاح سے باہر سمجھے طالعور خاں کو اس پر ہرگز جبر نہیں پہنچتا، عمدہ کو اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے کہ طلاق بائن سے عورت خود مختار ہوجاتی ہے۔ درمختار میں ہے:

لانہا لاتملک نفسہا الا بالبائن۔[3] — بیوی بائنہ طلاق کے بعد اپنے آپ کی مالک ہوجاتی ہے۔ (ت)

اور جبکہ پہلے ہی خط سے بائن طلاق پڑی اور عدت گزر چکی تو بعد کے خطوط کو وقوعِ طلاق میں کچھ دخل نہیں۔

عالمگیری میں ہے:

شرطہ قیام القید فی المرأۃ نکاح او عدۃ کذا فی المحیط السرخسی[4] اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ — وقوعِ طلاق کے لئے شرط ہے کہ بیوی ابھی تک نکاح یا عدت میں مقید ہو۔ جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے اھ ملخصًا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۷: از بریلی محلہ نیم کی چڑھائی مرسلہ چودھری اشتیاق احمد ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالد کو بذریعہ تحریر کے یہ اطلاع دی کہ میں نے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں	فصل فی الطلاق بالکتابۃ	نولکشور لکھنؤ	۲/۲۱۸
[2] ردالمحتار	باب الکنایات	داراحیاء التراث العربی بیروت	۲/۴۶۹
[3] درمختار	باب الصریح	مطبع مجتبائی دہلی	۱/۲۲۲
[4] فتاوٰی ہندیہ	کتاب الطلاق باب الاول	نورانی کتب خانہ کراچی	۱/۳۴۸

اپنی زوجہ کو علیحدہ کر دیا جس پر خالد نے یہ تحریر کر دیا کہ مہربانی کرکے مطلع کیجئے کہ آپ نے اپنی زوجہ ثانیہ کو طلاق دے دی زید نے خالد کی تحریر کے نیچے تحریر کر دیا جی ہاں، اور بعد اس کے اپنے دستخط کر دئے زید کی زوجہ ثانیہ کو اس تحریر سے طلاق واقعہ ہوگئی اور زید کو رجوع کا موقعہ نہ رہا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زید مقر ہو یا گواہانِ شرعی سے ثابت ہو کہ یہ دونوں تحریریں اُس کی ہیں تو عورت نکاح سے نکل گئی رجوع نہیں کرسکتا، ہاں بے حلالہ نکاح دوبارہ برضائے زوجہ کرسکتا ہے اگر اس سے پہلے کبھی اُسے دو۲ طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۸: از ہانسی ضلع حصار ڈاک خانہ خاص مسئولہ محمد ظہیر الدین و محمد نظیر الدین عطاران

۳ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین وارباب باتمکین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مسماۃ ہندہ کو کھانے پینے کی تکلیف دیتا تھا پس مسماۃ ہندہ کے والد نے بوجہ اپنی لڑکی کی تکلیف دفع کرنے کے پنچایت کو جمع کرکے فیصلہ چاہا حالانکہ زید پنچایت کے جمع کرنے پر راضی نہ تھا، پنچایت نے یہ فیصلہ کیا کہ مسمی زید اپنی بیوی مسماۃ ہندہ کو مبلغ عہ دیا کرے جس کا ایک کاغذ بھی لکھا گیا بایں مضمون کہ "اگر زید مذکور اپنی بیوی مسماۃ ہندہ مذکورہ کو رقم مجوزہ نہ دے گا تو ہندہ کو طلاق واقع ہوجا دے گی" جو بغرض دھمکی پنچایت نے لکھوایا تھا نہ کہ طلاق کی نیت سے زید نے نہ کاغذ لکھنے کو کہا اپنی زبان سے اور نہ اپنے قلم سے کاغذ مذکور لکھا بلکہ ایک دُوسرے شخص نے کاغذ لکھا باوجودیکہ خود زید خواندہ شخص ہے اور کاغذ پر دستخط زید نے برادری کے خوف سے کئے ہیں خود راضی نہ تھا بعد فیصلہ پنچایت مسماۃ ہندہ کو اس کا والد اپنے مکان پر لے گیا اور ہندہ مذکورہ دو۲ ماہ تک اپنے والد کے یہاں رہی اس عرصے میں زید نے وُہ رقم مجوزہ پنچایت ہندہ کو نہیں دی اور جب ہندہ بعد دو۲ ماہ کے زید کے مکان میں آئی تو زید برابر اس کو نان نفقہ دیتا رہا مذکورہ بالا صورت میں جبکہ زید نے وُہ رقم مجوزہ پنچایت نہیں دی ہندہ کو طلاق ہوگئی یا بمصداق الاعمال بالنیات (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ت) نہیں ہوئی کیونکہ نہ اس کی طلاق دینے کی نیت تھی اور نہ پنچایت طلاق دلانا چاہتی تھی بلکہ محض دھمکی تھی بینوا توجروا مع عبارۃ الکتب وبحوالہ الفصل والباب (عبارتِ کتب اور فصل اور باب کے حوالہ کے ساتھ بیان کیجئے اور اجر پائیے۔ ت) فقط۔

الجواب

صریح الفاظ میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، اور خود لکھنا اور دُوسرے کے لکھے ہُوئے کو سُن کر اُس پر دستخط کرنا یکساں ہے اور خوفِ برادری کہ حدِ اکراہ تک نہ ہو کوئی عذر نہیں، اگر تحریر میں یہ تھا کہ

آج سے اس قدر ماہوار یعنی ماہ بماہ دیا کرے، اور ایک مہینہ گزر گیا کہ اس نے نہ دیا تو ایک طلاق رجعی ہوگی عدت کے اندر اُسے رجوع کا اختیار رہے اگر پہلے کبھی دو طلاقیں نہ دے چکا ہو ورنہ تین طلاقیں ہوگئیں اور بے حلالہ نکاح نہ ہوسکے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۱۹ از موضع بھرتول ضلع بریلی مسئولہ نظام علی صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی بدلو کا نکاح مسماۃ کامنی سے عرصہ تین برس کا ہوا ہوا تھا کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، عرصہ ڈھائی سال کا ہوا کہ بدلو ملازم ہوکر ڈیرہ اسمٰعیل خاں چلا گیا، خبرگیری نان نفقہ کی چھوڑ دی، جب اُس کی بیوی کے ورثا نے یعنی والدہ اور خالو نے خط بنا بر خبرگیری نان نفقہ کے روانہ کئے تو اُس نے اُس کے جواب میں خط روانہ کیا کہ میں نے مسماۃ کامنی کو طلاق دی اور اُسے زوجیت سے چھوڑ دیا، چنانچہ مزید احتیاط والدہ خالو مسماۃ کامنی نے تھانے میں رپٹ لکھائی اور خط دکھلا دیا اور ایک تار معرفت تھانہ دار روانہ کیا، تار کا جواب بذریعہ خط بیرنگ کے دیا کہ میں نے مسماۃ کو طلاق دے دی، پھر تیسرا خط آیا اس میں بھی یہی لفظ تحریر ہیں کہ ہم نے مسماۃ کامنی کو طلاق دے دی اب یہ طلاق شرعی ہوئی یا نہیں؟ تیسرے خط میں یہ لفظ تحریر ہیں کہ میری طرف سے تین دفعہ طلاق ہے اب ہمارے پاس خط نہ بھیجنا اب تار پھر دیا تب بھی جواب طلاق کا دیا۔

الجواب

اگر کامنی کو واقعی صحیح اطمینان ہے کہ یہ خطوط بدلو ہی کے لکھے ہوئے ہیں تو وہ اپنے آپ کو تین طلاقوں سے مطلقہ سمجھے اور بعد عدت نکاح کرسکتی ہے لیکن اگر وہ آیا اور اُن خطوط کے لکھنے سے منکر ہوا تو بغیر شہادت گواہانِ عادل طلاق ثابت نہ ہوگی اور نکاحِ ثانی رَد کردیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۰ و ۲۲۱ از رنگپور مسئولہ محمد یونس ۱۱ رمضان شریف ۱۳۳۹ھ

(۱) اگر زوجین میں طلاق کی بابت اختلاف ہو خاوند منکر اور ربی طلاق کا ثبوت دینا چاہتی ہو تو ثبوت کا کیا طریقہ؟

(۲) جانبین میں شاہدین موجود ہوں مطلقہ کے شاہد طلاق کی گواہی دیں اور خاوند کے اس بات پر کہ مطلقہ نے بعد طلاق اُن سے کہا ہے کہ خاوند نے طلاق دینا چاہا تھا مگر نہ دی تو اب کون سی بات قابلِ سماعت ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بحالتِ اختلاف طلاق کا ثبوت گواہوں سے ہوگا اور دو گواہ عادل شرعی شہادت بروجہ شرعی ادا

کریں کہ اس شخص نے اپنی زوجہ کو طلاق دی طلاق ثابت ہوجائے گی، پھر اگر شوہر نفی کے گواہ دے گا یا اس بات کے کہ مطلقہ بعد طلاق اس سے بولی کچھ اصلاً مسموع نہ ہوگا، ہاں اگر عورت گواہ بروجہ شرعی نہ دے سکے تو شوہر پر حلف رکھا جائے گا اگر حلف سے کہہ دے گا کہ اُس نے طلاق نہ دی طلاق ثابت نہ ہوگی اور اگر حاکم شرعی کے سامنے حلف سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت مانی جائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۲: از کوٹہ راجپوتانہ محلہ روڑ پورہ فراش پاڑہ مرسلہ عبدالشکور خاں صاحب ۱۶ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید کی شادی ہندہ سے ہوئی بعد عرصہ دراز ہندہ نے زید پر اس مضمون سے نالش زرمہر دائر کی کہ زید نے یہ کہہ کر کہ مجھ کو میری والدہ یہ وصیت کرکے مری ہے کہ اگر تو اپنی زوجہ کو اپنی زوجیت میں رکھے گا تو میں قیامت میں دامنگیر ہوں گی گھر سے نکال دیا زید نے زرمہر اپنے ذمہ واجب سمجھ کر دعوٰی زرمہر سے اقبال کیا اور ہندہ کو اپنی زوجہ ہونا قبول کرکے سپردگی زوجہ کی خواہش کی کچہری نے زرمہر کی ڈگری دے دی ہندہ نے ایک سال دس ماہ بعد نالش زرمہر کو طلاق کی بنا پر ظاہر کرکے یعنی وصیت والفاظ مذکورہ بالا کی بنا پر نالش نان ونفقہ ایام عدت دائر کی، زید اس بیانِ ہندہ سے قطعی انکاری ہے بلکہ کچہری میں نالش سپردگی زوجہ دائر کی ہے توکیا ایسی صورت میں ایسے الفاظ سے طلاق ہوسکتی ہے اور کیا نالش زرمہر طلاق کی بنا پر تصور ہوسکتی ہے اور کیا زید اپنی زوجہ کو اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے اور کیا ہندہ ایسی حالت میں نان ونفقہ ایام عدت پاسکتی ہے؟

الجواب

محض بیانِ ہندہ سے کہ زید نے اپنی ماں کی یہ وصیت بیان کرکے اُسے نکال دیا طلاق ثابت نہیں ہوسکتی جبکہ زید اس بیانِ ہندہ کو تسلیم نہیں کرتا بلکہ اگر اتنے الفاظ خود بیانِ زید سے ثابت ہوں جب بھی مثبت طلاق نہ تھے، ماں کی وصیت بیان کرنا طلاق نہیں، عورت کو گھر سے نکال دینا طلاق نہیں جب تک زبان سے بہ نیتِ طلاق نہ کہے کہ "نکل جا"، اور نیتِ طلاق کا حال اُس کے اقرار سے ثابت ہوگا اگر وہ کہے میں نے بہ نیتِ طلاق نہ کہا اور قسم کھالے معتبر ہوگی،

وذٰلک لان اخرجی یحتمل ردا فیتوقف علی النیۃ لکل حال ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلۃ کما فی الدرالمختار۔[1]

یہ اس لئے کہ "نکل جا" میں جواب کا احتمال ہے لہٰذا ہر صورت میں اس سے طلاق مراد لینا نیت پر موقوف ہوگا، اور نیت کے لئے خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے (ت)

بالجملہ صورتِ مسئولہ میں طلاق ثابت نہیں زید اُسے اپنی زوجیت میں رکھ سکتا ہے، ہندہ کی نالش

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

باطل ہے اور جب طلاق نہیں عدت کہاں کہ اُس کا نفقہ ہو، نفقہ زوجیت کا ہوگا اگر شوہر کے یہاں رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۳ از شہر کہنہ بریلی محلہ شاہ آباد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسئولہ نصر اللہ صاحب
۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غصہ میں اپنی زوجہ کو مارنے گیا اور کہا کہ اگر تُو لڑنے اور مُنہ زوری کرنے سے نہ مانے گی تو میں تجھ کو طلاق دے دُوں گا وہ نہ مانی، شوہر نے کہا کہ "تجھ کو طلاق دی میں نے، جا تجھ کو طلاق دی میں نے"۔ اس کا نتیجہ یہ ہے جا فقط، اب زید رجوع کرنا چاہتا ہے، بموجب شرع کے کیا حکم ہے؟

الجواب

تین طلاقیں ہوگئیں بغیر حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی،

لان (جا) وان کان یحتمل الرد او غایتہ تقدم الطلاق ان الحال صار حال المذاکرۃ لکن ما یحتمل الرد یستوی فیہ مطلقا غیران ایقاعہ الطلاق یرد ارادۃ الرد وکذا قولہ (اس کا نتیجہ یہ ہے) فان الناتج من نشوزھا تطلیقھا لا ردہ فکان خلاف الظاہر فلا یصدق فیہ قضاء والقرینۃ کالقاضی[1] کما فی الفتح والبحر قال فی الدر المختار اذھبی وتزوجی تقع واحدۃ بلا نیۃ[2] قال الشامی لان تزوجی قرینۃ فان نوی الثلاث فثلاث بزازیۃ[3] ثم نازعہ بان تزوجی

اس لئے کہ "جا" کا لفظ اگرچہ جواب بننے کا احتمال رکھتا ہے اور اگر پہلے طلاق دی ہو تو اس کی غایت بننے کا بھی احتمال رکھتا ہے، چونکہ حال مذاکرہ طلاق ہے لیکن جواب کے احتمال والے لفظ میں طلاق کے لئے نیت ضروری ہے، مگر یہاں خاوند کا طلاق کو واقع کرنا جواب کے احتمال کو رَد کر دیتا ہے اور یُوں ہی خاوند کا کہنا "اس کا نتیجہ یہ ہے" بھی جواب کے احتمال کو ختم کرتا ہے کیونکہ بیوی کی نافرمانی کا نتیجہ طلاق کو قرار دیا گیا جواب کو نہیں، لہذا جواب کا احتمال خلافِ ظاہر ہے اس لئے قضاءً بھی اس کی تصدیق نہ ہوگی، اور قرینہ قاضی کی

---

[1] بحر الرائق کتاب الطلاق ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۲۵۷
[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶
[3] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۴

ایضاکنایۃ فکیف یکون قرینۃ وان القرینۃ لابدلہا من التقدم وھوھنا متاخر[1] اھ محصلہ، ولا وردلشئ منہما فیما نحن فیہ لتقدم الصریح۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

طرح فیصل ہوتا ہے جیساکہ فتح اور بحر میں ہے، درمختار میں کہاکہ خاوند نے کہا "تو چلی جا اور نکاح کرلے" تو اس کی بیوی کو ایک طلاق بغیر نیت بھی ہوجائے گی۔ علامہ شامی نے فرمایا: یہ اس لئے کہ "نکاح کرلے" کا لفظ قرینہ ہے اور مذکورہ صورت میں تین کی نیت کی تو تین طلاقیں ہوں گی، بزازیہ اھ۔ پھر علامہ شامی نے اس پر سوال اٹھایا کہ "نکاح کرلے" خود کنایہ ہے تو یہ کیسے قرینہ ہوگا، نیز قرینہ پہلے ہوتا ہے جبکہ "نکاح کرلے" "تو چلی جا" کے بعد ہے، اھ، محصلہ، جبکہ ہمارے زیر بحث مسئلہ میں یہ دونوں اعتراض نہیں ہیں کیونکہ یہاں صریح طلاق پہلے ہے اور "جا" کا لفظ بعد میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۴: از بڑودہ محلہ فتح پورہ پانی گرہ مکان رحمٰن مہاوت مرسلہ زینب بی بی بنت پیر خاں ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

علمائے شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مطابق میرے سوال کے جواب میں کیا ارشاد فرماتے ہیں، میرے شوہر نے رُوبرو چار گواہ کے عرصہ دو برس کا ہُوا طلاق بائن دیا نکاح باطل ہوگیا یا نہیں؟ اس کا اجر اللہ جل شانہ دے گا۔

الجواب

طلاق بائن دیتے ہی عورت فوراً نکاح سے نکل جاتی ہے مرد کو اس پر کچھ اختیار نہیں رہتا۔ عالمگیری میں ہے:

اما حکمہ فوقوع الفرقۃ بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن کذا فی فتح القدیر[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

طلاق کاحکم یہ ہے کہ رجعی طلاق میں عدت گزرتے ہی بیوی اور خاوند میں جُدائی ہوگی اور بائنہ طلاق میں طلاق کے بعد ہی فُرقت ہوجائے گی عدت گزرنے کا انتظار نہیں ہوگا کذا فی فتح القدیر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۴

[2] فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق الباب الاوّل نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۴۸

مسئلہ ۲۲۵ از بمبئی محلہ کماٹی پورہ دوسری گلی مرسلہ محمد عثمان صاحب حنفی سُنّی قادری
۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین، زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو ایک شخص کے سامنے کہا "میں تجھے طلاق دیتا ہُوں" بعینہٖ یہی زید کی زوجہ اور خوشدامن کا کہنا ہے، بعدہٗ ایک طلاق نامہ تحریر کیا گیا جس میں یہ عبارت درج تھی کہ اپنی بی بی زہرہ کو تلاخ کہہ دیا اور زید کا والد حلفاً کہتا ہے کہ میرے لڑکے نے "طلاق دیتا ہُوں" کہا تھا اور اس کے والد کی نسبت دو آدمیوں نے کہا کہ یہ شخص جھوٹ نہیں کہتا اور زید کے والد نے یہ بھی کہا کہ یہ شخص یعنی زید جو لڑکا ہے میرا زہرہ بی کے والد کا نام نہ لیا جو بھولتا تھا بلکہ زہرہ لعل محمد کو طلاق دیتا ہوں۔ اور طلاقنامہ پانچ آدمیوں کے رُو برو تحریر کیا گیا اُن میں ایک آدمی یہ کہتا تھا کہ زید سے جب کہا گیا کہ طلاق دے تو زید نے کہا "ہُوں دیتا ہُوں" اس صورت میں طلاق بائنہ ہُوئی یا رجعی یا نہیں؟

الجواب

سائل نے کچھ نہ لکھا کہ زید اب طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے یا منکر ہے، اگر اقرار کرتا ہے تو جیسی طلاق کا وُہ مقر ہے ویسی ہوگی رجعی یا بائن یا مغلظہ، اور اگر منکر ہے تو ان بیانوں سے جو سوال میں لکھے گئے اگر واقع میں ایسے ہی ہیں اصلاً کوئی طلاق ثابت نہیں، اس کا یہ لفظ کہ "میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں" اس کا گواہ صرف ایک مرد ایک عورت ہے اور وُہ بھی اُس کی عورت کی ماں، اور طلاقنامہ کے یہ لفظ سوال میں ہیں کہ "اپنی بی بی زہرہ کو تلاخ کو دیا" اس سے طلاق نہیں ہوتی، اس کا تو اتنا حاصل ہے کہ اُسے طلاق دینے کے لئے کسی کو سپرد کیا اور اس کے باپ کا جو بیان ہے وُہ بھی مثبت طلاق نہیں کہ پہلے مرد کے ساتھ مل کر نصاب کامل ہو جائے، جب عورت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ نام لیا اور لعل محمد کی بیٹی کہا اور وہ لعل محمد کی بیٹی نہیں تو اُس کو طلاق نہیں۔ پچھلے بیان میں اُس کی طرف اضافت نہ سوال میں ہے نہ جواب میں، اور طلاق نامہ لکھتے وقت کا یہ بیان ہے تو معنی ارادہ پر حمل واضح ہے، غایت یہ کہ اگر وُہ پہلا اور یہ پچھلا شخص ثقہ عادل ہوں تو زید سے حلف لیا جائے، اگر حلفاً کہہ دے کہ میرا ارادہ طلاق کا نہ تھا تو ہرگز طلاق ثابت نہیں، ہاں اگر نقل طلاق نامہ میں دوسرا لفظ "کو" قلمِ سائل سے زائد نکل گیا ہے اور اُس میں یہ لکھا ہے کہ "زہرہ کو تلاخ دیا" اور اس طلاقنامہ کے لکھنے کا وہ مقر ہو یا دو گواہ عادل شرعی باقاعدہ شہادت دیں تو ایک طلاق رجعی ثابت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶ از شہر بریلی محلہ باغ احمد علی خاں ۳۰ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو غصّہ کی حالت میں طلاق کے لفظ بولا

یعنی کہا حرامزادی تجھ کو میں نے طلاق دیا تُو میرے گھر سے نکل جا میں تجھ کو نہیں رکھوں گا۔ تو اب زید کہتا ہے ہندہ کو میں نے بیشک طلاق دیا لیکن دوؔ طلاق دیا یا تین طلاق دیا اس وقت میری یاد نہیں ہے مگر اُس جگہ میں اُس وقت دو عورت بھی ایک زید کی میا دوسری بہن یہ دونوں عورتیں کہتی ہیں زید نے اپنی بی بی کو ایک طلاق دیا اور کہا حرامزادی میرے گھر سے نکل جا میں تجھ کو نہیں رکھوں گا اور ہندہ زید کی بیوی بھی یہی کہتی ہے۔ شرع شریف میں کیا حکم ہے طلاق واقع ہُوا یا نہیں ہُوا تو رجعی یا بائن یا طلاق مغلظہ؟ بیّنوا توجروا زیادہ والسلام فقط۔

الجواب

جب طلاق میں شک ہو کہ دوؔ تھیں یا تین، تو دو ہی سمجھی جائیں گی جب تک گواہان شرعی سے زیادہ کا ثبوت نہ ہو،

فی الاشباہ والدرالمختار والعقود الدریۃ وغیرھا لوشك اطلق واحدۃ او اکثر بنی علی الاقل[1]

اشباہ، درمختار، عقود دریہ وغیرہا میں ہے کہ ایک طلاق یا زیادہ میں شک ہو تو کم عدد والی یقینی ہوگی۔ (ت)

زید نے اس لفظ سے کہ "تُو میرے گھر سے نکل جا" اگر طلاق کی نیت کی تھی تو دوؔ طلاقیں بائن پڑیں فان البائن یلحق الصریح والرجعی یصیر بائنا بلحوق البائن (بائنہ طلاق، رجعی طلاق کو لاحق ہوسکتی ہے تو بائنہ کے لاحق پر رجعی بھی بائنہ ہوجاتی ہے۔ ت) ورنہ ایک طلاق رجعی پڑی،

لان اخرجی مما یحتمل الرد فلا یقع بہ بلا نیۃ وان کانت الحال حال المذاکرۃ لتقدم التطلیق یقع کما نصوا علیہ۔

کیونکہ "نکل جا" یہ لفظ رد کا احتمال رکھتا ہے لہذا نیت کے بغیر اس سے طلاق نہ ہوگی، اور اگر مذاکرہ طلاق کا حال جیسے پہلے طلاق دے دی ہو تو "نکل جا" سے طلاق واقع ہوگی، جیسا کہ فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے۔ (ت)

ہاں اگر یہ سارا جملہ کہ "میں نے تجھ کو طلاق دی، میرے گھر سے نکل جا" دو بار کہا اور اُن میں ایک بار بھی "میرے گھر سے نکل جا" سے نیت طلاق کی کی تو تین طلاقیں ہوگئیں۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

---

[1] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۲

مسئلہ ۲۲۷: محمد حسن از مدرسہ منظر اسلام بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید اپنی بی بی سے بولنا اور بوسہ لینا اور جماع کرنا اور مباشرت کرنا حرام سمجھتا ہے، آیا طلاق واقع ہوگا یا نہیں؟ اور زید یہ بھی کہتا ہے کہ تمام عمر تو مجھ پر حرام ہے طلاق واقع ہوا یا نہیں؟

الجواب

نرے سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک زبان سے نہ کہے اور اس کہنے سے کہ تو مجھ پر حرام ہے طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی بعد عدت اُسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے، اور اگر اُس شوہر سے نکاح چاہے تو عدت میں بھی ہوسکتا ہے اور بعد بھی۔

فی رد المحتار تحت قولہ خلیۃ بریۃ حرام بائن الخ قولہ حرام سیأتی وقوع البائن بہ بلا نیۃ فی زماننا للتعارف سواء قال علیّ اولا[1] الخ وتمام تحقیقۃ فیما علقناہ علیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ماتن کے "تو اکیلی ہے، تو بری ہے، تو حرام ہے طلاق بائن ہے" کے تحت لکھا ہے کہ ماتن کا قول "حرام ہے" عنقریب بیان آئے گا کہ اس سے ہمارے زمانے میں بغیر نیت بھی بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ طلاق کے لئے یہ لفظ عرف بن چکا ہے، حرام کے ساتھ علیّ (مجھ پر) کہے یا نہ کہے الخ، اس کی مکمل تحقیق اس پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۸ و ۲۲۹: از ڈاک خانہ سنوارہ قادریہ ضلع چاٹگام جونیر مدرسہ مرسلہ مولوی جمال الدین صاحب ۷ رمضان ۱۳۳۸ھ

(۱) اگر کسے زنِ خود را دو یا یک طلاق بائن دہد بعد ازاں تجدید عقد نماید پس ثانیاً مالک سہ طلاق گردد یا نہ؟

(۱) اگر کسی نے اپنی بیوی کو ایک یا دو بائنہ طلاقیں دی ہوں اور دوبارہ نکاح کرلیا ہو تو کیا وہ دوبارہ تین طلاقوں کا مالک قرار پائے گا یا نہیں؟

(۲) در آن واحد سہ طلاق معا دادن و ایقاع نمودن از کدامی آیت و حدیث ثابت نگردد حضرت

(۲) ایک لفظ سے تین طلاقیں یا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا کسی آیت یا حدیث سے ثابت

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۴

عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایں حکم از کجا آوردند و اجماع بروئے چرا نمودند و اگر خلافش کند و حکم یک طلاق دہد مواخذہ خواہد شد یا نہ وچرا؟

نہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کہاں سے یہ حکم لائے اور اس پر اجماع کیوں ہوا، اگر کوئی ان مذکورہ تین کو ایک طلاق قرار دے تو مواخذہ ہوگا یا نہیں تو کیوں؟

الجواب

(۱) مالک سہ طلاق نہ شود ہرچہ باقی ماندہ است ہموں بدست اوست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) خلافش نہ کند مگر مخالف سواد اعظم و حکم عمر حکم خداست قال اللہ تعالٰی ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا[1]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین وعضوا علیھا بالنواجذ[2]، وقال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر[3] اما آنکہ عمر از کجا آورد از انجا آوردہ کہ حق سبحنہ ہم در حق عمر فرمود لعلمہ الذین یستنبطونہ منکم[4]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱) تین طلاقوں کا مالک نہ ہوگا بلکہ باقیماندہ طلاق کا مالک رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۲) حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فیصلہ اور اس پر اجماع کی مخالفت صرف سواد اعظم کا مخالف ہی کرے گا، کیونکہ عمر فاروق کا حکم اللہ تعالٰی کی ترجمانی ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا: "جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمھیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو" اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور اس پر مضبوطی سے قائم رہو۔" اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "میرے بعد ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی پیروی کرو۔" لیکن یہ کہ عمر فاروق حکم کہاں سے لائے، تو وہاں سے لائے جہاں اللہ تعالٰی نے عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے متعلق فرمایا ہے حکم کو معلوم کرلیں گے وہ لوگ جو استنباط کریں تم سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

[1] القرآن الکریم ۵۹/ ۷
[2] سنن ابن ماجہ باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۵
[3] مسند احمد بن حنبل حدیث حذیفۃ بن الیمان عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیروت ۵/ ۳۸۲
[4] القرآن ۴/ ۸۳

مسئلہ ۲۳۰ از قصبہ کوورکوٹ ضلع اٹاوہ مسئولہ محی الدین احمد صاحب ۲۴ شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مسلمان نے اپنی زوجہ کو طلاق دی اور وہ اُس کے گھر سے باہر ایک ہفتہ رہی، اندر ایک ہفتہ کے پھر اُس نے اُس کو اپنے گھر میں رکھ لیا اور وہ اس کے گھر میں مثل زوجہ موجود ہے، اس کے واسطے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر عورت کو طلاق دے کر ایک ہفتہ کے بعد پھر رکھ لیا، اگر تین طلاقیں دی تھیں فاسق وزانی ہُوا، یُونہی اگر طلاق بائن دی تھی اور دوبارہ نکاح نہ کیا حرامکار رہُوا، اور اگر طلاق بائن تھی اور نکاح کرکے رکھا یا طلاق رجعی تھی اور بلانکاح واپس کرلیا تو گناہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۱ ۸ رجب ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کے باپ اور بھائی اور ماں اور دیگر ورثا بہ نیت اس امر کے طلاق مشہور کرتے ہیں کہ جو کچھ جائداد شوہر کی ہے اس کو چھین کر اور شوہر سے زوجیت کو چھوڑا کر بجائے دیگر اُس کا عقد اور کریں اور زرشوہر سے نفع اُٹھاویں، بموجب شرع کے ایسے شخصوں کے واسطے کیا حکم ہے؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

اگر واقع میں اُس نے طلاق نہ دی اور یہ لوگ دانستہ جُھوٹ باندھ کر طلاق مشہور کرتے ہیں تاکہ عورت کو اس کے شوہر سے چُھڑالیں تو سخت عذاب ولعنتِ الٰہی کے مستحق ہیں والعیاذ باللہ تعالٰی (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ ت) قال اللہ تعالٰی:

ویتعلمون منھما ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ[1]

اور سیکھتے ہیں ان دونوں سے وہ جس سے مرد اور اس کی بیوی میں جُدائی کرسکیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منّا من خبب امرأۃ علی زوجھا اوعبدًا علی سیدہٖ[2]۔ رواہ

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی کی بیوی کو اس کے خلاف بنائے، یا کسی غلام کو اپنے آقا کے خلاف

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[2] المستدرک للحاکم باب لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجہا الخ دارالفکر بیروت ۲/ ۱۹۶
سُنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶

ابوداؤد والنسائی والحاکم بسند صحیح وابن حبان فی صحیحہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وھو عند احمد بسند صحیح والحاکم وقال صحیح واقرہ والبزار وابن حبان عن بریدۃ و عن بریدۃ وعن الطبرانی فی الاوسط و الصغیر عن ابن عمر وعند ابی یعلی و الطبرانی فی الاوسط عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

کرے۔ اس کو ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے بسند صحیح، اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا، اور یہ امام احمد کے ہاں صحیح سند اور امام حاکم نے کہا صحیح ہے اور اس کو انھوں نے ثابت قرار دیا، اور بزار اور ابن حبان نے بریدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور طبرانی نے اوسط اور صغیر میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور ابویعلٰی کے ہاں اور طبرانی نے اوسط میں ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کیا۔ (ت)

مسئلہ ۲۳۲: از بجناتھ باڑہ ضلع رائے پور مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد بجناتھ باڑہ

۱۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضلع رائے پور میں ایک موروثی قاضی نے اپنی بی بی کو شرعی طور پر طلاق دی اور طلاق دینے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا حتی کہ اوس کے کپڑے وغیرہ بھی دے دیے اور اپنے یہاں سے اُس کی ماں کے گھر پہنچادیا بعض بعض باشندگان رائے پور نے بغرض تحقیق اس بات کے کہ طلاق دی یا نہیں جلسہ کیا قاضی نے اُس جلسہ میں بھی مکرر سہ کرر ان الفاظ سے بیان کیا کہ میں نے خود شرع کے حکم کے موافق طلاق دی جن لوگوں کے اس قسم کے خیالات ہیں کہ غصہ سے طلاق نہیں ہوتی انھوں نے بھی اپنے طور پر بہت کچھ سمجھایا، تقریباً چار برس کے بعد عورت کے وارثوں نے مہر کا دعوٰی کیا جب نوبت وارنٹ کی پہنچی تو قاضی اور دوسرے لوگوں نے جن کی یہ منشا تھی کہ کسی طرح سے بس اس میں میل ہوجائے کسی دوسری عورت کے ذریعہ اُس عورت مطلقہ کو ملادیا کچہری کا جھگڑا تو عورت کے آنے پر طے ہُوا اب عدالت شرع کیا حکم فرماتی ہے آیا طلاق ہُوئی یا نہیں درصورت طلاق ہونے کے یہ کس صورت میں اپنے نکاح میں لاسکتا ہے اور یہ شخص امامت اور قضاءت کرسکتا ہے یا نہیں، اور دُوسرا شخص اس کے حکم سے نیابت کرسکتا ہے یا نہیں، اور جن اشخاص نے عورت کو راضی کرنے اور بلانے میں مدد کی اُن کے واسطے کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ قاضی نے اپنی عورت کو طلاق دی طلاق ہوگئی، اس میں تو اصلاً شبہہ نہیں، پھر اگر طلاق

بائن دی تھی یا عدت گزر کر بائن ہوگئی تو بے نکاحِ جدید اُسی عورت سے مل جانا حرام قطعی تھا، اور اگر تین طلاقیں دے چکا جب تو بے حلالہ نکاح جدید بھی ناممکن تھا اور یہ خیال کہ غصہ میں مطلقاً طلاق نہیں ہوتی محض جاہلانہ خیال ہے، طلاق اکثر غصہ ہی میں ہوتی ہے رضامندی میں کون چھوڑتا ہے، پس دو صورت سابقہ میں اگر قاضی نے بے نکاح جدید اور صورت اخیرہ میں بے حلالہ و نکاح اُس عورت سے میل کرلیا تو وہ اور اس کے ساتھی جتنے لوگ اس ملانے میں شریک و مددگار رہتے سب مرتکب حرام و فاسق ہوئے، فاسق امام بنانے کے لائق نہیں یہاں تک کہ جو اُسے امامت پر باقی رکھے گا گنہگار رہو گا کما نص علیہ فی رد المحتار عن الغنیۃ عن الحجۃ (جیسا کہ ردالمحتار میں غنیہ کے حوالے سے حجہ سے صراحۃً نقل کیا۔ت) یونہی وہ عہدہ قضائے شرعی کا بھی مستحق نہیں (کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے عبارت ختم ہوگئی ہے ۱۲)

فی الدرالمختار الفاسق لایقلد وجوبا و یاثم مقلدہ بہ یفتی[1] اھ ملخصًا۔ درمختار میں ہے کہ فاسق کو قاضی کا عہدہ نہ سونپا جائے اس کو قاضی کرنیوالا گنہگار ہوتا ہے، اسی پر فتوی ہے اھ ملخصًا (ت)

اور جب وہ خود ان عہدوں پر نہ رکھا جائے گا، دوسرے کو نائب کیا کرے گا اور یہ قضائے عرف یعنی نکاح خوانی جسے عہدۂ قضا بولتے ہیں یہ بھی فاسق کو تفویض نہ کرنا چاہئے کہ نکاح خاص امر دین ہے اور عمر بھر صدہا احکام دینیہ اُس پر متفرع ہوتے رہتے ہیں اور فاسق کا امور دینیہ میں کچھ اعتبار نہیں، نہ اس پر کسی بات میں اطمینان، ولہذا قرآن عظیم میں ارشاد ہوا:

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا[2] الاٰیۃ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی خُوب چھان بین کرلے الآیۃ (ت) واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۲۲۳: از بھدرک ضلع بالیسر ملک اوڑیسہ مسئولہ ضمیر خاں نگھا ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ضمیر خاں نامی ایک شخص نے اپنی حقیقی سالی سے زنا کا مرتکب ہوا، اُس کے شوہر نے ضمیر پر کچہری میں مقدمہ دائر کیا بعد مقدمہ اس کی سالی کو اُس کے شوہر نے باقاعدہ طلاق دے دی لیکن جس وقت مقدمہ چل رہا تھا ضمیر کی زوجہ کے ضمیر کو سخت سُست کہنے سے غصہ میں اپنی زوجہ کو تین طلاق دے چکا تھا جب مقدمہ سے ضمیر نے خلاص پایا اُس نے اپنی سالی سے

---

[1] درمختار کتاب القضاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۷۱
[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

وعدہ کیا تھا، اگر میں مقدمہ سے خلاص ہُوا تو تجھے اپنے مکان میں رکھوں گا لہٰذا اپنی سالی کی زبان بندی سے مقدمہ سے مخلص پایا اور اپنی سالی کو اپنے مکان میں لے آیا اُوپر کے بیان کے مطابق ضمیر کو کارروائی کرنے سے بستی والوں نے جبر کیا اور ایک جلسہ کرکے کہا تو چاہے چھوٹی کو نکال دے یا بڑی کو طلاق دے اور چھوٹی سے نکاح کرلے، اُس وقت ضمیر نے اپنی منکوحہ کو طلاق ثلثہ دیا اور اپنی سالی سے نکاح کرلیا، ایسی حالت میں کیا حکم شرع شریف ہے۔ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

اُس کی پہلی زوجہ کو تین طلاقیں ہوگئیں، اُس کی عدت گزرجانے کے بعد نکاح کیا ہے نیز سالی کو اُس کے شوہر نے جو طلاق دی اُس کی عدت بھی گزرنے کے بعد تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اور اگر دونوں عدتوں میں سے کوئی عدت باقی تھی تو حرام فاسد ہُوا اُس پر فرض ہے کہ اُس دوسری کو بھی چھوڑ دے جب دونوں بہنوں کی عدتیں گزرجائیں اس دوسری سے نکاح کرسکتا ہے۔

مسئلہ ۲۳۴: از دلیل گنج ڈاکخانہ جہان آباد ضلع پیلی بھیت مرسلہ اکبر یار خاں صاحب وحافظ سید میر صاحب ۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت جو غیر جگہ کی رہنے والی تھی اور اُس کی ماں ایک عرصہ سے یہاں آباد تھی جب اُس کی ماں بیمار ہُوئی تو اُس کے دیکھنے کی غرض وہ عورت یعنی اُس کی لڑکی دلیل گنج آئی اُس کی ماں اس عرصہ میں مرگئی اس کی ۲ دو بہنیں بھی دلیل گنج میں موجود ہیں جن کی شادی بھی یہیں ہُوئی ہے بعد انتقال اُس کی ماں کے اُس کے بہنوئی کے بھائی نے اپنے گھر میں رکھ لیا کچھ عرصہ تک وہ اپنے بہنوئی کے بھائی کے یہاں رہی پھر اُس کے خاوند کو بُلوایا اور ۱۴ چودہ روپے دے کر اُس کے خاوند سے طلاق دلوائی اب وہ بدستور اُس شخص کے یہاں موجود ہے یہ فیصلہ جن پنچوں نے کیا ہے آیا صحیح ہے اور ان شخصوں کی بابت کیا حکم ہے جنہوں نے یہ پنچایت کی اور اُس کی نسبت جس کے گھر میں غیر نکاحی عورت موجود ہے اب اُس کا نکاح بعد عدت کرنے کا ارادہ ہے آیا وہ نکاح صحیح ہوگا یا غلط؟

الجواب

طلاق ہوگئی بعد عدت نکاح صحیح ہوگا اور جس نے بلا نکاح اُسے اپنے یہاں رکھا ہے اگر کسی امر ناجائز کا اُس کے ساتھ مرتکب ہوا ہے اگرچہ اسی قدر کہ تنہا مکان میں ایک منٹ کے لئے ساتھ ہونا تو فاسق مستحقِ عذاب ہے اور ۱۴ چودہ روپے اگرچہ بطور مالکانہ دئے گئے جیسا بعض رذیل جاہلوں میں رواج ہے تو یہ لینا دینا دونوں حرام اور وہ فیصلہ کرنے والے سب مبتلائے آثام، اور اگر مرد وزن بے اتفاق

کی کوئی صورت نہ تھی اور عورت نے روپے دے کر طلاق لی یا اس کی طرف سے کسی اور نے دئے تو یہ صورتِ خلع میں آجائے گا اور جس کی طرف سے زیادتی ہے اس پر الزام رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۵: از موضع آوان ڈاکخانہ بیگووال ریاست کپورتھلہ ۸ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

زید اپنی منکوحہ سے نو یا دس سال سے جُدا ہوگیا البتہ خط ارسال کرتا رہا اس کی منکوحہ روزِ نکاح سے اپنے والدین کے گھر میں رہی اب ایک سال سے زید کی منکوحہ نے بذاتِ خود اپنا دوسرے خاوند بکر سے نکاح کرلیا اس کے نطفہ سے ایک لڑکا پیدا ہُوا لیکن اس کے پہلے خاوند مسمّی زید کی خبر اور خط آتے رہتے ہیں اب عرض یہ ہے کہ نکاح جائز ہے اور اولاد اس عورت سے بکر نے جو حاصل کی طرفہ جائز ہے اور وہ اولاد شرعًا حلال ہے؟ اور بکر امام مسجد بھی ہے اگر اس نے یہ ناجائز کام کیا تو جو شخص اس کے پیچھے نمازیں ادا کرتے رہے کیا وُہ درست ہیں؟ اور اگر درست نہیں تو انھیں کیا تعزیر ہونی چاہئے؟

الجواب

بکر نے جو اس عورت سے نکاح کیا اگر اُسے معلوم نہ تھا کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہے تو یہ نکاح اس کے حق میں گناہ نہ ہُوا اور اس نکاح سے اگر چھ مہینے یا زیادہ کے بعد بچہ پیدا ہُوا تو اُسے ولد الزنا نہ کہیں گے اور وُہ اسی بکر کا ہے،

علی ما رجع الیه الامام وعلیه الفتوی تجنیس، خانیة، سراجیة، هندیة وغیرها۔

امام صاحب نے جس طرف رجوع فرمایا اس کی بنا پر اور اسی پر فتوٰی ہے۔ تجنیس، خانیہ، سراجیہ، ہندیہ وغیرہا۔ (ت)

پھر اگر اُسے اب تک نہیں معلوم تو اس پر الزام نہیں، نہ اس وجہ سے اس کی امامت میں کوئی حرج، اور اگر بعد کو معلوم ہوگیا اور عورت کو نہیں چھوڑتا تو زانی ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی کہ پڑھنی گناہ اور پڑھی تو پھیرنی واجب اور اگر وقت نکاح ہی سے اسے معلوم تھا کہ یہ دوسرے کی منکوحہ ہے اور دانستہ نکاح کیا تو نکاح نہ ہُوا زنائے محض ہُوا به یفتی، ذخیرة، بزازیة، فتح، بحر (اسی پر فتوٰی ہے ذخیرہ، بزازیہ، فتح، بحر۔ ت) اور اس صورت میں لڑکا زید کا ہے۔ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الولد للفراش وللعاهر الحجر[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بچّہ شوہر کا اور زانی کو پتھر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل حدیث عثمان بن عفان دار الفکر بیروت ۱/ ۵۹
کنز العمال حدیث ۱۲۹۱۷ تراث الاسلامی حلب بیروت ۵/ ۲۹۳

مسئلہ ۲۳۶ از رائے پور ممالک متوسط محلہ بیجنا تھ بارہ مرسلہ منشی محمد اسحٰق صاحب
۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو عورت مطلقہ بطلاق بائن غیر مغلظہ ہے تو اُس کا نکاح بعد عدت اس کے زوج سے تو ہوسکتا ہے لیکن جس صورت میں کہ وُہ اپنے زوج سے راضی نہ ہو بعد عدت طلاق بائن کسی دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے عندالشرع یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا (بیان کرو اجر پاؤ۔ت)

الجواب

شوہر سے تو اُسی وقت نکاح ہوسکتا ہے کچھ عدّت گزرنے کی حاجت نہیں، ہاں دوسرے شخص سے بعد عدت گزرنے کے کرسکتی ہے۔ جس عورت پر طلاق بائن ہو وُہ فوراً طلاق پڑتے ہی خود مختار ہوجاتی ہے بعد عدت جس سے چاہے نکاح کرلے، شوہر اوّل سے نکاح کرنے پر مجبور نہیں ہوسکتی،

فی الھندیۃ عن الھدایۃ اذا کان الطلاق بائنا دون الثلاث فلہ ان یتزوجھا فی العدۃ وبعد انقضائھا[1] الخ وفیھا عن الفتح حکمہ وقوع الفرقۃ بانقضاء العدۃ فی الرجعی وبدونہ فی البائن[2] اھ وفی الدرالمختار لانھا لاتملک نفسھا الا بالبائن[3] اھ وفی العقود الدریۃ وقع علیہ طلقۃ بائنۃ ملکت بھا نفسھا وحیث انقضت عدتھا صارت اجنبیۃ[4] اھ ملخصا والمسائل کلھا واضحۃ شھیرۃ معلومۃ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

ہندیہ میں ہدایہ سے منقول ہے کہ جب طلاق بائنہ ہو اور تین سے کم ہوں تو خاوند کو عدت کے اندر اور ختم ہونے پر دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا الخ اور ہندیہ میں فتح سے منقول ہے کہ طلاق کا حکم یہ ہے کہ رجعی ہو تو عدت ختم ہوجانے پر اور بائنہ ہو تو عدت ختم ہوئے بغیر بھی جُدائی ہوجائے گی اھ، درمختار میں ہے کہ بائنہ طلاق سے بیوی نکاح کے لئے خود مختار ہوجاتی ہے اھ، عقود دریہ میں ہے کہ بائنہ طلاق واقع ہوجانے پر اپنے آپ کی مالک ہوجاتی ہے اور عدت ختم ہوجانے پر وہ خاوند کیلئے اجنبی بن جاتی ہے ملخصاً، یہ تمام مسائل مشہور اور واضح طور پر معلوم ہیں۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیما تحل بہ المطلقۃ ومایتصل بہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۴۷۳-۴۷۲
[2] " " " کتاب الطلاق الباب الاول " " " ۱/ ۳۴۸
[3] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲
[4] العقود الدریۃ فی تنقیح فتاوی الحامدیۃ کتاب الطلاق تاجران کتب ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/ ۳۵

مسئلہ ۲۳۷ از موضع لال پور ڈاکخانہ موہن پور بنگال مرسلہ منیر الدین احمد لال پوری کرلوی ۸ شوال ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ شرک پر علین اعتقاد رکھے اور بتخانے میں سجدہ وغیرہ کرنے سے اپنی بی بی کے نکاح سے خارج ہوگیا وُہ اگر توبہ کرکے مسلمان ہوجائے بی بی مذکورہ سے نکاح کرے تو حلالہ کرے یا بغیر حلالہ کے نکاح درست ہے؟

الجواب

جو تین طلاق دے چکا ہو وُہ یا جورو یا دونوں اگر قہار کی لعنت اپنے سر لینے کو مرتد، مشرک، بت پرست کچھ بھی ہوجائیں وہ تین طلاقیں رہیں گی مسلمان ہوجانے کے بعد پھر حلالہ کی ضرورت ہوگی بے حلالہ ہرگز ہرگز درست نہ ہوگا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۸ ۴ ذیقعدہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے طلاق زید سے دو مہینے بعد بکر سے نکاح کرلیا ۱۰ سال تک اُس کے یہاں رہی اس مدت میں چار بیٹے ہوئے زید قید ہوگیا تھا بعد قید بھی ہندہ کا دعوٰی دار نہ ہوا اب اس قدر مدتِ کثیر کے بعد ہندہ بے رضائے بکر خانۂ بکر سے نکل کر خالد کے یہاں چلی گئی اس صورت میں ہندہ منکوحۂ بکر ہے اور اس پر بکر کا دعوٰی اپنے پاس رکھنے کا پہنچتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اگر طلاق کے بعد ہندہ کو تین حیض[ع] کامل گزر چکے تھے اُس کے بعد نکاح ہوا یعنی حیض بعد طلاق شروع ہوئے ہوں اور قبل نکاحِ ثانی ختم ہوچکے ہوں یا وقتِ طلاقِ زید ہندہ حاملہ تھی اور بعد طلاق وضعِ حمل ہوگیا اگرچہ اُسی دن ہوا ہو اس کے بعد اُس نے بکر سے نکاح کیا تو ان دونوں صورتوں میں تو بیشک نکاح بکر کا صحیح تھا اور بکر اُسے لینے کا دعوٰی کرسکتا ہے عورت جبراً اُسے دلائی جائے گی، قال اللہ تعالٰی الرجال قوامون علی النساء[1]۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: مردوں کو عورتوں پر غلبہ حاصل ہے۔ (ت)

اور اگر ان دو مہینے میں نہ تین حیض کامل بعد طلاق گزرے تھے نہ وضعِ حمل ہوا کہ بکر سے نکاح کرلیا تو وُہ

[ع] امام اعظم کے نزدیک تین حیض کم سے کم ساٹھ دن اور صاحبین کے نزدیک اڑتالیس دن میں ہوسکتے ہیں ۱۲۔

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۳۴

نکاح ہرگز صحیح نہ ہُوا،

قال تعالٰی والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء[1] وقال تعالٰی ولاتعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتٰب اجلہ[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض مکمل ہونے تک پابند رکھیں۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: عدت مکمل ہونے تک مطلقہ عورتیں نئے نکاح کا عزم نہ کریں۔ (ت)

اس صورت میں عورت پر بکر کے پاس جانے کا جبر ہونا درکنار ان دونوں پر فرض ہے کہ باہم جُدا ہوجائیں اور ترکِ تعلق کریں، اور بکر نہ مانے تو عورت بطورِ خود جُدا ہوسکتی ہے ورنہ حاکم بالجبر جُدائی کرادے۔

فی الدرالمختار یثبت لکل واحد منھا فسخہ ولوبغیر محضر من صاحبہ دخل بھا اولا فی الاصح خروجا عن المعصیۃ فلاینافی وجوبہ بل یجب علی القاضی التفریق بینھما[3]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

دُرمختار میں ہے: دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی یا غیر موجودگی میں فسخ کا اختیار ہے دخول کرچکا ہو یا نہ کیا ہو، اصح قول یہی ہے تاکہ گناہ سے اجتناب ہوسکے، لہذا یہ بات وجوبِ فسخ کے منافی نہیں بلکہ اس کے باوجود قاضی پر واجب ہے کہ دونوں میں تفریق کرے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۳۹: از کانپور محلہ فیل خانہ بازار کہنہ مکان مولوی سید محمد اشرف صاحب وکیل مرسلہ مولوی سید محمد آصف صاحب ۱۴ رمضان ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فتاوٰی شمس الدین وفتاوٰی ظہیری تمرتاشی میں ہے کہ اگر کسی عورت سے نکاح کیا لیکن نیت میں ہے کہ بعد اتنے دنوں کے طلاق دُوں گا تو یہ نکاح درست ہے پس جو شخص دو چار روز یا دو چار مہینے میں طلاق دے دیا کرے اور اس قسم نکاح پر مداومت کرے اور لوگوں کو بھی اس جانب مائل کرے تاکہ وُہ لوگ زنا سے محفوظ رہیں تو آیا ایسے شخص کو ثواب ملے گا یا نہیں، اور مداومت کی صورت میں متعہ تو نہ ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

متعہ تو ہرگز نہ ہوگا جب تک نفسِ عقد میں ایک مدت معینہ خواہ غیر معینہ کی حد نہ مقرر کی جائیگی،

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸ [2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۵
[3] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۰۱

فی الدرالمختار بطل نکاح متعۃ و مؤقت و ان جھلت المدۃ او طالت فی الاصح ولیس منہ مالو نکحھا علی ان یطلقھا بعد شھر اونوی مکثہ معھا مدۃ معینۃ[1]

درمختار میں ہے، متعہ اور مقررہ مدت تک کا نکاح باطل ہے اگر وہ مدتِ مقررہ مجہول ہو یا دراز ہو اصح قول میں، اور اگر ایک ماہ بعد طلاق دینے کی شرط پر نکاح کیا یا صرف نیت میں معینہ مدت تک پاس رکھنا مقصود ہو تو یہ دونوں صورتیں از قبیل باطل نہ ہوں گی۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے،

التوقیت انما یکون باللفظ[2]

مدتِ مقررہ تک نکاح کے لئے زبانی مدت کا تعین ضروری ہے (جو کہ باطل ہے)۔ (ت)

مگر ایسے فعل کی طرف لوگوں کو ترغیب نہ کی جائے اور خود بھی اس سے احتراز چاہیے جب تک کوئی حاجت صحیحہ شرعیہ ہر بار طلاق زوجہ کی طرف داعی نہ ہو کہ بے حاجتِ شرعیہ عورت کو طلاق دینا ثواب درکنار شرعًا ممنوع ہے،

علی ما صححہ فی الفتح وحققہ فی ردالمحتار وفیہ عنہ عن مشائخ المذھب ان الاصل فیہ الحظر لما فیہ من کفران نعمۃ النکاح والاباحۃ للحاجۃ الی الخلاص[3]

شرعی ضرورت کے بغیر طلاق دینا ممنوع ہے جس کی تصحیح فتح میں اور اس کی تحقیق ردالمحتار میں ہے، اور اسی میں فتح سے منقول کہ مشائخ سے مروی ہے کہ طلاق میں اصل ممانعت ہے کیونکہ اس میں نکاح جیسی نعمت کی ناشکری ہے، اور طلاق کا مباح ہونا خلاصی کے لئے حاجت کی وجہ سے ہے۔ (ت)

حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تزوجوا ولا تطلقوا فان اللہ لایحب الذواقین ولاالذواقات[4] وفی لفظ لاتطلقوا النساء

نکاح کرو اور جب تک عورت کی طرف سے کوئی شک نہ پیدا ہو (یعنی بے حاجت صحیحہ) طلاق نہ دو

---

[1] درمختار | فصل فی المحرمات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۱۹۰
[2] بحرالرائق | " | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۳/۱۰۸
[3] ردالمحتار | کتاب الطلاق | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۱۶
[4] تاریخ بغداد | ترجمہ نمبر ۳۶۵۴ | دارالکتاب العربی بیروت | ۱۲/۱۹۱
[5] مجمع الزوائد | باب فیمن یکثر الطلاق | " " " " | ۴/۳۳۵

الا من ریبة فان اللہ تعالٰی لا یحب الذواقین ولا الذواقات[1] رواہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

کہ اللہ بہت چکھنے والے مردوں اور بہت چکھنے والی عورتوں کو دوست نہیں رکھتا یعنی جو چکھ چکھ کر چھوڑ دینے کے لئے نکاح کرتے ہیں (اس کو طبرانی نے کبیر میں ابوموسٰی اشعری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

غور کیجئے تو آیہ کریمہ محصنین غیر مسافحین[2] میں بھی اس سے ممانعت کی طرف اشارہ ہے یعنی نکاح کرو عورتوں کو قید میں رکھنے، نہ مستی نکالنے، پانی گرانے۔ لبعض صحابہ کرام مثل سیدنا امام حسن مجتبٰی ومغیرہ بن شعبہ وغیرہما رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جو کثرتِ نکاح وطلاق منقول ہے اُسی حالت حاجت شرعیہ پر محمول ہے،

فی ردالمحتار اذا وجدت الحاجة المذکورة ابیح وعلیھا یحمل ما وقع منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن اصحابہ وغیرھم من الائمة صونا لھم عن العبث والایذاء بلا سبب[3]۔

ردالمحتار میں ہے کہ جب حاجت مذکورہ پائی جائے تو طلاق مباح ہے، اور اسی معنٰی پر محمول ہیں حضور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور دیگر ائمہ کرام سے متعدد نکاح کے جو واقعات ہُوئے، تاکہ ان حضرات کی طرف عبث اور ایذاء رسانی کی نسبت نہ ہونے پائے۔ (ت)

محفوظیٔ زنا کا عذر بمعنی ہے ایک وقت میں چار تک شرعی اجازت ہے اور اس سے زائد کبھی جمع نہیں ہوسکتی، اور عقل ونقل وتجربہ سب شاہد ہیں کہ نفسِ امارہ کی باگ جتنی کھینچئے دبتا ہے اور جس قدر ڈھیل دیجئے زیادہ پاؤں پھیلاتا ہے ؎

والنفس کالطفل ان تمھلہ شبّ علی حب الرّضاع وان تفطمہ ینفطم

(نفس بچّے کی طرح ہے اگر آپ اسے موقعہ دیں گے تو وہ ماں کا دُودھ پینے میں دلیر رہے گا، اور اگر آپ دُودھ چھُڑا دیں تو وُہ چھوڑ دے گا۔ ت)

---

[1] المعجم الاوسط حدیث نمبر ۷۸۴۴ المکتبۃ المعارف الریاض ۸/ ۴۱۳
[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۴
[3] ردالمحتار کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۶

جب ہمیشہ خواہشِ نو کی عادت ڈالی گئی اور پُر ظاہر کہ چند روز رکھ کر چھوڑنے کے لئے دواماً تازہ عورت کا ملنا خصوصاً ہندوستان میں سخت مشکل ہے تو جب اُس میں کمی ہوگی نفس بدخو جسے صبر کا خوگر کیا ہی نہ تھا وُہ رنگ لائے گا کہ ایک پر قناعت کرنے والے اُس کی ہوا سے آگاہ نہیں۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۱ مرسلہ محمد عبدالرحمٰن جلشانی شافعی از بنارس محلہ مدنپورہ مدرسہ امداد العلوم مسجد کلاں ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل مندرجہ ذیل میں از رُوئے مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے:

(۱) ایک شخص شافعی المذہب زوجین باہم رہتے تھے شوہر کو جذام کا عارضہ ہوگیا جس کے خوف کی وجہ سے اُس کی زوجہ اپنے ماں کے یہاں چلی گئی، شوہر اُس کو بُلاتا رہا مگر اُس کے لاحقہ عارضہ کے خوف سے اُس کی زوجہ نہ آئی یہاں تک کہ شوہر اُس کا اُسی عارضہ میں فوت ہُوا، اس صورت میں مہر ورثہ ونان نفقہ زوج کے ترکہ سے زوجہ کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ از رُوئے شرع لطیف بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمایا جاوے۔

(۲) بعض اشخاص زوجہ مذکورہ بالا کو زوج مرحوم کے ترکہ سے ورثہ ونان نفقہ دینے میں انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زوجہ کو کچھ پہنچتا ہی نہیں ورثۂ زوجہ قرآن مجید سے ثابت ہے یا نہیں اور منکر اُس کا دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا یا نہیں فقط، بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

زوجہ متوفی کو صورتِ مستفسرہ میں باتفاق ائمہ حنفیہ وشافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ مہر وترکہ قطعاً ملے گا، ائمہ حنفیہ کے نزدیک توجَبّ وعنّت یعنی آلت بریدگی یا نامردی کے سوا کوئی مرضِ شوہر مطلقاً سببِ فسخ نکاح نہیں، درمختار میں ہے،

لایتخیر احد الزوجین بعیب الاخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص[1] الخ۔

خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے کے عیبِ جسمانی مثلاً جنون، جذام اور برص کے امراض کی وجہ سے فسخ کا اختیار نہیں ہے الخ (ت)

---

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

اور ائمہ شافعیہ کے یہاں اگرچہ جنون و جذام مستحکم و برص مستحکم سے خیارِ فسخ حاصل ہوتا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ان امراض کے سبب آپ ہی نکاح زائل یا عورت کو بطورِ خود فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہو جائے بلکہ یہ معنی کہ فی الفور بلا تاخیر قاضی شرع کے حضور مطالبہ فسخ پیش کرنے کا اختیار ملتا ہے، جب وہ حکم فسخ دے اُس وقت نکاح فسخ ہوتا ہے، بغیر اس کے وہ بدستور زوج و زوجہ ہیں۔ امام علامہ یوسف اردبیلی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ اجلۂ شافعیہ سے ہیں کتاب الانوار میں فرماتے ہیں،

لا یثبت بالبرص والجذام قبل الاستحکام خیار العیب علی الفور ولا ینفرد ان بالفسخ بل لابد من الرفع الی القاضی[1] اھ ملتقطا۔

برص اور جذام کے مستحکم ہونے سے قبل فوری طور پر خیار عیب ثابت نہیں ہوتا، اور خاوند بیوی خود فسخ نہیں کرسکتے بلکہ قاضی کے ہاں مرافعت ضروری ہے اھ ملتقطا (ت)

یہاں جبکہ نہ حاکمِ شرع کی طرف مرافعہ ہُوا نہ اُس نے فسخ نکاح کا حکم دیا بلکہ عورت بطورِ خود اپنی ماں کے یہاں چلی گئی تو باتفاقِ ائمہ نکاح قائم رہا پس بنصِ قطعی قرآن عظیم وہ اس کے ترکہ میں مستحق فریضۃ اللہ ہے۔

قال اللہ تعالٰی ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر تم نے ترکہ چھوڑا اور تمہاری اولاد نہ ہو تو بیویوں کو ترکہ کا چوتھائی حصّہ، اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر بیویوں کو تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصّہ ملے گا، یہ تقسیم وراثت تمہاری وصیت اور قرضہ ادا کرنے کے بعد ہے۔ (ت)

وراثتِ زوجہ بلاشبہہ ضروریاتِ دین سے ہے جس پر تمام فرقِ اسلام کا اجماع اور ہر خاص و عام کو اس کی اطلاع، تو مطلقاً اُس کا انکار یعنی یہ کہنا کہ زوجیت شرع میں ذریعۂ وراثت ہی نہیں صریح کلمۂ کفر ہے، ہاں اگر براہِ ناواقفی عروضِ جذام کو خود مزیلِ نکاح سمجھ کر اس عورت کے استحقاقِ وراثت سے انکار کیا تو جہل و تسفّہ اور شرع مطہر پر بے باکانہ جرأت ہے کفر نہیں، بالجملہ صورتِ مسئولہ میں عورت یقیناً مستحق ترکہ ہے یونہی باتفاق مہر مستحق تمام و کمال واجب الادا ہے، حنفیہ کے طور پر تو ظاہر ہے، شافعیہ کے نزدیک یُوں کہ شوہر قبل انفساخِ نکاح مرگیا، انوار میں ہے،

---

[1] الانوار لاعمال الابرار الطرف العاشر فی العیوب مطبعۃ جمالیہ مصر ۲/۷۳

[2] القرآن الکریم ۴/۱۲

لومات المعیب قبل الفسخ تقرر المهر ولا فسخ[1]

عیب والا خاوند اگر فسخ سے قبل فوت ہوجائے تو مہر لازم ہوگا، فسخ نہ ہوگا۔ (ت)

بلکہ یہاں تو بالفرض اگر نکاح فسخ بھی کردیا جاتا جب بھی مہر مثل ساقط نہ ہوتا۔ عبارتِ سوال سے ظاہر کہ شوہر کو اس مرض کا حدوث بعد زفاف ہُوا تو بحالتِ فسخ بھی پُورا مہر لازم الادا۔ انوار میں ہے:

اذا فسخ فان کان قبل الدخول سقط المھر ولا متعۃ فسخ ھو اوھی وان کان بعدہ فان کان بعیب مقارن او حادث قبل الدخول وجب مھر المثل وان کان بحادث بعدہ وجب المسمّٰی[2]۔

مرد یا عورت نے نکاح فسخ کیا تو اگر یہ فسخ دخول سے قبل ہُوا تو مہر ساقط ہوجائے گا، اور جوڑا ساقط نہ ہوگا، اور اگر فسخ نکاح دخول کے بعد ہُوا تو اگر دخول کے ساتھ تھا یا دخول سے قبل عیب پیدا ہُوا تو مہر مثل واجب ہوگا، اور دخول کے بعد عیب پیدا ہوا تو پھر مقررہ مہر واجب ہوگا۔ (ت)

رہا نان و نفقہ وُہ بعد موتِ شوہر زمانۂ عدت یا اس کے بعد کا باتفاق مذہب صحیح حنفی و شافعی اصلاً واجب نہیں اس کے دینے سے ورثہ انکار کرتے ہوں تو بیشک بجا ہے۔ درمختار میں ہے:

لا تجب النفقۃ بانواعھا المعتدۃ موت مطلقا ولو حاملا[3]۔

کسی قسم کا نفقہ موت کی عدت والی کے لئے مطلقاً واجب نہ ہوگا اگرچہ حاملہ ہو۔ (ت)

انوارِ شافعی میں ہے:

المعتدۃ عن النکاح الفاسد لا نفقۃ لھا حاملا کانت او حائلا وکذا المعتدۃ عن الوفاۃ[4]۔

نکاح فاسد کی عدت والی کے لئے کوئی نفقہ نہیں، حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اور یہی حکم موت کی عدت والی کا ہے۔ (ت)

حاشیۃ الکمثری علی الانوار میں ہے:

المعتدۃ عن الوفاۃ لا تستحق النفقۃ والمؤنۃ

موت کی عدت والی نفقہ اور خرچہ کی مستحق نہیں ہے

---

[1] الانوار لاعمال الابرار — الطرف العاشر فی العیوب — مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۷۳

[2] " " " " " " " "

[3] درمختار — باب النفقۃ — مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۷۳

[4] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثالث فی موانع النفقۃ مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/۲۲۸

لصحة الخبر بذلك[1] — کیونکہ اس معاملہ میں صحیح حدیث ہے۔ (ت)

اسی طرح اگر ان دنوں کا نفقہ مانگتی ہے جن میں وُہ بے اجازتِ شوہر اپنی ماں کے یہاں چلی گئی اور شوہر بلاتا رہا، نہ آئی، تو ان ایام کا نفقہ بھی بالاتفاق نہ پائے گی کہ اس چلے جانے سے وُہ ناشزہ و نافرمان ہے اور ناشزہ کے لئے جب تک ناشزہ رہے بالاجماع نفقہ نہیں۔ قرۃ العین علامہ زین شافعی میں ہے:

تسقط بنشوز ولو ساعۃ کامتناع من تمتع لا لعذر وخروج من مسکن بلا اذن[2]۔ — بیوی کی نافرمانی اگرچہ ایک دفعہ ہو جیسا کہ بلاعذر جماع سے انکار، یا بغیر اجازت گھر سے نکلنا نفقہ کو ساقط کر دیتا ہے۔ (ت)

انوار میں ہے:

لا نفقۃ للناشزۃ وان قدر علی ردھا الی الطاعۃ قھرا ولو ھربت منہ او خرجت بلا اذنہ من بیتہ فناشزۃ[3] اھ ملخصًا۔ — نافرمان بیوی کے لئے نفقہ کا استحقاق نہیں اگرچہ جبرًا خاوند اسے اطاعت پر مجبور کر سکتا ہو، اور اگر بیوی بھاگ جائے یا گھر سے بلا اجازت نکل جائے تو وُہ نافرمان قرار پائے گی اھ ملخصًا (ت)

ہاں اُس سے پہلے ایامِ تسلیم نفس و عدمِ نشوز میں اگر کسی دن کا نفقہ نہ ملا تھا تو ہمارے ائمہ کے نزدیک تو اُس کا بھی دعوٰی نہیں کر سکتی کہ نفقہ اگر مفروضہ بحکم حاکم ہو موتِ احدالزوجین سے ساقط ہو جاتا ہے مگر جبکہ نفقۂ مفروضہ شوہر سے نہ ملا اور بحکم قاضی شرع عورت نے قرض لے لے کر خرچ کیا ہو کہ اس صورت میں ذمہ شوہر پر دین قرار پا کر موت سے ساقط نہیں ہوتا، تنویر حنفی میں ہے:

بموت احدھما وطلاقھا یسقط المفروض الا اذا استدانت بامر القاضی[4]۔ — بیوی اور خاوند میں سے کسی ایک کے فوت ہو جانے یا طلاق ہو جانے پر سابقہ مقررہ نفقہ ساقط ہو جائیگا لیکن اگر قاضی کے حکم پر بیوی قرض لے کر خرچ کرتی رہی تو وُہ قرض ساقط نہ ہوگا۔ (ت)

البتہ ائمہ شافعیہ کے نزدیک جب ایام مذکورہ کا نفقہ نہ ملا شوہر پر مطلقًا دین ہے کہ کسی کی موت سے

---

[1] الکمثری علی الانوار — الطرف الثالث فی موانع النفقۃ — مطبعۃ جمالیۃ مصر — ۲/ ۲۲۸

[2] قرۃ العین فی شرح فتح المعین — فصل فی النفقۃ — عام الاسلام پور پریس اترو انگاری کیرِ — ص ۲۲۰ تا ۲۲۲

[3] الانوار لاعمال الابرار — الطرف الثالث فی موانع النفقۃ — مطبعۃ جمالیۃ مصر — ۲/ ۲۲۸

[4] درمختار شرح تنویر الابصار — باب النفقۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۲۷۰

ساقط نہ ہوگا تنے کا دعوٰی ان کے نزدیک کرسکتی ہے۔ ہدایہ حنفیہ میں ہے:

قال الشافعی رحمہ اللہ تعالٰی تصیر دینا قبل القضاء ولا تسقط بالموت لانہ عوض عندہ فصار کسائر الدیون[1]

امام شافعی رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: قاضی کے حکم کے بغیر بھی بیوی کا لیا ہُوا قرض برائے نفقہ، موت کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا، کیونکہ ان کے نزدیک نفقہ معاوضہ ہے لہذا دوسرے واجب الادا امور کی طرح ہوگا۔ (ت)

انوارِ شافعیہ میں ہے:

لولم یکسہا مدۃ صارۃ علیہ دینا[2]۔

اگر کچھ مدت بیوی کو لباس نہ دیا تو وُہ خاوند کے ذمہ قرض ہوگا۔ (ت)

اُسی میں ہے:

لوماتت فی اثنائہ بلاقبض فدین فی ذمتہ[3]۔

اگر بیوی اسی اثناء میں فوت ہوجائے تب بھی خاوند کے ذمہ واجب الادا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۲

از گنگھر مرسلہ شیخ احمد بخش ۵ رمضان المبارک ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ ہندہ ساتھ بکر کے تیرہ ۱۳ برس ہُوئے جب بطور زوجہ اور شوہر بہ تعیین مہر ۵عہ ہزار روپے اور دس دینار سُرخ کے اُس کے مکان میں رہی آٹھ برس تک برابر رہی ہندہ کے جانے سے مکان میں بکر کے دو برس کے بعد بکر کو بیماری جذام کی شروع ہُوئی جب سے چھ برس تک ہندہ سے اور بکر سے صحبت مثل زن وشوہر کے نہیں ہُوئی اُس کے بعد آٹھ برس کے ہندہ کو بکر نے اپنے گھر سے نکال دیا ہندہ اپنی گزراوقات جس طرح ممکن ہُوا کرتی رہی مکان سے نکال دینے سے چھ ماہ بعد ہندہ پر بکر نے دعوٰی فراری فوجداری میں دائر کیا اُس میں ہندہ نے زوجیت سے انکار کیا اور بکر نے بجائے ۵عہ ہزار روپے کے سَو روپے کے مہر کا اقرار کیا کچہری فوجداری نے زوجہ ہونا قائم رکھا بعد اُس کے سال بھر بعد دلاپانے زوجہ کا دعوٰی دیوانی میں دائر کیا اُس وقت حسبِ تصفیہ باہمی یہ طے ہُوا کہ ہندہ جہاں چاہے رہے اس عرصہ پانچ برس سے نان نفقہ نہیں دیتا ہے اور عرصہ تیرہ برس سے بوجہ بیماری صحبت نہیں ہُوئی اور بکر نے واقعی

---

[1] الہدایۃ باب النفقۃ المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۴۲۰

[2] الانوار لاعمال الابرار کتاب النفقات الطرف الثانی فی کیفیۃ الانفاق مطبعۃ جمالیۃ مصر ۲/ ۲۲۵

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

مہر سے انکار کیا اور نان نفقہ نہیں دیتا ہے اور قابل صحبت کے نہیں ہے تو ایسی صورت میں کیا چارہ ہندہ کے واسطے ہونا چاہئے ہندہ خلع یا طلاق پاسکتی ہے یا کیا ہندہ نان نفقہ اور کرایہ مکان پاسکتی ہے یا نہیں کیونکہ بکر اپنی زوجہ کے ساتھ معہ اپنی دختر کے ایک کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں اور ہندہ علیحدہ ایک مکان میں بکر کے مکان سے بفاصلہ ایک جریب کرایہ پر رہتی ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بکر پر نان ونفقہ ومسکن ہندہ کا انتظام لازم ہے جبکہ ہندہ اپنے آپ کو اس کی قید میں رکھے، آوارہ گرد کا نان نفقہ نہیں ہوتا، اگر ہندہ اپنی جانب سے کوئی بات سقط نان ونفقہ نہ کرے اور بکر پھر بھی نفقہ نہ دے تو حاکم بکر کو مجبور کرے کہ نفقہ دے ورنہ طلاق دے، یا بکر راضی ہو تو ہندہ اُس سے مہر وغیرہ مال پر خلع کرلے بغیر اس کے جب تک بکر زندہ ہے اگرچہ بیمار ہے ناقابل صحبت ہوگیا ہندہ خود مختار نہیں ہوسکتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۴۳ ازسنگ پور مرسلہ ابراہیم صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص بعارضہ جذام مبتلا ہوکر بستی سے نکل گیا مگر اپنی زوجہ کو باوجود علیحدگی بھی طلاق نہیں دیتا، عورت مذکور از حد خواہش نکاح رکھتی ہے، دیگر ایک شخص مسمی رستم نے اُسی عورت مندرجہ بالا سے زنا کیا جس کا وہ مقر ہے زیادہ ثبوت کی حاجت نہیں برادران اسلام نے اس جرم پر اُس کا حقہ پانی سلام وکلام ترک کردیا ہے اب وہ نادم اور توبہ کار ہے لہٰذا اُس کو ملانا چاہتے تو آیا وہ اس طریقہ سے شامل برادران اسلام ہوسکتا ہے؟ فقط والسلام۔

الجواب

اگر وہ شخص عورت سے صحبت کرسکتا ہے اور اس کے ادائے حق پر قادر ہے تو اُس پر واجب نہیں کہ عورت کو طلاق دے اور عورت اُس سے جُدائی نہیں کرسکتی، اور اگر اُس کا حق ادا کرنے پر قادر نہیں تو اُس پر واجب ہے کہ عورت کو طلاق دے دے، اگر نہ دے گا گنہگار ہوگا اس صورت میں کہ طلاق اس پر واجب ہو اور نہ دی اگر جبراً اُس سے طلاق لے لی جائے تو ہوجائے گی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا۔ رواہ ابوداؤد والحاکم بسند صحیح عن ابی ھریرۃ

ہمارے گروہ سے نہیں جو کسی کی عورت کو اس سے بگاڑ دے (اس کو ابوداؤد اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الطلاق آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۹۶
المستدرک للحاکم باب لیس منا من خبب امرأۃ علی زوجھا الخ دار الفکر بیروت ۲/ ۱۹۶

والطبرانی فی الصغیر و نحوہ فی الاوسط عن ابن عمر وفی الاوسط کابی یعلی بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے، اور طبرانی نے صغیر میں اور ایسے ہی اوسط میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اور اوسط میں ابویعلٰی کی طرح ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۴ از بلرام پور ضلع گونڈہ متصل یتیم خانہ مرسلہ نذر محمد صاحب ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے پیرسالگی میں ہندہ نوجوان سے نکاح کیا بعد چندروز کے ہندہ اور زید میں طرح طرح کی مخالفتیں واقع ہوئیں اور بوجہ بدکرداری زید کے ہندہ نے زید سے طلاق مانگا اس شرط پر کہ میں مہر معاف کردوں اور تم طلاق دے دو زید نے نہ مانا مجبور ہوکر ہندہ نے اپنا معاملہ حاکم تحصیل کی کچہری میں پیش کیا حاکم تحصیل نے ہندہ کو طلاق کی ڈگری دے دی اب ہندہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اگر عورت جوان و طاقتور ہے اور شوہر بڈھا فرتوت ہے عورت شوہر کے پاس نہیں رہنا چاہتی اور شوہر چھوڑنا نہیں چاہتا تو شرعًا کیا صورت اختیار کرنی چاہئے؟

الجواب

لا الٰہ الا اللہ بے شوہر کے طلاق دئے طلاق تحصیلدار کے دئے نہیں ہوسکتی قال اللہ تعالٰی بیدہ عقدۃ النکاح[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: نکاح کی گرہ صرف خاوند کے ہاتھ میں ہے۔ ت) دوسری جگہ نکاح کرے گی تو حرام قطعی و زنا ہوگا قال اللہ تعالٰی والمحصنٰت من النساء[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا، اور حرام ہیں منکوحہ عورتیں۔ ت) ہاں شوہر پر فرض ہے کہ اُسے اچھی طرح رکھے اس کے حقوق ادا کرے اگر وہ اس پر قادر نہیں تو اس پر فرض ہے کہ اُسے طلاق دے دے،

قال اللہ تعالٰی فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو طلاقوں کے بعد بیوی کو حُسنِ سلوک سے پاس رکھو یا اُن کو بھلائی کے ساتھ فارغ کردو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۵ از بلرامپور محلہ پورنیا تالاب ضلع گونڈہ مرسلہ محمد تیغ بہادر خاں ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت ہندہ نے اپنے شوہر زید پر بحالتِ نزاع

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۷
[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۴
[3] القرآن الکریم ۶۵/ ۲

کچہری دیوانی میں دعوئ طلاق دائر کیا، شہادت وغیرہ پیش کرکے عورت نے اپنی طلاق کی ڈگری حاصل کرلی اب یہ عورت از رُوئے شرع شریف دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اور اگر بعد طلاق حاصل کردہ شوہر اوّل اُس سے بعد چار پانچ ماہ کے رجعت کرے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر واقع میں زید نے طلاق دی تھی اور ہندہ نے سچا دعوٰی کرکے ڈگری لی تو اگر طلاق بائن تھی تو بعد عدت مطلقاً اور اگر رجعی تھی تو اس شرط پر کہ زید نے عدت میں رجعت نہ کی ہو نکاح کرسکتی ہے، اور اگر زید نے واقع میں طلاق نہ دی تھی ہندہ نے جھوٹے گواہ پیش کرکے ڈگری لے لی یا طلاق رجعی دی تھی اور ختم عدت سے پہلے زید نے رجعت کرلی تو ہندہ کو دُوسری جگہ نکاح حرام قطعی ہے اگر کرے گی زنا ہوگا قال اللہ تعالٰی والمحصنٰت من النساء[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) حیض والی عورت کی عدت تین حیض ہیں جو طلاق کے بعد شروع ہوکر ختم ہوں،

والمطلقٰت یتربصن ثلٰثۃ قروء[2] طلاق دی ہُوئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک پابند کریں (ت)

اگر اس چار پانچ مہینے میں تین حیض شروع ہوکر ختم نہ ہوچکے ہوں تو شوہر رجعت کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۶: از بریلی محلہ بہاری پور مرسلہ غلام مرتضٰے صاحب ۱۶ شعبان ۱۳۲۶ھ

ہندہ صالحہ ہے اور اس کا شوہر فاسق فاجر موذی معلن سود خوار ہے اور شرابی وعیاش ہے، ہندہ کو مارپیٹ کرتا تھا بلکہ چاقو چھُری سے آمادہ رہتا تھا اور ایک بار چاقو مارا کہ جس سے کھائی دہنے ہاتھ کی کٹ گئی، دوسری مرتبہ ایک چاقو مارا جس سے بائیں ہاتھ کی کلائی میں زخم پہنچا جس کے ہر دو نشان اب تک موجود ہیں، اکثر عورت کو شراب پینے پر بحالتِ نشہ مجبور کرتا تھا، چنانچہ ایک بار اس کے جبر پر ہندہ نے شراب خواری سے نفرت ظاہر کی تو اُس کے وہی گلاس مارا جس سے اس کے چوٹ لگی اور آنکھوں میں شراب پڑی جس سے آنکھیں دُکھ آئیں اور عرصہ تک تکلیف رہی اور شخص مذکور تعلق ناجائز کئی عورتوں سے رکھتا تھا ان میں سے ایک عورت سے نکاح کرلیا تھا چند روز بعد اُسے مارپیٹ کر نکال دیا شوہر کی ان حرکاتِ ناشائستہ سے ہندہ نہایت پریشان رہتی تھی اور ان بدچلن عورتوں کو اکثر گھر میں رکھتا تھا آخرکار

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۲۴ [2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

مجبورًا ہندہ کے والدین نے عرصہ ساڑھے سال کا ہُوا بٹھالیا اس مدّت میں شوہر ہندہ نے نان ونفقہ کی کچھ خبر نہ لی اور بدچلنی اُس کی اب تک برابر اُسی روش پر ہے عرصہ ڈھائی سال کے قریب ہُوا کہ ایک عورت اور کرلی ہے اسی دوران میں شوہر نے نالش دلاپانے زوجہ کے دائر کی کہ وُہ بوجہ ثبوت بدچلنی کے خارج ہوگئی پھر شوہر نے اپیل بھی کی وُہ بھی خارج ہوگئی ہندہ کی یہ خواہش ہرگز نہیں ہے کہ میں اس موذی کے گھر جاؤں کیونکہ علاوہ دیگر تکالیف کے اب اندیشۂ جان بھی غالب ہے اس لئے کہ نالش مذکور خارج ہوجانے سے مخالفت باہمی بہت کچھ بڑھ گئی ہے پس اس صُورت میں علمائے دین سے استفسار ہے کہ شوہر سے طلاق یا دست برداری ہوسکتی ہے یا نہیں، اور شرعًا فسخ نکاح بھی کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں عورت پر ہرگز جبر نہ ہوگا کہ شوہر کے یہاں جائے کہ اس میں دینی دُنیوی وجانی و جسمانی اُس کا ہر طرح کا ضرر ہے جان جانے کا اندیشہ باقی و موجود اور ضرر شرعًا واجب الدفع ہے۔ اللہ عزّوجل فرماتا ہے؛ ولا تضاروھن[1] عورتوں کو ضرر نہ پہنچاؤ۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں؛

لاضرر ولا ضرار فی الاسلام[2]۔ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ کسی کو ضرر دینا۔

پس اگر کچھ لوگ صالحین واہلِ دین میسر ہوسکیں جن کی حمایت میں عورت کا رہنا شرعًا بھی جائز ہو اور وہ اُس کی نگہداشت کافی طور پر کرسکیں اور شوہر اس کے دین جسم وجاں پر تعدّی نہ کرنے دیں جب تو عورت وہاں اپنے آپ کو سپردِ شوہر کرتی کہ اس میں دونوں کے حق مراعات رہتے۔ ردالمحتار میں ہے؛

فی البحر لو قالت انہ یضربنی ویؤذینی فمرہ ان یسکننی بین قوم صالحین فان علم القاضی ذٰلک زجرہ ومنعہ عن التعدی فی حقھا والا یسأل عن صنیعہ فان صدقوھا منعہ عن التعدی فی حقھا ولا یترکھا ثمہ

بحر میں ہے اگر بیوی نے قاضی کو درخواست دی کہ خاوند مجھے مارتا اور اذیت دیتا ہے تو اسے حکم دیجئے کہ مجھے نیک لوگوں میں سکونت دے، اگر قاضی خود اس معاملہ سے آگاہ ہو تو خاوند کو ڈانٹے اور مارنے اور زیادتی سے منع کرے، ورنہ پڑوسیوں سے خاوند کے رویّے کے متعلق معلوم کرے اگر وہ بیوی کی تصدیق کریں تو قاضی خاوند کو زیادتی سے منع

---

[1] القرآن الکریم ۶۵/۶

[2] معجم اوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/۹۱

30
30

وان لم یکن فی جوارھا من یوثق بہ او کانوا یمیلون الی الزوج امرہ باسکانھا بین قوم صالحین[1]۔

کرے ورنہ اسی مسکن میں رہنے دے، اور اگر اس کے پڑوس میں کوئی ثقہ آدمی نہ ہو یا پڑوسی خاوند کی طرفداری کریں تو خاوند کو پابند کرے کہ وہ بیوی کو نیک لوگوں میں رہائش دے۔ (ت)

مگر غیر لوگوں سے اس زمانے میں نہ ایسی اُمید نہ ایسے لوگ ملیں گے اور شوہر کے یہاں خوف ظاہر ہے تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو عورت اپنے والدین کے یہاں رہے اور شوہر پر نان نفقہ لازم کیا جائے لانھا لیست بناشزۃ لان امتناعھا بحق (کیونکہ وہ نافرمان نہیں کیونکہ اپنے حق کے لئے وہ خاوند کو جماع سے روکتی ہے۔ ت) پھر اگر اُس کے ساتھ خلوت میں اندیشہ ہو تو اس سے منع کریں اور یہی صورت بہتر ہے، اور اگر اب اندیشہ صحیحہ ہو اور بند وبست کافی کی اُمید نہ ہو اور فی الواقع شرابی کا بندوبست ناممکن سا ہے تو حاکم شوہر پر جبر کرے کہ عورت کو طلاق دے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے،

فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف[2]۔

ان کو پاس روکے رکھو بھلائی کے ساتھ، یا ان کو فارغ کردو بھلائی کے ساتھ۔ (ت)

عورتوں کو یا تو اچھی طرح رکھو یا اچھی طرح چھوڑدو، جب اچھی طرح رکھنا نہیں تو اچھی طرح چھوڑنا اس پر واجب ہُوا اور ترکِ واجب گناہ ہے اُس گناہ پر حاکم سزا دے سکتا ہے،

کما فی البحر والدر وغیرھما ان کل مرتکب معصیۃ لاحد فیھا فیھا التعزیر[3]۔

جیسا کہ بحر میں ہے کہ وہ گناہ جس پر حد نہ ہو اس پر تعزیر ہوتی ہے۔ (ت)

بغیر اس کے بطورِ خود فسخ نکاح کی صورت ہمارے یہاں مذہب میں نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۷: از موضع گھورنی ڈاک خانہ کرشن گڑھ ضلع ندیا ۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

فسخ نکاح بھروجیکہ بود بلا تفرقہ قاضی شرع وبشرط نبودن قاضی شرع بلا حکم حاکم وقت میتواند شد یانہ، و دریں بلادِ ما

نکاح کا فسخ جیسے بھی ہو، قاضی کی تفریق کے بغیر، اور قاضی شرع نہ ہونے کی وجہ سے وقت کے حاکم کے بغیر، ہوسکے گا یا نہیں، اور ہمارے ملک

---

[1] ردالمحتار باب النفقۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۶۴

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

[3] درمختار باب التعزیر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۲۷

کہ قاضی شرع عدیم الوجود است حکم حاکم غیر مسلم نایب مناب تفرقہ قاضی میتواند شد یا نہ و بتقدیر جواز نیابت اذن اولا بدلیست یا نہ؟

میں شرعی قاضی موجود نہیں تو کیا غیر مسلم حکمران قاضی کے قائم مقام ہوکر نکاح کو فسخ کرسکتے ہیں یا نہیں، اور اگر یہ فسخ کرسکتے ہیں تو کیا نیابت کیلئے ان کو اجازت حاصل کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (ت)

الجواب

فسخ نکاح بر دوگونہ است یکے آنکہ حقاً للشرع باشد مقارن ہمچو نکاح زنے بر خواہرش یا اصولش فروع ممسوسہ یا آنکہ حرمت رضاعت داشتہ باشد الٰی غیر ذٰلک خواہ طاری چوں آنکہ رضاع یا مصاہرت بعد نکاح حرمت آرد یا شوہر مرتد شود والعیاذ باللہ تعالٰی درہمچو صور ہیچ حاجت قضا نیست بر ہریک زن وشو واجب است فسخ کردنش اعظاماً للشریعۃ واعداماً للمعصیۃ نص علیہ فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار دوم آنکہ برائے حق زن باشد چوں خیار بلوغ وعنین وغیرہا اینجا قضائے قاضی شرط است تنہا زن یا ولی او باو مستبد نتواں شد اگر ولی بے تفریق قاضی جدا کردہ بزنے دیگر دہد حرام باشد زیرا کہ حق زوج باو متعلق ست وشرع حکم بتفریق نہ فرمودہ است واصل ایں منصب شرع مطہر راست کہ کار کار دین ست پس ایں تفریق نرسد مگر قاضی را کہ نائب

نکاح کا فسخ دو قسم ہے، ایک شرع کی پاسداری کیلئے، اور یہ شرعی حق نکاح کو ابتداء سے عارض ہو، جیسے بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح، یا بیوی کے اصول (ماں، دادی) وغیرہ یا فروع (بیوی کی پہلی بیٹی) کو شہوت سے چھُوا ہو، یا بیوی رضاعت کی وجہ سے حرام ہو وغیر ذالک، یا شرعی حق نکاح کے بعد لاحق ہُوا، مثلاً رضاعت یا مصاہرت کی حرمت نکاح کے بعد عارض ہوئی ہو، والعیاذ باللہ تعالٰی، خاوند مرتد ہوگیا ہو تو ان تمام صورتوں میں فسخ نکاح کے لئے قاضی کی کوئی ضرورت نہیں، بلکہ مرد وعورت دونوں پر لازم ہے کہ وُہ فسخ قرار دے کر جدائی اختیار کریں تاکہ شریعت کی تعظیم اور گناہ سے اجتناب کیا جاسکے، اس پر درمختار وغیرہ معتبر کتب میں تصریح کی گئی ہے۔ فسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ بیوی کے حق کی وجہ سے فسخ کیا جائے مثلاً بیوی کو بالغ ہونے پر فسخ کا اختیار حاصل ہو یا خاوند نامرد ہو وغیرہ، تو اس قسم میں فسخ کے لئے قاضی شرط ہے، بیوی یا اس کے ولی کو مستقل اختیار نہیں کہ وُہ قاضی کے بغیر جُدائی کا فیصلہ کریں، اگر اس صورت میں ولی نے قاضی کے بغیر ہی عورت کا دوسرے سے نکاح کردیا تو یہ نکاح حرام ہوگا کیونکہ ابھی پہلے

شرع مطہر است چنانکہ امامت در نماز حق حکام ست فاما شرط اسلام ست۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

خاوند کا حق اس عورت پر باقی ہے، اور شرعاً یہ تفریق نہ ہوگی کیونکہ دینی معاملہ ہے جس میں شرع کو ہی حق ہے، لہٰذا یہ کارروائی قاضی کے بغیر نہ ہوسکے گی کیونکہ وہی شرع کا نائب ہے، جیسا کہ نماز میں حقِ امامت حاکم کو ہی حاصل ہے، ہاں مسلمان ہونا شرط ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۴۸: سائل مذکور الصدر (سائل وہی جو پہلے مذکور ہے۔ ت)

زنے را کہ شوہرش دیوانہ شدہ از سہ چہار سال بہسپتال مقید گردیدہ است میرسد کہ بلا تفرقہ قاضی شرعی یا بلا حکمِ حاکم فسخ نکاح خود کند یا نہ و بلا انقضائے عدت فسخ با دیگرے نکاح خود میتواند کرد یا نہ یا ولی او را میرسد کہ بطلب او یا بلا طلب او تفریق را و بلا تفرقہ قاضی محض بجہت مجنون شدن شوہرش نکاح او بدیگرے کردہ بدہد یا نہ و بوقتِ ضرورت مثلاً خوفِ زنا و احتیاجِ نفقہ وغیرہ عمل بمذہب دیگر یا بقول غیر مفتی بہ از اقوال کسے از ائمہ حنفیہ روا باشد یا نہ و بشرطِ جواز قول کسے در بارۂ جواز فسخ نکاح آں مجنون الزوج را بلا تفرقہ قاضی ہست یا نہ، و درصورت عدم فسخ نکاح حکم ناکح و منکوحہ و منکح چیست۔

جس عورت کا خاوند دیوانہ ہونے کی وجہ سے تین چار سال سے ہسپتال میں پابند ہے ایسی عورت کو یہ اختیار ہے کہ وہ قاضی کی تفریق کے بغیر یا حکمِ حاکم کے بغیر اپنا نکاح فسخ کرلے یا نہیں؟ اور فسخ کی عدت پوری کئے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ یا کیا اس کے ولی کو یہ اختیار ہے عورت کے مطالبہ پر یا بغیر مطالبہ خود ہی قاضی کی تفریق کے بغیر صرف خاوند کے مجنون ہونے کی بنا پر دوسرے شخص سے اس عورت کا نکاح کردے یا نہ؟ اور کیا بوقتِ ضرورت مثلاً زنا یا نفقہ کی محتاجی کے خطرہ پر غیر مفتٰی بہ قول کے مطابق حنفی مذہب کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل جائز ہوگا یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دوسرے کسی امام کے مذہب پر خاوند کے مجنون ہونے پر قاضی کے بغیر فسخِ نکاح کا اختیار ہے یا نہیں؟ قاضی کے فسخ کے بغیر عدمِ جواز کی صورت میں نکاح کرانے والے اور نکاح کرنے والے مرد اور عورت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

شوہر اگر مجنون گردد نزد ما ہیچ گاہ فسخ نکاح نتواں شد و اگر قاضی شرع مقلد حنفی حکم بفسخ کند نیز باطل ست اذلیس للمقلد ان

خاوند اگر مجنون ہوجائے تو کسی طرح بھی ہمارے مذہب حنفی میں نکاح کا فسخ جائز نہیں ہے۔ اگر قاضی حنفی مذہب کا مقلد ہو تو اگر وہ فسخ کرے گا تو اس کا

یخالف مذھبہ درتصحیح القدوری علامہ قاسم باز در درمختارست الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع ومجتہد خود از صدہا سال مفقود است، آرے اگر قاضیِ شرع شافعی المذہب باشد یا حنفی مگر سلطان کہ اورا بر قضا داشتہ است اذن دادہ باشد کہ مثلاً ہنگامِ ضرورت بقول مرجوح فی المذہب یا بمذہب دیگر قضا کنی آں گاہ قضائے او صحیح و نافذ باشد و پیداست کہ ایں تفریق اگر باشد بخاطر زن باشد نہ حقاً للشرع و بالا گفتہ ایم کہ درینچنیں جا اگر بے تفریقِ قاضیِ شرع ولی بزنے دیگر دہد یا زن خودش بدیگرے نکاح کند زنہار جائز نیست ناکح ومنکوحہ ہر دو بزہ کار و منکح نیز اگر بریں حال مطلع باشد بوقتیکہ ضرورت اگر صادقہ باشد عمل بقول مرجوح یا مذہب امام دیگر درآں خاص مسئلہ مبتلا برائے نفس خودش عمل میتواں کرد فاما مفتی را نمی رسد کہ باو فتوی دہد یا قاضی مقلد مقید بالقضا بالمذہب باو حکم تواں کرد و اگر کند باطل شد کما قد مناوکل ذلک مصرح بہ فی الکتب المعتمدۃ و آنکہ برائے نفس خودش باو عمل کند واجب ست کہ جملہ شرائط آں قول مرعی دارد مثلاً قول امام محمد در تفریق زن مجنون شرط تفریقِ قاضی کہ بے روبراں قول مرجوح ہم عمل نباشد بلکہ بہوائے نفس والعیاذ

فسخ باطل ہوگا کیونکہ مقلد اپنے مذہب کی مخالفت نہیں کرسکتا، قدوری کی تصحیح میں علامہ قاسم نے اور پھر درمختار میں فرمایا کہ فتوٰی اور فیصلہ قولِ مرجوح پر جہالت ہے اور اجماع کے خلاف ہے، اور مستقل مجتہد صدیوں سے مفقود ہے، ہاں اگر شافعی یا حنفی قاضی کو سلطان نے عہدہ پر مقرر کرتے ہُوئے یہ اجازت دی ہو کہ وُہ ضرورت کی بنا پر اپنے مذہب کے مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر فیصلہ کرسکتا ہے تو اس قاضی کا فیصلہ صحیح ہوگا اور نافذ بھی ہوگا۔ اور یہ واضح ہے کہ اگر یہ تفریق ہوگی تو عورت کی خاطر ہوگی، شریعت کے حق کے لئے نہ ہوگی جبکہ ہم اُوپر بیان کرچکے ہیں کہ ایسی صُورت میں اگر ولی نے یا خود عورت نے قاضی کی تفریق کے بغیر دوسرے شخص سے نکاح کیا تو ہرگز جائز نہ ہوگا، نکاح کے دونوں فریق اور نکاح کرکے دینے والے زناکاری میں مبتلا ہوں گے بشرطیکہ نکاح پڑھانے والے کو صورتِ حال کا علم ہو، ضرورت اگر صحیح اور واقعی ہو تو پھر مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر مبتلا شخص کو چاہئے کہ وُہ خود عمل کرے لیکن مفتی ہرگز فتوٰی نہیں دے سکتا، اور وُہ قاضی بھی جو اپنے مذہب کے مطابق فیصلے کرنے کا پابند ہو وہ بھی ایسا فیصلہ نہیں کرسکتا اگر فیصلہ کرے گا تو وُہ بھی باطل ہوگا، جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور قابلِ اعتماد کُتب میں اس کی تصریح موجود ہے، اور اگر مبتلا شخص خود دُوسرے

لے [1] درمختار مقدمۃ کتاب رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ مذہب یا مرجوح قول پر عمل کرے تو ضروری ہے کہ وہ ان تمام شرائط کی رعایت کرے، مثلاً امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے مجنون کی بیوی کے متعلق تفریق کے جواز کو قاضی سے مشروط کیا ہے اس کے بغیر مرجوح قول پر بھی تفریق جائز نہ ہوگی بلکہ یہ نفسانی خواہش کی پیروی ہوگی۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۹ از اعظم گڈھ ڈاکخانہ مبارکپور محلہ پرانی بستی متصل مکان ناظر جی مرسلہ حبیب اللہ ولد بابو ۱۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک لڑکی کا نابالغی میں نکاح ہُوا اور وُہ بی بی میکے سے اب تک رخصت ہوکر سسرال نہیں گئی عرصہ تین برس کا ہُوا کہ شوہر بیمار ہوگیا ہے اور برابر علاج بھی ہو رہا ہے مگر کوئی دوا فائدہ نہیں کرتی اور نہ کوئی حکیم مرض کا پتا بتائے کہ کون سا مرض ہے اب شوہر کی یہ حالت ہے کہ کوئی عضو کام کرنے کے لائق نہیں ہے ہر عضو سے معذور ہے، نہ چل سکتا ہے نہ کھڑا ہوسکتا ہے اور پاخانہ پیشاب سے بالکل معذور ہے اور زبان بھی درست نہیں ہے کہ زبان سے کوئی بات صاف نکلے کہ جو کوئی سمجھ سکے بلکہ پاخانہ پھرتا ہے تو دوسرا شخص آبدست لے دیتا ہے یہی حالت آج تین برس سے ہے اور وُہ باولے کی شکل ہوگیا ہے اپنے کپڑے کا کچھ خیال نہیں کرتا ننگا مادرزاد بھی ہوجاتا ہے اپنا خرچ بھی نہیں چلا سکتا اور نہ عورت کا چلا سکتا اور نہ شوہر اور نہ شوہر کے والدین نے اُس عورت کے نان نفقہ کا ابھی تک خیال کیا، لڑکی کے والدین عاجز ہوکر کے آپ کے پاس یہ سوال حبیب اللہ ولد بابو نے روانہ کیا ہے، ان سب حالتوں میں لڑکی کا نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یہ سب حالت اور واقعہ سچا تحریر ہے۔

الجواب

ان وجوہ سے نکاح فسخ نہیں ہوسکتا، درمختار میں ہے:

لایتخیر احد الزوجین بعیب الأخر ولو فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن[1]

خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بنا پر فسخ کا اختیار نہیں ہے اگرچہ وُہ عیب واضح ہو مثلاً جنون، جذام، برص یا عورت کی شرمگاہ میں تنگی یا اس میں ہڈی یا غدود پیدا ہوگئی ہو۔ (ت)

اُس میں ہے:

---

[1] دُرمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

ولایفرق بینھما بعجزہ عنھا ای عن النفقۃ ولوقضی بہ حنفی لم ینفذ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

خاوند اگر نفقہ دینے سے عاجز ہو تو بھی تفریق جائز نہیں، اگر حنفی قاضی نے ایسا فیصلہ دیا تو نافذ نہ ہوگا۔ (ت)

مسئلہ ۲۵۱ تا ۲۵۴: از بمبئی پوسٹ ۹ پیرولین مرسلہ مولوی محمد حسین صاحب منیجر طلسمی پریس ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی ہندہ سے ہُوئی ۷ سال ہوئے اور اس تمام زمانہ کا خرچہ والدین پر رہا زید کوئی کام کرنا نہیں چاہتا اپنے چھوٹے بھائی کی معمولی آمدنی پر اپنا بار ڈالے ہُوئے ہے اسی وجہ سے زید کے والد بھی ناخوش ہیں کہ باوجود ان کے بہت سمجھانے کے بھی کچھ کام کرنا نہیں چاہتا، ہندہ کے والد کے انتقال کے بعد زید کو اس کی خوشدامن نے بلاکر سمجھایا مگر وُہ نہ مانا اور اپنے مکان جاکر یہ خط بھیج دیا بعدہٗ ہندہ کی والدہ نے انتقال کے بعد ہندہ کے ایک رشتہ دار بھائی نے خط وکتابت کی اس لئے کہ حقیقی کوئی بھائی بھی نہیں ہے لہذا دریافت طلب یہ امر ہے کہ مندرجہ ذیل عبارات پر فسخ نکاح یا تفویض طلاق کا حکم ہوسکتا ہے یا نہیں اور بفتوائے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی بحالت عدم وصولی نان نفقہ کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

(۱) خط خوشدامن کے نام، ماسوا اس کے میں تمہارا کوئی مزاحم نہیں اور نہ میں تمہارے کسی کام میں دخل دے سکتا ہُوں مجھے تمہاری کسی خیریت اور خبر کی ضرورت نہیں ہے صرف اپنی لونڈیا کی وجہ سے خط بھیجتا ہوں تمہارے ہر کام کا تم کو اختیار ہے ہم کوئی نہیں ہیں کیوں دخل دیں گے جو تمہارے لوگوں کے مزاج میں آوے وہ کرو، بعد انتقال والدین عمرو رشتہ کے بھائی نے خط بھیجا کہ اب تو خبرگیری کرو اب نہایت نازک وقت ہے اس کا جواب درج ذیل ہے۔

(۲) ذرا قرآن اور حدیث کو سامنے رکھئے اور پھر تصفیہ کیجئے گا کہ مرد پر کون سی عورت کا حق ہے اور کس وجوہات سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے بہت معاملات اور عادات ایسے ہیں کہ اگر مرد ان عادات کو عورت کی گوارہ کرے تو جہنمی ہوجائے وہ میری نیکبخت بیوی میں سب موجود ہیں، بعدہٗ یہ لکھنے پر کہ خبرگیری کرو اور خبرگیری اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے تو صاف صاف علیحدگی کے الفاظ لکھ دو اگر کوئی صورت بھی منظور کرتے ہو تو میں یہ رعایت کروں گا کہ بحالت یکجائی اب تک کے حقوق ہندہ سے معاف کرادوں گا اور بحالتِ علیحدگی مہر بھی، تاکہ عند اللہ بھی آپ ماخوذ نہ رہیں۔

---

[1] درمختار باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

(۳) جواب: آپ کا تو اب یہ خیال ہے جناب قبلہ خواشدامن صاحبہ نے بعد انتقال خسر صاحب مجھ کو یہاں سے بُلایا اور مجھ سے بجائے اس کے کہ وُہ رکھنے پر مجبور کرتیں یہ کہا کہ تم طلاق دیدو تو بہتر ہے میں خاموش ہورہا اگر میں طرح نہ دے دیتا تو جب ہی معاملہ طے تھا مگر مجھے خیالاتوں سے واقفیت ہوگئی اور میں نے پھر وہاں رہ کر انتظار کیا کہ شاید مزاج عالی درست ہوجائے مگر ماشاء اللہ اُس مزاج مبارک نے وہ عروج حاصل کیا کہ ہمیشہ سے چہار چند سوار نگر دکھلایا خیر مجھے کچھ شکایت نہیں ہے میں ایسے نافرمان متکبر لوگوں کی صحبت میں کبھی رہنا پسند نہیں کرتا اس واسطے کہ میں خود بدطینت ہُوں اس وجہ سے بہتر ہے کہ وُہ بھی آزادانہ زندگی بسر کریں میری بھی یہی رائے ہے لیکن یہ لکھ دیجئے کہ زہرہ کا کیا حشر ہوگا یہ فیصلہ آپ کے سر ہے جو آپ کردیں اگر زہرہ کو بھی دے دیں تو آپ کی مرضی، میں تیار ہوں، اگر آپ نہ دیں تو بھی راضی ہُوں، بہرحال جو تصفیہ آپ کریں اس خط کے جواب پر آپ جو چاہیں گے میں لکھ دُوں گا (لعدہٗ دوسرا خط آیا)

(۴) برائے کرم جواب سے خط ہذا کے مطلع فرمایئے تاکہ جو رائے ہو اُس پر عمل درآمد کیا جائے اس پر عمرو کے یہ لکھنے پر کہ زہرہ ابھی صغیر سن ہے اور تم لوگوں کی صُورت سے ناآشنا ایسی حالت میں اس کو علیحدہ کرنا گویا زندہ درگور کرنا ہے، لہذا یہ معاملہ آئندہ پر رکھو اور اپنی علیحدگی کی تحریر دو چار دستخط کرا کے بھیج دو تمہارے اطمینان کو یہ لکھے دیتے ہیں کہ ہندہ کے تمام حقوق بشرطیکہ تم اپنی تحریر ایسی بھیجد و معاف ہیں (اس کا جواب یہ آیا)

(۵) میں یہ نہیں چاہتا کہ فی الحال زہرہ آپ لوگوں سے علیحدہ کی جائے کیونکہ ابھی وُہ صغیرہ ہے جب تک وہ ہوشیار نہ ہوجائے تب تک میں اس کو وہاں رکھنا پسند کرتا ہُوں جس وقت وُہ مجھ تک نہ آجائیگی جب تک یہ امر دشوار ہے، فقط۔

الجواب

پہلا خط خوشدامن کے نام ہے اُس میں نہ زوجہ سے خطاب نہ اُس کا ذکر۔ اگر خود زوجہ سے کہتا تم کو اختیار ہے اور تفویضِ طلاق چاہتا تو اختیار بھی اُسی مجلس پر موقوف رہتا نہ کہ اب تک مستمر۔ درمختار میں ہے:

قال لہا اختاری او امرك بیدك ینوی تفویض الطلاق فلہا ان تطلق فی مجلس علمہا بہ مالم تقم او تعمل ما یقطعہ[1]

خاوند نے بیوی کو کہا تجھے اختیار ہے، یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ اور یہ الفاظ بیوی کو طلاق کا اختیار دینے کی نیت سے کہے تو بیوی کو اسی مجلس میں جس میں اس کو اس اختیار کے ملنے کی اطلاع ملی اپنے کو طلاق دینے کا اختیار رہو گا بشرطیکہ وہ سُن کر وہاں سے

---

[1] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶

اُٹھ نہ گئی ہو یا ایسا عمل نہ کیا ہو جس سے اس کا اختیار باطل ہوتا ہو۔ (ت)

اور اگر ہم کوئی نہیں" کی جگہ خود زوجہ سے کہتا " نہ تُو میری زوجہ نہ میں تیرا شوہر" جب بھی طلاق صاحبین کے نزدیک مطلقاً نہ ہوتی،

وفی جواھر الاخلاطی والخلاصة وخزانة المفتین ھو المختار وان نوی۔[2]

جواہر اخلاطی، خلاصہ، خزانۃ المفتین میں ہے کہ اگرچہ نیت کی ہو یہی مختار قول ہے (ت)

اور امام کے نزدیک اس کی نیت پر موقوف رہتی،

قدمه فی الخانیة واقتصر علیه فی البدائع والکنز والملتقی وکان ھو الاوجه۔

خانیہ میں اس کو پہلے ذکر کیا۔ بدائع اور کنز اور ملتقی میں اسی پر اکتفا رکیا، لہذا یہی راجح ہے (ت)

درمختار میں ہے:

لست لك بزوج ولست لی بامرأة طلاق ان نواہ خلافا لھما۔[2] (ملخصاً)

خاوند نے اگر بیوی کو کہا " میں تیرا خاوند نہیں تُو میری بیوی نہیں" طلاق کی نیت سے کہا تو طلاق ہوگی۔ اس میں صاحبین کا قول مخالف ہے (ملخصاً)۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قید بالنیة لانه لایقع بدونھا اتفاقا لکونه من الکنایات واشار الی انه لایقوم مقامھا دلالة الحال لان ذٰلك فیما یصلح جوابا فقط وھو الفاظ لیس ھذا منھا۔[3]

نیت سے مقید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بغیر نیت طلاق نہ ہوگی بالاتفاق، کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے۔ اس میں یہ اشارہ دیا کہ دلالتِ حال، نیت کے قائم مقام نہیں بن سکتا کیونکہ دلالتِ حال وہاں معتبر ہوتا ہے جہاں وُہ فقط جواب بن سکے اور وُہ خاص الفاظ ہیں یہ ان میں سے نہیں ہے۔ (ت)

خطِ دوم میں یہ پوچھا ہے کہ کن وجوہ سے عورت نکاح سے باہر ہوجاتی ہے اسے انشائے طلاق سے کچھ علاقہ نہیں اگرچہ اس کے دل میں یہی کہ ہندہ میں بعض وجوہ ایسی ہوئیں جن کے سبب وُہ نکاح سے

---

[1] خلاصۃ الفتاوی | کتاب الطلاق | مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ | ۲/ ۹۷
[2] درمختار | باب الصریح | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۲۲
[3] ردالمحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۴۵۳

باہر ہوگئی کہ طلاق لفظ سے ہوتی ہے دل کا تصور کچھ نہیں، اسی خط میں اس نے کہا ہے کہ میری بی بی الخ

خطِ سوم میں فیصلہ دوسرے کے سر رکھا ہے اور یہ کہ جو آپ چاہیں گے میں لکھ دوں گا، یہ ایک وعدہ ہے اور وہ ایک رائے ہے کہ بہتر ہے کہ وہ بھی آزادانہ زندگی بسر کریں نہ یہ کہ اُسے آزاد کیا۔

خطِ چہارم میں طلب مشورہ ہے۔

خطِ پنجم میں جب تک زہرہ نہ مل جائے طلاق دینے سے انکار ہے۔

غرض ان خطوط میں کوئی حرف طلاق کا نہیں چارہ کار معززین کے دباؤ خواہ نالش سے مجبور کرنا ہے کہ نان نفقہ دے یا طلاق، بغیر اس کے کوئی صورتِ خلاص نہیں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی نفقہ نہ دینے پر تفریق نہیں کراتے بلکہ عاجز محتاج ہونے پر جو ادائے نفقہ پر قادر نہ ہو اور اگر ہو بھی تو حنفی کو اپنے امام کا اتباع واجب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۵ از رامپور محلہ گھیر یوسف الدین خاں دیوار جنوبی انگوری باغ متصل مسجد پاکھر مطب ۳۴ مسئولہ سید مختار احمد تیمی ڈاکٹر ۷ جمادی الاولٰی

ایک مرد مسلمان کا ایک عورت مسلمان کے ساتھ عقدِ شرعی ہُوا، لیکن اب منکوحہ سے شوہر مذکور کوئی تعلق ظاہری و باطنی نہیں رکھتا اور ہر طرح منکوحہ سے بے پروا ہے ابتدائے نکاح سے ہنوز کوئی بات تخلیہ شوہریت کا بھی نہیں ہُوا ہے معلوم ہُوا کہ شوہر دائرۂ مردانیت سے بالکل بعید ہے یعنی نامرد ہے لہذا اس قسم سے یا ایسے نامرد سے منکوحہ کا نکاح جائز ہے یا ناجائز، اس عورت کو کیا عمل کرنے کی ضرورت ہے، اور موافق حدیث شریف کیا حکم ہے؟

الجواب

نکاح صحیح ہوگیا، عورت بے موت یا طلاق جُدا نہیں ہوسکتی اگرچہ مرد نامرد ہو۔ ہاں چارۂ کار حاکم شرعی کے یہاں دعوٰی ہے وہ اس ثبوت لینے کے بعد کہ مرد اس پر قادر نہ ہوا مرد کو ایک سال کی کامل مہلت دے کہ اپنا علاج کرے اس سال میں عورت مرد سے جُدا نہ رہے اگر سال گزر جائے، اور اب بھی قادر نہ ہو عورت پھر دعوٰی کرے اور حاکم پھر ثبوت لینے کے بعد عورت سے پُوچھے کہ تُو اپنے اس شوہر کے پاس رہنا چاہتی ہے یا اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے، اگر عورت فوراً بلاتاخیر کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا، تو حاکم اُن میں تفریق و جُدائی کردے، یہ تفریق طلاق ہوگئی، اور اب بعدِ عدت عورت دوسرے سے نکاح کرسکے گی ورنہ نہیں، یہ حکم عورت کی جانب ہے، رہا مرد، اُسے حکمِ شریعت ہے کہ جب وہ عورت کا حق ادا نہیں کرسکتا تو اُس پر فرض ہے کہ عورت کو طلاق دے دے، نہ دے گا تو گنہگار و مستحقِ عذاب

ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۵۶ مرسلہ مولوی رحیم بخش صاحب مدرس ساکن شیر کوٹ تاجر الموڑہ ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۸ھ

یہاں کوہ الموڑہ پر ایک شخص امان اللہ نے اپنی دختر کا نکاح سید فضل حسین شاہ باشندہ ٹھاکر دوارہ سے کردیا، رخصت ہوگئی، سال بھر تک عورت اپنے شوہر کے پاس رہی اور ہم بستری ہوئی، پھر باپ کے یہاں آئی، امان اللہ وسید فضل حسین میں کوئی رنجش پیدا ہوئی، فضل حسین اپنی منکوحہ کو ٹھاکر دوارہ لے جانا چاہا، امان اللہ نے لے جانے نہ دیا بلکہ قسم قسم کے تنازع ہو گئے یہاں تک کہ نوبت نالش کی آئی۔ امان اللہ نے جھوٹا طلاق کا دعویٰ کیا کہ بوجہ ظہورِ دروغ حاکم نے خارج کردیا۔

ثانیاً مقدمہ اجازت فعل مختاری قائم کیا وہ بھی خارج ہوا، بعدازاں سید فضل حسین اپنے مکان پر تھا یہاں کے تھانہ دار سے کچھ مخاصمت تھی، تھانہ دار نے عناداً سید مذکور کو بریلی کے پاگل خانے میں بھیج دیا، اس اثناء میں امان اللہ موقع پاکر بربنائے پاگل ہونے کے مقدمہ دائر کرکے حاکم سے اجازت نکاحِ ثانی کی چاہی، حاکم ہندو نے وجہ پاگل ہونے کی قائم کرکے نکاحِ ثانی کی اجازت دے دی، امان اللہ نے اجازت سے دس دن بعد نکاحِ ثانی کردیا جسے اب کئی سال گزرے، جب سید فضل حسین رہائی یاب ہوا تو آکر دادخواہ ہوا اور مقدمہ دائر کردیا۔ لہٰذا علمائے دین ومفتیانِ شرع متین سے اس صورت میں استفسار مطلوب ہے کہ نکاحِ ثانی دختر امان اللہ کا بنائے مجنونیت پر جائز ہوا یا نہیں، اگر ناجائز ہو تو بوجہ مرورِ مدت چند سال فضل حسین کا دعویٰ ساقط ہوا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ کا یہ نکاحِ ثانی کہ اس نے زندگیِ شوہر میں بے وقوعِ طلاق دوسرے شخص سے کرلیا بالاتفاق محض ناجائز ومردود ہے، اور حاکم کی اجازت باطل ومطرود۔ ہمارے امامِ مذہب سیدنا امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کے ہم پیرو ہیں اور ان کے اعظم اصحاب حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر تو اس بیہودہ نکاح کے عدمِ جواز اور عورت کا اب تک بدستور زوجیتِ شوہر اول میں ہونا آفتابِ نیمروز سے زیادہ روشن کہ ہمارے امام کے مذہب میں جنونِ شوہر کے باعث عورت کو ہرگز کسی وقت تفریق کرانے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، اور یہی مذہب اعظم ارکانِ مذہب، امام ابویوسف کا ہے اور اسی کو بوجوہ کثیرہ ترجیح حاصل، اسی کو تمام متونِ مذہب مثل کنز ووافی ووقایہ ونقایہ ومختار واصلاح وتنویر وملتقی وغیرہا میں اختیار فرمایا، اسی دلیل کو عامہ شروح معتمدہ مثل ہدایہ وکافی وتبیین واختیار وفتح القدیر وغیرہ میں مرجح کیا، اسی پر اکثر فتاویٰ کا اطباق ہوا، اسی کو امام اجل قاضی خاں نے اپنے فتاویٰ میں

مقدم رکھا اور وہ اسی قول کو مقدم رکھتے ہیں جو راجح و معتمد ہو، اسی کو علامہ ابراہیم حلبی نے ملتقی الابحر میں تقدیم دی اور وہ اسی کو تقدیم دیتے ہیں جو مؤید ہو، اسی کو خانیہ پھر خزانۃ المفتین میں ہمارا مذہب کہا اور امام علامہ فخر الدین زیلعی نے شرح کنز الدقائق پھر امام محقق علی الاطلاق کمال الدین محمد بن الہمام نے شرح ہدایہ میں اُس عظیم وجلیل تحقیق کے ساتھ ہمارے اس مذہب کی تائید و توصیف اور قول خلاف کی تضعیف و تزییف فرمائی کہ اصلاً گنجائش کلام باقی نہ رکھی، من شاء فلیشرف بمطالعتھما (جو چاہے ان کے مطالعہ سے مشرف ہو۔ ت) اور اکثر کتب مذہب میں تو اس پر ایسا جزم قطعی فرمایا کہ قولِ خلاف کا نام تک نہ لیا، میں یہاں صرف چند کتابوں کی عبارتیں نقل کرتا ہوں، وقایہ[1] و نقایہ و اصلاح[2] تینوں کتابوں میں ہے:

لایتخیر احدھما بعیب الاٰخر[1]۔ دونوں میں سے کسی کے عیب کی وجہ سے دوسرے کو فسخ کا اختیار نہیں ہے۔ (ت)

کنز[2] میں ہے:

لم یتخیر احدھما بعیب[2]۔ ایک کے عیب کی وجہ سے دُوسرا فسخ کو اختیار نہیں کرسکتا۔ (ت)

ملتقی[3] الابحر اور اس کی شرح مجمع[3] الانہر میں ہے:

لاخیار لھا ان وجدت (المرأۃ) بہ (ای بالزوج) جنوناً[3] الخ۔ بیوی کو اختیار نہ ہوگا اگر وہ خاوند میں جنون پائے الخ (ت)

اختیار[4] شرح مختار میں ہے:

الحاصل اذا کان باحد الزوجین عیب فلاخیار للاٰخر الا فی الجب والعنۃ والخصی[4]۔ اگر زوجین میں سے کسی میں عیب ہو تو دوسرے کو اختیار نہ ہوگا مگر جب شوہر مقطوع الذکر یا نامرد یا خصی ہو تو عورت کو اختیار ہوگا۔ (ت)

خزانۃ[5] المفتین و فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

---

[1] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ — کتاب الطلاق — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۷۰-۷۱
[2] کنز الدقائق — باب العنین — ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۳۷
[3] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر — " — داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/۴۶۳
[4] الاختیار لتعلیل المختار — فصل فی العیوب التی یثبت بہ الخیار الخ — دارفراس للنشر والتوزیع ۳/۱۱۵

حق الفسخ بسبب العیب عندنا لا یثبت فی النکاح فلا ترد المرأۃ بعیب ما وان وجدت المرأۃ زوجہا جنونا و جذاما و برصا لیس لہا حق الفرقۃ[1] ملخصا۔

ہمارے نزدیک عیب کی وجہ سے نکاح کے فسخ کا حق نہ ہوگا، لہذا بیوی کو کسی عیب کی وجہ سے رَد نہیں کیا جاسکے گا، اور عورت اگر خاوند میں جنون، جذام یا برص کا مرض پائے تو اس کو جدائی کا حق نہ ہوگا۔ ملخصاً۔ (ت)

تنویر الابصار اور اس کی شرح درمختار میں ہے:

لا یتخیر احد الزوجین بعیب الاٰخر ولو فاحشا کجنون[2] الخ۔

خاوند اور بیوی میں سے کسی کے عیب اگرچہ فحش ہو، پر دُوسرے کو اختیارِ فسخ نہیں، مثلاً جنون الخ (ت)

فقیر کی اس اجمالی تقریر سے واضح ہوگیا کہ ہمارا یہ مذہب کتنی وجوہ کثیر سے ترجیح رکھتا ہے:

اوّلاً خود یہی کہ وُہ مذہبِ امام ہے اور مذہبِ امام، امامِ مذاہب جس سے عدول ہرگز جائز نہیں۔

الا لضرورۃ ضعف دلیلہ او تعامل بخلافہ کما نصوا علیہ وقد اوضحناہ فی فتاوٰنا۔

مگر ضُعفِ دلیل یا تعامل کے خلاف ہونے پر، جیسا کہ فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے جس کی وضاحت ہم نے اپنے فتاوٰی میں کی ہے۔ (ت)

ثانیاً یہی امام ابو یوسف اعظم ارکان مذہب کا قول ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بعد ارشاد امام اعظم قول امام ابو یوسف مرجح ومقدم ہے۔ درمختار میں ہے:

یأخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق ثم بقول ابی یوسف ثم بقول محمد[3] الخ۔

قاضی بھی مفتی کی طرح مطلقاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کو اپنائے گا، پھر امام ابو یوسف پھر امام محمد کے قول کو الخ۔ (ت)

ثالثاً اُس پر اجماعِ متون جن کی جلالتِ شان کو کوئی کتاب نہیں پہنچ سکتی کما نصوا علیہ قاطبۃ وحققناہ فی کتاب النکاح من فتاوٰنا (جیسا کہ تمام فقہاء نے اس پر تصریح کی ہے اور ہم نے اس کی تحقیق اپنے فتاوٰی کی کتاب النکاح میں کی ہے۔ ت)

---

[1] قاضی خاں — فصل الخیارات التی تتعلق بالنکاح — نولکشور لکھنؤ — ۱/۱۸۷

[2] درمختار — باب العنین — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۵۴

[3] درمختار شرح تنویر الابصار — کتاب القضاء — " " " — ۲/۷۲

رابعًا تظافر شروح کہ بتصریح علماء فتاوٰی پر مقدم ہیں وسیأتی عن الغمز (غمز سے عنقریب منقول ہوگا۔ ت)

خامسًا اُس پر جزم واعتماد کرنے والوں کی کثرت۔ امداد الفتاح وردالمحتار وعقود الدریہ میں ہے:

القاعدة ان العمل بما علیه الاکثر[1] (قاعدہ یہ ہے کہ اکثریت کے قول پر عمل ہوگا۔ ت)

سادسًا اُس کے مرجح ومختار رکھنے والوں کی جلالت وعظمت جن میں مثل برہان الدین صاحب ہدایہ و امام قاضی خاں وامام محقق علی الاطلاق وغیرہم اجلۂ ائمہ اعلام ہیں، علماء فرماتے ہیں امام قاضی خاں کی ترجیح اوروں کی ترجیح پر مقدم ہے اور فرماتے ہیں اُس سے عدول نہ کیا جائے کہ وہ فقیہ النفس ہیں کما فی ردالمحتار وغیرہ (جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں ہے۔ ت)

سابعًا قوتِ دلیل کہ بعد ملاحظہ تبیین الحقائق وفتح القدیر آفتاب کی طرح واضح ہوجاتی ہے۔

اقول فثبت بحمد الله ان قول الحاوی القدسی بقول محمد نأخذ کما نقله عنه فی الهندیة انما هو کقوله ایضا لروایة شاذة عن ابی یوسف مخالفة للمذهب المعتمد المجمع علیه بین المتون والشروح والفتاوی وهی عدم کراهیة النفل یوم الجمعة عند الاستواء لان النار لا تسعر فیه ان علیه الفتوی کما نقله فی الاشباه عن الحلیة عن الحاوی **قلت** والمراد هو هذا اعنی حاوی القدسی فقد رأیت التصریح به فی الحلیة قال العلامة السید الحموی فی غمز العیون مجرد دعوی الحاوی ان الفتوی علیه لا یقتضی انه المصحح

اقول (میں کہتا ہوں) الحمدللہ یہ ثابت ہوگیا کہ حاوی قدسی کا یہاں کہنا کہ امام محمد کے قول کو ہم لیتے، جیسا کہ ہندیہ میں ان سے منقول ہے، تو یہ ایسے ہے جیسے انھوں نے امام ابویوسف سے ایک شاذ روایت جو کہ معتمد مذہب اور تمام متون وشروح وفتاوٰی کے خلاف ہے کہ جمعہ کے روز استواءِ شمس کے وقت نفل پڑھنا مکروہ نہیں کیونکہ اس دن آگ شعلہ زن نہیں ہوتی، کے متعلق علیه الفتوٰی (اس پر فتوٰی ہے) کہہ دیا، جیسا کہ اس کو اشباہ میں حلیہ سے انھوں نے حاوی سے نقل کیا ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) وہاں حاوی سے یہی حاوی قدسی مراد ہیں کیونکہ میں نے اس کی تصریح حلیہ میں دیکھی ہے، علامہ سید حموی نے غمز العیون میں فرمایا کہ حاوی کا صرف یہ دعوی کرنا کہ "اس پر فتوٰی ہے" سے لازم نہیں آتا کہ یہ تصحیح شدہ

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۲/۳۵۶

المعتمد فی المذهب کیف واصحاب المتون قاطبة والشروح ماشون علی قولهما (یعنی الطرفین رضی اللّٰہ عنہما) ومشی اصحاب المتون تصحیح التزامی علی ان ما فی المتون والشروح مقدم علی ما فی الفتاوٰی[1] اھ۔

ہو اور مذہب معتمد علیہ ہو یہ کیونکر ہو سکتا جبکہ تمام اصحاب متون و شروح، طرفین کے قول پر قائم ہیں، اور اصحابِ متون کی طرف سے یہ التزامی تصریح موجود ہے کہ متون و شروح کا بیان فتوٰی کے بیان پر مقدم ہے اھ (ت)

خیر یہاں تک تو ہمارے اصل مذہب پر بنائے سخن تھی مگر مجھے یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ نکاح مذکور کو روایت خلاف سے بھی اصلاً تعلق نہیں بلکہ وُہ باتفاق ہمارے تمام ائمہ کے محض ناجائز واقع ہُوا۔ میں اگرچہ اسے متعدد دلائل سے ثابت کر سکتا ہُوں مگر یہاں صرف چند واضح امور پر اقتصار کافی روایت خلاف کا ہرگز یہ حکم نہیں کہ جنونِ شوہر میں مطلقاً حاکم فوراً اجازتِ نکاحِ ثانی دے دے بلکہ جب جنون نو پیدا ہو تو لازم کہ روز مرافعہ سے مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دے اگر اس میں اچھا ہو گیا تو اب ہرگز تفریق جائز نہیں، اور نہ اچھا ہُوا تو عورت جب تک پھر دعوٰی نہ کرے حاکم ہرگز حکم نہ دے وُہ بدستور زوج زوجہ رہیں گے۔ ہاں اگر اب عورت پھر دوبارہ خواستگاری تفریق کو آئے تو قاضی اُسے اختیار دے کہ چاہے تو اپنے نفس کو اختیار کر یا شوہر کو، اگر اس نے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہوگئی یا قاضی کے سپاہیوں نے اُسے اُٹھا دیا یا قاضی فوراً اُٹھ کھڑا ہُوا تو اب اُسے اصلاً اختیار نہ رہا وُہ ہمیشہ کے لئے اُس کی زوجہ ہے کہ کبھی دعوٰی تفریق نہیں کر سکتی، اور اگر اُسی جلسہ میں اُس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو اب قاضی تفریق کر دے، یہ تفریق طلاقِ بائن گنی جائے گی، اس کے بعد عورت ایامِ عدت پُورے کرکے جس سے چاہے نکاح کر لے، اور ضرور ہے کہ عورت درخواست قاضی مصر یا مدینہ کے حضور پیش کرے وُہ سال بھر کی مدت دے، اُس کے سوا دُنیا میں کسی کی تاجیل کی معتبر نہیں۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

قال محمد ان کان الجنون حادثا یؤجله سنة کالعنة ثم یخیر المرأة بعد الحول اذا لم یبرأ[2] اھ۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند کو جنون نیا عارض ہُوا تو اُس کو نامردی کی طرح ایک سال کی مہلت دی جائے گی، پھر سال کے بعد بیوی کو فسخ کا اختیار دیا جائیگا بشرطیکہ وُہ تندرست نہ ہوا ہو اھ (ت)

---

[1] غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر القول فی احکام الجمعۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۳۸

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۶

اُسی میں ہے :

جاءت المرأة الی القاضی بعد مضی الاجل والزوج لم یصل الیھا خیرھا القاضی فی الفرقۃ کذا فی شرح الجامع الصغیر لقاضی خان فان اختارت زوجھا اوقامت عن مجلسھا او اقامھا اعوان القاضی اوقام القاضی قبل ان تختار بطل خیارھا کذا فی المحیط، وھکذا روی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی عنہ وعلیہ الفتوی کذا فی التاتارخانیۃ ناقلا عن الواقعات، ان اختارت الفرقۃ امر القاضی ان یطلقھا بائنۃ فان ابی فرق بینھما ھکذا ذکر محمد فی الاصل کذا فی التبیین[1] اھ ملخصا۔

مذکورہ صورت میں عورت سال کے بعد آکر کہے میرا خاوند تندرست نہیں ہُوا، اور خاوند اس دوران جماع نہ کرسکا ہو تو قاضی بیوی کو اس وقت اختیار دے گا، شرح جامع صغیر قاضی خاں میں ایسے ہی ذکر کیا ہے تو قاضی کے اس اختیار پر عورت نے اپنے خاوند کو ترجیح دی یا اس مجلس اختیار سے اُٹھ گئی، یا قاضی کے اہلکاروں نے اسے وہاں سے اٹھا دیا یا قاضی عورت کے فیصلہ بتانے سے قبل چلا گیا، تو عورت کا اختیار ختم ہو جائے گا، محیط میں ایسے ہی بیان ہے، اور یونہی امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے مروی ہے اور اسی پر فتوٰی ہے۔ تاتارخانیہ میں واقعات سے یونہی منقول ہے، اور اگر مذکور صورتوں کے خلاف عورت نے خاوند سے فُرقت کو ترجیح دی تو قاضی خاوند کو بائنہ طلاق دینے کا حکم صادر کرے گا، اگر خاوند نے طلاق سے انکار کردیا تو پھر قاضی خود دونوں میں تفریق کر دے گا، امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں یُوں ذکر فرمایا، جیسا کہ تبیین میں ہے اھ ملخصاً (ت)

اُسی میں ہے :

لایکون ھذا التاجیل الاعند قاضی مصر او مدینۃ فان اجلتہ المرأۃ او اجلہ غیر القاضی لایعتبر ذلک کذا فی فتاوٰی قاضی خان[2]۔

یہ مہلت کا حکم قاضی شہر کی موجودگی میں دیا جائیگا، اگر خود عورت نے خاوند کو یہ مہلت دی یا کسی غیر قاضی نے دی ہو تو یہ معتبر نہ ہوگی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے (ت)

اُسی میں ہے :

---

[1] فتاوٰی ہندیۃ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۴
[2] " " " " " " " " ۱/۵۲۳

لاتصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولّی شرائط الشہادۃ کذا فی الہدایۃ من الاسلام والحریۃ والتکلیف[1] الخ۔

قاضی کی دی ہُوئی مہلت بھی تب معتبر ہوگی جب اس قاضی میں تقرری کے تمام شرائط موجود ہوں، وہ شہادت والے شرائط ہیں یعنی اسلام، آزاد ہونا اور مکلّف ہونا الخ (ت)

ظاہر ہے کہ صورت منظورہ سوال میں شوہر کا جنون فوپیدا تھا کہ بغرض ثبوت ہنوز چار ہی مہینے گزرے تھے توجواز نکاح ثانی وتحصیل فرقت کا یہ طریقہ ہرگز نہ تھا کہ حاکم اسے نکاح ثانی کی اجازت دے دیتا بلکہ اُس پر فرض تھا کہ ثبوتِ کامل لے کر سال بھر کی مہلت دیتا اُس کے بعد کارروائی مذکور کرتا۔ یہاں نہ سال کی مہلت دی گئی، نہ بعدِ مہلت عورت نے دوبارہ دعوٰی کیا، نہ بعدِ تخییر عورت نے اُسی جلسہ میں اپنے نفس کو اختیار کرنا ظاہر کیا، طُرفہ یہ کہ حاکم سرے سے مسلمان بھی نہیں، ایسی کارروائی اصلاً قابلِ اعتبار نہیں ہوسکتی، نہ اس کے سبب وہ زوجیت شوہر اوّل سے باہر آسکتی ہے، نکاح وطلاق ہم مسلمانوں کے دینی ومذہبی معاملات ہیں جن میں ہماری شریعت کے تمام احکام کی مراعات بغیر چارہ نہیں، اگر کوئی زنِ شوہر دار کو بے وقوع طلاق وافراق اجازت نکاح دے دے تو کیا اُسے جائز ہوجائے گا کہ وُہ جس سے چاہے نکاح کرلے، حاشا ہرگز روا نہ ہوگا نہ وہ عصمت شوہر سے باہر آئے گی۔ یہاں یعنیہٖ یہی صورت واقع ہُوئی، طرہ یہ کہ عورت عدت بھی نہ بیٹھی اجازت سے دس ہی دن بعد نکاح ثانی کرلیا، اس کے حرام ہونے میں کیا شبہہ ہے، ہم ابھی عالمگیری سے نقل کر آئے کہ یہ تفریق طلاق بائن ہوتی ہے اور طلاق میں تین حیض کی عدت فرض۔

قال اللہ تعالٰی والمطلقٰت یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: عدت والی عورتیں اپنے آپ تین حیض کامل ہونے تک پابند رکھیں (ت)

بالجملہ یہ دُوسرا نکاح بالیقین ناجائز، اور ہمارے سب ائمہ کے نزدیک یہ وہی چیز جسے قانون حال میں ازدواج مکرر کہتے ہیں، اور کوئی سفیہ سا سفیہ گمان نہیں کرسکتا کہ مرورِ مدت سے زوجیت زائل ہوگئی اور جو شخص چاہے زوجہ غیر کو لے جائے اور دو چار برس روپوش رکھے، چلئے مرورِ مدت سے زوجیت زائل ہوگئی اب شوہر کس بنا پر دعوٰی کرسکتا ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم، پس عورت پر واجب حتمی ہے کہ اس حرام سے باز آئے اور اپنے شوہر کے سوا دوسرے سے کنارہ کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب ادب القاضی الباب الاول فی تفسیر معنی الادب الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۸

مسئلہ ۲۵۷: ۲۲ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کا شوہر پیدائشی عنین یعنی نامرد نکلا چنانچہ ڈاکٹر نے اس کا ملاحظہ کیا اور سند نامرد ہونے کی دیدی دریں صورت نکاح اُس کا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے آیا زوجہ شوہر سے محتاج طلاق ہے یا نہیں اور ایسی حالت میں مستحق کسی جزء مہر کی ہوتی ہے یا نہیں اور ڈاکٹری سند ثبوت نامردی کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ بَیِّنُوْا تُوْجَرُوْا۔

الجواب

زوج کا عنین ہونا مانع صحت نکاح نہیں، زوجہ عنین مثل دیگر زنان بے طلاق شوہر سے جُدائی کا اختیار نہیں رکھتی، خلوتِ صحیحہ اگر ہولی تو مہر تمام وکمال پائے گی،

فی التنویر الخلوۃ بلا مانع کالوطء ولو مجبوبا اوعنینا اوخصیا فی ثبوت النسب وتاکد المہر[1] اھ ملتقطا۔

تنویر میں ہے، خلوت میں مانع نہ ہو تو وہ وطی کے حکم میں ہوگی اگرچہ خاوند کا ذکر کٹا ہوا ہو، یا نامرد یا خصی ہو، تو یہ خلوت نسب کے ثبوت اور مہر کو لازم کرنے میں وطی کی طرح ہوگی، اھ، ملتقطا (ت)

سندِ ڈاکٹر محض ناکافی و نامعتبر ہے

قال اللہ تعالٰی یاایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا[2] الاٰیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم

اللہ تعالٰی نے فرمایا، اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی وضاحت کر لو الاٰیۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۸: از شہر بریلی محلہ کوہاڑا پیر مسئولہ نصیر اللہ صاحب ۶ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اپنے شوہر کی ناقابلیت بیان کرتی ہے کہ چھ برس کا عرصہ شادی کو ہوا اب تک شوہر میں کوئی مردی نہیں۔ مرد کی ایسی حالت اس کے ورثا کو بھی معلوم ہے مرد خود علاج کراتا رہتا ہے لیکن کوئی علاج مفید نہ ہُوا اب عورت چاہتی ہے میرا عقد دوسرے شخص کے ساتھ ہوجائے مرد کو اُس کے خیال سے تعرض نہیں تو ایسے مرد کے ساتھ نکاح جائز ہُوا یا نہیں، اور اپنا ارادہ کس طرح پُورا کرے، آیا مرد طلاق دے یا کوئی ضرورت نہیں؟

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

[2] القرآن الکریم ۴۹/ ۶

الجواب

نکاح مذکور جائز وصحیح ہے، عورت کو ہرگز روا نہیں کہ بے طلاق یا فُرقتِ شرعیہ کے دُوسرے سے نکاح کرلے، اگر کرے گی محض حرام ہوگا۔ مرد جب ہمبستری میں عورت کا حق ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو اُس پر فرض ہے کہ عورت کو طلاق دے دے۔

قال اللہ تعالٰی فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف[1] اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دُو طلاقوں کے بعد بیوی پاس رکھ لو یا بھلائی کے ساتھ آزاد کردو۔ (ت)

بعد طلاق عورت عدت بیٹھے اگر مرد خلوت کرچکا ہو اگرچہ اُس پر قادر نہ ہُوا ہو، اُس کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر اب تک خلوت نہ ہُوئی تو بعد طلاق فوراً جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

فی الھندیۃ من باب العنین علیہا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بہا وان لم یخل بہا فلا عدۃ علیہا[2] الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ ہندیہ میں نامرد کے احکام کے باب میں ہے کہ عورت پر بالاجماع عدت ہوگی جب خاوند نے خلوت کرلی ہو اور اگر خلوت نہ پائی ہو تو پھر عورت پر عدت نہیں ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۵۹: از محکمہ پیمائش ضلع گورکھپور مرسلہ منشی فریداحمد صاحب اہلکار منشی کرنیل ۹ ربیع الاول ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مریم دس برس کی تھی اور زید پندرہ برس کا کہ اُنکے والدین نے برضا ورغبت خود ان کا نکاح کردیا جب مریم بالغہ ہوئی تو اُسے ظاہر ہُوا کہ شوہر نامرد ہے اس صورت میں وہ نکاح ہُوا یا نہیں، اور مریم بے طلاقِ زید کے دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں، اور شوہر طلاق نہ دے تو صورتِ خلاص کیا ہے، اور دعوی مہر پہنچتا ہے یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں نکاح قطعاً صحیح ہے لصدورھا عن اھلہ فی محلہ (کیونکہ یہ نکاح اپنے محل میں اپنے اہل سے صادر ہُوا ہے۔ ت) اور جب تک زید کی طرف سے طلاق نہ ہو وہ اس کی زوجہ ہے، دُوسرے سے نکاح ہرگز جائز نہیں، قال اللہ تعالٰی والمحصنٰت من النساء[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا:

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۳۱

[2] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۵۲۴

[3] القرآن الکریم ۴/ ۲۴

عورتوں میں سے منکوحہ عورتیں حرام ہیں۔ت) عقود الدریہ میں ہے:

سئل فی بکر صغیرۃ زوجھا ابوھا من رجل ودخل بھا ثم بلغت رشیدۃ وادعت بہ عنۃ وطلبت التفریق فما الحکم الجواب لا یفرق بینھما بمجرد دعواھا انہ عنین[1] الخ

ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی باکرہ نابالغہ بیٹی کا نکاح ایک شخص سے کیا اور خاوند نے جماع کرلیا اس کے بعد وُہ بیٹی بالغ ہُوئی تو اس نے عقل وفہم کے باوجود خاوند کے خلاف نامرد ہونے کا دعوٰی کیا جس میں اس نے تفریق (فسخِ نکاح) کا مطالبہ کیا تو ایسی صُورت میں شرعی حکم کیا ہے، تو جواب دیا کہ لڑکی کے محض اس دعوٰی پر کہ خاوند نامرد ہے تفریق نہ ہوگی الخ (ت)

البتہ جب زید اُس پر غیر قادر اور اس کے ادائے حق سے قاصر ہے تو اس پر بنصِ قطعی قرآن طلاق دینا واجب، اگر یونہی رکھ چھوڑے گا گنہگار رہوگا۔

قال تعالٰی فامساك بمعروف او تسریح باحسان[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک یا دو طلاقوں کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک لو یا نیکی کے ساتھ آزاد کردو۔(ت)

پس اگر وُہ طلاق نہ دے تو صُورت خلاص یہ ہے کہ عمرو زید کسی عالم دین فقیہ متین کو پنچ کریں،

فی الفتاوی الخیریۃ للعلامۃ خیر الدین الرملی سئل فی العنین اذا جعل بینہ وبین زوجۃ محکمین فاجلوہ سنۃ ومضت ھل لھم ان یفرقوا بینھما اذا طلبت ام لا اجاب نعم یصح التحکیم فی مسئلۃ العنین لانہ لیس بحد ولا قود ولا دیۃ علی العاقلۃ ولھم ان یفرقوا بطلب الزوجۃ، واللہ اعلم[3] اھ قلت وھذا نص یقدم علی استظھار

فتاوٰی خیریہ میں ہے مصنف خیر الدین رملی سے سوال کیا گیا نامرد ہونے کے دعوٰی پر خاوند اور بیوی کے معاملہ میں ثالث بنایا جائے اور وُہ ثالثی والے حضرات خاوند کو ایک سال کی مہلت دیں اور مہلت ختم ہوجائے تو کیا ثالث حضرات اس پر تفریق کا فیصلہ کرسکتے ہیں یا نہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ ہاں کرسکتے ہیں کیونکہ یہ نامرد کا معاملہ ہے، حد یا قصاص یا عاقلہ پر دیت کا معاملہ نہیں ہے اس لئے ثالث حضرات کو بیوی کے

---

[1] عقود الدریہ — باب العنین — حاجی عبدالغفار و پسران قندھار افغانستان — ۱/۳۲
[2] القرآن الکریم — ۲/۲۲۹
[3] فتاوٰی خیریہ — باب التحکیم — دار المعرفۃ بیروت — ۲/۱۶

العلامة امين الدين ابن عابدين اما بالتامل مع ان ما استظهر به لا يفيده كما اوضحنا فيما علقناه عليه فتبصر۔

مطالبہ پر یہ تفریق جائز ہے، واللہ اعلم اھ۔
قلت (میں کہتا ہوں) یہ فقہی نص ہے جو علامہ ابن عابدین کی رائے پر مقدم ہے لیکن بغور معلوم ہورہا ہے کہ ان کی رائے ان کو خود مفید نہیں ہے جیسا کہ ہم نے وہاں حاشیہ میں واضح کیا ہے تو غور چاہئے۔ (ت)

ہندہ اگر اس کے حضور دعوٰی کرے حکم زید سے جواب لے اگر اپنی نامردی اور مریم پر قدرت نہ پانے کا مقر ہو اُسے آج سے سال بھر کامل کی مہلت دے اور منکر ہو تو عورت ثقہ نمازی پرہیزگار مریم کو دیکھے جب وُہ شہادت دے کہ واقعی مریم ہنوز بکر ہے تو زید کو سال بھر کی مہلت دی جائے اگر وُہ دن ختم ماہ قمری ہو تو سال کے بارہ[12] مہینے تیرہ[13] ہلالوں سے لے جائیں ورنہ تین سو ساٹھ دن شمار کرلیں اور اس مدت میں جتنے دنوں مریم باختیار خود زید کے مسکن میں نہ رہے یا اُسے خواہ زید کو ایسا مرض ہو جس میں مجامعت نہ ہوسکے وُہ دن شمار میں نہ آئیں گے اور اگر زید ہی اُسے نہ رکھے یا اُس کے پاس نہ آئے تو کچھ مجرا نہ پائے گا یُونہی ایام حیض بھی مجرا نہ ہونگے، جب اس طرح سال گزر جائے اور زید مریم پر قدرت نہ پائے مریم پھر حکم کے پاس تفریق وازالہ نکاح کا دعوٰی کرے حکم پھر زید سے جواب لے اگر معترف ہو یا بحالت انکار پھر کسی عورت معتمدہ نمازی متقیہ کی شہادت معاینہ سے ثابت ہو کہ اب بھی مریم بدستور بکر ہے تو حکم مریم سے پوچھے تو زید کو اختیار کرتی ہے یا اپنے نفس کو اگر کہے زید کو یا بغیر کچھ کہے چلی جائے یا کھڑی ہوجائے یا اٹھادی جائے یا حکم اُٹھ کھڑا ہو تو اب اُس کا دعوٰی باطل اور نکاح لازم ہوگیا اور اگر اُسی جلسہ میں کہہ دے میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا تو حکم زید کو حکم دے کہ اُسے طلاق دے کہ بحکم شرع تجھ پر طلاق دینی واجب ہے اگر دیدے فبہا ورنہ حکم کہہ دے میں نے تم دونوں میں تفریق کردی فوراً مریم اس کے نکاح سے نکل جائے گی جس سے چاہے نکاح کرلے، پس اگر زید و مریم میں خلوت ہوچکی تو مریم پر عدت اور زید کے ذمہ پُورا مہر ورنہ عدت نہیں اور آدھا مہر،

فی تنویر الابصار والدرالمختار ورد المحتار لو وجدته عنینا اجل سنة قمرية بالاهلة على المذهب ولو اجل فی اثناء الشهر فبالايام اجماعا (كل شهر ثلثون يوما) ورمضان وايام

تنویرالابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ اگر بیوی اپنے خاوند کو نامرد پائے تو خاوند کو ایک سال کی قمری مہینوں کے حساب سے مہلت دی جائے گی جیسا کہ مذہب میں ہے، اور اگر مہینہ کے درمیان مہلت دی گئی تو پھر بالاجماع دنوں کی گنتی بحساب ہر ماہ تیس دن مہلت شمار ہوگی، اور ماہ رمضان اور

حیضها منها وکذا حجه وغیبته لامدة حجها وغیبتها ومرضه ومرضها ویوجل من وقت الخصومة فان وطیٔ مرة فبها و الابانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها یتعلق بالجمیع (ای جمیع الافعال وهی فرق واجل وبانت) ولو ادعی وانکرته فقالت امرأة ثقة والثنتان احوط هی بکر خیرت فی مجلسها (ای یخیرها القاضی) وان اختارته بطل حقها کما لو وجد منها دلیل اعراض بان قامت من مجلسها او اقامها اعوان القاضی او قام القاضی قبل ان تختار شیئا به یفتی لامکانه مع القیام[1] اھ ملتقطا۔

عورت کے حیض کے دن مہلت میں شمار ہوں گے، اور یونہی خاوند کے حج اور غیر حاضری کے ایام مہلت میں شمار ہوں گے، اور بیوی کے حج اور غیر حاضری کے ایام اور خاوند اور بیوی کی بیماری کے ایام مہلت میں شمار نہ ہوں گے، اور مہلت کا شمار دعوٰی پیش ہونے کے وقت سے ہوگا، اس دوران مہلت اگر خاوند نے بیوی سے ایک مرتبہ جماع کرلیا تو بہتر ہے ورنہ قاضی کی تفریق سے بیوی بائنہ ہوجائے گی اگرچہ خاوند طلاق دینے سے انکار کردے، یہ کارروائی بیوی کے مطالبہ پر ہوگی، عورت کے مطالبہ کا تعلق، تفریق، مہلت اور اس کے بائنہ ہونے، تمام امور سے ہے، اگر مہلت کے دوران خاوند وطی کرنے کا مدعی ہو اور بیوی انکار کرتی ہو تو پھر ثقہ ایک عورت یا دو عورتوں نے کہہ دیا کہ بیوی تاحال باکرہ ہے تو بیوی کو اسی مجلس میں اختیار ہوگا، اور یہ اختیار قاضی دے گا، اگر بیوی نے اس موقعہ پر خاوند کو اپنایا تو بیوی کا اختیار ختم ہوجائیگا جس طرح مجلسِ اختیار میں بیوی خاوند سے جدائی کو ناپسند کرتے ہوئے اُٹھ جائے یا قاضی کے عملہ نے بیوی کو اٹھادیا یا قاضی خود اُٹھ کر چلا گیا اور بیوی نے ابھی تک کوئی فیصلہ نہ کیا تھا تو ان تمام صورتوں میں بیوی کا اختیار باطل ہوجائے گا، اسی پر فتوٰی ہے کیونکہ بیوی کے اُٹھ جانے میں یہ امکان موجود ہے اھ ملتقطا (ت)

عالمگیری میں ہے:

ان اختارت الفرقة امر القاضی ان یطلقها بائنة فان ابی فرق بینهما ھکذا ذکر محمد رحمه الله تعالٰی فی الاصل کذا فی التبیین

اگر بیوی نے فرقت کو پسند کیا تو قاضی خاوند کو بائنہ طلاق دینے کا حکم دے گا، اگر خاوند انکار کردے تو قاضی خود تفریق کردے۔ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے اصل (مبسوط) میں یونہی فرمایا ہے، جیسا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴
رد المحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۲۹۵

والفرقة تطليقة بائنة كذا فی الکافی ولها المهر کاملا وعلیها العدة بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بها وان لم یدخل بها فلاعدة علیها ولها نصف المهر ان کان مسمی والمتعة ان لم یکن مسمی کذا فی البدائع [1] اھ۔

جیسا کہ تبیین میں مذکور ہے، اور قاضی کی تفریق بائنہ طلاق قرار پائے گی جیسا کہ کافی میں مذکور ہے۔ بیوی کے لئے کامل مہر ہوگا اور اس پر بالاجماع عدت لازم ہوگی بشرطیکہ خاوند نے خلوت پائی ہو، اور اگر اس نے خلوت بیوی سے نہ کی ہو تو عدت نہ ہوگی اور مہر بھی نصف ہوگا، اور اگر مہر مقررہ نہ تھا تو اس صورت میں صرف (متعہ) جوڑا دیا جائے گا، جیسا کہ بدائع میں مذکور ہے اھ (ت)

اصل حکم یہ ہے پھر اگر زید براہِ شرارت و اضرار زوجہ کسی کو پنچ کرنے پر راضی نہ ہو تو چارہ کار یہ ہے کہ اُس شہر میں جو عالمِ دین وہاں کے سب اہلِ علم فقہ و علوم دینیہ میں زائد ہو مریم اُس کے یہاں بطورِ خود دعوئ مذکور پیش کرے عالم موصوف زید کو بلا کر کارروائی بروجہ مذکور کرے،

فان اعلم البلد لایحتاج فی زماننا فی امثال هذا الی التحکیم کما نص علیه المولی الفاضل سیدی عبدالغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة عن الامام العتابی وعن السید السمهودی ثم عن المناوی رحمهم الله تعالٰی علیهم اجمعین۔

کیونکہ علاقہ کا بڑا عالم ہمارے زمانہ میں کسی پنچایت کا پابند نہیں یعنی ثالثی کا محتاج نہیں، جیسا کہ فاضل محترم مولانا عبدالغنی نابلسی نے حدیقہ ندیہ میں اس پر تصریح فرماتے ہوئے امام عتابی اور سید سمہودی اور پھر علامہ مناوی رحمہم اللہ تعالٰی علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے۔ (ت)

پھر اگر زید کو آنے میں بھی انکار ہو تو عالم ممدوح خود اس کے پاس تکلیف کرے،

فی الهندیة یذهب بنفسه او یبعث من یحضره و رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فعل کلا النوعین [2] اھ ملخصًا۔

ہندیہ میں ہے خود جائے یا کسی کو بھیج کر طلب کرے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دونوں طریقے اپنائے ہیں اھ ملخصاً (ت)

اور غالبًا ہنوز حکم مسئلہ سے ناواقفی کے باعث اُسے عالم موصوف سے ملنے اور گفتگو کرنے میں باک نہ ہوگا بس صرف اتنا اس سے دریافت کرے کہ مریم تیری نامردی کی شاکی ہے آیا واقعی ایسا ہی یا نہیں اگر اقرار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۴

[2] 〃 〃 کتاب ادب القاضی الباب الحادی عشر 〃 〃 〃 〃 ۳/۳۳۵

کرے سال بھر کی مہلت دے دے اور بحالتِ انکار زنانِ ثقات کو دکھا کر بقائے بکارت کا ثبوت لے کر زید کو مہلت ایک سال کی اطلاع کرے جب بعد مرورِ مدت عورت پھر جُدائی چاہے عالم دوبارہ زید کے پاس جائے، بن پڑے تو کارروائی مذکور کرے مگر جب زید کو خواہی نخواہی ایذا و اضرارِ مریم ہی منظور ہے تو بعد سماع مہلت عجب نہیں کہ دوبارہ عالم سے نہ ملے کہ آخر جبر شرعی کی طرف تو کوئی راہ ہی نہیں، اگر ایسی صورت واقع ہو تو مریم اس بار دوم کی کارروائی میں اپنے آپ کو اعانت عالم سے غنی سمجھے اور صرف اُس قدر امداد پر جو اوّل بار بحکمِ عالم نامردیِ زید ثابت ہو کر مہلت یکساں دی گئی تھی قناعت کرے اب کہ زید عالم سے نہ ملے اور کارروائی آئندہ نہ ہونے دے ہندہ خود کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کو اختیار کیا اور زید کے نکاح سے باہر آئی مذہبِ صاحبین پر اس قدر بھی کافی ہو جائے گا اور مریم اس کے ظلم سے نجات پائے گی،

فی ردالمحتار تحت قولہ والا بانت بالتفریق من القاضی وقیل یکفی اختیارھا نفسھا ولایحتاج الی القضاء کخیار العتق قیل وھو الاصح کذا فی غایۃ البیان وجعل فی المجمع الاوّل قول الامام والثانی قولھما نھر، وفی البدائع عن شرح مختصر الطحاوی ان الثانی ظاھر الروایۃ ثم قال وذکر فی بعض المواضع ان ما ذکر فی ظاھر الروایۃ قولھما[1] انتھی۔

ردالمحتار میں ماتن کے قول (ورنہ قاضی کی تفریق سے بائنہ ہو جائے گی) کے تحت بیان کیا کہ بعض نے کہا قاضی کی تفریق کے بجائے بیوی خود اپنے کو علیحدہ قرار دے تو کافی ہے اور قاضی کی ضرورت نہیں، جیسا کہ عتق میں خیار کی صورت میں عورت کو خود کارروائی کا اختیار ہے، بعض نے اس قول کو اصح قرار دیا جیسا کہ غایۃ البیان میں ہے۔ اور مجمع میں پہلے قول (قاضی کی تفریق) کو امام صاحب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول اور دوسرے کو صاحبین کا قول قرار دیا ہے، نہر۔ اور بدائع میں مختصر الطحاوی کی شرح سے منقول ہے کہ دُوسرا قول ظاہر روایۃ ہے، اور پھر کہا کہ بعض مواقع میں ظاہر روایۃ صاحبین کا قول ہے، اھ۔ (ت)

اقول وقد نص علمائنا ان تقلید الغیر یجوز فی

اقول (میں کہتا ہوں) ہمارے علمائے نص فرمائی ہے کہ اپنے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] ردالمحتار باب العنین دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۹۵

مواقع الضرورة وقد قال الله تعالٰی ما جعل علیکم فی الدین من حرج[1] فما ظنك بالعمل بقول صاحبی الامام المثبت فی ظاھر الروایة المذیل بترجیح ما فقد صرحوا انه لیس فی المذھب قول لاحد غیر الامام الھمام رضی اللہ تعالٰی عنه واما ماینسب الی الصاحبین او الی احدھما فما ھو الا روایة عنه مال الیھا بعض الاصحاب فنسبت الیه کما اقسم علیه الاصحاب بایمان غلاظ شداد کما ذکرہ فی ردالمحتار وغیرھا من الاسفار واللہ یحب التیسیر ولا یرضی بالظلم ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام[2] والیه المشتکی من احوال الزمان واللہ تعالٰی اعلم۔

کے علاوہ کی تقلید بوقتِ ضرورت جائز ہے، اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: "اللہ تعالٰی نے تمہارے لئے دین میں تنگی نہیں فرمائی۔" تو امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کے دونوں شاگردوں (صاحبین) کے قول پر عمل کے بارے میں تجھے کیا تردد ہوسکتا جبکہ وہ قول ظاہر الروایۃ کے ضمن میں ایک طرح کی ترجیح بھی دامن میں لئے ہوئے ہے، فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ مذہب میں امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قول کے ماسوا کوئی قول نہیں ہے اور جو صاحبین یا ان میں سے کسی ایک کی طرف منسوب ہے تو وہ بھی امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ہی قول ہے جو ان سے مروی ہوتا ہے اور بعض شاگرد اس قول کو اپنا لیتے ہیں جیسا کہ اس کو آپ کے شاگردوں نے شدید قسموں کے ذریعے ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اس کو ردالمحتار وغیرہ کتب میں بیان کیا ہے، اور اللہ تعالٰی آسانی پیدا کرنے کو پسند فرماتا ہے اور ظلم اور ضرر کو اسلام میں پسند نہیں فرماتا، اور اسی کے دربار میں ہی زمانہ کے احوال کی شکایت ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶: ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نامرد ہے اُس نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اب وہ مقدمہ جھوٹا بناکر کچہری چڑھتا ہے کہ ہم نے طلاق نہیں دی ہے کچہری سے حکم ہوا ڈاکٹر معاینہ کرے اُس کا ملاحظہ بھی ہُوا وہ نامرد ہے دوچار شخصوں نے اس کو چڑھا کر نالش کردی ہے، اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب

جب طلاق دے دی اور عدت گزر گئی طلاق بائن تھی تو عورت نکاح سے نکل گئی اور وہ جھوٹی

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۷۸

[2] المعجم الاوسط حدیث ۵۱۸۹ مکتبۃ المعارف الریاض ۶/ ۹۱

نالش کرنے سے سخت گنہگار ہُوا، اور اگر طلاق رجعی تھی اور عدت کے اندر رجعت کرلی تو عورت اُس کے نکاح میں ہے اور نالش میں وُہ گنہ گار نہ ہُوا اگرچہ طلاق نہ دی کہنا نہ چاہئے تھا، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۱ ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع بلارعایت کسی کے مسائل مفصلہ ذیل میں، ایک عورت جوان تیئیس سالہ کہ جس کا خاوند مدت دراز سے مجنون ہے اور اس کا علاج بھی ہر قسم سے کرایا گیا مگر کچھ افاقہ نہ ہُوا، اور اُس شخص کا جنون حد کو پہنچ گیا کہ جس کو فقہ والے جنون منطبق کہتے ہیں، اور نیز اس مجنون کے پاس کچھ مال واسباب بھی نہیں ہے جس سے اُس عورت کے نان نفقہ کا انتظام ہوسکے، ایسے مجنون کی زوجہ کو ائمہ ثلٰثہ سے کسی امام کے نزدیک خیارِ تفریق ہے یا نہیں اور مسئلہ میں خیار تفریق کس امام کے قول پر فتوٰی ہے۔ اگر ضرورت کے وقت مسئلہ شرعی میں دُوسرے امام کے قول پر فتوٰی دیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے، چنانچہ فقہ کی کتابوں میں مثلاً شرح وقایہ وہدایہ وشامی وغیرہ میں اکثر مسائل کے اندر صاحبین کے قول کی ترجیح، امام کے قول پر ثابت کرتے ہیں، اور کتب فتاوٰی مثلاً عالمگیریہ وقاضی خاں وغیرہ میں صاحبین کے قول پر فتوٰی دیتے ہیں، آیا یہ بات جائز ہے یا نہیں۔ جن مسائل میں قاضی کی ضرورت ہے تاکہ اُس کے یہاں دعوٰی کیا جائے جیسے مسئلہ عنین وغیرہ میں اور اُس کی جگہ قاضی وحاکم حکم وغیرہ نہیں ہے چنانچہ آجکل عملداری نصارٰی کی ہے تو اس صورت میں مفتی کا فتوٰی قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہیں، جواب مسئلہ صاف صاف معہ حوالہ کتاب کے مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب

ہمارے مذہب میں جنون کی وجہ سے ہرگز تفریق نہیں ہوسکتی۔ درمختار میں ہے:

لایتخیر احد الزوجین بعیب الاٰخر ولو فاحشا کجنون[1] الخ۔

خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بنا پر اگرچہ وُہ عیب جنون کی طرح فحش ہو فسخ کا اختیار نہیں الخ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

وقد تکفل فی الفتح برد ما استدل بہ الائمۃ الثلثۃ ومحمد بما لامزید علیہ[2]۔

فتح میں ائمہ ثلٰثہ اور امام محمد رحمہم اللہ تعالٰی کے موقف کا خوب رَد کیا جس سے زائد کی گنجائش نہیں ہے (ت)

---

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۴

[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۹۷

ہمارے علماء سے امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ جانب خیار گئے اور حاوی قدسی میں حسب عادت برخلاف عامۂ متون وشروح وفتاوٰی اس کی نسبت "بہ ناخذ" (ہمارا یہی مختار ہے۔ت) بھی لکھ دیا جیسا کہ اُس سے عالمگیریہ میں منقول ہُوا۔ فقیر کے فتاوٰی میں بتفصیل تمام واضح کر دیا گیا ہے کہ ماخوذ و مختار و معتمد و واجب التعویل مذہب مہذب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے؛

وان قول الحاوی لخلافہ بہ ناخذ، قد خالف فیہ المذھب وجمھور ائمۃ المذاھب والدلیل ایضافان الدلیل مع الامام فلایلتفت الٰی خلافہ۔

حاوی کا امام صاحب کے قول کے خلاف پر بہ ناخذ (ہمارا یہی مختار ہے) کہنا، یہ مذہب اور جمہور ائمہ مذہب کے خلاف ہے جبکہ دلیل بھی امام صاحب رحمہ اللہ تعالٰی کی ہی قوی ہے اس لئے اس کے خلاف کی طرف التفات کی ضرورت نہیں۔(ت)

بایںہمہ اگر جنون حادث ہے پیش از نکاح شوہر مجنون نہ تھا بعد کو پیدا ہُوا اور حالتِ ضرورت بلامکر و فریب و پیروی نفس سچی سچی واقعی متحقق ہے تو قول امام محمد پر عمل ممکن۔

فقد اجاز والتحقق الضرورۃ الصحیحۃ تقلید الغیر بشرائط فھذا اولی بالجواز اذ لیس بحمد اللہ فی المذھب قول خارج عن اقوال الامام کما نص علیہ العلماء الکرام و ذکرہ اصحاب امامنا رضی اللہ تعالٰی عنہ و عنھم بغلاظ الایمان وشداد الاقسام لاسیما وقد ذیل لما ھو اکد الفاظ الافتاء۔

فقہاء کرام نے صحیح ضرورت کی بناء پر دیگر ائمہ کی تقلید کو جائز قرار دیا ہے تو یہاں امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کی بطریق اولٰی اتباع جائز ہوگی کیونکہ بحمدہٖ تعالٰی مذہب کا کوئی قول امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے قول سے خارج نہیں ہے جیسا کہ اس پر علماء کرام نے نص کی ہے، اور اس چیز کو ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کے شاگردوں نے غلیظ حلفوں اور شدید قسموں کے ذریعہ بیان کیا ہے خصوصاً جبکہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے ذیل میں فتوٰی کے پُر تاکید الفاظ کو ذکر کیا گیا ہو۔(ت)

مگر قول امام محمد یہ نہیں کہ شوہر کو جنون ہو جائے تو عورت بطور خود اُس سے فرقت کر کے دوسرے سے نکاح کرلے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں،

لان فیہ خلافا عظیما شدیدا اقویا بل اجل واقوی فلا یترجح ھذا الجانب الا بالقضاء کما فی العنۃ بل

کیونکہ اس میں عظیم، قوی اور شدید بلکہ بہت بڑا قوی خلاف ہے، اس لئے اس پہلو کو قاضی کے فیصلہ کے بغیر ترجیح نہیں ہوسکتی، جیسا کہ مسئلہ

اولی کما لایخفی۔

عنین (نامرد) میں بلکہ اس سے بھی اولٰی تر، جیساکہ مخفی نہیں۔ (ت)

بلکہ حکم یہ ہے کہ عورت حاکمِ شرع کے حضور دعوٰی کرے وہ ثبوتِ جنون لے کر روزِ نالش سے ایک سال کامل کی مہلت دے، اگر اس مدت میں شوہر اچھا ہوگیا فبہا، اور اگر اچھا نہ ہوا اور عورت نے بعد انقضائے سال پھر دعوٰی نہ کیا تو وہ بدستور اس کی زوجہ ہے، اور اگر پھر رجوع لائی اور حاکم کو ثابت ہوا کہ شوہر ہنوز مجنون ہے تو اب وہ عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے اپنے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو، اور اگر عورت نے اپنے شوہر کو اختیار کیا یا بغیر کچھ کہے چلی گئی یا کھڑی ہوگئی یا کسی نے اُسے اُٹھا دیا یا حاکم خود اُٹھ کھڑا ہُوا تو اب عورت کو اصلاً اختیار نہ رہا وہ بدستور ہمیشہ اس مجنون کی زوجہ رہے گی، اور اگر مجلس بدلنے سے پہلے عورت نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو اب حاکم تفریق کردے گا اس روز سے عورت طلاق کی عدت بیٹھے بعدہٗ جس سے چاہے نکاح کرے، یہ اُس صورت میں ہے کہ قاضی کو جنون ثابت ہُوا اور اس کا مطبق ہونا ثابت نہ ہُوا، اور اگر حاکم کو ثابت ہوجائے کہ واقعی مدتہائے دراز گزرگئیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور آرام نہیں ہوتا جنون اس کا مطبق یعنی ملازم و ممتد ہے تو اب سال کی مہلت نہ دے گا بلکہ فی الفور عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کو (بیان ہوئے) ھندیہ میں ہے:

اذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلاخیار لہا کذا فی الکافی قال محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان کان الجنون حادثا یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطبقا فہو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی[1]

جب خاوند میں جنون، برص یا جذام جیسی امراض کا عیب ہو تو بھی بیوی کو فسخ کا اختیار نہیں ہے جیسا کہ کافی میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر خاوند کو نکاح کے بعد جنون لاحق ہُوا تو نامرد کی طرح اس کو بھی قاضی ایک سال کی مہلت دے گا، پھر سال کے بعد تندرست نہ ہونے پر عورت کو نکاح کے فسخ کا اختیار دیا جائے گا، اور اگر جنون شروع سے چلا آرہا ہو تو اس کا حکم ذکر کٹے کی طرح ہوگا، اور اسی پر ہمارا عمل ہے جیسا کہ حاوی قدسی میں بیان کیا ہے۔ (ت)

ع یہاں اصل میں بیاض ہے۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الباب الثانی عشر فی العنین نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۵۲۶

بہرحال یہ تفریق بے حکم حاکمِ شرع نہیں، جہاں قاضیِ شرع نہ ہو وہاں جو عالمِ دین سچا عالم تمام اہلِ شہر میں فقہ کا اعلم ہو ایسے امور میں حاکمِ شرعی ہے،

كما نص عليه فى الحديقة الندية عن فتاوى الامام العتابی رحمة الله تعالٰی علیه.

جیسا کہ اس پر فتاوٰی امام عتابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے حدیقۃ الندیہ میں نص کی گئی ہے (ت)

مگر یہ لحاظ لازم ہے کہ عالم کا ایسا فیصلہ اُس کے لئے کسی قانونی دقّت کا موجب نہ ہو ورنہ عالم اس سے ضرور احتراز کرے اور یہ لوگ رامپور وغیرہ ریاست اسلامیہ میں چارہ جوئی کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۲ از بہیڑی ۳ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نابالغہ کا نکاح اُس کے باپ نے زید کے ساتھ کیا اب کئی سال گزرے رخصت بھی ہوگئی مگر زید نامرد نکلا ہندہ اُس کے پاس بدقّت تمام کچھ دنوں تک رہی، ہرچند زید سے کہا جاتا ہے طلاق بھی نہیں دیتا اس وقت میں ہندہ کے واسطے چارہ کار کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ زید نے ہندہ پر قدرت نہ پائی اور اس کے ادائے حق واجب میں قاصر رہا تو اس پر شرعاً فرض ہے کہ ہندہ کو طلاق دے دے، اگر نہ دے گا گنہگار رہے گا۔

قال الله تعالٰی فامساك بمعروف او تسريح باحسان[1]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ایک طلاق یا دو طلاقوں کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک لو یا نیکی کے ساتھ اس کو آزادی دے دو۔ (ت)

اگر زید خدا ناترسی کرکے طلاق نہیں دیتا تو اس کی تدبیر شرع مطہر میں یہ ہے کہ ہندہ حاکمِ شرع کے حضور دعوٰی کرے، حاکم زید سے جواب لے، اگر وہ ہندہ پر اپنے قادر نہ ہونے کا اقرار کرلے فبہا ورنہ حاکم کسی عورت مسلمان نیک پارسا ثقہ معتمدہ ہوشیار کو دکھا کر شہادت لے کہ ہندہ دوشیزہ ہے، بعدہٗ زید کو ایک سال کامل کی مہلت دے، اس سال میں زید ہندہ پر قادر ہوجائے تو بہتر ورنہ عورت پھر دعوٰی کرے اور تفریق چاہے، اب پھر اگر زید خواہ شہادتِ یک عورت مسلمہ ثقہ سے ہندہ کی دوشیزگی ثابت ہو تو حاکم عورت سے دریافت کرے کہ اپنے نفس کو اختیار کرتی ہے یا شوہر کو، اگر عورت شوہر کو اختیار کرے یا اپنے نفس کے اختیار میں تاخیر کرے کہ مجلس بدل جائے تو اب اس کا دعوٰی بالکل ساقط ہوجائے گا، لہذا اسی جلسہ میں

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

فوراً اپنے نفس کو اختیار کرلے اس وقت حاکم زید کو حکم دے وہ اگر مان لے بہتر ورنہ حاکم خود اُن میں تفریق کا حکم کردے، یہ تفریق طلاق بائن ہو جائے گی، بعد مرورِ عدت ہندہ کو اختیار ملے گا جس سے چاہے نکاح کرلے،

فی الدر المختار لو وجدتہ عنینا اجل سنۃ قمریۃ فان وطئ مرۃ فبہا والابانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقہا بطلبہا[1] اھ ملخصًا۔

درمختار میں ہے اگر بیوی خاوند کو نامرد پائے تو قمری مہینوں کے حساب سے سال بھر کی خاوند کو مہلت دی جائے گی، اگر اس دوران میں ایک مرتبہ وطی کرلے تو بہتر، ورنہ عورت کے مطالبہ پر قاضی کی تفریق سے بیوی کو بائنہ طلاق ہوگی اگر خاوند طلاق دینے سے انکار کرے اھ ملخصًا۔ (ت)

یہ ساری کارروائی قاضی شرع کے حضور ہو جسے حاکم اسلام نے فصلِ مقدمات پر مقرر کیا ہو،

فی الدر لاعبرۃ بتاجیل غیر قاضی البلدۃ[2] (درمختار میں ہے کہ شہر کے قاضی کے علاوہ کسی اور کی مہلت کا اعتبار نہیں ہے۔ ت) اگر اُن کے شہر میں کوئی ایسا قاضی نہ ہو تو زید و ہندہ کسی ذی علم کو پنچ مقرر کریں اس کے یہاں یہ کارروائیاں ہوں،

فی الخیریۃ یصح التحکیم فی مسئلۃ العنین لانہ لیس بحد ولا قود ولا دیۃ علی العاقلۃ ولہم ان یفرقوا بطلب الزوجۃ[3]۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے نامرد کے مسئلہ میں ثالثی فیصلہ جائز ہے کیونکہ یہ حد، قصاص یا عاقلہ پر دیت کا مسئلہ نہیں ہے، تو ثالث حضرات کو بیوی کے مطالبہ پر تفریق کرنا جائز ہے۔ (ت)

اگر زید کسی کو پنچ بنانے پر راضی نہ ہو تو ہندہ رامپور وغیرہ بلادِ اسلامیہ میں جاکر ایسے قاضی شرع کے یہاں دعوٰی کرے جس کی قضا کو والیٔ اسلام نے اس کے خاص اُس شہر والوں سے مخصوص نہ کردیا ہو،

فان القضاء یقبل التخصیص بالزمان و المکان کما فی الاشباہ وغیرھا۔

کیونکہ قضاء زمانہ اور مکان کے لئے مخصوص ہوسکتی ہے جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

وہ احکام مذکورہ پر عملدرآمد کرے۔

فی بحرالرائق ورد المحتار وغیرھما من

بحرالرائق، ردالمحتار وغیرہما کتب میں ہے کہ

---

[1] درمختار | باب العنین | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۵۴

[2] ایضًا

[3] فتاوٰی خیریۃ | باب التحکم | دارالمعرفۃ بیروت | ۲/۱۶

الاسفار ولایشترط ان یکون المتداعیان عن بلد القاضی[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

دعوٰی کرنے والوں کے لئے ضروری نہیں کہ وُہ قاضی کے شہر کے ہوں، الخ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۳: از بریلی محلہ باغ احمد علی خاں متصل بانس منڈی مسئولہ اسحٰق احمد صاحب
۲۴ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نصیبن کا نکاح زید کے ساتھ ہُوا، زید نامرد ہے اور نصیبن خانۂ زوج میں بخوشی اپنی موجود تھی مگر والدین نصیبن مذکور چاہتے ہیں کہ مسماۃ مذکور اُس سے علیحدہ کرلی جائے، زید سے طلاق لینا واجب ہے یا نہیں، نصیبن کے نکاح کو عرصہ ڈھائی برس کا ہوا شروع نکاح میں صرف تین مرتبہ ہمبستری کا اتفاق ہُوا ازاں بعد نامرد ہوگیا اب نصیبن مذکور ناخوش ہے بنائے ناخوشی یہ ہے کہ زید کے باپ نے ایک مکان وقتِ نکاح اس کے نام کردیا تھا اب جبراً واپس لے لیا اور رجسٹری کرالی۔

الجواب

طلاق لینا واجب نہیں، نہ اب بربنائے نامردی دعوٰی ہوسکتا ہے کہ ایک بار چھوڑ تین بار ہمبستری کرچکا ہے، ہاں اگر زید جانتا ہے کہ وُہ اس کے ادائے حق سے قاصر ہے تو عنداللہ اس پر لازم ہے کہ اُسے طلاق دے دے جبکہ وُہ اپنا حق جماع چھوڑنے پر راضی نہ ہو،

قال تعالٰی فامساك بمعروف او تسریح باحسان[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، ایک طلاق یا دو طلاق کے بعد بیوی کو بھلائی کے ساتھ پاس روک رکھو یا اسے نیکی کے ساتھ آزاد کردو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۴: از بریلی محلہ ملوکپور مسئولہ امانت علی صاحب ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے دو جگہ اپنے نکاح کا پیام بھیجا لڑکی والوں کو تحقیقات سے معلوم ہُوا کہ یہ شخص نامرد ہے تیسری جگہ دھوکہ دے کر ایک لڑکی سے عقد کرلیا اور نامرد ثابت ہوا، پس ایسی حالت میں نکاح جائز ہُوا یا نہیں؟

الجواب

ہاں نکاح ہوگیا، عورت اگر دعوٰی کرے گی تو بعد ثبوت نامردی مرد کو سال بھر کامل کی مہلت دی جائیگی،

---

[1] بحرالرائق کتاب القاضی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۵۷

[2] القرآن الکریم ۲/ ۲۲۹

اگر اس مدت میں اس عورت پر قادر ہوگیا فبہا، ورنہ پھر عورت کے دعوی کرے اور اب بھی نامردی ثابت ہوجانے پر حاکم عورت کو اختیار دے گا کہ چاہے شوہر کے پاس رہنا مانے یا جدائی، اگر وہ فوراً کہے گی کہ جدائی چاہتی ہوں تو دونوں میں تفریق کردے گا، اس وقت عورت بعد عدت دوسری جگہ نکاح کرسکے گی، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۶۵ از پرتاب گڑھ محلہ سید امین مسئولہ عبدالرب صاحب ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

جس عورت کا مرد پانچ چھ سال سے زیادہ تک نامعلوم و بے نشان ہے تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہے کہ دوسرا شوہر کرلیوے۔ امام مالک شافعی رحمۃ اللہ علیہ ایک قول کے فرماتے ہیں کہ "جب گزر جائیں چار برس تو تفریق کرادے درمیان میں ان دونوں کے قاضی، بعد اس کے نکاح کریں زوج ثانی سے۔" اور غرض مستفسر کی یہ ہے کہ بر تقدیر جائز ہونے اس مسئلہ کے فسخ نکاح کی کیوں کر قاضی سے کرادی جائے، اس زمانہ پر آشوب میں بباعث حکام غیر مذہب کے احکام قاضی کے بالکل مسدود ہوگئے ہیں پس ایسے وقت میں طریقہ اُس کے فسخ کرنے نکاح کے کیونکر عمل میں لائی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ بعد فسخ کرادینے نکاح قاضی کے، آیا اس کے لئے کوئی عدت طلاق یا وفات کی کرنا چاہئے یا کہ بدون عدت کے نکاح ثانی کرلے۔ تیسرے یہ کہ اگر کوئی شخص ضرورت کے وقت بعض مسئلوں میں امام شافعی و امام مالک کے قول پر عمل کرے تو اس صورت میں اُس شخص کو ہمیشہ کے لئے کل مسئلوں میں اس امام کی تقلید لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ چوتھے یہ کہ حنفیہ بھی اس فتوے کے موافق فتوٰی دے سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

ہمارے مذہب میں وہ نکاح نہیں کرسکتی جب تک شوہر کی عمر سے ستر سال گزر کر اس کی موت کا حکم نہ دیا جائے اس وقت وہ بعد عدت وفات نکاح کرسکے گی یہی مذہب امام احمد کا ہے اور اسی طرف امام شافعی نے رجوع فرمائی، امام مالک کہ چار سال مقرر فرماتے ہیں وہ اس کے گم ہونے کے دن سے نہیں بلکہ قاضی کے یہاں مرافعہ کے دن سے، خود امام مالک نے کتاب مدونہ میں تصریح فرمائی کہ مرافعہ سے پہلے اگرچہ بیس برس گزر چکے ہوں اُن کا اعتبار نہیں، ادعائے ضرورت کا علاج تو اُن کے یہاں بھی نہ نکلا، آج تک تو جتنا زمانہ گزرا بیکار رہے اب قاضی شرع اگر ہو بھی اور اس کے یہاں مرافعہ کیا جائے اور وہ شوہر کا مفقود الخبر ہونا تصدیق کرے اُس کے بعد چار برس کی مہلت دے اور پھر اب تک مفقود رہنا تحقیق کرے اُس کے بعد تفریق کرے اور عورت عدت بیٹھے یہ مدت زمانہ بے شوہر اور بے نان نفقہ کے کیسے گزرے گا، مذہب بھی چھوڑا اور کال بھی نہ کٹا، لہذا وہ کرے جو امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ھی امرأۃ ابتلیت فلتصبر یہ ایک عورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بلا میں مبتلا

حتی یأتیھا موت او طلاق۔[1] فرمایا ہے اس پر لازم ہے کہ صبر کرے یہاں تک کہ شوہر کی موت حیات ظاہر ہو۔

ضرورتِ صادقہ کے وقت جو کسی مسئلہ میں ائمۂ ثلثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اُس مسئلہ میں اُس کے مذہب کی رعایت امورِ واجبہ میں ضرور ہوگی دیگر مسائل میں اپنے امام ہی کی تقلید کی جائے گی۔ واللہ تعالےٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۶۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے خاوند نے اپنی زوجہ کے قتل کی نیت سے چاقو مارے اور اپنی دانست میں اس کا کام تمام کر دیا تھا مگر قضائے الٰہی سے وُہ زندہ بچ گئی، شوہر بعد میں سزائے جُرم میں دس برس کے لئے دریائے شور بھیجا گیا، شوہر نے لفظ طلاق کا کچھ نہیں کہا تھا اب زوجہ محتاج ہے اور کسب پر قادر نہیں، دُوسرے شخص سے وُہ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ وقتِ مقدمہ جب انگریز نے شوہر کو دریائے شور بھیجا تھا اور شوہر نے یہ بیان کیا تھا میں نے تو اُس کو بالکل مار ڈالا تھا' وارثانِ زوجہ نے حاکم سے یہ کہا کہ اس شخص سے زوجہ کو طلاق بھی دلوادو۔ تو حاکم نے یہ کہا کہ تم اپنے علماء سے دریافت کرو' باقی مجرم نے تو اپنی زوجہ کو اپنے ذہن میں قتل ہی کر ڈالا تھا طلاق کے استفسار و طلب کی حاجت کیا ہے' اور واقعی شوہر نے زوجہ کو اس طور مارا تھا کہ اس کا بچ جانا تعجبات سے ہے یعنی زوجہ کی آنتیں وغیرہ سب نکل کے باہر آگئی تھیں فی الجملہ صورتِ مستفسرہ میں ہندہ زوج کے نکاح میں ہے یا نہیں اور دُوسرے سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں اور جس عورت کا شوہر دائم الحبس ہوگیا وُہ نکاح دوسرے سے کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

بے افتراق بموت یا طلاق دوسرے سے نکاح نہیں ہوسکتا، ہمارے نزدیک غیبت خواہ عسرت کے سبب ادائے نفقہ سے شوہر کا عجز یا تحصیل نفقہ سے عورت کی محرومی باعثِ تفریق نہیں بلکہ شافعیہ وغیرہم کے نزدیک بھی اس جواز تفریق کے یہ معنی کہ عورت قاضی شرع کے حضور دعوٰی پیش کرے اور قاضی گواہ شرعی لے کر تفریق کردے نہ یہ کہ عورت بطور خود جس سے چاہے نکاح کرلے، یہ ہرگز ائمہ اربعہ میں

---

[1] مصنّفِ عبدالرزاق باب التی لا تعلم مہلک زوجہا المکتبۃ الاسلامی بیروت ۷/۹۱-۹۰ حدیث نمبر ۱۲۳۳۰، ۱۲۳۳۲، ۱۲۳۳۴

سے کسی کا مذہب نہیں، اسی طرح شوہر کا بقصدِ قتل زوجہ پر حربہ کرنا اور اپنے گمان میں اس کا کام تمام کردینا کسی کے نزدیک موجبِ افتراق نہیں، کوئی جاہل سا جاہل بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی زوجہ منکوحہ جس کی عمر تخمیناً بیس سال کی تھی فوت ہوگئی وہ بوجہ ناقابل ہونے زوجیت کے مباشرت شوہری سے مجبور ہے اندامِ نہانی قابلِ ادخال نہ تھا قدرۃً اس میں قابلیتِ مباشرت نہ تھی زن و شوہر میں کبھی مجامعت نہ ہوئی نہ کوئی اولاد پیدا ہوئی پس اس زوجہ کے شوہر پر کیا کیا حقوق عائد ہوسکتے ہیں اور شوہر متروکہ منقولہ وغیر منقولہ زوجہ میں کیا حقوق شرعی رکھتا ہے یا دونوں ایک دوسرے کی مالیت میں کچھ حق نہیں رکھتے یا فلاں اس قدر رکھتا ہے اور فلاں اس قدر یا فلاں بالکل حق نہیں رکھتا اور فلاں رکھتا ہے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زن و شوہر کے باہمی حقوق ویسے ہی ہوتے ہیں جیسے زنِ قابلِ جماع کے ساتھ صرف فرق اتنا ہے کہ اگر فرج داخل میں بقدرِ حشفہ ادخال ناممکن تھا اور ایسی حالت میں شوہر طلاق دیتا تو نصف مہر لازم آتا اگرچہ خلوت کرچکا ہوتا کہ وُہ خلوت بوجہ مانعِ خلوت صحیحہ نہ تھی اور عدت جب بھی لازم آتی اور عورت کا نفقہ بھی شوہر پر لازم آتا اب کہ عورت کا انتقال ہوگیا اس کا کل مہر ذمّہ شوہر واجب الادا ہوگیا اور عورت کا نصف ترکہ شوہر کو وراثۃً پہنچے گا کہ ایسی عورت کے ساتھ نکاح شرعاً صحیح بلکہ لازم ہوتا ہے کہ شوہر دعوٰی فسخ نہیں کرسکتا، درمختار میں ہے:

لایتخیر احد الزوجین بعیب الاٰخر ولو فاحشا کجنون وجذام ورتق وقرن[1]۔

فحش عیب ہو تو بھی خاوند بیوی میں سے کسی کو دوسرے میں عیب کی بناء پر فسخِ نکاح کا اختیار نہیں، مثلاً جنون، جذام، بیوی کی شرمگاہ میں تنگی یا ہڈی ہو۔ (ت)

اُسی میں ہے:

الخلوۃ بلا مانع کرتق وقرن وعقل کالوطء فی تاکد المھر وتجب العدۃ فی الکل ولو فاسدۃ و

خلوت جس میں مانعِ جماع نہ پایا جائے مثلاً عورت کی شرمگاہ میں تنگی یا ہڈی وغیرہ ہو تو ایسی خلوت وطی کے حکم میں ہوگی جس سے مہر لازم ہوجائے گا

---

[1] درمختار باب العنین مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۴

الموت ایضا کالوطئ فی حق العدۃ والمھر[1] اھ ملتقطا۔

عدت واجب ہوگی اگرچہ نکاح فاسد ہو، اور موت بھی وطی کی طرح ہے اس سے بھی مہر اور عدت لازم ہوگی، اھ ملتقطا (ت)

اُسی میں ہے :

النفقۃ تجب للزوجۃ بنکاح صحیح ولو رتقاء اوقرناء اوکبیرۃ لاتوطأ[2] (ملخصا)

بیوی کے لئے نفقہ واجب ہے جب نکاح صحیح ہو خواہ بیوی کی شرمگاہ میں ہڈی یا غدود کی وجہ سے تنگی ہو، یا بڑھاپے کی وجہ سے جماع کے قابل نہ ہو (ملخصا) (ت)

اسی میں ہے :

یستحق الارث بنکاح صحیح لافاسد ولاباطل[3] (ملخصا)۔ واللہ تعالٰی اعلم

صحیح نکاح میں وراثت کا استحقاق ہوتا ہے فاسد یا باطل نکاح میں نہیں (ملخصا) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] درمختار باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۸

[2] درمختار باب النفقۃ " " " ۱/۲۶۶-۶۷

[3] درمختار کتاب الفرائض " " " ۲/۳۵۲

باب الکنایۃ

(طلاق کنایہ کا بیان)

رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق ۱۳۱۱ھ

(طلاق بائن کے الفاظ کی تعداد اور ان کی تفصیل کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۶۸ از بڑودہ ضلع گجرات کلاں ٹھکانہ پائیگاہ قاسم جالہ مرسلہ غلام حسین جالہ ۱۱ جمادی الاخری ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں عالم شریعت محمدی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس مسئلہ میں ایک شخص نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کیا، چند روز کے بعد اُس کے خاوند نے طلاق بائن دی جائز ہے یا نہیں؟ عورت فاحشہ ہے خاوند نے طلاق بائن دیا جائز ہے یا نہیں؟ طلاق بائن کس کو کہتے ہیں؟ طلاق بائن کا کیا طریقہ ہے؟ طلاق بائن کس طور سے دیتے ہیں؟ جس وقت چاہے خاوند اپنی عورت کو طلاق بائن دے سکتا ہے یا نہیں؟ مع مہر و نام کتاب عبارت عربی ترجمہ اردو، خلاصہ تحریر فرمائیے، اس کا اجر آپ کو خداوند کریم عطا کرے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

بائن وہ طلاق جس کے سبب عورت فوراً نکاح سے نکل جائے، اگر بعد نکاح ابھی وطی وجماع کی نوبت نہ پہنچی اگرچہ خلوت ہوچکی ہو تو طلاق دی جائے بائن ہی ہوگی۔

فی التنویر والدر ورد المحتار الخلوۃ لا تکون کالوطی فی حق الرجعۃ ای لا رجعۃ لہ بعد الطلاق الصریح بعد الخلوۃ بحر ای لوقوع الطلاق بائنا[1] اھ بالالتقاط۔

تنویر، در، ردالمحتار میں ہے کہ بیوی سے رجوع کے معاملہ میں خلوت وطی کی طرح نہیں، یعنی خلوت کے بعد اور جماع سے پہلے طلاق دی ہو تو اس صریح طلاق کے بعد بیوی سے رجوع نہیں ہو سکتا ہے، بحر ——کیونکہ صریح طلاق قبل از جماع بائنہ ہوتی ہے اھ ملتقطا (ت)

یونہی جب طلاقیں تین تک پہنچ جائیں خواہ ایک بار میں خواہ دس برس میں، تو وہ بھی بائن ہو جاتی ہیں بلکہ وہ بائن کی قسم اکبر ہیں کہ پھر بے حلالہ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ بائن کی تیسری صورت وہ طلاق کہ مال کے بدلے دی جائے مثلاً شوہر نے کہا میں نے بعوض ہزار روپیہ کے تجھے طلاق دی یا تیرے مہر کے بدلے طلاق دی، اور عورت نے قبول کرلیا، یا عورت نے کہا میں نے اپنے مہر یا فلاں قرض سے تجھے بری کیا اس شرط پر کہ تو مجھے طلاق دے دے، مرد نے دے دی، یا مرد نے کہا جتنے حق عورتوں کے شوہروں پر ہوتے ہیں اُن سب سے مجھے بری کر، اس نے کہا بری کیا، اس نے فوراً کہا میں نے طلاق دی کہ اس میں اگرچہ صراحۃً ذکرِ عوض نہ تھا مگر صورتِ حال دلیل معاوضہ ہے،

فی التنویر الواقع بالطلاق علی مال طلاق بائن[2] اھ وفی ردالمحتار اراد بالمال مایشمل الابراء منہ حتی لو قالت ابرأتک عمالی علیک علی طلاقی ففعل بری وبانت بحر عن البزازیۃ وفی الفتح اٰخر الباب قال ابرئینی من کل حق یکون للنساء علی الرجال ففعلت فقال فی فورہ طلقتک وھی مدخول بھا یقع بائنا لانہ بعوض[3]

تنویر میں ہے کہ مال کے عوض طلاق، بائنہ طلاق ہوگی اھ، اور ردالمحتار میں ہے کہ مال سے مراد عام ہے نقد ہو یا خاوند کے ذمہ اگر بیوی کا مال ہو مثلاً مہر وغیرہ تو طلاق کے عوض بیوی کا خاوند کو اپنے حق سے بری کرنا حتی کہ اگر بیوی نے کہہ دیا کہ طلاق کے عوض میں تجھے اپنے حق سے بری کرتی ہوں اور اس نے طلاق دے دی تو یہ طلاق بائنہ ہوگی، بحر نے اس کو بزازیہ کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور فتح میں اس باب کے آخر میں ہے خاوند نے کہا تو مجھے ہر ایسے حق سے بری کر دے جو عورتوں کا مردوں کے ذمہ ہوتا ہے، اور بیوی نے ایسے کردیا تو خاوند نے فوری طور پر کہہ دیا میں نے تجھے طلاق دی اگر بیوی مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ

[1] ردالمحتار | باب المہر | داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۴۲
[2] درمختار | باب الخلع | مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۵
[3] ردالمحتار | باب الخلع | داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۶۰

ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے۔ (ت)

چوتھی جو طلاق کسی قسم کی دی گئی اور بغیر رجعت ہُوئے عدّت گزر گئی وُہ طلاق بھی بائن ہوگئی۔ ان چاروں صُورتوں میں کسی لفظ کی تخصیص نہیں سب الفاظ ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

پانچویں یہ کہ عورت سے جماع ہوئے اس کے بعد طلاق دے اور گنتی بھی تین تک نہ پہنچے، نہ مال کے بدلے طلاق ہو نہ عدّت گزرے، بااین ہمہ طلاق دیتے ہی بائن ہوجائے اس کے لئے الفاظ مقرر ہیں کہ ان لفظوں سے کہا تو بائن ہوگی اور ان سے کہا تو رجعی کہ عدّت کے اندر رجعت کا اختیار رہ جائیگا مثلاً اگر زبان سے کہہ لے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا تو عورت نکاح سے نکلنے نہ پائے گی بدستور زوجہ رہے گی اور حکمِ طلاق زائل نہ ہوگا۔

بائن کے بعض الفاظ یہ ہیں:

جا[1]، نکل[2]، چل[3]، روانہ ہو[4]، اُٹھ[5]، کھڑی ہو[6]، پردہ کر[7]، دوپٹہ اوڑھ[8]، نقاب ڈال[9]، ہٹ[10]، سرک[11]، جگہ چھوڑ[12]، گھر خالی کر[13]، دور ہو[14]، چل دور[15]، اے خالی[16]، اے بری (بفتح با)[17]، اے جدا[18]، تو مجھ سے جدا ہے[19]، میں نے تجھے بے قید کیا[20]، میں نے تجھ سے مفارقت کی[21]، تو جدا ہے[22]،

فی الدر فنحو اخرجی واذھبی وقومی تقنعی تخمری استتری انتقلی انطلقی اغربی اعزبی من الغربۃ اومن العزوبۃ یحتمل ردا، ونحو خلیۃ بریۃ حرام بائن، ومرادفھا کبتۃ بتلۃ یصلح سبا، انت حرۃ سرحتك فارقتك لا یحتمل السب والرد، ففی حالۃ الرضی تتوقف الاقسام علی نیۃ (ملتقطا)۔[1]

دُر میں ہے: نکل جا، چلی جا، کھڑی ہو جا، پردہ کر، دوپٹہ اوڑھ، ہٹ جا، جگہ چھوڑ، دُور ہو، خالی ہو۔ اغربی یا اعزبی غربت یا عزوبت سے ہے، یہ الفاظ جواب کا بھی احتمال رکھتے ہیں، اور اکیلی، اے بری یا حرام یا بائنہ، یہ الفاظ اور ان کے ہم معنیٰ جیسے، تو مجھ سے جُدا ہے، میں نے تجھے آزادی دی، ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں، اور، تو مجھ سے آزاد ہے، میں نے تجھے بے قید کیا، میں نے تجھ سے مفارقت کی، یہ الفاظ ڈانٹ اور جواب کا احتمال نہیں رکھتے۔ یہ تمام اقسام رضا کی حالت میں کہے ہوں تو نیت پر موقوف ہوں گے۔ (ت)

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

رستہ ناپ[۲۳]، اپنی راہ لے[۲۴] کنایتان عن الذہاب (یہ دونوں کنایہ ہیں، جانے سے۔ ت)
کالا منہ کر[۲۵]، چال دکھا[۲۶]، چلتی بن[۲۷]، چلتی نظر آ[۲۸]، دفع ہو[۲۹]، دال فے عین ہو[۳۰]، رفوچکر ہو[۳۱]، پنجرا خالی کر[۳۲]، ہٹ کے سڑ[۳۳]،
اپنی صورت گما[۳۴]، بستر اٹھا[۳۵]، اپنا سوجھتا دیکھ[۳۶]، اپنی گٹھڑی باندھ[۳۷]، اپنی نجاست الگ پھیلا[۳۸]، تشریف
لے جائیے[۳۹]، تشریف کا ٹوکرا لے جائیے[۴۰]، جہاں سینگ سمائے جا[۴۱]، اپنا مانگ کھا[۴۲]، بہت ہو چکی اب مہربانی
فرمائیے[۴۳]، کلہا کنایۃ عن البعد والذہاب (یہ سب دُور ہونے اور جانے سے کنایہ ہیں۔ ت)
اے بے علاقہ ہو[۴۴] کقولہ بتۃ بتلۃ ("بے علاقہ ہو" کہا تو بتۃ اور بتلۃ کی طرح ہے۔ ت) منہ چھپا ہو[۴۵]،
کقولہ تقنعی تخمری استتری (پردہ کر، اوڑھنی لے، نقاب ڈال، کی طرح ہیں۔ ت) جہنم میں جا[۴۶]،
چولھے میں جا[۴۷]، بھاڑ میں پڑ[۴۸]،

فی فروع الدر اذہبی الی جہنم یقع ان نوی خلاصۃ[۱]

دُر کے فروعی مسائل میں ہے، جہنم میں جا، کہا، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، خلاصہ (ت)

میرے پاس سے چل[۴۹]، اپنی مراد پر فتحمند ہو[۵۰]، میں نے نکاح فسخ کیا[۵۱]، تو مجھ پر مثل مردار یا سوئر[۵۲] یا شراب[۵۳] کے ہے

فیہا ایضا وکذا اذہبی عنی وافلحی وفسخت النکاح وانت علی کالمیتۃ او کلحم الخنزیر او حرام کالماء[۲]

اسی میں ہے اور یوں ہی اگر کہا میرے پاس سے چل جا، اپنی مراد پر کامیاب ہو، میں نے نکاح فسخ کیا، تو مجھ پر مردار کی طرح ہے، تو مجھ پر خنزیر کی طرح یا شراب کی طرح ہے۔ (ت)

نہ مثل بھنگ یا افیون یا مال فلاں یا زوجہ فلاں کے،

فی ردالمحتار تحت قول الدر انت علی کالمیتۃ والمراد التشبیہ بما ہو محرم العین کالخمر والخنزیر والمیتۃ فالحکم فیہ کالحکم فی انت علی حرام بخلاف مالو قال انت علی کمتاع فلان فلا یقع وان نوی افادہ فی الذخیرۃ[۳]

ردالمحتار میں درمختار کے قول "تو مجھ پر مردار کی طرح ہے" سے مراد ہر وہ چیز ہے جو قطعی حرام ہے جیسے شراب، خنزیر اور مردار۔ ان کا حکم وہی ہے جو "تو مجھ پر حرام ہے" کا ہے، اس کے بخلاف اگر اس نے کہا "تو مجھ پر فلاں کے مال کی طرح ہے" اس میں نیت کی ہو تب بھی طلاق نہ ہوگی، ذخیرہ میں یہ افادہ کیا۔ (ت)

---

[۱] و [۲] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۶
[۳] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۴

تو مثل[55] میری ماں[55] یا بہن[56] یا بیٹی[57] کے ہے اور یُوں کہا کہ تُو ماں بہن بیٹی ہے تو گناہ کے سوا کچھ نہیں،

فی الدر وان نوی بانت علی مثل امی اوکامی وکذا لو حذف علیّ خانیۃ براً اوظہاراً او طلاقاً صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والا ینوشیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البریعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویابنتی ویا اختی ونحوہ[1]۔

دُر میں ہے اگر بیوی کو کہا "تُو مجھ پر میری ماں کی طرح" لفظ مثل یا کاف کو تشبیہ کے لئے ذکر کیا، اور یونہی اگر لفظ علیّ (مجھ پر) کو حذف کر دیا ہو اور خدمت یا ظہار یا طلاق جو بھی نیت کرے گا وہی حکم ہوگا، ہر ایک کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ یہ لفظ کنایہ ہے، اور کچھ بھی نیت نہ کی یا تشبیہ کے لفظ کو حذف کر دیا ہو تو یہ لغو کلام ہوگا اور صرف ادنٰی معنی یعنی خدمت وکرامت مراد ہوگا، اور "تُو میری ماں" اور "اے میری بیٹی اے میری بہن" جیسے الفاظ مکروہ ہیں۔ (ت)

تیری[59] گلو خلاصی ہُوئی، تو خالص[60] ہُوئی فی ردالمحتار انت خالصۃ[2] (ردالمحتار میں ہے، "تُو خالص ہُوئی"۔ ت)

حلال[61] خدا، یا حلال[62] مسلمانان، یا ہر[63] حلال مجھ پر حرام، تو میرے[64] ساتھ حرام میں ہے،

الکل فی الشامی کما یأتی صریحا وخالف فیہا المتاخرون ائمتنا المتقدمین فقالوا لاحاجۃ الی النیۃ لانہ المتعارف قلت وفی بلادنا قد انعدم التعارف فآل الامر الی ما کان علیہ قال الشامی ان المتاخرین خالفوا لتعرف الحادث فیتوقف الاٰن وقوع البائن بہ علی وجود العرف۔

یہ تمام فتاوٰی شامی میں ہے جیسا کہ آئندہ صراحۃً آئے گا، ان میں متاخرین فقہائے نے ہمارے متقدمین ائمہ کی مخالفت کی ہے اور کہا ان الفاظ میں نیت کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ طلاق میں عُرف بن چکے ہیں، قلت (میں کہتا ہوں) ہمارے علاقہ میں یہ عُرف نہیں ہے تو یہ الفاظ اب اپنے اصل پر لوٹ آئیں گے، علامہ شامی نے فرمایا، متاخرین نے جدید عُرف کی بنا پر خلاف کیا تو اس کے ساتھ وقوعِ بائن وجودِ عرف پر موقوف ہوگا۔ (ت)

میں[65] نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا اگر کسی عوض کا ذکر نہ کرے،

فی ردالمحتار عن الخانیۃ ولو قال بعت نفسك منك فقالت اشتریت یقع

ردالمحتار میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "میں نے تجھے تیرے پاس فروخت کیا" تو

---

[1] درمختار | باب الظہار | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۴۹
[2] ردالمحتار | باب الکنایات | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۶۲

طلاق بائن لان بیع نفسہا تملیك النفس من المرأۃ و ملك النفس لایحصل الا بالبائن فیکون بائنا[1] اھ۔

بیوی نے کہا میں نے خریدا، تو بائنہ طلاق ہوجائیگی، کیونکہ بیوی کو اس کے پاس فروخت کرنا بیوی کو اپنے نفس کا مالک بنانا ہے نفس کی ملکیت بیوی کو بغیر بائنہ طلاق کے حاصل نہیں ہوسکتی، لہذا بائنہ طلاق ہوگی اھ (ت)

اقول (میں کہتا ہوں) یہاں عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا،

لانہ تملیك نفسہا منہا وھی لاتملك نفسہا الا بالبائن بخلاف ماسیجیئ من قولہ بعت منك طلاقك فانہ تملیك الطلاق منہا فکان تفویضا فاشترط قبولہا۔

کیونکہ یہ بیوی کو اپنے نفس کا مالک قرار دینا ہے تو بیوی اپنے نفس کی مالک بائنہ طلاق کے بغیر نہیں بن سکتی، اس کے بخلاف جو آئندہ عنقریب آئے گا کہ خاوند اگر یوں کہے "میں نے تجھے تیری طلاق فروخت کی"، تو یہ طلاق کا مالک بنانا ہُوا لہذا یہ خاوند کا بیوی کو طلاق تفویض کرنا ہے جس میں بیوی کا قبول کرنا شرط ہے۔ (ت)

۶۶ میں تجھ سے باز آیا، ۶۷ میں تجھ سے درگزرا فی ردالمحتار عدایت عنہا[2] (ردالمحتار میں ہے: میں تجھ سے درگزرا۔ ت) ۶۸ تو میرے کام کی نہیں، ۶۹ میرے مطلب کی نہیں، ۷۰ میرے مصرف کی نہیں کما حققناہ علی ھامش ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کی تحقیق کی ہے۔ ت) ۷۱ مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں، ۷۲ کچھ قابو نہیں، ۷۳ ملک نہیں، ۷۴ میں نے تیری راہ خالی کردی، ۷۵ تو میری ملک سے نکل گئی، ۷۶ میں نے تجھ سے خلع کیا، ۷۷ اپنے میکے بیٹھ، ۷۸ تیری باگ ڈھیلی کی، ۷۹ تیری رسّی چھوڑدی، ۸۰ تیری لگام اتارلی، ۸۱ اپنے رفیقوں سے جامل،

فی الھندیۃ والحق ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی بخلیۃ وبریۃ وبتۃ وبائن و حرام اربعۃ اخری ذکرھا السرخسی فی المبسوط وقاضی خان فی شرح الجامع الصغیر واخرون وھی لاسبیل لی علیك، لاملك لی علیك، خلیت سبیلك، فارقتك ولاروایۃ فی خرجت من ملکی قالوا ھو

ہندیہ میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ نے خلیۃ، بریۃ، بتۃ، بائن اور حرام کے الفاظ کے ساتھ دیگر چار الفاظ کو ملحق کیا ہے ان دیگر چار کو امام سرخسی نے مبسوط میں اور قاضیخاں نے شرح جامع صغیر میں اور دوسرے حضرات نے ذکر کیا ہے وہ لاسبیل لی علیك (مجھے تجھ پر چارہ نہیں)، لاملك لی علیك (تجھ پر میری ملکیت نہیں)، خلیت سبیلك (میں نے تیرا راستہ آزاد کیا)، فارقتك (میں نے تجھ سے مفارقت کی)،

---

[1] ردالمحتار باب الخلع قولہ کبعت نفسک مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۵۵۹

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۲

بمنزلة خليت سبيلك، وفي الينابيع الحق ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی بالخمسة ستة اخری وھی الاربعة المتقدمة وزاد خالعتك والحق باھلك ھکذا فی غایة السروجی[1]، اھ، قلت وھو فی حدیث المستعیذة وفیھا ایضا، وفی قوله حبلك علی غاربك لا یقع الطلاق الا بالنیة کذا فی فتاوٰی قاضی خان وانتقلی وانطلقی کالحقی وفی البزازیة وفی الحقی برفقتك یقع اذا نوی کذا فی البحر الرائق[2]۔

اور خرجت من ملکی (تُو میری ملکیت سے نکل گئی) میں کوئی روایت نہیں ہے، اور فقہاء نے فرمایا یہ بمنزلہ "خلیت سبیلك" کے ہے۔ اور ینابیع میں ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی نے پانچ الفاظ کے ساتھ مزید چھ الفاظ ملحق فرمائے ہیں اور وُہ چار پہلے ذکر شدہ اور دو مزید اور وہ خالعتك (میں نے تجھ سے خلع کیا) الحقی باھلك (اپنے خاندان میں چلی جا)، غایۃ السروجی میں یُونہی مذکور ہے اھ، قلت (میں کہتا ہُوں) یہ بات پناہ طلب کرنے والی میں ہے۔ اور اسی غایۃ السروجی میں یہ بھی ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا "تیری ڈوری تیرے کندھے پر ہے" تو نیّت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے تُو منتقل ہو، تو جا، الحقی کی طرح ہے۔ اور بزازیہ میں ہے اگر یُوں کہا "تُو اپنے دوستوں سے مل جا" نیّت کی تو طلاق ہوجائے گی، بحرالرائق میں یونہی ہے۔ (ت)

مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں ھوکقوله لاسبیل لی علیك (جیسا کہ اس کا قول "مجھے تجھ پر چارہ نہیں"۔ت) خاوند تلاش کر[3]

فی الھندیة و یابتغی الازواج تقع واحدة بائنة ان نواھا واثنتین[عــه] وثلث ان نواھا ھکذا فی شرح الوقایة۔

اور ہندیہ میں ہے اگر یُوں کہا "تو خاوند تلاش کر" ایک بائنہ طلاق ہوگی اگر نیّت کی ہو، یا دو اور تین ہونگی اگر ان کی نیت کی ہو، شرح وقایہ میں ایسے ہی ہے۔ (ت)

عــه قابلت عبارة عن اصل الھندیة فوجدتھا ھکذا او ثنتان وثلث ۱۲ احامد رضا غفرله۔

عــه میں نے ہندیہ کے اصل قلمی نسخہ سے مقابلہ کیا تو میں نے وہاں یُوں عبارت پائی اور دو اور تین ۱۲ حامد رضا غفرلہ (ت)

---

[1] و [2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[3] ایضاً

مجھے تیری[۱] حاجت نہیں، مجھے تجھ سے سروکار[۲] نہیں، تجھ سے[۳] مجھے کام نہیں، غرض نہیں[۴]، مطلب[۵] نہیں، تو مجھے درکار[۶] نہیں، تجھ سے[۷] مجھے رغبت نہیں، میں[۸] تجھے نہیں چاہتا، یہ محض مہمل ہیں اگرچہ نیت کرے،

فی الھندیۃ ولوقال لاحاجۃ لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق کذا فی السراج الوھاج واذاقال لاارید اولا احبك اولا اشتھیك اولارغبۃ لی فیك فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کذا فی بحرالرائق[۱]۔

ہندیہ میں ہے اگر کہا "مجھے تجھ میں حاجت نہیں ہے" طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ سراج وہاج میں مذکور ہے، اور جب یوں کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" یا "میں تجھے پسند نہیں کرتا" یا "میں تجھ میں خواہش نہیں رکھتا" یا "مجھے تجھ میں دلچسپی نہیں" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو، یہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا قول ہے، بحرالرائق نے ایسے ہی بیان کیا۔(ت)

میں[۹] تجھ سے جُدا ہُوں یا ہُوا (فقط میں جُدا ہُوں یا ہوا کافی نہیں اگرچہ بہ نیت طلاق کہے)

فی الھندیۃ ولوقال انامنك بائن ونوی الطلاق یقع ولوقال انابائن ولم یقل منك لایقع وان نوی کذا فی محیط السرخسی[۲]۔

ہندیہ میں ہے اگر یوں کہا، میں تجھ سے بائن ہوں اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر صرف میں بائن ہوں، اور، تجھ سے، نہ کہا تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، محیط سرخسی میں ایسے ہی مذکور ہے۔(ت)

میں نے[۱۰] تجھے جُدا کردیا، میں نے تجھ سے جُدائی کی، تو خود[۱۱] مختار ہے، تو آزاد[۱۲] ہے،

فی الھندیۃ ولوقال فی حال مذاکرۃ الطلاق باینتك اوابنتك اوابنت منك او انت سائبۃ اوانت حرۃ یقع الطلاق وان قال لم انوالطلاق لایصدق قضاءً[۳]۔

ہندیہ میں ہے اگر حالت مذاکرہ طلاق میں، میں تجھ سے جُدا ہوں، میں نے تجھ کو جدا کیا، میں تجھ سے جُدا ہوا، تو سائبہ ہے یا تو آزاد ہے، تو طلاق ہوجائے گی اور اگر وہ کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی تو قضاءً اس کی تصدیق نہ کی جائے گی(ت)

---

[۱] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵
[۲] ایضاً
[۳] ایضاً

مجھ[89] میں تجھ میں نکاح نہیں، مجھ[90] میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا،

فی الھندیۃ ولوقال لھا لانکاح بینی و بینك اوقال لم یبق بینی و بینك نکاح یقع الطلاق اذا نوی کذا فی فتاوٰی قاضی خان[1]۔

ہندیہ میں ہے اگر کہا، تجھ میں مجھ میں نکاح نہیں، یا کہا، مجھ میں اور تجھ میں نکاح باقی نہیں ہے، تو نیّتِ طلاق سے طلاق ہوگی، جیسا کہ فتاوٰی قاضیخاں میں ہے۔(ت)

میں[91] نے تجھے تیرے گھروالوں یا باپ[92] یا ماں[93] یا خاوندوں[94] کو دیا یا خود تجھ کو دے[95] ڈالا (اور تیرے بھائی یا ماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو کہا تو کچھ نہیں)

فی الھندیۃ روی الحسن عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی انہ اذا قال وھبتك لاخیك اولخالك اولعمك اولفلان الاجنبی لم یکن طلاق کذا فی السراج الوھاج ولوقال لھا وھبت نفسك منك فھو من جملۃ الکنایات ان نوی بہ الطلاق یقع والا فلا[2]۔

ہندیہ میں ہے: امام حسن رحمہ اللہ تعالٰی نے امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی سے روایت کیا کہ اگر یُوں کہا، میں نے تجھے تیرے بھائی، خالو، چچے یا فلاں اجنبی کو ہبہ کیا طلاق نہ ہوگی جیسا کہ سراج وہاج میں ہے۔ اور اگر یُوں کہا، میں نے تیرا نفس تجھے ہبہ کیا تو کنایہ کے الفاظ میں سے ہے اگر نیّت کی تو طلاق ہوجائے گی، ورنہ نہیں۔(ت)

مجھ[96] میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا یا تجھ میں مجھ میں کچھ شئی نہیں اگرچہ نیّت کرے،

فی الھندیۃ ولوقال لم یبق بینی و بینك شیئ ونوی بہ الطلاق لایقع وفی الفتاوٰی لم یبق بینی و بینك عمل ونوی یقع کذا فی العتابیۃ[3]۔

ہندیہ میں ہے اگر کہا تیرے اور میرے درمیان کوئی شئی باقی نہیں اور اس سے نیت طلاق کی ہو تو طلاق نہ ہوگی، اور فتاوٰی میں مذکور ہے اگر یُوں کہا، تیرے اور میرے درمیان کوئی معاملہ باقی نہیں رہا، نیت کی ہو تو طلاق ہوگی جیسا کہ عتابیہ میں مذکور ہے۔(ت)

میں[97] تیرے نکاح سے بری ہُوں بیزار[98] ہوں،

فیھا عن الخانیۃ ولوقال انا بریئ من

ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے، اگر کہا، میں تیرے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] و [3] " " " " " " " ۱/۳۷۶

نکاحک یقع الطلاق اذا نوی[۱]

نکاح سے بری ہُوں ، طلاق کی نیت سے طلاق ہوجائے گی ۔ (ت)

۹۹ مجھ سے دُور ہوجا ،

فیھا عنھا ولو قال ابعدی عنی ونوی الطلاق یقع[۲]

ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے ، اگر کہا تو مجھ سے دُور ہوجا ، طلاق کی نیت سے طلاق ہوجائے گی (ت)

۱۰۰ مجھے صُورت نہ دکھا ،

وھذا بمعنی ابعدی عنی ، وفیہ ینوی کما مر انفا بخلاف استتری منی فانہ بزیادۃ منی خرج عن کونہ کنایۃ کما فی الخانیۃ ایضًا قال الشامی یکون قولہ منی قرینۃ لفظیۃ علی ارادۃ الطلاق بمنزلۃ المذاکرۃ تأمل[۳] اھ ، ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ ، اقول وذلک بخلاف انت یقول لاترنی وجھک فانہ یکون عبارۃ عن البغض والتنفر فلایزول الاحتمال اھ فافھم[۴]

اور یہ " مجھ سے دُور ہوجا " کے معنٰی میں ہے اور اس میں نیت کرے گا ، جیسا کہ ابھی گزرا ، اس کے برخلاف " مُجھ سے پردہ کر " منی (مجھ سے) کا لفظ زائد ہونے کی وجہ سے کنایہ سے خارج ہے جیسا کہ خانیہ میں بھی ہے نیز علامہ شامی نے فرمایا کہ یہاں منی (مجھ سے) کا لفظ قرینہ لفظیہ ہے کہ اس نے طلاق مراد لی مجھے بمنزلہ مذاکرہ طلاق ہے ، غور چاہیے اھ مجھے اس کے حاشیے پر لکھنا یاد ہے جس کی عبارت یہ ہے ، اقول (میں کہتا ہُوں) کہ اس کے برخلاف ہے یہ کہنا تو اپنا چہرہ مجھے نہ دیکھا ، کیونکہ یہ لفظ بغض اور نفرت کے اظہار کے لئے ہے لہٰذا دوسرا احتمال ختم نہ ہوگا ، اھ ، غور کرو ۔ (ت)

۱۰۱ کنارے ہو ، ۱۰۲ تُونے مجھ سے نجات پائی ،

فی الھندیۃ ومن الکنایات تنحی عنی و نجوت منی کذا فی فتح القدیر[۵]

ہندیہ میں ہے ، الفاظ کنایہ میں سے ، کنارے ہو ، مجھ سے تُونے نجات پائی ، ایسے ہی فتح القدیر میں ہے ۔ (ت)

---

[۱] و [۲] فتاوٰی ہندیہ | الفصل الخامس فی الکنایات | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۳۷۶
[۳] ردالمحتار | باب الکنایات | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۴۶۳
[۴] جدالممتار | " " حاشیہ نمبر ۹۶ | المجمع الاسلامی مبارکپور | ۲/ ۵۱۵
[۵] فتاوٰی ہندیہ | الفصل الخامس فی الکنایات | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/ ۳۷۶

ومثلها (اوراسی کی مثال ہے۔ ت) الگ ہو[103]، میں نے تیرا پاؤں کھول دیا[104]

لعدم التعارف فی بلادنا وما فی الخلاصۃ پای کشادہ کردم ترا تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا وتقع بدون النیۃ[1] اھ فمبنی کما تری علی العرف فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن الامام ظہیر الدین یفتی فیما سواھا باشتراط النیۃ ویکون الواقع بائنا[2]۔

ہمارے علاقہ کا عرف نہ ہونے کی بنا پر، اور جو خلاصہ میں ہے کہ "میں نے تیرے پاؤں کھول دئے" عرف میں "میں نے تجھے طلاق دی" کے ہم معنی ہے، لہذا اس سے طلاق رجعی ہوگی، اور بغیر نیت طلاق ہوجائے گی اھ تو یہ عرف پر مبنی ہے جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے ہندیہ میں ذخیرہ سے امام ظہیر الدین سے منقول ہے کہ مذکورہ الفاظ کے علاوہ میں نیت شرط ہونے پر فتوی دیا جائے گا اور اس سے بائنہ طلاق ہوگی۔ (ت)

میں نے تجھے آزاد کیا[105]، آزاد ہوجا[106]،

فیہا ولو قال اعتقتک طلقت بالنیۃ کذا فی معراج الدرایۃ وکونی حرۃ او اعتقی مثل انت حرۃ کذا فی البحر الرائق[3]۔

ہندیہ میں ہے: اور اگر خاوند کہے "میں نے تجھے آزاد کیا" تو نیت سے طلاق ہوگی، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے، اور "تو آزاد ہوجا" یا "تو آزاد ہے" انت حرۃ کی طرح ہے جیسا کہ بحرالرائق میں ہے۔ (ت)

تیری بندکٹی[107]، تو بے قید ہے[108]،

فیہا ولو قال انت السراح فھو کما قال لہا انت خلیۃ کذا فی فتاوی قاضی خان[4]۔

ہندیہ میں ہے: اگر کہا "تو بے قید ہے" یہ ایسے ہی ہے جیسے یوں کہے "تو جدا ہے"، جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے۔ (ت)

میں تجھ سے بری ہوں[109]،

فیہا فی مجموع النوازل امرأۃ قالت لزوجہا انا بریئۃ منک فقال الزوج

ہندیہ میں ہے کہ مجموع النوازل میں ہے، بیوی نے کہا "میں تجھ سے بری ہوں" تو خاوند نے جواب میں

---

[1] خلاصۃ الفتاوی — کتاب الطلاق — مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ — ۲/ ۹۹
[2] فتاوی ہندیہ — الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/ ۳۷۹
[3] فتاوی ہندیہ — الفصل الخامس فی الکنایات — ؍؍ ؍؍ ؍؍ — ۱/ ۳۷۶
[4] ایضاً

انا بریٔ منك ایضاً فقالت انظر ماذا تقول فقال مانویت الطلاق لایقع الطلاق لعدم النیة کذا فی المحیط[1]۔

کہا "میں بھی تجھ سے بری ہوں" پھر بیوی نے کہا خیال کرو کیا کہہ رہے ہو، تو خاوند نے کہا میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہا، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ نیت نہیں ہے، جیسا کہ محیط میں ہے (ت)

۱۱۱ اپنا نکاح کر، جس سے چاہے نکاح کرلے۔

فیہا لوقال تزوجی ونوی الطلاق او الثلث صح وان لم ینو شیئا لم یقع کذا فی العتابیة[2]۔

ہندیہ میں ہے اگر کہا "تُو نکاح کرلے" اور طلاق کی نیت کی ہو تو ایک طلاق، اور تین کی نیت کی تو تین ہوں گی۔ اور کوئی نیت نہیں کی تو کوئی طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ عتابیہ میں ہے (ت)

۱۱۲ میں تجھ سے بیزار ہُوا،

فیہا عن الخلاصة ولوقال لہا ازتو بیزار شدم لایقع بدون النیة[3]، قلت وظاہر ان لیس کقولہ انا منك طالق فافہم[عہ] وثبت۔

ہندیہ میں خلاصہ سے ہے اگر کہا "میں تجھ سے بیزار ہوں" تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔ قلت (میں کہتا ہُوں) ظاہر یہ ہے مذکورہ لفظ خاوند کے قول "میں تجھ سے طلاق والا ہوں" کی طرح نہیں ہے، غور کرو اور ثابت رہو۔ (ت)

۱۱۳ میرے لئے تجھ پر نکاح نہیں،

فی الخانیة وفی نحو قولك لانکاح لی علیك لایقع الطلاق الا بالنیة[4] (ملخصاً)

خانیہ میں ہے: خاوند کے اس قول سے کہ "میرے لئے تجھ پر نکاح نہیں ہے" نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

۱۱۴ میں نے تیرا نکاح فسخ کیا،

فیہا ولوقال لہا فسخت نکاحك یقع الطلاق

خانیہ میں ہے، اگر بیوی کو کہا "میں نے تیرا نکاح

عہ اشارة الی ان ما فی الدر سہو ۱۲ منہ

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو درمختار میں ہے وہ سہو ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] و [2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۵
[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶

اذا نوی[1]۔ فسخ کیا، نیت سے طلاق ہوجائے گی۔ (ت)

تجھ پر[115] چاروں راہیں کھول دیں (اور اگر یوں کہا کہ تجھ پر چاروں کھلی ہیں، تو کچھ نہیں جب تک یہ بھی نہ کہے، جو راستہ[116] چاہے اختیار کر)

فیھا و لو قال لھا اربع طرق علیك مفتوحة و نوی الطلاق لا یقع الطلاق الا ان یقول اربع طرق علیك مفتوحة فخذی ای طریق شئت فحینئذ یقع الطلاق اذا نوی و لو قال (چہار راہ بر تو کشادم) لا یقع الطلاق ما لم ینو[2] و فی الھندیة اذا قال لھا چہار راہ بر تو کشادہ است لا یقع الطلاق و ان نوی ما لم یقل خذی ایما شئت عند اکثر المشائخ و انہ منقول عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی و اذا قال لھا چہار راہ بر تو کشادم یقع الطلاق اذا نوی و ان لم یقل خذی ایما شئت[3]۔

خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا "چاروں راہ تجھ پر کھلے ہیں" اور طلاق کی نیت کی تو طلاق نہ ہوگی جب تک ساتھ یہ نہ کہے جس راستے کو تُو چاہے اختیار کرلے، اگر طلاق کی نیت سے یہ کہہ دیا تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر کہا تجھ پر چاروں راہیں کھول دیں، تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اور ہندیہ میں بھی ہے کہ اگر خاوند نے صرف یہ کہا "تجھ پر چار راہیں کھلی ہیں" تو نیت کے باوجود نہ ہوگی جب تک ساتھ یہ نہ کہے" تو جس کو چاہے اختیار کرلے"۔ اکثر مشائخ کے ہاں یہ ہے، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی سے یہی منقول ہے۔ اور اگر کہا "تجھ پر چاروں راہیں کھولتا ہوں" تو نیت کی تو طلاق ہوجائیگی، اگرچہ اس نے "جس کو تُو چاہے اختیار کرلے" نہ کہا ہو۔ (ت)

میں[117] تجھ سے دست بردار ہُوا۔

فی الخانیة (جنگ بازداشتم) ز قال الفقیه ابو جعفر واحدة بائنة و غیرہ یقع رجعیة و الاول اصح[4]۔

خانیہ میں ہے: اگر خاوند نے کہا "میں تجھ سے دستبردار ہُوا" تو ابو جعفر فقیہ نے کہا ایک طلاق بائنہ ہوگی، اور دُوسروں نے کہا کہ ایک طلاق رجعی ہوگی، پہلا قول اصح ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۶
[2] " " " " ۲/ ۲۱۷
[3] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۱
[4] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۲/ ۲۱۷

میں نے[121] تجھے تیرے گھر والوں یا باپ[119] یا ماں[120] کو واپس دیا،

فی الطحطاوی عن الدر المنتقی رددتك الیھم ولا یشترط قبولھم[1]۔

طحطاوی میں درمنتقی سے منقول ہے، خاوند نے کہا "میں نے تجھے تیرے گھر والوں کو واپس کر دیا" تو گھر والوں کا قبول کرنا شرط نہیں ہے (ت)

تو میری[121] عصمت سے نکل گئی،

فی العقود صرح فی الوجیز لبرھان الائمۃ انہ لوقال فسخت النکاح بینی وبینك ولم یبق بینی وبینك لایقع الابالنیۃ ولا یخفی ان قولہ انت خارجۃ عن عصمتی مثلہ فی المعنی من الفتاوی المزبورۃ قلت فان الخروج عن العصمۃ یکون بطلاق وفسخ کطریان حرمۃ مصاھرۃ ولو من قبلہ فلم یتعین للطلاق وکذا الخروج عن الملك کما مر[2]۔

عقود دریہ میں ہے کہ علامہ برہان الائمہ نے وجیز میں تصریح کی ہے کہ اگر خاوند نے کہا "میرے اور تیرے درمیان نکاح فسخ ہوگیا ہے اور ہمارے درمیان نکاح باقی نہ رہا" تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، اور یہ مخفی نہیں کہ خاوند کا کہنا کہ "تو میری عصمت سے خارج ہے" معنی میں اُسی کی مثل ہے جو فتاوی مذکورہ سے مروی ہے قلت (میں کہتا ہوں) عصمت سے خارج ہونا طلاق اور فسخ کے ساتھ ہوتا ہے ــــ مثلاً حُرمتِ مصاہرۃ کی بناپر جو کہ خاوند کی طرف سے بھی طاری ہوسکتی ہے لہذا فسخ کے لئے طلاق متعین نہیں ہے" اور اسی طرح ملکیت سے خارج ہونا بھی ہے جیسا کہ گزرا۔ (ت)

میں[122] نے تیری ملک سے شرعی طور پر اپنا نام اتار دیا،

فی الخیریۃ سئل فی رجل قال فی حال الغضب وسؤال الطلاق لزوجتہ نزلت عنھا نزولا شرعیا ھل تبین بذلك ام لا اجاب لم ار من تعرض لھذا فی کلامھم لکن رأیت فروعا متعددۃ فی الکنایات تقتضی انہ

خیریہ میں ہے: ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو غصہ میں اور طلاق کے مطالبہ پر کہا "میں نے اس سے شرعی نام اتار دیا" تو کیا اس شخص کی بیوی بائنہ ہوجائے گی یا نہیں؟، انھوں نے جواب دیا میں نے فقہاء کے کلام میں اس مسئلہ کے بیان کو نہیں پایا، لیکن میں نے کنایہ کے بہت سے مسائل

---

[1] طحطاوی علی الدر المختار باب الکنایات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۳۸

[2] عقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الطلاق حاجی عبدالغفار قندھار افغانستان ۱/ ۴۳

33/33 يقع بمثله الطلاق البائن اذا وجدت النية اودلالة الحال فتعين الافتاء بالوقوع فى الحادثة واذا علمت ان هذا يصلح جوابا لاس داوشتيمة وتأملت فى فروع ذكرها صاحب البحر والتاترخانية وغيرهما قطعت بما ذكرنا۔[1]

دیکھے ہیں جن کی روشنی میں اس صورتِ مذکورہ میں طلاق بائنہ ہوگی جب نیت پائی جائے یا حال کی دلالت پائی جائے، لہٰذا اس مذکورہ حادثہ میں طلاق کا فتوٰی متعین ہوگا، جب معلوم ہوگیا کہ مسئلہ مذکورہ میں خاوند کا قول جواب ہی ہوسکتا ہے مطالبہ طلاق کا رَد یا گالی نہیں بن سکتا اور میں نے بحر اور تاتارخانیہ وغیرہما میں مذکور فروعات میں غور کیا، تو مجھے یقین ہوگیا کہ طلاق کے وقوع کا حکم ایسے ہی ہے جیسے ہم نے ذکر کیا ہے۔ (ت)

تو میرے[123] لائق نہیں قیامت تک یا عمر بھر[124]،

فی الخلاصة ولو قال لامرأته، تومرا نشائی تاقیامت او ہمہ عمر، لایقع الطلاق بدون النیة۔[2]

خلاصہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تو میرے لائق نہیں ہے قیامت تک یا عمر بھر، تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

تو مجھ[125] سے ایسی دُور ہے جیسے مکہ معظمہ مدینہ طیبہ سے یا دلّی کلکتہ سے،

فی الخلاصة ولو قال لہا توازمن چناں دُوری کہ مکہ ازمدینہ لایقع الطلاق بدون النیة۔[3]

خلاصہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تو مجھ سے ایسی دُور ہے جیسے مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ" تو بغیر نیت طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

ان سب صورتوں میں اگر طلاق کی نیت ہو طلاق بائن پڑجائے گی تو مطلقہ[1] بائنہ ہے (بے حرف عطف)، یا تو مطلقہ[2] بس بائنہ ہے تجھ پر سب[3] سے فحش تر طلاق، شیطانی[4] طلاق، بدعت[5] کی طلاق، بدتر[6] طلاق، پہاڑ[7] کی مثل، ہزار[8] کے مثل، کوٹھری[9] بھر کے سخت[10] یا لمبی[11] یا چوڑی[12] طلاق، سب سے بُری[13]، سب سے کڑی[14]، سب سے گندی[15]، سب سے ناپاک[16]، سب سے کڑی[17]، سب سے بڑی[18]، سب سے چوڑی[19]، سب سے لمبی[20]، سب سے موٹی[21] طلاق، کلاں[22] تر طلاق،

---

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الطلاق دارالفکر بیروت ۱/ ۵۰

[2] خلاصة الفتاوی الفصل الثانی فی الکنایات مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۱۰۰

[3] " " کتاب الطلاق " " ۲/ ۹۹

فی الدر ویقع بقولہ انت طالق بائن او افحش الطلاق او طلاق الشیطان والبدعۃ او اشر الطلاق او کالجبل او کالف او ملء البیت او تطلیقۃ شدیدۃ او طویلۃ او عریضۃ او اسوأہ او اشدہ او اخبثہ او اکبرہ او اعرضہ او اطولہ او اغلظہ او اعظمہ واحدۃ بائنۃ ان لم ینو ثلاثا فیہ ایضا ولو بالفاء (ای فی قولہ انت طالق فبائن) فبائنۃ ذخیرۃ[1] (ملخصا)

دُر میں ہے، خاوند نے بیوی کو کہا، تجھے بائن طلاق، فحش تر طلاق، شیطانی طلاق، بدتر طلاق، بدعت طلاق 'یا پہاڑ برابر' یا ہزار برابر، کوٹھری بھر طلاق، شدید طلاق، طویل، عریض، سب سے بُری، سب سے شدید، سب سے بڑی، سب سے عریض، سب سے طویل، سب سے غلیظ، سب سے عظیم طلاق۔ تو ان تمام صورتوں میں ایک بائنہ طلاق ہوگی جبکہ یہاں بھی تین کی نیت نہ کی ہو۔ اور اگر بائن کو ف کے ساتھ ذکر کرے مثلاً "تُو طلاق والی" فبائنہ" کہا تو بائنہ ہوگی۔ ذخیرہ۔ (ت)

[23] تجھ پر ایسی طلاق جس سے تُو اپنے اختیار میں ہو جائے۔

فی الدر کما یقع البائن لو قال انت طالق طلقۃ تملکی بہا نفسک لانہا لا تملک نفسہا الا بالبائن[2]

دُر میں ہے، اگر کہا "تجھ پر ایسی طلاق جس سے تُو اپنے اختیار میں ہو جائے" تو بائنہ طلاق واقع ہوگی کیونکہ بیوی بائنہ طلاق کے بغیر اپنی مالک نہیں ہو سکتی (ت)

[24] تجھ پر بائن طلاق،

فی ردالمحتار تحت قولہ لانہا لا تملک نفسہا صرح بہ فی البدائع وقال اذا وصف الطلاق بصفۃ تدل علی البینونۃ کان بائنا اھ وھذہ الصفۃ بمعنی قولہ انت طالق طلقۃ بائنۃ[3] الخ۔

ردالمحتار میں ماتن کے قول کہ "اپنے نفس کی مالک نہ ہوگی" کے تحت ہے اس کی تصریح بدائع میں کی ہے، اور کہا کہ جب طلاق ایسے وصف سے موصوف ہو جو بائنہ ہونے پر دلالت کرے تو وہ طلاق بائنہ ہوگی اھ، اور یہ صفت "تو بائنہ طلاق والی ہے" کے معنی میں ہوگی الخ (ت)

---

[1] درمختار | باب الصریح | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۲۲
[2] ایضاً
[3] ردالمحتار | باب الصریح | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۴۵۰

تجھ پر وہ طلاق جس میں مجھے رجعت کا اختیار نہیں' اس میں بالاتفاق ہمارے ائمہ کے مذہب میں طلاق بائن ہوگی۔ اور اگر یہ کہا" تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ مجھے رجعت کا اختیار نہیں، جوہرہ میں فرمایا کہ اس میں رجعی ہوگی، اور بائن ہونے کو ضعیف بتایا مگر تبیین الحقائق اور غایۃ البیان اور فتح القدیر میں فرمایا کہ اول تو ہمیں رجعی ہونا مسلّم نہیں اور ہو بھی تو اُس کی وجہ یہ ہے یہ ایک بحث ہے جس سے اصلاً مذہب ہمارے ائمہ کا اُس صورت میں وقوع بائن ہونا ثابت نہیں ہوتا اگرچہ بحرالرائق میں اسی بحث کی بناء پر جزم فرمایا کہ یہاں وقوع بائن ہمارا مذہب ہے،

فی البحر عن الجوھرۃ ان قال انت طالق علی انہ لا رجعۃ لی علیك یلغو و یملك الرجعۃ وقیل تقع واحدۃ بائنۃ وان نوی الثلث فثلث اھ وظاھر ما فی الھدایۃ ان المذھب الثانی فانہ قال واذا وصف الطلاق بضرب من الشدۃ والزیادۃ کان بائنا اھ[1]

بحر میں جوہرہ سے منقول ہے: اگر خاوند نے کہا تجھے طلاق اس شرط پر جس میں مجھے رجعت کا اختیار نہیں، تو یہ رجعی ہوگی، اور بعض نے کہا ایک بائنہ واقع ہوگی، اور اگر تین کی نیت کی تو تین ہوں گی۔ اور ہدایہ کے بیان سے ظاہر یہ ہے کہ دُوسرا قول مختار مذہب ہے کیونکہ اس نے کہا کہ اگر طلاق کو کسی شدّت اور زیادتی کے ساتھ موصوف کیا جائے تو وُہ بائنہ ہوگی اھ (ت)

اس کے سوا تیسری صورت ایک اور ہے وُہ یہ کہ تجھے طلاق ہے اور مجھے رجعت کا اختیار نہیں' اس میں بلاشبہ رجعی ہوگی کما فی الشامی ویاتی (جیسا کہ شامی میں ہے اور آگے آئے گا۔ ت) یُونہی اگر کہا تجھ پر طلاق ہے اس شرط پر کہ اُس کے بعد رجعت نہیں بلکہ یُوں کہا کہ تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہیں بلکہ یُوں کہا کہ تجھ پر وُہ طلاق ہے جس کے بعد رجعت نہ ہوگی، تو ان سب صورتوں میں بلاخلاف رجعی ہونا چاہئے،

والسر فیہ ان الصور ھھنا ثلث العطف والشرط والوصف کقولہ انت طالق ولا رجعۃ لی علیك او انت طالق علی ان لا رجعۃ لی علیك او انت طالق طلقۃ

اس میں راز یہ ہے کہ یہاں تین صورتیں ہیں، ایک عطف، دوسری شرط، تیسری وصف۔ پہلی جیسے کہے" تجھے طلاق اور مجھے رجوع کا حق تجھ پر نہیں"، دوسری، جیسے کہے" تجھے طلاق اس شرط پر کہ مجھے

لارجعة لی فیها علیك الاول کلام مستقل لایغیر ما قبله فلا یتغیر عن حکمه الشرعی والثانی مغیر ویختلف النظر فیه فمن نظر الی انه تغییر لحکم الشرع الغاه واوقع الرجعی لان شرط الرجعی احق واوثق ومن شرط مالیس فی کتاب الله فشرطه باطل وان شرط مائة شرط[1] کما ارشد الیه الحدیث الصحیح ومن ارجعه الی معنی الوصف اوقع به البائن فلم یجعله تغیرا بل تعبیرا کانه یقول ان مرادی طلاق لارجعة لی فیه وانت تعلم ان الاول اظهر لکن ربما یؤید هذا لان الاعمال اولی من الاهمال واما الثالث فلا شبهة فیه عندنا لما مرانه اذا وصف الطلاق بضرب من الشدة والزیادة کان بائنا اما ما ذکرت انه ینبغی وقوع الرجعی بلاخلاف فیما اذا قال انت طالق طلقة لاراجعك بعدها فالوجه فیه ان الطلاق الرجعی لایستلزم الرجعة فلا ینافی عدمها انما ینافی عدم اختیارها فحل محل ابعاد وبهذا القدر لایسلب منه خیار الرجعة فمن جهته احتمال هذا المعنی لم یکن نصا فی ارادة

رجوع کا حق نہیں"۔ تیسری، جیسے کہے "تجھے وہ طلاق جس میں مجھے تجھ پر رجوع کا حق نہیں" پہلی صورت میں عطف کی وجہ سے مستقل کلام ہے ماقبل کو تبدیل نہیں کرے گا اور ماقبل اپنے شرعی حکم سے متغیر نہ ہوگا، اور دوسری صورت میں شرط کی وجہ سے ماقبل کو متغیر کرے گا، اور اس میں وجہ مختلف ہے، جس نے یہ وجہ بنائی کہ ماقبل کے لئے مغیر ہے اور شرعی حکم متغیر کر رہا ہے، تو اس شرط کو لغو قرار دیا اور ماقبل کو رجعی قرار دیا، کیونکہ اس کو رجعی کی شرط بنانا زیادہ وزنی ہے اور یہ کہا کہ اللہ کے حکم کے خلاف شرط باطل ہے، اگرچہ ایسی سو شرطیں بھی ہوں تو وہ باطل ہوں گی جیسا کہ حدیث صحیح میں ارشاد ہے۔ اور تیسری صورت وصف ترجس نے یہاں وصف قرار دیا انھوں نے کہا اس وصف کی وجہ سے طلاق بائنہ ہوگی، لہذا ان کے نزدیک یہ وصف پہلے بیان کی تبدیلی نہیں بلکہ یہ اس کی تعبیر ہے گویا اس نے کہا "طلاق سے میری مراد ایسی طلاق جس میں مجھے رجوع کا حق نہ ہو"۔ آپ جانتے ہیں کہ پہلی صورت واضح ہے، اور دوسری صورت میں شرط کو مؤثر ماننے کو ترجیح ہوگی کیونکہ کسی کلام کو عمل میں لانا اسے مہمل قرار دینے سے بہتر ہے، اور تیسری صورت میں کوئی شبہہ نہیں ہے کیونکہ جب طلاق کو کسی شدید اور زیادتی والے وصف سے موصوف کیا جائے تو وہ طلاق بائنہ ہوجاتی ہے، لیکن خاوند کے اس قول میں "تجھے طلاق وہ کہ میں تجھ سے رجوع نہ کروں گا" کے متعلق جو میں نے ذکر کیا ہے کہ اس میں بالاتفاق رجعی

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اشترط فی شروطا لاتحل قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۹۰

البینونة فلو یکن بائنا بالشك، فاذاکان ھذا فی الوصف ففی الشرط اولی ھذا ماظھر لی فلیراجع ولیحرر، واللہ تعالٰی اعلم۔

طلاق ہونی چاہیئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق رجعی کو رجوع لازم نہیں ہے بلکہ خاوند کی مرضی پر ہے ہاں خاوند کا کہنا "میں رجوع نہ کروں گا" رجوع کے عمل کے خلاف ہے تو اس کا یہ کہنا رجوع سے بعید ہے منافی نہیں، لہٰذا صرف اس وجہ سے خاوند کو عملاً رجوع سے نہیں روکا جاسکتا، تو اس احتمال کی بنا پر مذکورہ الفاظ "بائنہ طلاق کے لئے نص نہ بن سکیں گے" تو اس شک کی وجہ سے طلاق بائنہ نہ ہوگی۔ جب وصف میں یہ گنجائش ہے تو شرط میں بطریق اولٰی گنجائش ہوگی، یہ وہ ہے جو مجھ پر عیاں ہوا، تاہم تحقیق کی طرف رجوع اور وضاحت کو اختیار کرنا چاہیئے۔

مجھ[۲۸] سے پردہ کر،

کما تقدم عن الشامی وھو قولہ استتری منی۔

جیسا کہ شامی کا بیان گزرا اور وہ، تو مجھ سے پردہ کر۔ (ت)

اے[۲۸] حرام، تو حرام[۲۹] ہے، تو مجھ پر[۳۰] حرام ہے، میں[۳۱] نے تجھے حرام کیا، میں[۳۲] نے تجھے اپنے اوپر حرام کیا، میں[۳۳] تجھ پر حرام ہوں، میں[۳۴] نے اپنے آپ کو تجھ پر حرام کیا، یہاں فقط میں حرام ہوں یا میں نے اپنے آپ کو حرام کیا کافی نہیں جب تک تجھ پر نہ کہے،

فی ردالمحتار قولہ حرام سیاتی وقوع البائن بہ بلانیة فی زماننا للتعارف لافرق فی ذلك بین محرمة وحرمتك سواء قال علی اولا، وحلال المسلمین علی حرام وکل حل علی حرام وانت معی فی الحرام وفی قولہ حرمت نفسی لابد ان یقول علیك[۱] اھ قلت وھو کذلك بھذہ الالفاظ متعارف عندنا بخلاف ما مر من قولہ حلال اللہ او المسلمین اوکل حلال فبھذہ الثلثة لایقع الطلاق

ردالمحتار میں ہے، خاوند کا کہنا "تو حرام ہے" عنقریب آئے گا کہ اس سے ہمارے زمانہ میں طلاق کے لئے عُرف بن جانے کی وجہ سے بغیر نیت طلاق ہوجائے گی۔ اس میں محرّمة یا حرمتك (حرام شدہ یا میں تجھے حرام کرتا ہوں) میں کوئی فرق نہیں، اور پھر "مجھ پر" کا لفظ کہے یا نہ کہے تو بھی کوئی فرق نہ ہوگا، اور خاوند کا کہنا، مسلمانوں کا حلال مجھ پر حرام، اور ہر حلال مجھ پر حرام، تو میرے ساتھ حرام میں ہے، ان میں کوئی فرق نہیں، تاہم حرمت نفسی (میں نے اپنا نفس حرام کیا) کے

---

[۱] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۴

الا بالنیۃ لعدم العرف فی زماننا۔ ساتھ علیک (تجھ پر) کہنا ضروری ہے اھ۔ قلت (میں کہتا ہوں) اس لفظ میں ہمارے زمانے میں بھی یہی حکم ہے کہ بغیر نیت طلاق ہوجائے گی، لیکن "اللہ کا حلال یا مسلمانوں کا حلال اور ہر حلال مجھ پر حرام ہے" اس کے برخلاف ہے، ان تین الفاظ سے بغیر نیت طلاق نہ ہوگی کیونکہ ہمارے زمانے میں یہ طلاق کے لئے معروف نہیں ہیں۔ (ت)

ہزار[۶] طلاق کے برابر ایک طلاق،

شامی عن البحر وفی واحدۃ کالف واحدۃ اتفاقا وان نوی الثلث[۱]۔

شامی نے بحر سے نقل کیا "ہزار طلاق کے برابر ایک طلاق" میں اتفاق ہے کہ ایک ہی ہوگی اگرچہ وہ تین کی نیت کرے۔ (ت)

ان سب صورتوں میں بے حاجت نیت طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا۔

رجعی کے بعض الفاظ یہ ہیں

میں[۱] نے تجھے طلاق دی، اے[۲] مطلقہ بتشدید لام، اے[۳] طلاق گرفتہ، اے[۴] طلاق دی گئی، اے[۵] طلاقن، اے[۶] طلاق شدہ، اے[۷] طلاق یافتہ، اے[۸] طلاق کردہ،

فی الدر وانت طالق ومطلقۃ بالتشدید[۲]۔

دُر میں ہے، "تو طلاق والی ہے یا طلاق دی ہوئی" بالتشدید۔ (ت)

اے[۹] طلاق دادہ،

فی الخزانۃ ولو قال لہا ای طلاق دادہ یقع واحدۃ[۳]۔

خزانہ میں ہے کہ اگر کہا "اے طلاق دی ہوئی" تو ایک طلاق واقع ہوگی (ت)

مگر اس عورت نے اگر اپنے پہلے شوہر سے طلاق پائی تھی بایں معنی اس نے یہ آٹھ الفاظ کہے تو طلاق نہ ہوگی،

فی الخانیۃ رجل قال لامرأتہ یا مطلقۃ وکان لہا زوج قبلہ وقد کان طلقہا ذلک

خانیہ میں ہے، اگر خاوند نے بیوی کو کہا "اے طلاق دی ہوئی" جبکہ اس بیوی کو پہلے کسی خاوند نے طلاق

---

[۱] ردالمحتار | باب الصریح | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۴۴۹

[۲] درمختار | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۱۸

[۳] خزانۃ المفتین | فصل فی صریح الطلاق | قلمی نسخہ | ۱/ ۱۱۰

الزوج ان لو ینو بکلامہ الاخبار طلقت وان قال عنیت بہ الاخبار دین فیما بینہ وبین اللہ تعالٰی وھل یدین فی القضاء اختلفت الروایات فیہ والصحیح انہ یدین۔[1]

دی تھی، تو اگر خاوند نے پہلے واقعہ کی حکایت کی نیت نہ کی تو طلاق ہوجائے گی، اور اگر اس نے کہا کہ میں نے پہلے واقعہ کی حکایت اور خبر دی ہے تو دیانۃً یعنی اللہ تعالٰی کے ہاں اس بات کو تسلیم کیا جائے گا، لیکن کیا قضاءً بھی اس کی بات تسلیم کی جائے گی یا نہیں، اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تصدیق کی جائے اور طلاق نہ ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا۔ (ت)

میں[10] نے تجھے چھوڑ دیا،

فی الھندیۃ تراجشتم فھذا تفسیر قولہ طلقتك عرفا حتی یکون رجعیا۔[2]

ہندیہ میں ہے، اگر کہا "میں نے تجھے چھوڑ دیا" تو عرف میں یہ "میں نے تجھے طلاق دی" کے معنی میں ہے حتی کہ اس سے رجعی طلاق ہوگی (ت)

میں[11] نے تجھے فارغخطی یا[12] فارکھتی دی،

فانہ بلسان کثیر من اھل الحرف الدنیۃ کالحائکین وغیرھم صریح فی الطلاق بل کثیر منھم لایعرف للطلاق لفظا غیر ھذا ومعلوم ان کلام کل حالف یحمل علی عرف[عــہ] خاصۃ ولا یجب شیوع ذلك العرف فی الناس عامۃ کما صرح بہ المحقق حیث اطلق۔

تو یہ لفظ کسبی لوگوں کی زبان میں صریح طلاق کے معنٰی میں ہے بلکہ بہت سے لوگ اس کے علاوہ کوئی لفظ طلاق کے لئے سمجھتے ہی نہیں، اور یہ بات مسلّمہ ہے حلف والے کی کلام کو اس کے خاص عرف پر محمول کیا جائے گا، اور اس عرف کا تمام لوگوں میں معروف ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس پر محقق ابن ہمام نے تصریح کی ہے (ت)

تجھے تیرے[13] شوہر نے طلاق دی، اس کا بھی وہی حکم ہے،

عــہ ھکذا فی الاصل بقلم الناسخ والصواب عندی علی عرفہ۔ حامد رضا غفرلہ۔

عــہ اصل میں ناقل کے قلم سے اسی طرح ہے جبکہ میرے نزدیک علی عرفہ درست ہے۔ حامد رضا غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۰۹

[2] فتاوٰی ہندیۃ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۹

فی الهندیة سئل بعضهم عن سکران قال لامرأته سه

ای سرخ لبک بماه مانند رویت
کہ بانوی من طلاق داده شویت

قال ینظران کانت المرأة ثیبا وکان قبل هذا لها زوج طلقها ثم تزوجها هذا فانه لایقع الطلاق بهذا اللفظ ان لم تکن له نیة الطلاق وان لم یکن له قبل هذا زوج یقع الطلاق نوی اولم ینو کذا فی التتارخانیة[1]

ہندیہ میں ہے کہ بعض علماء سے پوچھا گیا کہ جب کوئی شخص نشے میں اپنی بیوی کو یوں کہے :
"اے سرخ رخسار چاند جیسے چہرے والی میری بانو! تجھے طلاق دی گئی"
تو اُنھوں نے جواب دیا کہ دیکھا جائے گا کہ اگر بیوی پہلے کسی خاوند سے مطلقہ اور مدخولہ ہے اور بعد میں اس سے نکاح کیا، تو پھر اس لفظ سے طلاق نہ ہوگی بشرطیکہ اس نے طلاق کی نیت نہ کی ہو، اور اگر وہ بیوی کسی سے مطلقہ نہ ہوئی تھی تو نیت کی یا نہ کی ہر طرح طلاق ہوجائے گی، جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

تجھ پر[۱۵] طلاق،

فانه من اصرح صریح فی زماننا وعرف فشا فلایرد ما فی البحر وذٰلك مثل قول الدر علی الطلاق یقع بلانیة للعرف قال الشامی ولاینافی ذٰلك مایاتی من انه لوقال طلاقك علی لم یقع لان ذاك عند عدم غلبة العرف[2] الخ۔

تو یہ صریح طلاق سے بھی زیادہ واضح طلاق ہے ہمارے زمانہ اور عرف میں، لہٰذا بحر کا بیان یہاں اعتراض کے طور پر وارد نہ ہوگا اور جیسا کہ دُر کا قول کہ مجھ پر طلاق ہے" کہا تو بغیر نیت بھی طلاق ہوجائے گی کیونکہ یہ عرف میں طلاق ہے، تو اس پر علامہ شامی نے فرمایا: دُر کی یہ بات آئندہ آنے والی اس بات کے منافی نہیں جس میں کہا گیا ہے کہ "مجھ پر طلاق" کہنے پر طلاق نہ ہوگی، یہ اس لئے کہ یہ وہاں ہے جہاں یہ لفظ طلاق کے لئے عُرفِ غالب نہ ہو الخ (ت)

طلاق[۱۶] ہوجا،

فالدرید خل طلاق باش بلافرق بین

دُر میں ہے کہ اگر کہا "طلاق ہو" یہ بھی صریح طلاق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ فصل فیمن یقع طلاقہ الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۵۴
[2] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۳۲

عالم وجاہل[1]

کے حکم میں داخل ہے خواہ عالم کہے یا جاہل کہے کوئی فرق نہیں۔ (ت)

تو طلاق ہے، تو طلاق ہوگئی، (۱۸)

فی الدر وفی انت الطلاق او طلاق یقع واحدۃ رجعیۃ ان لم ینو شیئا او نوی واحدۃ او ثنتین فان نوی ثلاثا فثلث[2]

دُر میں ہے: اگر کہا "تو طلاق ہے" تو ایک رجعی طلاق ہوگی خواہ کوئی نیت نہ ہو یا ایک یا دو کی نیت کی ہو، اور اگر تین طلاق کی نیت سے یہ لفظ کہا تو تین طلاقیں ہوں گی۔ (ت)

طلاق لے، (۱۹)

فی ردالمحتار خذی طلاقك فقالت اخذت فقد صحح الوقوع به بلا اشتراط نیۃ کما فی الفتح وکذا لایشترط قولها اخذت کما فی البحر[3]

ردالمحتار میں ہے، اگر کہا "اپنی طلاق لے" جواب میں بیوی نے کہا "میں نے لی" تو نیت کے بغیر بھی طلاق ہوگی، صحیح یہی ہے، جیسا کہ فتح میں ہے، اور اس میں عورت کا جواب میں "میں نے لی" کہنا بھی شرط نہیں ہے، جیسا کہ بحر میں ہے (ت)

وہ باہر جاتی تھی کہا طلاق لئے جا، (۲۰)

فی الخانیۃ واذا جرت الخصومۃ بینها وبین زوجها فقامت لتخرج فقال الزوج طلاق باخویشتن طلاق ببر) فقال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالٰی ان نوی الایقاع یقع فان لم تکن لہ نیۃ فکذلك لانہ ایقاع ظاھرا[4]۔

خانیہ میں ہے: اگر خاوند بیوی میں جھگڑا ہُوا اور بیوی اُٹھ کر باہر جانے لگی تو خاوند نے کہا "اپنے ہمراہ تین طلاقیں لے جا" اس پر شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل رحمہ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر خاوند نے طلاق واقع کرنے کی نیت سے کہا تو طلاق ہوجائے گی اور نیت نہ ہو تو بھی طلاق ہوجائیگی کیونکہ اس کلام کا ظاہر طلاق ہے۔ (ت)

---

[1] درمختار | باب الصریح | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۱۸

[2] ایضاً

[3] ردالمحتار | باب الصریح | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۳۰

[4] فتاوٰی قاضی خاں | کتاب الطلاق | نولکشور لکھنؤ | ۲/۲۱۲

اپنی طلاق[21] اٹھا اور روانہ ہو،

فی الھندیۃ عن الخلاصۃ ولو قال لہا سہ طلاق خود بردار ورفتی یقع بدون النیۃ۔[1]

ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے، اگر کہا "تو اپنی طلاق اٹھا اور جا" تو بغیر نیت بھی طلاق ہو جائے گی۔ (ت)

میں[22] نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی،

فی الخزانۃ عن الخلاصۃ ولو قال سہ طلاق بکرانۂ چادر تو بربستم برو تطلق۔[2]

خزانہ میں خلاصہ سے منقول ہے، اگر کہا "میں نے تیری طلاق تیرے آنچل میں باندھ دی، جا" تو طلاق ہو گی (ت)

جا[23] تجھ پر طلاق (اور اگر صرف جا بنیتِ طلاق کہتا تو بائن تھی)

فی الخیریۃ سئل فی رجل قال لزوجتہ روحی طالق ھل تطلق طلاقا رجعیا ام بائنا واذا قلتم تطلق رجعیا فما الفرق بینہ وبین ما اذا اقتصر علی قولہ روحی ناویا بہ طلاقا حیث افتیتم بانہ بائن اجاب بانہ فی قولہ روحی طالق معناہ روحی بصفۃ الطلاق فوقع بالصریح بخلاف روحی فان وقوعہ بلفظ الکنایۃ۔[3]

خیریہ میں ہے: ان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا "جا تجھ پر طلاق ہے" تو کیا یہ طلاق رجعی ہوگی یا بائنہ ہوگی۔ اگر آپ کہیں کہ یہ رجعی ہے تو پھر صرف "جا" کہنے میں اور اس میں کیا فرق ہوگا جبکہ طلاق کی نیت سے صرف "جا" کہا تو آپ کا فتوٰی ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہے۔ تو انھوں نے جواب میں فرمایا کہ "جا تجھ پر طلاق"، کا مطلب یہ ہے کہ تو طلاق کی صفت سے موصوف ہو کر جا، تو یہ صریح طلاق ہے اس لئے رجعی ہو گی، اس کے برخلاف اگر صرف "جا" کہا تو صریح نہیں بلکہ کنایہ ہے اس لئے یہ بائنہ ہوگی۔ (ت)

تجھے طلاق[24] یا طلاق تجھ کو،

فی الھندیۃ عن خزانۃ المفتین ولو قال

ہندیہ میں خزانۃ المفتین سے منقول ہے "تجھے طلاق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] خزانۃ المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/ ۱۰۸

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق بولاق مصر ۱/ ۵۱

لها ترا طلاق او طلاق ترا فهی طلاق ولا فرق بین التقدیم والتاخیر[1]

یا طلاق تجھے" تو اس تقدیم و تاخیر میں کوئی فرق نہیں ہر طرح یہ طلاق ہوجائے گی (ت)

یوں ہی وہ الفاظ جو کچی زبان والے کہتے ہیں، مثلاً تلاق[۲۷]، تلاک[۲۸]، تلاغ[۲۹]، تلاکھ[۳۰]، تلاخ[۳۱]، تلاک[۳۲]، تلاخ[۳۳] ھٰذان بتشدید اللام (یہ دونوں الفاظ لام مشدد کے ساتھ بھی ہیں۔ت) بلکہ توتلے کی زبان سے تلات[۳۴]

وعلٰی ھٰذا القیاس، وکلہ ظاھر، فی الطحطاوی ذکر فی البحران الالفاظ المصحفۃ خمسۃ وھی تلاق وتلاغ وطلاك وطلاغ وتلاك ثم زاد فی النھر تلاع وتلال وینبغی ان یقال ان الفاء اما طاء او تاء واللام اما قاف اوعین اوغین اوکاف اولام واثنان فی خمسۃ بعشرۃ الصریح منھا الطاء مع القاف وما عدا ذٰلك مصحف[2] اھ اقول وذکر فی الخلاصۃ رجل قال لامرأتہ ترا تلاق ھٰھنا خمسۃ الفاظ (وعد منھا طلاغ وتلاك عن الامام ابی بکر محمد بن الفضل انہ یقع وان تعمد وقصد ان لا یقع[عـــہ] قضاء ویصدق دیانۃ[3]۔

اسی پر قیاس ہے اور سب ظاہر ہے۔ طحطاوی میں ہے کہ بحر میں ہے کہ تبدیل شدہ الفاظ پانچ ہیں: تلاق، تلاغ، طلاک، طلاغ، تلاک۔ اور نہر میں تلاع اور تلال کو بھی شامل کیا ہے۔ تو یہاں یہ بیان مناسب ہوگا، ان الفاظ میں پہلا حرف (فاء کلمہ) ت یا ط ہے اور آخری حرف (لام کلمہ) ق، ع، غ، ك یا ل ہے تو یوں پہلے حرف کے دو احتمال کو آخری حرف کے پانچ احتمالات میں ضرب سے کل دس صورتیں (الفاظ) ہُوئیں ان میں سے ط اور ق کے ساتھ لفظ طلاق میں صریح ہے اور اس کے علاوہ باقی تمام تبدیل شدہ ہیں اھ اقول (میں کہتا ہوں کہ) خلاصہ میں یُوں مذکور ہے کہ اگر کسی شخص نے بیوی کو کہا تجھے تلاق ہے، یہاں پانچ الفاظ ہیں، ان میں انھوں نے طلاغ اور تلاک کو شمار کیا ہے، اور کہا کہ امام ابوبکر محمد بن فضل نے فرمایا کہ ان

عـــہ ھٰھنا سقط والعبارۃ فی الخلاصۃ ھکذا ولا یصدق قضاء ۱۲ حامد رضا غفرلہ۔

عـــہ یہاں کچھ عبارت رہ گئی ہے خلاصہ میں عبارت اس طرح ہے قضاءً تصدیق نہ کی جائے ۱۲ حامد رضا غفرلہ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[2] طحطاوی علی الدر المختار باب الصریح دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۲

[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق جنس آخر فی الفاظ الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/ ۸۳

الفاظ سے طلاق واقع ہوگی، اور اگر وُہ قاضی کے ہاں کہے کہ میں نے ان الفاظ سے یہ قصد کیا ہے کہ طلاق واقع نہ ہو تو قاضی اس کی تصدیق نہ کرے گا، لیکن دیانۃً تصدیق کی جائے گی۔ (ت)

کسی نے کہا تیری عورت پر طلاق ہے کہا ہاں[۲۲] یا کیوں نہیں[۲۳]،

فی الدر ولوقیل له طلقت امرأتك فقال نعم او بلی بالھجاء طلقت بحر[۱]۔

دُر میں ہے: اگر کسی نے خاوند سے پُوچھا "تُو نے بیوی کو طلاق دی ہے" تو اس نے جواب میں کہا "ہاں" یا "کیوں نہیں" کے ہجے کرتے ہُوئے، تو طلاق ہو جائے گی، بحر۔ (ت)

مگر جب ایسی سخت آواز ایسے لہجہ سے کہا جس سے انکار و عدمِ اقرار سمجھا جائے یہ فائدہ اکثر جگہ قابلِ لحاظ ہے فی الخانیۃ والخزانۃ وغیرھما (خانیہ اور خزانہ وغیرہما میں ہے۔ ت) یا کہا تیری عورت پر طلاق نہیں، کہا کیوں نہیں (اور اگر کہے نہ یا ہاں تو طلاق نہ ہوگی)

اما الاول فانه صریح فی الانکار اما الأخر ففیه احتمالات اثبات النفی و اثبات المنفی ای الطلاق فلا یقع بالشك اقول ولا یرد ما فی الفتح من عدم الفرق بین نعم و بلی لان مبناه علی العرف کما قال صاحب الفتح والذی ینبغی عدم الفرق فان اھل العرف لا یفرقون بل یفھمون منھما ایجاب المنفی[۲] اھ اما فی عرفنا فمعناه کما قلت فی ردالمحتار عن البحر ان موجب نعم تصدیق

ان میں پہلا لفظ (نہ) صریح انکار ہے، اور دوسرا (ہاں) تو اس میں کئی احتمالات ہیں، نفی کا اثبات یا منفی یعنی طلاق کا اثبات، تو ایسی صورت میں شک ہوا تو طلاق نہ ہوگی۔ اقول (میں کہتا ہُوں) فتح میں یہاں "ہاں" اور "کیوں نہیں" میں عدم فرق کو ذکر کرنا قابلِ اعتراض نہیں کیونکہ ان کے اس بیان کا مبنٰی عُرف پر ہے جیسا کہ صاحبِ فتح نے خود بیان کیا ہے کہ اور مناسب یہی ہے کہ ان دونوں میں فرق نہ ہو کیونکہ عُرف والے ان میں فرق نہیں کرتے بلکہ وُہ دونوں میں منفی کا اثبات سمجھتے ہیں اھ، لیکن ہمارے عُرف میں ان دونوں میں فرق ہے، جیسا کہ میں نے کہا ہے۔ ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ نعم (ہاں) کا

---

[۱] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸
[۲] ردالمحتار بحوالہ فتح القدیر 〃 〃 〃 〃 ۲/۴۵۳

ماقبلها من كلام منفي او مثبت استفهاما كان اوخبرا، وموجب بلى ايجاب ما بعد النفي استفهاما كان اوخبرا الا ان المعتبر في احكام الشرع العرف حتى يقام كل واحد منهما مقام الأخر[1]اھ۔

استعمال پہلی کلام کی تصدیق کے لئے ہوتا ہے خواہ وُہ مثبت ہو منفی استفہامی ہو یا خبر ہو، اور بلیٰ (کیوں نہیں) کا استعمال پہلی کلام میں نفی کا اثبات کرنے کے لئے ہوتا ہے خواہ وُہ نفی استفہام میں ہو یا خبر میں، مگر احکامِ شرع میں بہرحال عرف کا اعتبار ہے، حتی کہ عرف میں ایک دوسرے کی جگہ استعمال مراد لیا جاتا ہے اھ (ت)

تجھے طلاق[۳۷] ہے اور مجھے اختیارِ رجعت نہیں،

في الشامي عن الخيرية عن الصيرفية انت طالق ولارجعة لي عليك فرجعية۔[2]

فتاوٰی شامی میں خیریہ سے اور انھوں نے صیرفیہ سے نقل کیا کہ اگر خاوند نے کہا "تجھے طلاق اور مجھے رجوع کا حق نہیں ہے" تو ایک رجعی طلاق ہوگی (ت)

تجھ پر طلاق[۳۸] ہے نہ پھیرے تجھے کوئی قاضی نہ حاکم نہ عالم،

في الخيرية سئل في رجل قال لزوجته انت طالق لايردك قاض ولا وال ولا عالم هل يكون بائنا ام رجعيا اجاب هو رجعي ولايملك اخراجه عن موضوعه الشرعي بذلك[3]

خیریہ میں ہے: سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "تجھے طلاق ہے تجھے کوئی قاضی، کوئی حاکم یا عالم واپس نہ کرسکے" تو کیا اس صورت میں طلاق رجعی ہوگی یا بائن؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ رجعی ہوگی، اور اس کے کہنے سے شرعی ضابطہ ختم نہ ہوگا۔ (ت)

تو مذہب[۳۹] یہود یا نصارٰی یا چاروں[۴۰] مذہب یا سب مذاہب[۴۱] مسلمین پر مطلقہ،

في الخيرية قال في منح الغفار اقول وقد كثر في زماننا قول الرجل انت طالق على الاربعة مذاهب يريد بذلك ان الطلاق يقع عليها

خیریہ میں ہے: منح الغفار میں کہا "میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں خاوند کا قول تجھے چاروں مذہب طلاق" تو اس سے مراد یہ ہے کہ تمام مذاہب پر متفقہ طلاق ہے، تو ایسی صورت میں یقیناً طلاق

---

[1] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۵۳

[2] " " " " ۲/۴۵۱

[3] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۴۶

باتفاقهم وینبغی الجزم بوقوعه قضاءً ودیانةً کمالایخفی اھ اقول ولاشبھة فی کونه رجعیا لابائنالما قدمنا[1]، سئل عن رجل قال لزوجته انت طالق علی مذھب الیھود والنصاری، وعن رجل قال لزوجته انت طالق علی سائرمذاھب المسلمین اجاب فیھما بانه طلاق رجعی[1]

ہوجائے گی قضاءً بھی اور دیانۃً بھی، جیساکہ واضح ہے اھ، اقول (میں کہتا ہوں) یہ طلاق بلاشبہہ رجعی ہوگی بائنہ نہ ہوگی، جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے، نیزان سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بیوی کو کہا تجھے یہودی اور نصرانی مذہب پر طلاق، دوسرے نے کہا تجھے مسلمانوں کے تمام مذاہب پر طلاق، تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی۔ (ت)

جا تجھے طلاق ہے سوٗروں یا یہودیوں کو حلال اور مجھ پر حرام ہو،

فی الخیریة سئل فی رجل قال لزوجته روحی طالق تحلی للیھود وتحرمی علی وعمن قال روحی طالق تحلی للخنازیر وتحرمی علی، اجاب بانه رجعی لان قوله روحی طالق صریح فیه، وقوله تحلی للیھود والخنازیر لغولانه خلاف المشروع وھولایملکه، وقوله وتحرمی ای حرمة تحصل بانقضاء العدة اذھوثابت شرعا بصریح الطلاق بعدالدخول[2]

خیریہ میں ہے ان سے سوال ہُوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو کہا "جا طلاق ہے تُو یہودیوں کے لئے حلال اور مجھ پر حرام" اور یوں ایک دوسرے نے بیوی کو کہا "جا طلاق ہے تُو خنزیروں کے لئے حلال اور مجھ پر حرام ہے" تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ طلاق رجعی ہوگی، کیونکہ "جا طلاق ہے" صریح طلاق ہے، اور اس کا یہ کہنا تو یہودیوں یا خنزیروں کے لئے حلال ہے، لغویات ہے اور خلافِ شرع ہے جس کا اسے اختیار نہیں، اور اس کا یہ کہنا کہ "تُو مجھ پر حرام ہے" سے مراد وہ حُرمت ہے جو عدّت گزرنے کے بعد ہوتی ہے جیساکہ شریعت میں مدخولہ بیوی کو طلاق دینے کے بعد حُرمت ہوتی ہے (ت)

مگر یہ اُس وقت جبکہ اس لفظ سے کہ "مجھ پر حرام ہو" طلاق کی نیت نہ کی ورنہ دو بائن پڑیں گی،

فی الشامی نعم لوقصد بقوله وتحرمی

فتاوٰی شامی میں ہے ہاں اگر اُس نے "تُو مجھ پر

---

[1] فتاوٰی خیریہ | کتاب الطلاق | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/۴۶
[2] " | " | " | ۱/۴۷
[3] " | " | " | ۱/۵۰

علیٰ ایقاع الطلاق وقع به اخری بائنة اھ[1] اقول ولایرد ان تحریمها او تحریم نفسه علیها طلاق بلا نیة کما تقدم لان هذا مضارع ظاهر فی الاستقبال کقوله طلاق کنم او تکونین مطلقة فافهم۔

حرام ہے" سے نئی طلاق واقع کرنے کا ارادہ کیا ہو تو یہ دوسری طلاق بائنہ ہوگی اھ، اقول (میں کہتا ہوں) یہاں یہ اعتراض ہوگا کہ پہلے گزرا ہے کہ بیوی کو اپنے لئے یا اپنے آپ کو بیوی پر حرام کرنا، بغیر نیت بھی طلاق ہوگی جبکہ یہاں یہ کہنا کہ "نئی طلاق کی نیت سے مجھ پر حرام ہے" کہا تو نیت سے طلاق، تو دونوں بیان آپس میں مختلف ہیں، تو جواب یہ ہے کہ یہاں "تحرمی" (تو مجھ پر حرام ہوگی) ظاہر طور پر استقبال ہے، جیسا کہ میں طلاق دوں گا یا تو طلاق والی ہوگی، کا حکم ہے، غور کرو۔ (ت)

تو مطلقہ اور بائنہ یا مطلقہ پھر بائنہ ہے،

فی الدر ولو عطف فقال وبائن او ثم بائن ولم ینو شیئا فرجعیة[2]۔

در میں ہے: اگر عطف کیا تو یوں کہا انت طالق وبائن یا یوں کہا انت طالق ثم بائن، اور لفظ بائن سے کوئی نئی طلاق مراد نہ لی تو ایک ہی رجعی طلاق ہوگی (ت)

مگر جبکہ ہر لفظ سے جدا طلاق کی نیت کی ہو تو دو بائنہ ہیں،

فی ردالمحتار ومفهوم التقیید بعدم النیة انه لونوی تکریر الایقاع مع الحروف الثلثة او نوی بالبائن الثلاث انه یقع ما نوی[3]۔

ردالمحتار میں ہے: نیت نہ ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس نے نئی طلاق کی نیت سے تینوں حروف کے ہوں اور تین طلاقوں کی نیت سے یہ تکرار کیا یا بائن سے تین کی نیت کی ہو، جو بھی نیت کی ہوگی وہ واقع ہوگی (ت)

عورت کے بیٹے کو دیکھ کر کہا اے طلاقن کے جنے، اے مادر طلاقہ،

عـہ هکذا فی الاصل ولعله نسخه الناسخ وعندی صوابه ای مادر شش طلاقه کما یجیئ عن الهندیة ۱۲ فقیر حامد رضا قادری

عـہ اصل (قلمی نسخہ) میں ایسے ہی ہے اور ممکن ہے یہ ناقل کی غلطی ہو، میرے خیال میں درست یوں ہے اے مادر شش طلاقہ، جیسا کہ ہندیہ سے آئیگا ۱۲ فقیر حامد رضا قادری

---

[1] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۱
[2] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۲
[3] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۵۰

فی الھندیۃ عن الظھیریۃ رجل من عادتہ ان یقول اذارأی صبیا ای مادرت شش طلاقہ فسکر من الخمر فاتاہ ابنہ فظنہ صبیا اجنبیاً فقال روئے مادرت شش طلاقہ ولم یعلم انہ ابنہ طلقت امرأتہ ثلثاً[1] اھ۔

ہندیہ میں ظہیریہ سے ہے کہ ایک شخص کی عادت ہے کہ وُہ جب کسی بچّے کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے" اے تیری ماں چھ طلاق والی" تو اس کو شراب کا نشہ تھا اس حالت میں اس کا اپنا بیٹا آیا تو اس نے نشے میں سمجھا کہ کوئی اجنبی بچّہ ہے تو اس نے اس کو بھی "جا اے تیری ماں چھ طلاق والی" کہہ دیا تو اس کی بیوی کو تین طلاقیں ہوجائیں گی اھ (ت)

اقول (اس میں بھی وہی تفصیل چاہئے جو لفظ مطلقہ وغیرہ میں گزری کما لایخفی (جیسا کہ مخفی نہیں۔ ت) تجھ پر پوری[۲۹] یا آدھی[۳۰] یا تہائی[۳۱] وغیرہ تجھ پر طلاق کا ہزارواں حصہ[۳۲]،

فی الدر وجزء الطلقۃ ولو من الف جزء تطلیقۃ لعدم التجزی[2]۔

دُر میں ہے، طلاق کی جزء خواہ ہزارویں جزء، ایک ہی طلاق ہوگی، کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہوسکتے۔ (ت)

تجھ پر کم[۳۳] درجہ کی طلاق،

فی الخانیۃ ولو قال اقل الطلاق یقع واحدۃ[3]۔

خانیہ میں ہے اگر کہا کم از کم طلاق تو ایک ہی ہوگی۔ (ت)

تیرے[۳۴] نصف پر طلاق، تیرے[۳۵] چوتھائی پر طلاق، تیرے[۳۶] ہزارویں ٹکڑے پر طلاق، تیری[۳۷] روح پر طلاق، تیری جان[۳۸] پر طلاق، تیری[۳۹] ناک پر طلاق (اور اگر انف یا بینی پر کہے یا عربی فارسی میں انفك طالق، بر بینی تو طلاق (تیری ناک پر طلاق۔ ت) کہے تو کچھ نہیں، برعکس اس کے اگر عربی میں عنقك طالق یا فرجك طالق (تیری گردن کو طلاق یا تیری شرمگاہ کو طلاق۔ ت) کہے، طلاق ہوجائے گی، اور اُردو میں تیری عنق یا گردن یا فرج پر طلاق کہے تو کچھ نہیں جبکہ لفظ فرج یا اس کا اور مرادف بولے جس سے عرفِ ہند میں کل عورت مراد نہ لیتے ہوں اگرچہ خاص اُردو ہی کا لفظ ہو، وجہ یہ ہے کہ یہاں خاص وُہ لفظ ہونا چاہئے جس سے اُس زبان میں انسان کی ذات کو تعبیر کرتے ہوں، عربی میں عنق و فرج ایسے ہی ہیں اور ہماری زبان میں عنق و گردن و خاص لفظ فرج انف و بینی وغیرہ ایسے نہیں اور ہمارے یہاں کا یہ عام محاورہ ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵
[2] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۹
[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۰۸

کہ فلاں شخص شہر بھر کی ناک ہے، خاندان کی ناک ہے، عورت موم کی ناک ہے، تو ظاہر اس میں طلاق ہوجانا چاہئے اسی طرح فرج کا وہ نام جس سے کل عورت مراد لیتے ہوں،

فی الدر واذا اضاف الطلاق الیها او الی مایعبر به عنها کالرقبة والعنق والروح والبدن والجسد (الاطراف داخلة فی الجسد دون البدن) والفرج والوجه والرأس وکذا الاست بخلاف البضع والدبر والدم علی المختار خلاصة او اضافه الی جزء شائع منها کنصفها وثلثها الی عشرها (وکذا لو اضافه الی جزء من الف جزء منها کما فی الخانیة) وقع لعدم تجزیه[1] اھ مزیدا من رد المحتار وفیه ایضا کما لا یقع لو اضافه الی الانف۔[2]

درمختار میں ہے کہ جب طلاق کو بیوی کی طرف یا اس کے ایسے حصّہ کی طرف منسوب کرے جس سے بیوی کی شخصیت مراد لی جاتی ہو، مثلاً گردن، رقبہ، روح، بدن، جسم (ہاتھ اور پاؤں جسد کا حصّہ ہیں بدن کا حصہ نہیں ہیں) شرمگاہ، چہرہ، سَر اور اسی طرح سرین، تو بیوی کو طلاق ہوگی، مگر بضع، دُبر اور خُون کی طرف نسبت کی طلاق نہ ہوگی۔ خلاصہ میں اس کو مختار قرار دیا ہے، اور یُونہی اگر طلاق کو بیوی کے غیر معیّن حصّہ مثلاً نصف، ثلث تا دسویں حصّہ کی طرف منسوب کیا اور اگر معیّن حصہ خواہ کتنا ہو مثلاً ہزارواں حصّہ تو طلاق ہوجائے گی کیونکہ طلاق کے اجزاء نہیں ہیں، جیسا کہ خانیہ میں ہے اھ ردالمحتار میں اضافہ کرتے ہُوئے کہا کہ جس طرح ناک کی طرف طلاق کی نسبت، مثلاً تیری ناک کو طلاق، تو طلاق نہ ہوگی۔(ت)

کسی[60] سے اپنی عورت کی نسبت کہا اُسے اُس کی طلاق کی خبر دے یا مژدہ[61] دے یا اُس[62] کی طلاق کی خبر اُس کے پاس لے جا یا اُسے خبر[63] دے یا اُسے لکھ[64] بھیج یا اُس[65] سے کہہ کہ وہ مطلقہ ہے یا اُس[66] کے لئے اس کی طلاق کی سند یا یادداشت[67] لکھ دے ابھی طلاق ہوگئی اگرچہ یہ اس سے نہ کہے نہ لکھے، اور یُوں کہا کہ اُس سے کہہ کہ تُو مطلقہ ہے تو جب جاکر کہے گا اُس وقت پڑے گی ورنہ نہیں،

فی الخانیة رجل قال لغیرہ اخبر امرأتی بطلاقها او احمل الیها طلاقها او اخبرها انها طالق

خانیہ میں ہے، اگر دُوسرے شخص کو کہا، میری بیوی کو اس کی طلاق کی خبر دے، یا اس کی طلاق اس کی طرف لے جا، اسکو خبر دو یا کہہ دو کہ وہ طلاق والی ہے

---

[1] درمختار	باب الصریح	مطبع مجتبائی دہلی	۲۱۹/۱
ردالمحتار	"	" " "	۴۳۶/۲
[2] درمختار	"	" " "	۲۱۹/۱

اوقل لہا انہا طالق طلقت للحال ولا یتوقف علی وصول الخبر الیہا ولا علی قول المامور ذٰلك، ولوقال قل لہا انت طالق لایقع الطلاق مالم یقل لہا المامور ذٰلك، ولوقال اکتب لہا طلاقہا ینبغی ان یقع الطلاق للحال کما لوقال احمل الیہا طلاقہا، وکما لوقال اکتب الٰی امرأتی انہا طالق[1]، وخالف العقود فی مسئلۃ قل لہا ھی کذا فجعلہ توکیلا فراجعہ[عہ]۔

تو ان صورتوں میں اسی وقت طلاق ہوجائے گی اور بیوی کو خبر پہنچنے یا اس شخص کے بیوی کو کہہ دینے پر موقوف نہ ہوگی، اور اگر یُوں کہا کہ تُو اس کو کہہ دے کہ تُو طلاق والی ہے تو اس صورت میں اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک وُہ شخص بیوی کو یہ بات کہہ نہ دے، اور اگر دوسرے کو کہا کہ تُو میری بیوی کو طلاق لکھ دے، تو اسی وقت طلاق ہوگی جس طرح کہ کہا "اس کو طلاق پہنچا دے" یا جس طرح کہا " تو میری بیوی کی طرف لکھ دے کہ اس کو طلاق ہے" اور عقود دریہ نے " بیوی کو کہہ دے کہ اس کو طلاق ہے" کے مسئلہ میں مخالف قول کیا ہے اور کہا کہ یہ خاوند کی طرف سے دوسرے شخص کو وکیل بنانا ہے، تو عقود دریہ کی طرف تحقیق کے لئے رجوع کرنا چاہئے۔ (ت)

عہ عبارۃ العقود ھکذا سئل فی رجل قال لاٰخر قل لامرأتی تکون طالقۃ بالثلث ولم یقل لہا الاٰخر شیئا فہل لاتطلق مالم یقل لہا الجواب نعم لانہ توکیل کما صرح بہ فی البزازیۃ فی نوع فی الفاظہ[2] اھ وکنت کتبت علی ھامشۃ مانصہ، اقول المضارع

عقود کی عبارت یُوں ہے: اس شخص کے متعلق سوال ہُوا جس نے دُوسرے کو کہا " تُو میری بیوی سے کہہ دے کہ تُو تین طلاق والی ہے" اور جبکہ دوسرے شخص نے یہ بات اس کی بیوی کو نہ کہی ہو تو کیا طلاق نہ ہوگی جب تک وُہ شخص بیوی کو یہ بات نہ کہہ دے، اس سوال کے جواب میں فرمایا ہاں (نہ ہوگی) کیونکہ وکالت ہے جیسا کہ بزازیہ میں اس کی تصریح " طلاق کے الفاظ کے اقسام" میں ہے اھ۔ میں نے اس کے حاشیہ پر لکھا، جو یہ ہے، اقول (میں کہتا ہوں) مضارع

(باقی اگلے صفحہ پر)

---

[1] فتاوی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۰

[2] العقود الدریۃ کتاب الطلاق حاجی عبدالغفار وپسران قندھار افغانستان ۱/ ۴۱

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انما یعمل اذا غلب للحال ح، هو کقوله قل لها هی طالق و صرح فی الخانیة انها تطلق بذلك فی الحال بخلاف قوله قل لها انت طالق فلا تطلق مالم یقل راجع وحرر وان کانت المسئلة (اعنی مسئلة العقود) قل لامرأتی تکونی طالقة (بزیادة الیاء وحذف النون کما هو لغة شائعة لاسیما فی العوام حتی تکون الصیغة للخطاب) فالجواب صحیح بلاریب وموافق لما فی الخانیة فلتراجع البزازیة اھ ثم من المولی سبحنه وتعالٰی بالبزازیة فاتضح ان الامرکما فهمت وان (تکون) تصحیف من (تکونی) فان عبارة البزازیة هکذا قال لها قولی انا طالق فقالت وقع وان لم یقل لا بخلاف مالو قال لاٰخر قل لامرأتی

کا صیغہ طلاق میں تب عمل کرے گا جب اس سے غالب طور پر حال مراد ہو، تو ایسی صورت میں اس کا حکم ایسا ہوگا جیسے خاوند دوسرے کو کہے کہ بیوی کو کہہ دو اس کو طلاق ہے، اور خانیہ میں تصریح ہے کہ اس سے اسی وقت طلاق ہوگی، بخلاف جب کہے "بیوی کو تو کہہ دے کہ تجھے طلاق ہے" تو طلاق نہ ہوگی جب تک وہ نہ کہہ دے اس کی طرف رجوع کرکے دیکھو، اور اگر یہ عقود کا مسئلہ، یُوں ہو کہ، دوسرے کو خاوند کہے، کہ، "تُو میری بیوی سے کہہ دے" تو طلاق والی ہوجا" (تکون میں نون کا حذف اور یار کا اضافہ کرکے کہے جیسا کہ یہ عام طور پر خصوصًا عوام میں مشہور ہے، تو یہ بصیغہ امر خطاب ہوگا) تو عقود کا یہ جواب بلا شک وشبہہ درست ہوگا، اور خانیہ کے بیان کے موافق ہوگا، تو بزازیہ کی عبارت پر غور کرو اھ، پھر اللہ تعالٰی نے احسان فرماکر بزازیہ کا مسئلہ واضح کردیا کہ معاملہ وہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور سمجھا کہ تکونی کی تبدیلی میں تکون ہوگیا، کیونکہ بزازیہ کی عبارت یُوں ہے خاوند نے بیوی کو کہا، تو کہہ میں طلاق والی ہُوں، اگر بیوی نے یہ کہہ دیا تو طلاق ہوجائے گی ورنہ اگر خاوند نے نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی، اس کے برخلاف جب خاوند نے دُوسرے شخص کو کہا کہ تُو میری بیوی سے

(باقی برصفحہ آئندہ)

فی الھندیۃ وفی المحیط لوقال بالعربیۃ اطلق لایکون طلاقا الا اذا غلب استعمالہ للحال فیکون طلاقا[1]، وفیھا عن الخلاصۃ قالت طلاق بدست تست مرا طلاق کن فقال الزوج طلاق میکنم طلاق میکنم وکرر ثلثا طلقت ثلثا بخلاف قولہ کنم لانہ استقبال فلم یکن تحقیقا بالتشکیك[2]

ہندیہ میں ہے، اور محیط میں ہے اگر عربی میں مضارع متکلم (اطلق) کہا تو طلاق نہ ہوگی، مگر جب یہ لفظ غالب طور پر حال کے لئے استعمال ہوتا ہو تو طلاق ہوجائے گی، اور ہندیہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ بیوی نے خاوند کو کہا "طلاق تیرے اختیار میں ہے مجھے طلاق کردے" تو خاوند نے اگر جواب میں یہ کہا "میں طلاق کررہا ہوں طلاق کررہا ہوں"، تین مرتبہ تکرار کیا تو تین طلاقیں ہوں گی، اس کے برخلاف اگریوں کہے "میں کروں گا" تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ یہ استقبال ہے لہذا شک ہوگا اور طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

۶۹ میں تجھے چھوڑتا ہوں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

انما طالق حیث تطلق قال الرجل ام لا اصلہ ما ذکر فی الاصل قال لآخر اخبرھا بطلاقھا اوبشرھا او احمل الیھا طلاقھا یقع اخبر امر لا، ولو قال لآخر قل لھا انت طالق لاتطلق مالم یقل لانہ توکیل[3] اھ فھو کما تری مطابق لما فی الخانیۃ ومختص بصورۃ الخطاب۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب ۱۲ منہ۔

کہہ دے کہ "وہ طلاق والی ہے" تو طلاق ہوجائے گی وہ شخص بیوی سے کہے یا نہ کہے، اس کا اصل مبسوط میں مذکور ہے کہ خاوند نے دوسرے کو کہا کہ تو میری بیوی کو طلاق کہہ دے یا اس کو خوشخبری طلاق کی دے یا تو اس کی طلاق اس کو لیجا دے، ان صورتوں میں خبر دے یا نہ دے ہر طرح طلاق ہوگی اور خاوند نے دوسرے کو یوں کہا کہ تو میری بیوی کو کہہ کہ تجھے طلاق ہے، تو جب تک وہ شخص بیوی کو کہہ نہ دے گا طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ اس شخص کو وکیل بنانا ہوا اھ، تو جیسا آپ دیکھ رہے ہیں یہ خانیہ کے مطابق ہے اور خطاب کے صیغہ سے مختص صورت ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیہ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۴

[2] " " " " " " ۱/ ۳۸۴

[3] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش فتاوٰی ہندیہ کتاب الطلاق " " " ۴/ ۱۷۴-۷۵

فی ردالمحتار عن البحر من الصریح المضارع اذا غلب فی الحال[1] اھ قلت فکیف اذا تمحض لہ و"چھوڑتا" من الصریح بلساننا۔

ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے کہ مضارع کا صیغہ جب حال کے لئے غالب الاستعمال ہو تو یہ طلاق صریح میں شمار ہوگا، قلت (میں کہتا ہوں) اور اگر خالص حال کے لئے ہو تو پھر بطریقِ اولٰی صریح ہوگا جبکہ "چھوڑتا" کا لفظ ہماری زبان میں طلاق میں صریح ہے۔(ت)

ہاں اگر عزم وارادہ کی نیت پر کہے گا بایں معنٰی کہ تجھے طلاق دیا چاہتا ہُوں تو عند اللہ طلاق نہ ہوگی،

فی الخیریۃ یدین علی کل حال أی ولو غلب فی الحال[2]

فتاوٰی خیریہ میں ہے، مضارع میں خاوند کی بات پر دیانۃً تصدیق بہر حال ہوگی اگرچہ وہ مضارع، حال کے معنٰی میں غالب ہو۔(ت)

تجھ پر دو مہینے سے طلاق ہے اور واقع میں نہ دی تھی ابھی پڑ گئی بشرطیکہ نکاح کو دو مہینے سے کم نہ ہوئے ہوں ورنہ کچھ نہیں، اور اگر جھُوٹی خبر کی نیت تھی تو عند اللہ کچھ نہیں یہ ہر صیغہ خبر میں جاری ہے،

کما فی الخیریۃ وغیرھا وفیہ ایضا قال لہا انت مطلقۃ من شھرین ویقول نویت الاخبار فی الماضی کاذبا ھل یقع علیہ الطلاق ام لا واذا قلتم یقع ھل لہ ان یردھا ام لا اجاب یقع قضاء لادیانۃ وعلی حکم القضاء لہ مراجعتہا فی العدۃ بغیر عقد وبعدھا بعقد جدید حیث لم یصدر منہ سوی ماذکر[3] وفی الدر ولو قال انت طالق امس وقد نکحہا الیوم ولو نکحہا قبل امس وقع الاٰن لان الانشاء فی الماضی انشاء فی الحال[4] (ملخصًا)

خیریہ وغیرہ میں جیسے ہے کہ اگر کہا "تُو دو ماہ سے مطلقہ ہے"، اور اس کے بعد کہا کہ میں نے یہ ماضی کی خبر کاذب کے طور پر کہا ہے، تو کیا اس پر طلاق ہوگی یا نہیں، اور اگر آپ فرمائیں کہ طلاق ہوگی تو اس کو رجوع کا حق ہوگا یا نہیں، اس کا جواب دیا کہ قضاءً طلاق ہوگی دیانۃً نہ ہوگی، اور قاضی کے فیصلہ پر اس کو عدت میں بغیر نکاح اور عدت کے بعد جدید نکاح سے رجوع کا حق ہوگا، جبکہ مذکورہ کارروائی کے علاوہ خاوند نے کچھ اور نہ کہا ہو، اور دُر میں ہے کہ یُونہی اگر خاوند نے کہا "تو گزشتہ روز سے طلاق والی ہے" تو اگر نکاح آج کیا ہو تو یہ بات لغو ہوگی اور گزشتہ روز سے قبل نکاح کیا ہو تو ابھی سے طلاق ہوجائیگی کیونکہ ماضی کا انشاء حال کا انشاء متصور ہوگا۔(ت)

---

[1] ردالمحتار | باب الصریح | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۳۰

[2] فتاوٰی خیریہ | کتاب الطلاق | دارالمعرفۃ بیروت | ۱/۳۹

[3] " | " | " | ۱/۵۰

[4] درمختار | باب الصریح | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲۰

تجھ پر[۱] دو برس تک طلاق ہے، اس میں دو برس بعد پڑے گی،

فی الخیریة قال لہا انت طالق الی سنتین ولانیة لہ فما الحکم اجاب یقع علیہا بعد السنتین طلقة واحدة رجعیة صرح بہ صاحب البحر والبزازیة والولوالجیة وغیرھم من کتب الحنفیة۔[۱]	خیریہ میں ہے: اگر بیوی کو کہا "تجھے دو سال پر طلاق" اور کوئی خاص نیت نہ کی ہو تو کیا حکم ہے، تو جواب دیا کہ دو سال بعد رجعی طلاق ہوگی۔ اس کی تصریح بحر، بزازیہ اور ولوالجیہ وغیرہ کتبِ حنفیہ میں موجود ہے۔ (ت)

تجھ پر[۲] یہاں سے عرب تک طلاق، اور اگر یوں کہا کہ اتنی لمبی یا بڑی طلاق تو بائن ہوگی،

فی الدر وبقولہ من ھنا الی الشام واحدة رجعیة مالم یصفھا بطول اوکبر فبائنة۔[۲]	در میں ہے: خاوند نے کہا "تجھے یہاں سے ملک شام تک طلاق ہے" تو ایک رجعی طلاق ہوگی بشرطیکہ اس نے طلاق کو کسی طوالت یا بڑائی سے موصوف نہ کیا ہو، اور اگر ایسی صفت سے موصوف کیا تو بائنہ طلاق ہوگی (ت)

تو فلاں[۳] عورت سے زیادہ مطلقہ ہے، طلاق ہوجائے گی اگرچہ فلاں عورت مطلقہ نہ بھی ہو،

بخلاف مالو قال بالعربیة انت اطلق من فلانة فلا تطلق الا بالنیة بشرط ان تکون فلانة مطلقة فقد عد فی الدر قولہ انت اطلق من امرأة فلان وھی مطلقة[۳] من الکنایات التی یقع بہا الرجعی، قال الشامی عللہ فی الفتح بان افعل التفضیل لیس صریحا فافھم[۴] اھ بخلاف ما نحن فیہ فانہ مطلقة صریحة ولا یعتریہ الاحتمال بزیادة فما فیہ الا اثبات الطلاق	بخلاف اس کے جب بزبان عربی یوں کہا "انت اطلق من فلانة" تو نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی، نیت سے بھی تب ہوگی جب وہ فلاں عورت مطلقہ ہو، خاوند کے اس قول کہ "تجھے فلاں کی عورت سے بڑی طلاق بشرطیکہ وہ فلاں کی عورت مطلقہ ہو" تو در میں اس کو ان کنایات میں شمار کیا ہے جن سے ایک رجعی طلاق ہوتی ہے۔ علامہ شامی نے اس پر فرمایا کہ فتح میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ صیغہ تفضیل طلاق میں صریح نہیں ہے، غور کرو اھ، اس کے برخلاف وہ

---

[۱] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۵۱
[۲] درمختار باب الصریح مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۹
[۳] درمختار باب الکنایات " " " ۱/ ۲۲۵
[۴] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۶

والزیادة وقد حققناه فیما علقناه علی رد المحتار۔

صورت جو ہم نے ذکر کی ہے کیونکہ وہ صریح مطلقہ ہے اس میں زیادتی وغیرہ کا احتمال رکاوٹ نہ ہوگا یہ طلاق اور زیادتی کا اثبات ہے اور اس کو ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں محقق کیا ہے۔ (ت)

ان سب صورتوں میں بے حاجت نیت طلاق رجعی پڑتی ہے، اے مطلقہ بسکون طاء، فی الدر انت مطلقة بالتخفیف (درمیں ہے خاوند نے مُطْلَقَہ یعنی ط پر جزم کے ساتھ، بیوی کو کہا "تو مُطْلَقَہ ہے"۔ ت) میں نے تیری طلاق چھوڑدی، میں نے تیری طلاق روانہ کردی، میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑدیا،

فی ردالمحتار قوله خلیت سبیل طلاقك وکذا خلیت طلاقك او ترکت طلاقك ان نوی وقع والا فلا خانیة[1]

ردالمحتار میں ہے: خاوند نے کہا "میں نے تیری طلاق کا راستہ چھوڑدیا، میں نے تیری طلاق روانہ کردی، میں نے تیری طلاق چھوڑدی" تو اگر نیت کی تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں، خانیہ۔ (ت)

تہجّی پرط، ل، ا، ق۔ تہجّی پر طا، لام، الف، قاف۔

فی ردالمحتار قوله او ط ل ا ق ظاهر ما هنا ومثله فی الفتح والبحر ان یاتی بمسمّی احرف الهجاء والظاهر عدم الفرق بینها وبین اسمائها ففی الذخیرة قال لامرأته الف نون تاء طاء الف لام قاف انه ان نوی الطلاق تطلق المرأة[2]۔ (ملخصًا)

ردالمحتار میں ہے یا خاوند کا قول ط، ل، ا، ق، تو یہ طلاق میں ظاہر ہے، اسی کی مثل فتح اور بحر میں ہے کہ حروف ہجاء اور اس کے مسمّٰی کو ذکر کرے تو ظاہر میں کوئی فرق نہیں، ہم نے حروف کے اسماء کو بیان کردیا ہے تو ذخیرہ میں ہے کہ اگر بیوی کو کہا الف نون، تاء، طاء، الف، لام، قاف، اور طلاق کی نیت کی تو طلاق ہوگی (ملخصًا)۔ (ت)

میں نے تیری طلاق تجھے ہبہ کی، قرض دی، تیرے پاس گروی، امانت رکھی، میں نے تیری طلاق چاہی، تیرے لئے طلاق ہے، اللہ نے تیری طلاق چاہی، اللہ تعالٰی نے تیری طلاق مقدر کی،

فی ردالمحتار قوله وغیر ذلك مثل الطلاق

ردالمحتار میں ماتن کے قول وغیر ذلك کے تحت

---

[1] ردالمحتار | باب الکنایات | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/۴۶۶

[2] ردالمحتار | باب الصریح | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۳۰

علیك و ھبتك طلاقك بعتك طلاقك اذا قالت اشتریت من غیر بدل، خذی طلاقك اقرضتك طلاقك قد شاء اللہ طلاقك او قضاہ او شئت ففی الکل یقع بالنیة رجعی کما فی الفتح زاد فی البحر الطلاق لك[1] الخ وفیه اما ما فی البحر ایضا من ان منه اودعتك طلاقك ورھنتك طلاقك فسیذکر الشارح تصحیح عدم الوقوع به[2] اقول ای ان لم ینو لان المقصود به الرد علی البحر فی جعله صریحا۔

بیان کیا، مثلاً میں نے تجھے تیری طلاق ہبہ کی، میں نے تیری طلاق تجھ کو فروخت کی جب جواب میں عورت یہ کہے کہ میں نے بدلہ کے بغیر خریدی، میں نے تیری طلاق تجھے قرض دی، اللہ نے تیری طلاق چاہی، یا اللہ نے تیری طلاق مقدر فرمائی، کیا تو چاہتی ہے۔ ان مذکورہ صورتوں میں نیت کی تو ایک طلاق رجعی ہوگی جیسا کہ فتح میں ہے۔ بحر میں اس پر زائد ہے تیرے لئے طلاق ہے الخ اور اسی ردالمحتار میں ہے لیکن جو بحر نے افادہ فرمایا وہ بھی کہ "میں نے تیرے پاس تیری طلاق امانت رکھی ہے یا رہن رکھی ہے، اس پر شارح طلاق نہ واقع ہونے کی تصحیح ذکر کررہے ہیں، اقول (میں کہتا ہوں) یعنی اگر نیت نہ کی ہو تو یہ مسئلہ ہے کیونکہ اس سے مقصد بحر پر رد کرنا ہے کیونکہ وہ اس کو صریح قرار دیتے ہیں۔ (ت)

میں[1] نے تیری طلاق تیرے ہاتھ بیچی، عورت نے کہا میں نے خریدی، اور کسی عوض مالی کا ذکر نہ ہوا ورنہ بائن ہوگی)

فی ردالمحتار عن البحر ولو قال بعت منك تطلیقة فقالت اشتریت یقع رجعیا مجانا لانه صریح[3] اھ وفی الدر وحکم الواقع بالطلاق الصریح علی مال طلاق بائن[4]

ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے، اگر خاوند نے کہا میں تجھے ایک طلاق فروخت کرتا ہوں، تو بیوی نے جواب میں کہا میں نے خریدا، تو بلامعاوضہ ایک طلاق رجعی ہوگی، کیونکہ یہ صریح ہے اھ اور دُر میں ہے کہ مال کے بدلے صریح طلاق واقع ہو تو وہ بائنہ کے حکم میں ہوگی (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۷
[2] ردالمحتار باب الصریح " ۲/۴۳۰
[3] ردالمحتار باب الخلع " ۲/۵۵۹
[4] درمختار " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

میں[۱۶] نے تجھے اس عوض پر طلاق دی کہ تُو اتنے دنوں کے لئے اپنا فلاں مطالبہ مجھ سے ہٹا دے،

فان العوض غیر مال ففی رد المحتار بعد ذکر الطلاق علی مال بخلاف طلقتنی علی ان اؤخر مالی علیك فان التاخیر لیس بمال وصح التاخیر لوله غایة معلومة والا فلا، والطلاق رجعی مطلقا بحر عن البزازیة[۱]، کما مر۔

کیونکہ یہ عوض مال نہیں تو ردالمحتار میں طلاق بعوض مال کے بعد ذکر کیا، بخلاف اس کے کہ جب بیوی کہے میرا جو مال تیرے ذمہ ہے اسے میں تجھ پر مؤخر کرتی ہوں اس کے عوض تُو مجھے طلاق دے۔ خاوند نے اس پر طلاق دے دی تو وہ رجعی ہوگی کیونکہ یہ عوض یعنی تاخیر مال نہیں ہے۔ اگر مال کی کوئی مدت مقرر تھی تو یہ تاخیر درست ہوگی ورنہ نہیں، بزازیہ سے بحر نے گزشتہ کی طرح نقل کیا۔ (ت)

میں[۱۷] نے طلاق تیرے دامن میں رکھ دی[عہ۱]

فی الخزانة عن الخلاصة ولو قال ہزار طلاق در دامنت کردم ان نوی اوکان فی حال مذاکرة الطلاق یقع والا فلا[۲]۔

خزانہ میں خلاصہ سے منقول ہے کہ خاوند نے کہا "میں نے تیرے دامن میں ہزار طلاق رکھ دی ہے" اگر نیت کی تو طلاق ہوگی، یونہی اگر یہ بات طلاق کے مذاکرہ کے بعد کی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

عدت[۱۸] بیٹھ فی ردالمحتار[عہ۲]، تجھ پر ایک[۱۹]،

عہ۱ اقول شاید مسئلہ دامن ومسئلہ سابقہ چادر میں فرق بوجہ اضافت وعدم اضافت طلاق ہے کہ وہاں یہ کہا تھا تیری طلاق تیرے آنچل باندھی، لہذا بے نیت پڑگئی، یہاں صرف طلاق کہا، تیری طلاق نہ کہا لہذا نیت پر رہی، ولیحرر، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم ۱۲ منہ

عہ۲ ھٰھنا فی الاصل بیاض ولعل العبارة المطویة منہا ھی مانقل ھٰھنا فی الذیل قولہ اعتدی امر بالاعتداد الذی ھو من العدة او من العد ای اعتدی نعمی علیك بدائع اھ ۱۲ الفقیر حامد رضا قادری غفرلہ۔

یہاں قلمی نسخہ میں بیاض ہے ہوسکتا ہے اس سے مطلوب وُہ عبارت ہو جس کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے کہ اعتدی اعتداد سے امر ہے جو عدت سے ہے یا عد سے ہے یعنی میرے نکاح کو اپنے اُوپر خدا کی نعمت شمار کر، بدائع اھ ۱۲ الفقیر حامد رضا قادری غفرلہ (ت)

---

[۱] ردالمحتار باب الخلع مطبع مجتبائی دہلی ۲/۵۶۰
[۲] خزانة المفتین فصل فی صریح الطلاق قلمی نسخہ ۱/۱۰۸

فی المتون انت واحدۃ ویعرف ما ترجمنا من یعرف الدلیل۔

متون میں ہے، تو ایک ہے، تو ہمارے قائم کردہ عنوان سے دلیل جاننے والے کو معلوم ہے۔ (ت)

تجھ پر دو[۲۲۰]، اس میں دو طلاقیں رجعی بحالتِ نیت پڑیں گی،

فانه مثله بعین الوجه لان الوقوع بطلاق مضمر فکان رجعیا ویحتمل غیرہ فتوقف علی النیة وعد فی البحر من ھذا القسم لست لی بامرأۃ وما انا لك بزوج[۱]، حیث یقع رجعی ان نوی قلت والوقوع به مذھب الامام وعندھما لاوان نوی کما فی الخانیة وقد قدم قول الامام لکن فی الخلاصة وخزانة المفتین وجواھر الاخلاطی و الھندیة فی قوله توزن من نیی لا یقع و ان نوی ھو المختار[۲]، واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ یہ بھی پہلی ہی وجہ کی طرح معلوم ہے کہ یہاں لفظ طلاق پوشیدہ ہے جس سے یہ طلاق رجعی ہوگی، اور غیر طلاق کا احتمال ہونے کی وجہ سے نیت پر موقوف ہوگی، اور بحر میں اسی قسم سے شمار کیا ہے جب یہ کہے کہ "تُو میری بیوی نہیں اور میں تیرا خاوند نہیں" نیت کی تو ایک رجعی طلاق ہوگی۔ قلت (میں کہتا ہوں) اس کلام سے طلاق کا وقوع امام اعظم رحمہ اللہ تعالٰی کا مذہب ہے اور صاحبین کے نزدیک نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، اور بحر میں امام کے قول کو پہلے ذکر کیا ہے، لیکن خلاصہ، خزانۃ المفتین، جواھر الاخلاطی اور ہندیہ میں مذکور ہے کہ خاوند نے کہا "تُو میری بیوی نہیں ہے" تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہی مختار ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

ان سب میں نیت کی حاجت ہے اگر نیت نہیں تو کچھ نہیں اور ہے تو طلاق رجعی۔ بے وجہ بے سبب طلاق

عہ اصل میں اتنی عبارت اور زائد ہے یہ دو سو بیس[۲۲۰] الفاظِ طلاق ہیں جن میں سے ایک سو تیس[۱۳۰] سے بائن پڑتی ہے، نوّے[۹۰] سے رجعی۔ دونوں میں ننانوے[۹۹] سے بے نیت، باقی سے منوی، اور ہنوز ہر قسم میں زیادت کو اور الفاظ باقی اقوال بعد تکمیل الفاظ اضافہ فرمائے گئے لہذا منوی ایک سو پینتالیس[۱۴۵]، غیر منوی ایک سو آٹھ[۱۰۸]، یہ کل دو سو ترپن[۲۵۳] الفاظ ہیں، ایک سو ساٹھ[۱۶۰] سے بائن اور ترانوے[۹۳] سے رجعی ۱۲

حامد رضا غفرلہ

---

[۱] بحر الرائق باب الکنایات ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۳۰۰

[۲] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۶

دینا فی نفسہٖ ناپسندیدہ بلکہ شرعاً مذموم ہے، خصوصاً بائن کہ بے ضرورت محض بدعت وممنوع ہے۔ عورت کا معاذ اللہ فاحشہ ہونا اگرچہ سب سے بڑھ کر اجازتِ طلاق کی وجہ، مگر بائن کی بھی کاربرآری ممکن کہ طلاق رجعی بطور مسنون دے اور رجعت نہ کرے خود ہی بائن ہوجائے گی، وقت طلاق میں بھی یہ خصوصیت ہے کہ زنِ مدخولہ کو حیض یا نفاس میں طلاق نہ دے مگر خلع وغیرہ جو طلاق مال کے عوض ہو وہ اس حال میں بھی جائز ہے، عورت کی عمر اگر نو برس سے کم ہے یا پچپن تک پہنچ چکی ہو، یا جوان تو ہوئی مگر حیض کبھی نہ آیا، یا حاملہ ہے تو ایسی عورت کو ایک مہینے میں دو طلاقیں نہ دے، اور جو عورت ان چار کے علاوہ ہے اُسے ایسی پاکی میں نہ دے کہ اس میں یا اُس سے پہلے کے حیض میں یہ اُسے طلاق دے چکا، یا اُن میں یا دھوکے سے دوسرا شخص اُس سے جماع کرچکا ہے، طلاق میں یہ بارہ صورتیں منع ہیں پھر ان سب ممانعتوں کے یہ معنی کہ مرد اُن کے خلاف سے گنہگار ہوگا ورنہ طلاق تو بہرحال پڑجاتی ہے جب تک عورت پر قیدِ نکاح یا عدت اور مرد کے ہاتھ میں کوئی طلاق باقی ہے،

فی فتح القدیر اول کتاب الطلاق الاصح حظرہ الا لحاجۃ غیران الحاجۃ لاتقتصر علی الکبر والریبۃ[1] اھ ملخصًا، فی ردالمحتار ان الضعیف ھو عدم اباحتہ الا لکبر او ریبۃ والذی صححہ فی الفتح عدم التقیید بذلک کما ھو مقتضی اطلاقھم الحاجۃ وبما قررناہ ظھران لامخالفۃ بین ما ادعاہ انہ المذھب وما صححہ فی الفتح[2] اھ وفیہ عن البحرعن الفتح الواحدۃ البائنۃ بدعیۃ فی ظاھر الروایۃ[3] الخ

فتح القدیر میں کتاب الطلاق کے شروع میں ہے اصح یہ ہے کہ طلاق ممنوع ہے مگر حاجت ہو تو ممنوع نہیں ہے، مگر حاجت صرف بڑھاپے اور شکوک میں منحصر نہیں ہے اھ ملخصاً۔ ردالمحتار میں ہے کہ طلاق کا صرف بڑھاپے یا شکوک کی بنا پر مباح ہونا ضعیف ہے اور جس کو فتح میں صحیح قرار دیا ہے اُس میں اس کی قید نہیں بیان کی، جیسا کہ فقہاء کرام نے مطلق حاجت کو بیان کیا ہے، اور ہماری تقریر سے ظاہر ہوگیا کہ جس کے متعلق مذہب ہونے کا دعوٰی کیا اور جس کی تصحیح فتح میں کی ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اھ، اور اسی میں بحر اور اس نے فتح سے نقل کیا کہ ایک بائنہ طلاق، ظاہر روایت میں بدعی طلاق

---

[1] فتح القدیر کتاب الطلاق نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۳۲۷
[2] ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۶
[3] " " " " ۲/ ۴۱۸

في الدر: طلقة رجعية فقط في طهر لا وطء فيه احسن، وطلقة لغير موطوءة ولو في حيض، ولموطوءة تفريق الثلث في ثلثة اطهار لا وطء فيها ولا في حيض قبلها ولا طلاق فيه فيمن تحيض وفي ثلثة اشهر في حق غيرها حسن وسني، وحل طلاق الآيسة والصغيرة والحامل عقب وطء لان الكراهة فيمن تحيض لتوهم الحبل، والبدعي ما خالفهما والخلع في الحيض لا يكره والنفاس كالحيض[1] اھ ملخصا۔ قال الشامي قوله لا وطء فيه لم يقل منه ليدخل في كلامه ما لو وطئت بشبهة، فان طلاقها فيه حينئذ بدعي نص عليه الاسبيجابي وبهذا عرف ان كلام المصنف اولى من قول غيره لم يجامعها فيه لكن لا بدان

ہے الخ، اور درّ میں ہے کہ ایک رجعی طلاق اس طُہر میں جس میں وطی نہ کی ہو فقط وہی احسن طلاق ہے اور غیر موطوءہ بیوی کو اگرچہ حیض کے دوران ایک طلاق اور وطی شدہ کو تین طُہروں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جن میں وطی نہ ہُوئی ہو اور نہ ایسے طُہر سے پہلے حیض میں وطی ہو اور نہ طلاق ہو حیض والی کے لئے، اور تین مہینوں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جن میں وطی نہ ہوئی ہو اور نہ ایسے طُہر سے پہلے حیض میں وطی ہو اور نہ طلاق ہو، حیض والی کے لئے، اور تین مہینوں میں تین طلاقیں متفرق کرنا جس کو حیض نہ آتا ہو، تو ایسی طلاقیں حسن اور سنّی ہوں گی۔ اور بوڑھی، نابالغہ اور حاملہ کو وطی کے بعد طلاق دینا حلال ہے کیونکہ وطی کے بعد طلاق دینا اس لئے مکروہ ہے کہ حمل ٹھہرنے کا احتمال ہوتا ہے جو کہ جوان حیض والی میں ہوسکتا ہے، اور بدعی طلاق وُہ ہے جو ان مذکورہ دُو قسموں (احسن اور حسن) کے خلاف ہو، اور حیض میں خلع مکروہ نہیں اور نفاس بھی حیض کا حکم رکھتا ہے اھ ملخصا۔ علامہ شامی نے فرمایا: ماتن کا قول "وُہ طہر جس میں وطی نہ ہو" کہا، یہ نہ کہا کہ اس خاوند سے وطی نہ ہُوئی ہو، یہ اس لئے تاکہ کلام شُبہہ سے وطی کو بھی شامل ہو سکے، کیونکہ ایسی صُورت میں بھی طلاق بدعی ہوگی جیسا کہ اس پر اسبیجابی نے نص کی ہے۔ اور اس سے معلوم ہُوا

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۵ تا ۲۱۷

يقول ولا فی حیض قبله ولا طلاق
فیھما ولم یظھر حملھا ولم
تکن آیسة ولا صغیرة کما
فی البدائع لانه لو
طلقھا فی طھر وطئھا فی
حیض قبله کان بدعیا وکذا
لوکان قد طلقھا فیه وفی
ھذا الطھر لان الجمع بین
تطلیقتین فی طھر واحد
مکروه عندنا[1]، قوله فی
حق غیرھا ای فی حق
من بلغت بالسن ولم تر
دما اوکانت حاملا او صغیرة
لم تبلغ تسع سنین علی
المختار او آیسة بلغت
خمسا وخمسین سنة علی
الراجح ، اما ممتدة الطھر
فمن ذوات الاقراء لانھا شابة
رأت الدم فلا یطلقھا
للسنة الا واحدة مالم تدخل
فی حد الایاس[2]، قال فی
الذخیرة عن المنتقی لاباس بان

کہ مصنّف کی کلام دُوسروں کی نسبت اولیٰ ہے
کیونکہ دُوسروں نے یُوں کہا ہے کہ خاوند نے اس
طُہر میں وطی نہ کی ہو، لیکن مصنف کی کلام میں یہ کہنا
بھی ضروری تھا کہ اس طُہر سے قبل حیض میں بھی وطی
نہ ہو اور نہ طلاق ہو، اور حمل ظاہر نہ ہو اور نہ بوڑھی اور
نابالغہ نہ ہو جیسا کہ بدائع میں ہے کیونکہ اگر ایسے
طُہر میں طلاق دی جس سے قبل حیض میں وطی کی ہو
تو وُہ طلاق بدعی ہوگی اگرچہ طُہر میں وطی نہ ہو، اور
یُوں ہی اگر اس حیض میں طلاق کے بعد طُہر میں طلاق
دی ہو کیونکہ ایسی صورت میں ایک طُہر میں دو طلاقیں
شمار ہوں گی جو کہ ہمارے ہاں مکروہ ہے۔ اور
ماتن کا قول کہ "اس کے غیر میں" یعنی وُہ عورت
حیض کی بجائے عُمر کے حساب سے بالغ قرار پائے
اور اس نے کسی حیض کا خُون نہ دیکھا اور نہ پایا، یا
عورت حاملہ ہو، یا ایسی نابالغہ جو نو سال سے کم عمر
والی ہو مختار قول کے مطابق، یا آئسہ (وہ عورت جو
پچپن سال کو پہنچ چکی ہو) راجح قول کے مطابق، یا
حیض والی عورتوں میں وُہ عورت جس کا طُہر دراز
مدت تک ختم نہ ہو، کیونکہ نوجوان عورت جس کو خُونِ
حیض آچکا ہے تو اس کو سنت طلاق صرف ایک
ہی ہوگی جب تک وُہ حدِ ایاس تک نہ پہنچی ہو۔ ذخیرہ
میں منتقی سے منقول ہے: اگر بیوی سے کوئی ناپسندیدہ

---

[1] رد المحتار کتاب الطلاق دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۱۸
[2] " " " " ۲/ ۴۱۹

یخلعها فی الحیض اذا رای منها مایکرہ اھ وکذا الطلاق علی مال لایکرہ فی الحیض کما صرح بہ فی البحر عن المعراج والمراد بالخلع ما اذا کان خلعا بمال[1]، قولہ والنفاس کالحیض قال فی البحر ولما کان المنع من الطلاق فی الحیض لتطویل العدۃ علیها کان النفاس مثلہ جوهرۃ[2] اھ ملتقطا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

امر محسوس کرے تو حیض کے دوران بھی خلع کرنے میں کوئی حرج نہیں اھ یونہی مال کے عوض طلاق حیض میں دی جائے تو مکروہ نہیں جیسا کہ بحر میں معراج سے نقل کرتے ہوئے تصریح کی ہے اور خلع سے مراد وہ ہے جو مال کے عوض ہو۔ ماتن کا قول کہ "نفاس، حیض کی طرح ہے"۔ بحر میں فرمایا کہ حیض میں طلاق عورت کی عدت کو طوالت سے بچانے کی وجہ سے ممنوع ہے تو نفاس میں بھی یہی بات ہے اس لئے یہ بھی حیض کی طرح ہے، اھ، (ردالمحتار کی تمام عبارت، ملتقطا) واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔ (ت)

فہرست الفاظِ طلاق

ان سب صورتوں میں اگر طلاق کی نیت ہو طلاق بائن پڑ جائے گی

نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۱	جا	۵۱۵	۱۱	سرک	۵۱۵
۲	نکل	〃	۱۲	جگہ چھوڑ	〃
۳	چل	〃	۱۳	گھر خالی کر	〃
۴	روانہ ہو	〃	۱۴	دُور ہو	〃
۵	اُٹھ	〃	۱۵	چل دُور	〃
۶	کھڑی ہو	〃	۱۶	اے خالی	〃
۷	پردہ کر	〃	۱۷	اے بری	〃
۸	دوپٹہ اوڑھ	〃	۱۸	اے جُدا	〃
۹	نقاب ڈال	〃	۱۹	تُو جُدا ہے	〃
۱۰	ہٹ	〃	۲۰	تو مجھ سے جُدا ہے	〃

[1] و [2] ردالمحتار ۔ کتاب الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۹

نمبر شمار	الفاظ طلاق	صفحہ	نمبر شمار	الفاظ طلاق	صفحہ
۲۱	میں نے تجھے بے قید کیا	۵۱۵	۴۰	تشریف کا ٹوکرا لے جائیے	۵۱۵
۲۲	میں نے تجھ سے مفارقت کی	〃	۴۱	جہاں سینگ سمائے جا	〃
۲۳	رستہ ناپ	۵۱۶	۴۲	اپنا مانگ کھا	〃
۲۴	اپنی راہ لے	〃	۴۳	بہت ہو چکی اب مہربانی فرمائیے	〃
۲۵	کالا منہ کر	〃	۴۴	اے بے علاقہ	〃
۲۶	چال دکھا	〃	۴۵	منہ چھپا	〃
۲۷	چلتی بن	〃	۴۶	جہنم میں جا	〃
۲۸	چلتی نظر آ	〃	۴۷	چولھے میں جا	〃
۲۹	دفع ہو	〃	۴۸	بھاڑ میں پڑ	〃
۳۰	دال فے عین ہو	〃	۴۹	میرے پاس سے چل	〃
۳۱	رفو چکر ہو		۵۰	اپنی مراد پر فتحمند ہو	〃
۳۲	پنجرا خالی کر	〃	۵۱	میں نے نکاح فسخ کیا	〃
۳۳	ہٹ کے سڑ	〃	۵۲	تو مجھ پر مثل مردار[۱]	〃
۳۴	اپنی صورت گما	〃	۵۳	یا مثل سوئر	〃
۳۵	بستر اٹھا	〃	۵۴	یا مثل شراب کے ہے	〃
۳۶	اپنا سوجھتا دیکھ	〃	۵۵	تو مثل میری ماں[۲]	۵۱۷
۳۷	اپنی گٹھری باندھ	〃	۵۶	یا بہن	〃
۳۸	اپنی نجاست الگ پھیلا	〃	۵۷	یا بیٹی کے ہے	〃
۳۹	تشریف لے جائیے	〃	۵۸	تو خلاص ہے	〃

ع۱ نہ مثل بھنگ یا افیون یا مال فلاں یا زوجہ فلاں کے۔

ع۲ یوں کہا تو ماں بیٹی ہے، تو گناہ کے سوا کچھ نہیں۔

نمبرشمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۵۹	تیری گلو خلاصی ہوئی	۵۱۷
۶۰	تو خالص ہوئی	〃
۶۱	حلالِ خدا	〃
۶۲	یا حلالِ مسلماناں	〃
۶۳	یا ہر حلال مجھ پر حرام	〃
۶۴	تو میرے ساتھ حرام میں ہے	〃
۶۵	میں نے تجھے تیرے ہاتھ بیچا[1]	〃
۶۶	میں تجھ سے باز آیا	۵۱۸
۶۷	میں تجھ سے درگزرا	〃
۶۸	تو میرے کام کی نہیں	〃
۶۹	میرے مطلب کی نہیں	〃
۷۰	میرے مصرف کی نہیں	〃
۷۱	مجھے تجھ پر کوئی راہ نہیں	〃
۷۲	کچھ قابو نہیں	〃
۷۳	ملک نہیں	〃
۷۴	میں نے تیری راہ خالی کردی	〃
۷۵	تو میری ملک سے نکل گئی	〃
۷۶	میں نے تجھ سے خلع کیا	〃
۷۷	اپنے میکے بیٹھ	〃
۷۸	تیری باگ ڈھیلی کی	〃

نمبرشمار	الفاظِ طلاق	صفحہ
۷۹	تیری رسی چھوڑ دی	۵۱۸
۸۰	تیری لگام اتارلی	〃
۸۱	اپنے رفیقوں سے جا مل	〃
۸۲	مجھے تجھ پر کچھ اختیار نہیں	۵۱۹
۸۳	خاوند تلاش کر	〃
۸۴	میں تجھ سے جدا ہوں یا ہوا[2]	۵۲۰
۸۵	میں نے تجھے جدا کردیا	〃
۸۶	میں نے تجھ سے جدائی کی	〃
۸۷	تو خود مختار ہے	〃
۸۸	تو آزاد ہے	〃
۸۹	مجھ میں تجھ میں نکاح نہیں	۵۲۱
۹۰	مجھ میں تجھ میں نکاح باقی نہ رہا	〃
۹۱	میں نے تجھے تیرے گھر والوں[3]	〃
۹۲	یا باپ	〃
۹۳	یا ماں	〃
۹۴	یا خاوندوں کو دیا	〃
۹۵	یا خود تجھ کو دے ڈالا	〃
۹۶	مجھ میں تجھ میں کچھ معاملہ نہ رہا[4]	〃
۹۷	میں تیرے نکاح سے بری ہوں	〃
۹۸	بیزار ہوں	〃

[1] اگرچہ کسی عوض کا ذکر نہ کرے اور عورت کے اس کہنے کی بھی حاجت نہیں کہ میں نے خریدا۔

[2] فقط میں جدا ہوں یا ہوا کافی نہیں اگرچہ بہ نیت طلاق کہے۔

[3] کیا میں نے تجھے تیرے بھائی یا ماموں یا چچا یا کسی اجنبی کو دے دیا تو کچھ نہیں۔

[4] مجھ میں تجھ میں کچھ نہ رہا سے کچھ نہیں اگرچہ نیت کرے۔

مسئلہ ۲۶۹ از کانپور محلہ فراش خانہ عقب آبکاری سڑک جدید متصل کوڑہ گھر مکان حافظ زبیر حسن مرسلہ مولوی سید سعید الحسن صاحب ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ نے اپنے شوہر زید کو بذریعہ خط یہ لکھا کہ تم مجھ کو فارغ خطی دے دو اور اُس زوجہ ہندہ کے لکھنے پر شوہر زید نے یہ لکھ دیا کہ میری طرف سے تین مرتبہ فارغ خطی ہے مجھ کو تم سے کچھ مطلب نہیں جو تمہارا جی چاہے وُہ کرو، تو اب اس صورت میں طلاق واقع ہُوئی یا نہ؟ اور مسماۃ ہندہ کو اب کیا کرنا چاہئے؟ شوہر زید کے پاس جانا درست ہے یا نہ؟ اگر جائے تو کیا ہے؟ بیّنوا فی الکتاب توجروا یوم الحساب۔

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں تین طلاقیں ہوگئیں، زید کے پاس اُسے جانا حرام محض ہے، بے حلالے کے زید سے نکاح نہیں ہوسکتا،

فان ھذا اللفظ من الرجل لامرأتہ لایستعمل الا فی معنی الطلاق ولایراد ولا یفھم منہ الاھذا فکان من الصریح الذی لایحتاج الی النیۃ لانہ حیث یقع جوابا لسؤالھا کما ھھنا فانہ لایحتمل الرد کما لایخفی۔

خاوند کی طرف سے بیوی کے لئے اس لفظ کا استعمال صرف طلاق کے معنٰی میں ہوتا ہے اور اس سے مراد اور فہم یہی ہوتا ہے، لہذا یہ لفظ صریح ہے جس میں نیت کی محتاجی نہیں ہے کیونکہ جیسے میاں بیوی کے سوال کے جواب میں مذکور ہو تو اس سے رَد کا احتمال نہیں ہوتا، جیسا کہ مخفی نہیں ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے:

فمالایستعمل فیھا الا فی الطلاق فھو صریح یقع بلانیۃ وما استعمل فیھا استعمال الطلاق وغیرہ فحکمہ حکم کنایات العربیۃ فی جمیع الاحکام، بحر۔[1]

جو لفظ صرف طلاق میں استعمال ہو وُہ صریح ہوتا ہے جس میں نیت کی حاجت نہیں ہوتی، اور جو لفظ طلاق اور غیر طلاق میں استعمال ہو تو اس کا حکم تمام احکام میں عربی کنایہ جیسا ہوتا ہے، بحر۔ (ت)

اسی طرح عالمگیریہ میں بدائع سے ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] ردالمحتار باب الصریح دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۲۹

مسئلہ ۲۷ (مسودہ میں سوال نہیں ملا)

الجواب

اگر یہ بات اس نے صحیح کہی کہ میں تو پہلے خط میں فارغ خطی بھیج چکا ہوں تو اگر اُس خط میں یہ تھا کہ میں نے تجھے فارغ خطی دی تو خط لکھتے ہی ایک طلاق ہوگئی تھی اور اگر خط میں یہ تھا کہ جب یہ خط تجھے پہنچے تو تجھے فارغ خطی ہے اور وُہ خط اُسے پہنچا تو اُس وقت اُسے طلاق ہوگئی تھی، بہرحال اُس طلاق کے بعد اگر تین حیض عورت کو ہو چکے تھے، اُس کے بعد یہ خط لکھا جس کی نقل سوال میں ہے جب تو یہ خط بیکار ہے کہ پہلے طلاق ہو چکی اور عدت گزر لی اور اگر اس نے رجعت نہ کی تو عورت اجنبیہ ہوگئی اُس کی طلاق کا محل نہ رہی اس صورت میں عورت جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، اور اگر اُس خط کے لکھنے یا پہنچنے کے بعد عورت کو ابھی تین حیض نہ ہوئے یا خط پہنچنے پر طلاق لکھی تھی اور وُہ نہ پہنچا یا اُس نے سرے سے خط لکھا ہی نہ تھا یونہی غلط لکھ دیا تو ان سب صُورتوں میں اس پر تین طلاقیں ہوگئیں، بعد انقضائے عدت سوائے شوہر جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے شوہر سے بے حلالہ نہیں ہوسکتا، حلبی پھر شامی علی الدر المختار میں ہے:

انت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ لکونہ بائنا[1] ملخصا۔

تو مجھ پر حرام ہے، کہنے پر مفتی بہ قول میں نیت پر موقوف نہیں، حالانکہ یہ طلاق بائنہ ہے ملخصا (ت)

نیز ردالمحتار میں ہے:

افتی المتاخرون فی انت علی حرام بانہ طلاق بائن للعرف بلا نیۃ[2]۔

متاخرین نے کہا "تُو مجھ پر حرام ہے" کہنے میں طلاق بائنہ ہوگی، عرف کی وجہ سے نیت کے بغیر واقع ہوگی (ت)

فارغ خطی عرف میں طلاق صریح ہے کہ عورت کی طرف اُس کی اضافت سے طلاق ہی مراد و مفاد ہوتی ہے، ردالمحتار میں ہے:

الصریح ماغلب فی العرف استعمالہ فی الطلاق بحیث لایستعمل عرفا الا فیہ من ای لغۃ کانت وھذا فی عرف زماننا کذلک فوجب اعتبارہ صریحا[3]۔

صریح وُہ لفظ ہے جس کا عرف میں غالب استعمال طلاق کے لئے ہو۔ اور کسی بھی عرف میں وہ بغیر نیت صرف طلاق کے لئے استعمال ہو اور یہ لفظ ہمارے زمانے کے عرف میں ایسا ہی ہے لہٰذا اس کے صریح ہونے کا اعتبار ضروری ہوگا۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۹

[2] و [3] ردالمحتار باب الصریح " " " ۲/۴۳۲

اور صحیح یہ ہے کہ طلاق لے طلاق صریح ہے، محیط پھر ہندیہ میں ہے:

لوقال لہا دا د طلاق یقع من غیر نیۃ وھو الاشبہ لان قولہ دا د فی العادۃ، وقولہ خذ سواء ولوقال لہا خذی طلاقك یقع من غیر نیۃ کذاھٰھنا کذا فی المحیط[1] ملخصًا۔

اگر خاوند نے کہا "طلاق دے" تو بغیر نیت طلاق ہوجائے گی، اور یہی اشبہ بالحق ہے، کیونکہ "دا د" کہنا ایسے ہی ہے جیسے کسی نے "خُذ" (لے پکڑ) کہا، تو عادت میں "داد" (فارسی) اور خُذ (عربی) دونوں مساوی ہیں، اور اگر خاوند کہے "لے طلاق پکڑ" تو بغیر نیت طلاق ہوجاتی ہے، تو یہاں بھی ایسے ہی ہوگا جیسا کہ محیط میں ہے۔ ملخصًا (ت)

اور دوبارہ لفظ کے طلاق جدید ہوگا نہ تاکید، اشباہ میں ہے:

التاسیس خیر من التاکید فاذا دار اللفظ بینہما تعین الحمل علی التاسیس ولذا قال اصحابنا رحمہم اللہ تعالٰی لوقال لزوجتہ انت طالق طالق طالق طلقت ثلثًا[2]، واللہ تعالٰی اعلم۔

تاسیس یعنی نیا فائدہ، تاکید سے بہتر ہے، لہٰذا جب کوئی لفظ تاسیس اور تاکید دونوں کا احتمال رکھے تو اس کو تاسیس پر محمول کرنا متعین ہوگا، اس لئے ہمارے اصحاب رحمہم اللہ تعالٰی نے فرمایا اگر خاوند نے لفظ طلاق کو تین مرتبہ دہرایا تو تین طلاقیں ہوں گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۷: ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

اگر خط مذکور میں "لے" کا لفظ مکرر نہ ہوتا یوں ہوتا کہ فارغ خطی لے تو بقیہ الفاظ کی وجہ سے تین طلاقیں ہوتیں یا کیا حکم تھا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

خط لکھنے اور پہنچنے کے احکام وہی ہیں جو گزرے اور اگر اس میں خط پہنچنے پر طلاق لکھی تھی اور وہ نہ پہنچا تو دو طلاقیں بائن ہوئیں، تو اگر اس نے اس لفظ سے کہ "تو میرے کام کی نہیں" طلاق کی نیت کی تو ایک اس سے

وانما احتاج الی النیۃ مع ان الحال حال المذاکرۃ کما ذکرہ مسند ا

حالت مذاکرہ طلاق (جیسا کہ بیوی کے باپ کے خط کا حوالہ ہے) ہونے کے باوجود نیت کا محتاج ہوگا

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲

[2] الاشباہ والنظائر التاسیس خیر من التاکید ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۱۸۱

الی کتاب ایھا لانہ یحتمل السب کما حققناہ فی جد الممتار والحالۃ حالۃ الغضب فلا تجعلہ المذاکرۃ غنیا من النیۃ کما حققناہ فیہ مستفیدین اور دوسری فارغ خطی لئے سے لانہ رجعی صریح فیلحق البائن

کیونکہ یہ لفظ ڈانٹ کا بھی احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ہم جد الممتار میں تحقیق کرچکے ہیں جبکہ یہاں حالت بھی غصہ کی ہے، اس لئے مذاکرۂ طلاق یہاں نیت سے مستغنی نہیں کرسکتا، جیسا کہ ہم نے فتح القدیر سے ان کو استفادہ کرکے تحقیق کی ہے، اور دُوسری (طلاق) یہ کہنے سے کہ "فارغ خطی لے" کیونکہ یہ صریح رجعی طلاق ہے تو بائن کو لاحق ہوگی،

اما قولہ حرام ہوچکی فھو وان صار صریحا بالعرف لایلحق البائن علی مافی الحلبی ثم الشامی حیث قالوا لایرد انت علی حرام علی المفتی بہ من عدم توقفہ علی النیۃ مع انہ لایلحق البائن ولا یلحقہ البائن لکونہ بائنا لما ان عدم توقفہ علی النیۃ امر عرض لہ لا بحسب اصل وضعہ[1] اھ۔

لیکن خاوند کا کہنا "حرام ہوچکی ہے" یہ لفظ اگرچہ عرف کی بنا پر صریح طلاق بن چکا ہے لیکن بائن کو لاحق نہ ہوگی حلبی اور پھر شامی کے بیان پر کہ ضابطہ پر "تو مجھ پر حرام ہے" سے اعتراض نہ ہوگا جیسا کہ مفتٰی بہ قول پر یہ نیت پر موقوف نہیں ہے (یعنی صریح طلاق ہے) حالانکہ نہ بائنہ اس کو لاحق ہوسکتی اور نہ ہی یہ بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے، کیونکہ ایسی بائنہ ہے جو نیت پر موقوف نہیں ہے، اور اس کا نیت پر موقوف نہ ہونا (یعنی صریح ہونا) عارضہ کی بنا پر ہے اپنے اصل کے اعتبار سے نہیں اھ (ت)

اقول والوجہ فیہ انہ یمکن جعلہ اخبارا فلا ضرورۃ جعلہ انشاء (میں کہتا ہوں، اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس کو قبل ازیں طلاق سے حکایت اور خبر قرار دیا جاسکتا ہے اس لئے اس کو انشاء قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ت) اور اگر اس لفظ سے کہ "تو میرے کام کی نہیں" اُس نے نیتِ طلاق کی تو ایک حرام سے ہوچکی اور دُوسری فارغ خطی سے، بہرحال باقی الفاظ سے کچھ نہ پڑے گی،

لان کل ما بعدہ کنایات بوائن فلا تلحق البائن واللفظ الثانی وان کان الواقع بہ رجعیا قد صار بلحوقہ البائن بائنا فلا تلحقہ

کیونکہ اس کے بعد تمام الفاظ بائنہ طلاق والے ہیں لہٰذا وہ بائنہ کو لاحق نہ ہوں گے، اور دُوسرا لفظ اگرچہ اس سے رجعی طلاق ہُوئی مگر اس کو بائنہ لاحق ہونے پر وہ بائنہ ہوگئی اس لئے اس کو

[1] ردالمحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۹

كناية بائن لا مكان جعله اخبارا بل لحوقه بالثاني لحوقه بالاول وقد كان بائنا فيمتنع كله كما بيناه في جد الممتار،

کنایہ والی بائنہ لاحق نہ ہوسکے گی، بلکہ اس کو خبر بنایا جانا ممکن ہے اس لئے اس کو طلاق نہ قرار دینے کی وجہ سے بھی لحوق نہ ہوگا بلکہ اس کا ثانی کو لحوق ہی اول کو لحوق قرار دیا جائے گا جبکہ یہ بائنہ ہے لہٰذا اس کے بعد والی تمام بائنہ ممنوع ہوں گی جیسا کہ ہم نے جد الممتار میں بیان کیا ہے۔ (ت)

اور اگر وُہ خط اس نے لکھا ہی نہ تھا تو تین طلاقیں ہونا چاہیے

لان اقراره بتقديم فارغخطى اقرار بالطلاق، فيكون طلاقا قضاء والباقيان باللفظين المذكورين هذا ما ظهرلي والعلم بالحق عند ربي۔ والله تعالٰی اعلم۔

کیونکہ اس کا "فارغ خطی" کے بارے میں پہلے ہونے کا اقرار، طلاق کا اقرار ہے تو یہ قضاءً طلاق ہوگی اور باقی دو طلاقیں مذکورہ دو لفظوں سے ہوجائیں گی، مجھے یہ معلوم ہُوا جبکہ حقیقت کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۲ ازمرزاپور کلکتہ مرسلہ عبدالغفور خاں ۴ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ میں اور میری بی بی میں تکرار ہُوئی اُس کو مار پیٹ کیا جس گھر میں وُہ تھی اُس گھر میں سے ہم باہر نکل آئے اپنے کارخانہ میں بیٹھے ہُوئے لڑکے نے جو دوسری بیوی سے ہے ہم سے کہا کہ اُس کو چھوڑ دو ہم جو پیدا کریں گے تم کو دیں گے، تو ہم نے کہا تم کہتے ہو تو ہم اُس کو مانگتا نہیں دو مرتبہ کہا ہم اُس کو مانگتا نہیں مانگتا نہیں، بیٹے نے کہا تم اس کو فارغ خطی دے دو، ہم نے کہا تم کو اختیار ہے، لڑکا ہمارا فارغ خطی لکھ کر لایا یا لکھوالایا ہم نے اُس کو پڑھوایا نہیں، دستخط اس پر کر دئے، فارغخطی زبان بنگلہ میں ہے بجنسہ بلف ہذا مرسل ہے، اس صورت میں طلاق ہُوا یا نہیں؟ اب عورت چاہتی ہے کہ بے حلالہ کے نکاح ہوجائے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

بلاشُبہہ جائز ہے، حلالہ کی اصلاً ضرورت نہیں، اس سوال کے ساتھ زبان وخط بنگلہ میں دو کاغذ آئے، ایک ازجانب زوجہ جس میں شوہر سے مہر وطلاق پانے کا ذکر ہے، دوسرا ازجانب شوہر جس کا ترجمہ چند معتبر مسلمان بنگالی طلبۂ علم نے یہ کیا (میں عبدالغفور خاں ساکن کلکتہ مرزاپور، طلاق یہ ہے کہ شاہدالنساء کو ساڑھے تین روپے دین مہر مطابق شریعت دین محمدی کے نکاح کیا، اس وقت راضی سے مہر ادا کرکے طلاق بائنہ دی۔ راقم عبدالغفور خاں) عبدالغفور کا دو خواہ دس بار کہنا ہم اس کو مانگتا نہیں

مانگتا نہیں، یہ تو محض بے اثر تھا کہ اس کے معنی نفی خواہش وطلب وارادہ ہے اور ان کی نفی سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق کہے،

فی الهندیة اذا قال لا اریدك، او لا احبك، او لا اشتهیك، او لا رغبة لی فیك، فانه لا یقع وان نوی فی قول ابی حنیفة رحمه الله تعالٰی کذا فی البحرالرائق[1]

ہندیہ میں ہے: جب خاوند نے کہا، میں تجھے نہیں چاہتا، یا، میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تیری خواہش نہیں کرتا، یا، مجھے رغبت نہیں، ان الفاظ سے طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت ہو، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول میں ہے، بحرالرائق میں یونہی ہے۔ (ت)

اور فارغ خطی کی اصل وضع اُس کاغذ کے لئے ہے جو مدیون کو بابت بے باقی وبرأت ذمہ لکھ کر دیا جاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اب اس پر کچھ مطالبہ نہ رہا، یہ لفظ جب عورت کی طرف نسبت کیا جائے تو اُس سے مراد عورت کو لکھ دینا ہوتا ہے کہ وہ اُس کے مطالبہ وحقوق نکاح سے بری ہوئی جس کا حاصل طلاق نامہ بائن تحریری تھی

علا انه هو الحقیقة العرفیة کما علمت فهو ظاهر بنفسه وان لم یکن هناك مظهر له۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت عرفیہ ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ خود ظاہر ہے اگرچہ کوئی دوسری چیز اس کو ظاہر نہ کرے۔ (ت)

پسر عبدالغفور خاں نے جبکہ اُس سے فارغ خطی دینے کی درخواست کی اور اس نے کہا تم کو اختیار ہے تو یہ طلاق بائن تحریری کا اُسے اختیار دینا ہُوا، مرد جسے اپنی عورت کی طلاق کا اختیار دے اُس میں حکم یہ ہے کہ وُہ اختیار اُسی جلسہ تک باقی رہتا ہے اگر وہ شخص بلاضرورت خواہ کسی ایسی ضرورت کیلئے جو اس کار طلاق سے متعلق نہ تھی اُٹھ جائے یا وہیں بیٹھا کسی اور کام بلکہ بے علاقہ کلام میں مشغول ہوجائے تو وُہ اختیار زائل ہوجاتا ہے،

فی الهندیة عن الخلاصة عن الصغرٰی لو قال لاجنبی امر امرأتی بیدك، یقتصر علی المجلس ولا یملك الرجوع اھ وفیها

اگر کسی اجنبی کو کہا کہ، میری بیوی کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے، تو اختیار اسی مجلس کے لئے ہوگا اور رجوع کا اختیار نہ ہوگا اھ اور اسی میں خانیہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵
[2] 〃 الفصل الثانی فی الامر بالید 〃 〃 〃 ۱/۳۹۳

عن الخانية لوقال لغيره طلق امرأتی فقد جعلت ذٰلك اليك فهو تفويض يقتصر الی المجلس[1] الخ وفی الدر المختار فی قوله لاجنبی طلق امرأتی يصح رجوعه عنه ولم يتقيد بالمجلس لانه توكيل الا اذا علقه بالمشيئة فيصير تمليكا والفرق بينهما فی خمسة احكام ففی التمليك لا يرجع ولا يعزل ويتقيد بمجلس[2] الخ ملخصا، وفی رد المحتار عن الفتح المبدل للمجلس ما يكون قطعا للكلام الاول وافاضة فی غيره[3] الخ وفيه الاصح انه لا بد ان يكون مع القيام دليل الاعراض[4] اھ وفيه الكلام الاجنبی دليل الاعراض[5] اھ۔

سے منقول ہے: اگر خاوند نے دُوسرے کو طلاق کا اختیار دیتے ہُوئے کہا "تو میری بیوی کو طلاق دے"، تو یہ اختیار اسی مجلس کے لئے ہوگا الخ اور درمختار میں ہے اگر خاوند نے دُوسرے کو کہا "تُو میری بیوی کو طلاق دے" اگر اجنبی نے اس اختیار سے طلاق دے دی تو رجعی ہوگی، انھوں نے اس اختیار کو صرف مجلس کے لئے نہیں کہا اور کہا یہ توکیل ہے اور اگر تیری مرضی ہو تو میری بیوی کو طلاق کہا تو پھر تملیک ہوگی، اور وکیل بنانا اور مالک بنانا ان دونوں باتوں میں پانچ فرق ہیں، مالک بنانے پر اختیار کو واپس نہیں لے سکتا اور نہ ہی اسے معزول کرسکتا ہے اور یہ اختیار مجلس کے لئے ہی ہوگا الخ ملخصاً۔ ردالمحتار میں ہے کہ مجلس کی تبدیلی ایسی چیز سے ہوگی جو پہلی بات کو منقطع کرے اور دوسرے کام میں مصروف کرے الخ۔ اور اُسی میں ہے مجلس سے کھڑا ہوجانا اس میں اعراض کے لئے دلیل بھی ہو تو ضروری ہے اھ، اسی میں ہے پہلی بات سے ہٹ کر کوئی اجنبی بات کرنا اعراض کی دلیل ہے اھ (ت)

الفاظِ سوال یہ ہیں کہ فارغ خطی لکھ کر لایا یا لکھوایا جس سے ظاہر کہ پسر نے اُسی جگہ فارغ خطی نہ لکھی بلکہ وہاں سے اُٹھ کر جانے کے بعد تحریر ہُوئی، اب اگر صورتِ واقعہ یہ ہے کہ کاغذ مذکور کو پسر نے اپنے ہاتھ سے لکھا اور اُس سے پہلے کسی غیر کام میں مصروف نہ ہُوا، یہ اُٹھ کر جانا بضرورت قلم یا دوات یا کاغذ لینے کے تھا کہ یہ اشیاء وہاں موجود نہ تھیں جب تو یہ تحریر اُسی اختیار کی بناء پر واقع ہُوئی اور پسر کے لکھتے ہی شاہد النساء پر ایک طلاق

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۹۳
[2] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۷
[3] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۷۸
[4] " " " " " " " " ۲/ ۴۷۷
[5] ایضاً

بائن پڑگئی، عبدالغفور خاں کا اُس تحریر کو پڑھنا سُننا کچھ ضرور نہ تھا،

فانه انما عمل بموجب التفويض والمفوض مملك والمملك يعمل بمشيئة نفسه من دون توقف على رضا المملك بالكسر حتى لو رجع بعد ما ملك لم يملك الرجوع كما تقدم۔

کیونکہ اس نے تفویض کے مطابق عمل کیا ہے، اور جس کو تفویض کیا گیا ہو وُہ مالک بنا دیا جاتا ہے اور جس کو مالک بنایا گیا ہو وُہ اپنی مرضی سے عمل کرتا ہے اور مالک بنانے والے کی مرضی پر موقوف نہیں رہتا' حتی کہ جب کسی کو مالک بنا دیا تو اب مالک بنانیوالا واپس لینے کا مالک نہیں رہتا، جیساکہ پہلے گزرا۔ (ت)

اور اگر یہ اُمڑ کر جانا بے ضرورت یا ضرورت تحریر سے جُدا کسی اور غرض کے لئے تھا یا وُہ تحریر اس نے کسی اور سے لکھوائی تو ان صورتوں میں اُس اختیار کی بنا پر نہ ہُوا بلکہ ایک فضول واجنبی کا لکھنا تھا،

فان المفوض اليه بفصل اجنبي يصير اجنبيا، وهو انما فوض اليه التطليق دون التوكيل كما ان الوكيل بالطلاق لا يملك ان يوكل غيره او يجيز ما فعل غيره كما نص عليه في الانقروي من الخانية۔

جس کو کوئی اختیار سونپا جائے تو اجنبی شخص سے دخل کی وجہ سے وُہ بھی اجنبی ہو جاتا ہے کیونکہ مالک نے اس کو طلاق دینے کا اختیار سونپا ہے نہ کہ دوسرے کو وکیل بنانے کا اختیار سونپا، جس طرح وکیل بالطلاق دوسرے کو وکیل بنانے کا مجاز نہیں اور نہ ہی وُہ دوسرے کے عمل کو اس میں جائز کرسکتا ہے جیساکہ انقروی نے خانیہ سے نقل میں اس کی تصریح کی ہے۔ (ت)

اور فضولی شخص جسے شوہر کی طرف سے امر یا اذن تحریر نہیں یا نہ رہا وُہ اگر عورت کی طلاق لکھ لائے تو اُس کا نفاذ اجازتِ شوہر پر موقوف رہتا ہے اگر وُہ اس کے مضمون پر مطلع ہو کر اُس تحریر کو نافذ کردے مثلاً صراحۃً کہہ دے کہ میں نے جائز کیا یا اجازت دی یا نفاذ دیا کوئی فعل ایسا کرے جو نافذ کرنے پر دلیل ہو مثلاً اُس پر اپنے دستخط کر دے یا اپنی طرف سے عورت کے پاس روانہ کرے یا بھیجنے کو کہے تو وُہ تحریر نافذ ہو جاتی اور گویا خود شوہر کی تحریر قرار پاتی ہے ورنہ نہیں،

في البزازية قبيل مسائل المجازاة كتب غير الزوج كتاب الطلاق وقرأه على الزوج فاخذه وختم عليه اوقال لرجل ابعث هذا الكتاب اليها فهذا بمنزلة كتابته

بزازیہ میں اجازت کے مسائل سے تھوڑا پہلے ہے کہ زوج کے غیر نے طلاق نامہ لکھا اور پھر اس کو خاوند پر پڑھا تو خاوند نے لے کر اس پر مہر لگائی یا دوسرے کسی شخص کو کہا یہ طلاق نامہ میری بیوی کو جا کر دے دو، تو یہ کارروائی ایسے ہی ہوگی جیسے خاوند نے خود

بنفسه[1] اھ، ومثلہ فی الخلاصۃ **قلت** ولعل ھذا ھومحمل ما فی الھندیۃ عن المحیط عن المنتقٰی فی ردالمحتار عن التاترخانیۃ ان کل کتاب لم یکتبہ بخطہ ولم یملہ بنفسہ لایقع الطلاق بہ اذا لم یقرانہ کتابہ[2] اھ فان الاقرار کما یکون صریحا فکذلک دلالۃ۔

طلاق نامہ لکھا ہو اھ، اور خلاصہ میں بھی ایسا ہے **قلت** (میں کہتا ہوں) ہندیہ میں محیط سے اور انھوں نے منتقٰی سے اور ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے جو ذکر کیا کہ جو طلاق نامہ خاوند نے خود نہ لکھا نہ لکھوایا تو اس سے طلاق نہ ہوگی تاوقتیکہ خاوند اس تحریر کی تصدیق نہ کرے کہ یہ میری کارروائی ہے، تو بزازیہ کی مذکورہ عبارت کا محمل بھی یہی ہے کیونکہ جس طرح اقرار صراحۃً ہوتا ہے یونہی دلالۃً بھی ہوسکتا ہے (ت)

اور پرظاہر کہ تنفیذ کے لئے صرف مضمون پر مطلع ہونا درکار ہے اور وُہ اُس میں منحصر نہیں کہ حرف بحرف اُسے پڑھوا کر سُنے بلکہ آپ پڑھ لے یا دیکھ لے یا دُوسرا پڑھ دے یا اُس کا خلاصۂ مضمون بتادے ہر طرح حاصل ہے۔

فقول البزازیۃ قرأہ علی الزوج غیر قید بل تصویر لاطلاع الزوج علی ما فیہ فانہ لامعنی لتنفیذ ما لایدری۔

تو بزازیہ کا قول کہ "خاوند پر پڑھے اور سُنائے" قید نہیں ہے بلکہ خاوند کو طلاق نامہ کی تحریر پر اطلاع کی ایک صورت ہے کیونکہ خاوند کے علم کے بغیر اس کی طرف سے کارروائی بے معنٰی ہے (ت)

اشباہ میں ہے:

قال فی فتح القدیر وصورتہ ان یکتب الیھا بخطبھا فاذا بلغھا الکتاب احضرت الشھود وقرأتہ علیھم وقالت زوجت نفسی منہ، او تقول ان فلانا کتب الی یخطبنی فاشھدوا انی قد زوجت نفسی منہ، اما لو لم تقل

فتح القدیر میں فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ مرد عورت کو خط لکھے اور اس نکاح کے پیغام کو کوئی لے جاکر عورت کو پیش کرے، عورت گواہوں کو حاضر کرکے انھیں خط سنائے اور پھر یُوں کہے کہ میں نے فلاں سے اپنا نکاح کیا، یا یُوں کہے کہ فلاں نے مجھے منگنی کا پیغام لکھا ہے تو تم گواہ بن جاؤ کہ میں نے اپنا نکاح اس سے کردیا ہے۔ لیکن اگر عورت نکاح کا پیغام

---

[1] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش ہندیہ نوع آخر فی التوکیل والکنایۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۱۸۵

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السادس فی الطلاق بالکتابۃ " " " ۱/ ۳۷۹

بحضرتهم سوی زوجت نفسی من فلان لاینعقد لان سماع الشطرین شرط باسماعهم الکتاب او التعبیر عنہ منہا قد سمعوا الشطرین بخلاف ما اذا انتفیا۔[1]

سنائے بغیر مجلس میں موجود گواہوں کو صرف یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح فلاں سے کردیا ہے تو نکاح نہ ہوگا کیونکہ گواہوں کا ایجاب اور قبول دونوں باتوں کو ایک مجلس میں سُننا ضروری ہے، تو عورت کا گواہوں کو منگنی کا خط سنانا یا منگنی کو فلاں کی طرف سے ذکر کرنا، اور پھر اپنی طرف سے قبولیت کو ذکر کرنے سے نکاح کے دونوں رکن گواہوں نے ایک مجلس میں سُن لئے، اس کے برخلاف اگر یہ چیز مُنتفی ہو تو نکاح نہ ہوگا۔ (ت)

اور بلاشبہہ قاعدہ عامہ یہی ہے کہ جو شخص کوئی کاغذ لائے اور دوسرے سے اُس پر دستخط یا مہر کرائے تو اگر وُہ حرف بحرف پڑھ کر نہ سُنائے گا تو حاصل مضمون ضرور بتائے گا یا وہ نہ بتائے تو یہ مہر کرنے والا پُوچھ لے گا کہ اس میں کیا لکھا ہے پس اگر ایسا ہی ہُوا اور عبدالغفور خاں نے اُس کے مضمون پر مطلع ہو کر مہر کی تو اب وقت مہر سے شاہدالنساء پر طلاق پڑگئی اور شاید اس کے خلاف ہی واقع ہُوا اور بے اطلاعِ مضمون مہر کردی تو البتہ طلاق نہ ہُوئی، بالجملہ اگر یہ پچھلی صورت واقع ہے جب تو شاہدالنساء بدستور نکاح عبدالغفور خاں میں ہے اور اگر وُہ پہلی دو صورتیں واقع ہوئیں تو ایک صُورت پر تحریر لیسپ اور دُوسری صُورت پر مہر کرنے کے وقت طلاق پڑی بہرحال ایک طلاق سے زائد نہ ہُوئی اگر اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں نہ دے چکا تھا تو بے تکلف اس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی کچھ حاجت نہیں، ھذا کلہ ما ظھر للعبد الضعیف والعلم بالحق عند الخبیر اللطیف (یہ تمام وُہ ہے جو اس عبدِ ضعیف (مصنف) پر ظاہر ہوا، جبکہ حقیقت کا علم علیم خبیر کے پاس ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۳: از مانگرول بندر کاٹھیاواڑ تائی باڑی مرسلہ فتح محمد بن نور محمد جمعدار
۲۴ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

حضرت قبلہ گاہ مولنا صاحب سلمہ اللہ تعالٰی از جانب مانگرول بندر فدوی خاکسار فتح محمد ابن نور محمد جمعدار کے ازحد آداب و تسلیمات کے واضح ہو کہ میں نے میری عورت کو پڑوسی کے ساتھ تکرار کرنے میں منع کرنے سے نہ ماننے کے سبب غصّہ میں طلاق فارقتی لکھ کے اُس کی والدہ کے اُس کو فارقتی بھیج دی، پھر بہت پچھتایا، اور ایک بچّہ بھی صغیر برس روز کا ساتھ ہے اُس کے بعد دونوں کو تڑپ بے حد ہے

---

[1] الاشباہ والنظائر احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۶

وُہ رات روز رو رہے ہیں اور فارقتی لکھ کے دی ہے اور مُنہ سے کچھ بھی نہیں کہا ہے، آخر اُسی کے رونے پر اور میرا بچہ چھوٹا ساتھ ہونے پر پھر گھر میں لانے کا خیال کیا ہے ہمارے یہاں کے عالموں میں مولوی احمد سے دریافت کیا تو فرماتے ہیں کہ سوا حلالہ کے درست نہیں ہو سکتی اور مولوی محمود انتقال کر گئے اب آپ اس میں جو حکم فرمائیے سو کیا جائے گا۔

سؤال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک مرد نے اپنی زوجہ کو بباعث کسی منازعت کے حالتِ غصہ میں اُس کے والدین کے گھر جانے کے بعد ایک ورقہ میں مبہم بلا عدد لفظ طلاق کے یُوں لکھا کہ طلاق دے کر فارقتی دیتا ہُوں، جواب بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں۔

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں دو طلاقیں ہو گئیں، حلالہ کی کوئی حاجت نہیں، اگر اس طلاق کے بعد عدّت گزر گئی ہے یعنی تین حیض شروع ہو کر ختم ہو گئے جب تو عورت کی رضامندی سے اُس کے ساتھ نکاح کر لے اور اگر عدّت باقی ہے تو دو صورتیں ہیں اگر فارغ خطی دینا وہاں کے محاورہ میں طلاق کے الفاظ صریحہ سے سمجھا جاتا ہے جیسا کہ یہاں کی بعض اقوام میں ہے کہ عورت کی نسبت اس کے کہنے سے طلاق ہی مفہوم ہوتی ہے جب تو دو طلاقیں رجعی ہوئیں کہ عدّت کے اندر رجعت کر سکتا ہے مثلاً زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا وُہ بدستور اس کی زوجہ رہے گی بشرطیکہ اس سے پہلے کبھی ایک طلاق نہ دے چکا ہو ورنہ بیشک تین ہو گئیں اور اب بے حلالہ جائز نہیں، اور اگر یہ لفظ وہاں صریح نہیں سمجھا جاتا تو دو طلاقیں بائن ہوئیں عورت نکاح سے نکل گئی مگر اُس کی رضا کے ساتھ دوبارہ اُس سے نکاح کر سکتا ہے خواہ عدّت گزری ہو یا نہیں اسی شرط پر کہ اس سے پہلے کوئی طلاق نہ دی ہو یہ سب اس صُورت میں کہ فارغ خطی سے اُس نے وُہ کاغذ مراد نہ رکھا ہو اور اگر یہ مقصود ہے کہ طلاق دے کر یہ اُس کی سند بھیجتا ہُوں تو اس صورت میں ایک ہی طلاق رجعی ہوگی کہ عدّت کے اندر رجعت کر سکتا ہے جب کہ پہلے کبھی دو طلاقیں نہ دے چکا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۷ : از دفتر مدرسہ رحمانیہ سلی بھیت مرسلہ مولوی فضل حق صاحب ۱۸ شوال ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور اُس کے سسرالیوں میں رنجش کے ساتھ گفتگو ہو رہی تھی اس درمیان میں ہندہ جو زوجہ زید تھی اس کے چھوڑ دینے کی بات چھڑ گئی اور زید سے کہا گیا کہ اس روز روز کے جھگڑے سے چھوڑ دو، زید نے کہا تم کل چھڑاتی ہو میں ابھی چھوڑتا ہُوں۔ اس اخیر جملہ کی تین بار یا اس سے زیادہ تکرار کی ہندہ پر طلاق ہوئی یا نہیں اور کس قسم کی طلاق پڑی؟ بحوالہ کتب سے

عبارت جواب کا جلد اُمیدوار ہُوں۔

الجواب

تین طلاقیں مغلظہ ہوگئیں، محیط و ذخیرہ و خلاصہ و ہندیہ کی تصریحات کے علاوہ ذی علم پر یہ مسئلہ بدیہیات سے ہے تو وُہ اس پر حوالہ وعبارت طلب نہ کرے گا، اور جاہل کا حوالہ وُہ بھی مع عبارت طلب کرنا سوءِ ادب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۵: از پیلی بھیت محلہ عبداللطیف خاں مسئولہ پیارے ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خُسر اور داماد میں لڑائی ہونے پر داماد کہے کہ اگر تم کل چھوڑواتے ہو تو میں آج ہی چھوڑتا ہُوں اس لفظ کے کہنے پر طلاق ہُوئی یا نہیں؟

الجواب

طلاق رجعی ہوگئی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۶: از شہر کانپور اے بی روڈ، دکان جناب حافظ پیربخش صاحب سوداگر مسئولہ ولی محمد صاحب ۱۷ جمادی الاخری

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی زوجہ کو رخصت کرانے کے لئے جب اپنے سسرال گیا تو اس کی خوشدامن نے کہا کہ ہم لڑکی کو رخصت نہیں کریں گے بلکہ ہم قصہ ختم کرنا چاہتے ہیں، اس پر زید نے اپنی خوشدامن سے کہا کہ میں جانتا ہُوں کہ میرا آنا آپ لوگوں کو بہت ناگوار ہُوا، پھر خوشدامن نے کچھ ایسے الفاظ کہے جس سے اس کا منشا یہ تھا کہ زید اپنی زوجہ کو طلاق دے دے، اس پر زید نہایت برہم ہُوا، اور کہا کہ اگر میں پسند نہیں ہُوں تو دوسرے سے نکاح کر دو، اس کے جواب میں خوشدامن نے کہا ہاں تُو پسند نہیں ہے، آیا ایسی صُورت میں زید کی زوجہ کو طلاق ہوجائے گی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر بہ نیتِ طلاق تھا ایک طلاق بائن ہوگئی، اور اگر بقسم کہے کہ میری نیت طلاق کی نہ تھی قبول کرینگے اور وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے۔ عالمگیریہ میں عنایہ سے ہے:

لوقال تزوجی ونوی الطلاق اوالثلاث صح و ان لم ینو شیئا لم یقع[1]۔

اگر خاوند بیوی کو کہے کہ تُو نکاح کرلے، طلاق کی نیت یا تین طلاقوں کی نیت کی ہو نیت کے مطابق ایک یا تین طلاقیں صحیح ہوں گی (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

ردالمحتار میں شرح جامع صغیر امام قاضی خاں سے ہے :

لوقال اذھبی فتزوجی وقال لم انو الطلاق لایقع شئ لان معناہ ان امکنك[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کچھ نیت نہ کی تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس کے کہنے کا مقصد یہ ہوگا کہ تجھے ممکن ہو تو نکاح کر (جبکہ طلاق کے بغیر ممکن نہیں، تو طلاق نہ ہوگی) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۷: از موضع نان نو ڈاکخانہ اکبر آباد ضلع علی گڑھ مسئولہ محمد حسین علی صاحب یکم رجب المرجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی کو بدچلنی اور بدکاری کے الزام لگائے اور اس سے کہا کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا تو میرے کام کی نہیں مگر زید کہتا ہے کہ میں نے ہرگز طلاق نہیں دی، تو کیا اس صورت میں ادائے لفظِ طلاق زید کی بیوی زید کے نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟

الجواب

اگر یہ بیان واقعی ہے تو دو طلاقیں بائن ہوگئیں، عورت نکاح سے خارج ہوگئی، اگر پہلے کبھی اُسے کوئی طلاق نہ دی تھی تو عورت کی مرضی سے اس سے دوبارہ جدید مہر کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے اور پھر کبھی ایک طلاق دے گا تو تین ہوجائیں گی اور بے حلالہ نکاح نہ کرسکے گا، اور اگر اس وقت عورت اس سے دوبارہ نکاح پر راضی نہیں تو یہ اس پر جبر نہیں کرسکتا، اور اگر پہلے کبھی ایک طلاق اُسے دے چکا تھا تو ابھی تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ نکاح نہیں کرسکتا،

وذلك لان اللفظ الاول صریح والثانی کنایۃ یحتمل السب وقد صار الحال باللفظ الاول حال المذاکرۃ فوقع بہ بائن فجعل الاول ایضًا بائنا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

یہ اس لئے کہ پہلا لفظ طلاق میں صریح ہے، اور دُوسرا کنایہ ہے جو کہ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتا ہے جبکہ پہلے لفظ کی وجہ سے مذاکرہ طلاق کی حالت ہوگئی تو اس قرینہ کی وجہ سے کنایہ کا لفظ بھی طلاق بائنہ قرار پائے گا جس کی وجہ سے صریح طلاق بھی بائنہ کے حکم میں ہوجائے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۷۸: از پیلی بھیت محلہ پکریا مسئولہ محمد کشیر احمد صاحب ۱۵ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمّی زید جس کی علمی لیاقت علم عربی میں قریب دستاربندی ہے اب بیوی کو چند بار یہ الفاظ بحالت صحت نفس کہے کہ میں تم کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ جہاں تمھارا

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۴

دل چاہے چلی جاؤ خواہ تم دوسرا خاوند کرلو خواہ بلا خاوند رہو، مگر بی بی چند بار یہ الفاظ سن کر بھی خاموش رہی تو کچھ دن کے بعد یہ کہا کہ مجھ کو افسوس ہے کہ کیسی بے حیا عورت ہے کہ میں خوشی سے اجازت چلے جانے کی دیتا ہوں اور میرا پیچھا نہیں چھوڑتی جب بی بی پر یہ ملامت ڈالی تو بی بی نے جانے کی تیاری کی تو زید نے کاغذات دیہہ زمینداری بی بی جس کا زید کارکن تھا حوالہ کر دئے تو اب اس مسئلہ میں شرع شریف کا کیا حکم ہے اور بیوی اب زید سے راضی نہیں ہے اور زید سے قطع تعلق کرتی ہے۔

الجواب

یہ الفاظ کنایہ ہیں نیت پر حکم ہے، اگر زید نے بہ نیت طلاق کہے ایک طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی، اس سے بلا حلالہ اس کی رضامندی سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے جبکہ اس سے پہلے اس عورت کو دو طلاقیں نہ دے چکا ہو، اور اگر وہ قسم کھا کر انکار کرے کہ میں نے یہ الفاظ بہ نیت طلاق نہ کہے تھے تو طلاق نہ مانی جائے گی، اگر جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر رہے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۹: ازآرہ مسئولہ مولوی عبدالغفور صاحب ۱۳ شعبان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی بی بی منکوحہ زینب سے کہا بصورت نااتفاقی کہ ہم تمہارے ہاتھ کا کھانا نہیں کھائیں گے، تب اس پر بی بی مذکور نے کہا کہ جب کھانا نہیں کھاؤ گے تو ہم کو صفائی دے دو تب زید نے کہا کہ صفائی دے دیا بی بی نے کہا صفائی دے دیا تو پھر کہا کہ صفائی دے دیا پھر بی بی نے کہا کہ صفائی دے دیا تو پھر کہا صفائی دے دیا تو بی بی نے کہا کہ تب ہم کہیں چلے جائیں تو زید نے کہا کہ کہیں چلی جاؤ اس صورت مذکورہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوا کہ نہیں اگر طلاق واقع نہیں ہوا تو کیا دلیل بحوالہ کتب معتبرہ تحریر فرمائیں، بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں طلاق مغلظ تو کسی طرح نہ ہوئی فان البائن لایلحق البائن[1] کما فی المتون (کیونکہ بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی، جیسا کہ متون میں ہے۔ت) ہاں اگر ان چار لفظوں میں جو زید نے کہے اگر کسی ایک لفظ یا دو تین یا چاروں سے عورت کو طلاق دینے کی نیت زید نے کی تو ایک طلاق بائن ہوگئی عورت نکاح سے نکل گئی عورت کی رضا سے اس سے نکاح دوبارہ کر سکتا ہے اور اگر اصلاً کسی لفظ سے نیت طلاق نہ کی تو وہ بدستور اس کی زوجہ ہے طلاق نہ ہوئی، درمختار میں ہے:

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۵

اذھی یحتمل رداو نحوخلیۃ بریۃ یصلح سبا (الی قولہ) فی الغضب توقف الاولان ان نوی وقع والا لا[1]۔

اس لئے کہ یہ جواب بھی بن سکتا ہے، اور تُو جدا ہے، تُو بَری ہے، یہ الفاظ ڈانٹ کا احتمال رکھتے ہیں اس کے قول کہ "غصہ میں پہلے دونوں الفاظ موقوف رہیں گے، اگر طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں" تک۔ (ت)

مبسوط امام سرخسی میں ہے:

وعن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی انہ الحق بھذہ الالفاظ خلیت سبیلك، فارقتك لاسبیل الیك، لاملك لی علیك لانھا تحتمل السب ــــــــــ ای لاملك لی علیك لانك ادون من ان تملکی وفارقتك اتقاء لشرك و خلیت سبیلك لھوانك علیّ[2] (ملخصًا)

امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک یہ "میں نے تیرا راستہ کھول دیا"، "میں تجھ سے جدا ہو" اور "میری تجھ پر کوئی ملکیت نہیں" کے ساتھ ملحق ہے کیونکہ یہ الفاظ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں یعنی "میری تجھ پر ملکیت نہیں" کا یہ معنٰی بھی ہوسکتا ہے کہ تُو اس قابل نہیں کہ میں تیرا مالک بنوں، اور میں تجھ سے جدا ہوا یعنی تیرے شر سے جدا ہُوں، میں نے تیرا راستہ کھولا کیونکہ میرے ہاں تُو حقیر ہے (ملخصًا) (ت)

فتح القدیر میں ہے:

یدین فی الغضب لان ھذہ الالفاظ تذکر للابعاد وحالۃ الغضب یبعد الانسان عن الزوجۃ[3]۔

غصہ میں ان الفاظ کے متعلق خاوند کی تصدیق کی جائیگی کیونکہ یہ الفاظ دُور کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں جبکہ غصّہ کی حالت میں انسان بیوی سے دُور رہتا ہے۔ (ت)

یہ بات کہ ان میں اصلاً کسی لفظ سے طلاق کی نیت نہ کی تھی اگر زید قسم کھا کر کہہ دے قبول کرلیں گے اور حکم طلاق نہ دیں گے اگر زید جُھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہوگا یہ قسم گھر میں عورت بھی کرسکتی ہے۔

درمختار میں ہے:

ویکفی تحلیفھا لہ فی — عورت کا مرد سے گھر میں قسم لینا

---

[1] درمختار — باب الکنایات — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۲۴-۲۲۵
[2] مبسوط امام سرخسی — باب ماتقع بہ الفرقۃ الخ — دار المعرفۃ بیروت — ۶/۸۱
[3] فتح القدیر — فصل فی الطلاق قبل الدخول — مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر — ۳/۴۰۲

منزلہ[1] ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کافی ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۰: از مارہرہ مطہرہ مسئولہ حافظ عبدالکریم صاحب ۲۵ محرم ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس امر کے کہ ایک شخص نے اپنی خوشدامن وخسر و نیز رُوبرو چند عورات دیگر کے یہ کہا کہ میں تمہاری دختر سے لادعوی ہوتا ہُوں تم اس کو بُلالو ورنہ میں اس کو بے عزت کرکے نکال دُوں گا۔ اس صُورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر اُس نے اُن لفظوں سے کہ "میں تمہاری دختر سے لادعوی ہوتا ہُوں" طلاق دینے کا قصد کیا تھا اور بہ نیتِ طلاق یہ کلام کہا تھا تو طلاق واقع ہوگئی ورنہ نہیں۔ فتاوٰی امام خیرالدین رملی میں ہے:

سئل فی رجل ضرب زوجتہ فلامہ اھلھا فقالت انت مجارۃ انی ما اقربک غیرنا وطلاقا ھل تطلق بھذا القول ام لا (اجاب) لا تطلق ففی الخانیۃ فی قولہ لاملک لی علیک لاسبیل لی علیک خلیت سبیلک الحق باھلک لو قال ذٰلک فی حال مذاکرۃ الطلاق اوفی الغضب وقال لم انوبہ الطلاق یصدق قضاء فی قول ابی حنیفۃ وقال ابویوسف لایصدق ومعنی انت مجارۃ انت منتقذۃ معاذۃ مما تکرھینہ وھو قریب من معنی ھذہ الالفاظ[2] واللہ اعلم انتہی اقول

ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو پیٹا تو خاوند کو بیوی کے گھر والوں نے ملامت کی اس پر خاوند نے بیوی کو کہا کہ "تو محفوظ ہوگئی میں تیرے قریب نہ ہوں گا" طلاق کی نیت نہ کی ہو تو کیا اس بات سے طلاق ہوجائے گی یا نہیں، جواب میں انھوں نے فرمایا طلاق نہ ہوگی۔ تو خانیہ میں ہے: خاوند کا بیوی کو کہنا "تجھ پر میری ملکیت نہیں، تجھ پر مجھے کوئی چارہ نہیں، تیرا راستہ میں نے کھول دیا" یا کہا "تو اپنے گھر والوں کے ہاں جا" اگر یہ الفاظ مذاکرۂ طلاق یا غصہ میں کہے اور بیان کیا کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہیں کہے، تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک قضاءً خاوند کی بات مان لی جائے گی، اور امام ابویوسف کے نزدیک قضاءً تصدیق نہ کی جائے گی "تو مجارہ" کا معنی تو بچی ہوئی پناہ میں ہے اس چیز سے جس کو تو ناپسند کرتی ہے اور یہ لفظ اور مذکورہ الفاظ کے قریب ہے واللہ اعلم انتہی **اقول**

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[2] فتاوٰی خیریہ کتاب الطلاق دارالمعرفۃ بیروت ۱/۵۱

وانت تعلوان مسئلتنا ھذہ اقرب الی المنصوص من مسئلۃ الخیریۃ کما لایخفی۔

(میں کہتا ہُوں کہ) ہمارا زیرِ بحث مسئلہ خیریہ میں بیان کردہ مسئلہ کے زیادہ قریب ہے، جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ (ت)

پس اگر وُہ قسم کھا کر کہہ دے کہ ان لفظوں سے میں نے طلاق دینے کی نیت نہ کی تھی قبول کرلیں گے اور وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے،

فی الدرالمختار القول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفہا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینہما مجتبٰی[1]

درمختار میں ہے، نیت ہونے نہ ہونے میں خاوند کی بات قسم کے ساتھ معتبر ہوگی اور اس سے گھر میں ہی حلف لے لینا کافی ہے اور اگر وہ حلف دینے سے انکار کرے تو بیوی معاملہ کو حاکم کے ہاں پیش کرسکتی ہے تو اگر وہاں بھی حلف سے انکار پر مصر رہے تو پھر حاکم خاوند بیوی میں تفریق کردے، مجتبٰی۔ (ت)

ہاں اگر واقع میں اُس نے نیت طلاق کی تھی اور اب جھُوٹی قسم کھالی تو عنداللہ طلاق ہوگئی مگر اس کا وبال شوہر پر ہے عورت پر الزام نہیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۱ ازبریلی صدر مسئولہ شیخ عبدالخالق ۱۷ محرم شریف ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عبدالخالق نے اپنی عورت کو طلاق نامہ لکھا اور اُس دستاویز میں ان الفاظ سے طلاق لکھی "میں لادعوٰی ہُوں یہ عورت جہاں چاہے شادی کرلے" ایسی صورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں؟ اور اگر عبدالخالق پھر اسے نکاح میں لانا چاہے تو ضرورتِ حلالہ ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جب کہ طلاق لکھنے کی نیت سے یہ الفاظ لکھے ہوں عورت پر ایک طلاق ہوگئی وُہ نکاح سے نکل گئی، اب اُس سے نکاح کرے تو صرف نکاح جدید برضائے زوجہ کافی ہے حلالہ کی کچھ حاجت نہیں اگر اس سے پہلے کبھی اُسے دُو طلاقیں نہ دے چکا ہو، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۲ مرسلہ حکیم احمد حسین صاحب محلہ طویلہ ۳ شوال ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید وہندہ میاں بی بی میں باہم جھگڑا رہتا تھا اکثر اُسے

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

تکلیف دیتا اور مارتا ایک دن اُس سے زیور مانگا اس نے انکار کیا کہا تجھے چاقو سے مار ڈالوں گا ہندہ بخوفِ جان والدین کے یہاں چلی آئی تو شوہر نے چوری کا الزام بھی لگایا اور تھانہ میں رپٹ کا ارادہ کیا لوگوں نے سمجھایا اس وقت یہ گفتگو ہوئی جو لکھی جاتی ہے، ناصح کیا فضیحت کراؤ گے۔ زید: وُہ میری بیوی ہی نہیں رہی فضیحت کیسی۔ ناصح: دیکھو لغو باتیں نہ کرو۔ زید: جب وُہ میری بلا اجازت چلی گئی میرے نکاح سے باہر ہے اور وُہ میرے کام کی نہ رہی مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں۔ ناصح: دیکھو کنایہ اشارہ سے بھی طلاق ہو جاتی ہے ذرا سوچ سمجھ کر کہو تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ زید: مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں نہ وُہ میری بیوی ہے۔ آیا اس گفتگو سے وُہ عورت مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

زید کا پچھلا قول کہ "نہ وُہ میری بیوی ہے" مذہبِ مختار پر اصلاً الفاظ طلاق سے نہیں یہاں تک کہ بہ نیتِ طلاق بھی کہے تاہم واقع نہ ہوگی۔ عالمگیری میں ہے:

لو قال تُو زنِ من نیٔ لا یقع وان نوی ھو المختار کذا فی جواھر الاخلاطی[1]۔

اگر کہا تُو میری بیوی نہ ہے، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہی قول مختار ہے، جیسا کہ جواہر اخلاطی میں ہے۔ (ت)

اسی طرح "مجھ کو اُس سے کچھ غرض نہیں" یہ بھی لفظِ طلاق نہیں کہ غرض بمعنی شوق مستعمل ہے کما فی القاموس (جیسا کہ قاموس میں ہے۔ ت) یا قصد و خواہش کما فی المنتخب (جیسا کہ منتخب میں ہے۔ ت) یا حاجت کما فی شروح النصاب (جیسا کہ شروح النصاب میں ہے۔ ت) اور ان اشیاء کی نفی سے طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیت طلاق اطلاق کرے۔ عالمگیری میں ہے:

لو قال لا حاجۃ لی فیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق کذا فی السراج الوھاج اذا قال لا اریدك اولا احبك اولا اشتھیك او لا رغبۃ لی فیك فانہ لا یقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کذا فی البحر الرائق[2]۔

اگر کہا "مجھے تیرے بارے کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کی ہو تو بھی طلاق نہ ہوگی، سراج وہاج میں ایسے ہی ہے۔ اور کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" "میں تجھے پسند نہیں کرتا" "تیرے بارے مجھے رغبت نہیں" اگر نیت ہو تب بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک طلاق نہ ہوگی، بحرالرائق میں یوں ہی ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] " " " " الخامس فی الکنایات ۱/۳۷۵

اُسی میں ہے:

رجل قال لامرأتہ مرابکار نیستی ونوی بہ الطلاق لایقع کذا فی الظھیریۃ۔[1]

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "تُو میرے لئے کام کی نہیں" تو نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی جیسا کہ ظہیریہ میں ہے۔ (ت)

ہاں "وہ میری بیوی ہی نہ رہی" کنایاتِ طلاق سے ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لوقال صرت غیر امرأتی فی رضا أو سخط تطلق اذا نوی کذا فی الخلاصۃ۔[2]

اگر خاوند نے رضا یا ناراضگی میں کہا "تو میری بیوی نہ رہی" اگر طلاق کی نیت ہو تو طلاق ہوجائے گی، جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اسی طرح یہ لفظ بھی کہ "وہ میرے نکاح سے باہر ہے" صریح نہیں کنایہ ہے،

لان الخروج من النکاح یکون بالطلاق وبکل فرقۃ جاءت من قبلہ کتقبیلہ بنتھا او من قبلھا کتقبیلھا ابنہ وغیر ذٰلك، فلم یتعین لافادۃ الطلاق وصار کقولہ لم یبق اولیس بینی وبینك نکاح بل ھما عبارتان عن معنی واحد، وھذا یتوقف علی النیۃ فکذا ذاك۔

کیونکہ نکاح سے خروج، طلاق کے ساتھ اور دیگر وجوہ سے بھی ہوسکتا ہے۔ مثلاً خاوند بیوی کی بیٹی کا شہوت کے ساتھ بوسہ لے یا بیوی خاوند کے بیٹے کا اسی طرح بوسہ لے یا اس کے علاوہ بھی کئی طرح سے فرقت کے اسباب ہوسکتے ہیں لہذا یہ لفظ طلاق کے لئے خاص نہ رہا، جب وہ کہے "نکاح باقی نہ رہا" یا "تیرے میرے درمیان نکاح نہیں ہے" بلکہ یہ دونوں ہم معنی ہیں تو نیت پر موقوف ہوں گے، یہ بھی ایسا ہے (ت)

عالمگیری میں ہے:

لوقال لھا لانکاح بینی وبینك اوقال لم یبق بینی وبینك نکاح یقع الطلاق اذا نوی۔[3]

اگر کہا "تیرے میرے درمیان نکاح باقی نہیں رہا" اگر نیت ہو تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

یوں ہی "وہ میرے کام کی نہ رہی" بھی کنایات سے ہے کما حققناہ فی ما علقناہ علی ردالمحتار

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۰

[2] " " " الفصل الخامس فی الکنایات " " " ۱/ ۳۷۶

[3] " " " " " " ۱/ ۳۷۵

(جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق رد المحتار کے حاشیہ میں کردی ہے۔ ت) مگر سوقِ کلام سے ظاہر یہ ہے کہ زید نے یہ الفاظ بطور اخبار کہے، نہ بنیتِ انشائے طلاق۔ تیسرا لفظ دوسرے پر معطوف ہے اور دوسرا پہلے کی شرح بیانِ علت، اور اس اخبار کا مبنٰی وُہ غلط گمان جو عوام زمانہ میں شائع ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر گھر سے چلی جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے اور جو اخبار و اقرار طلاق بربنائے غلط فہمی مسئلہ ہو دیانۃً اصلاً مؤثر نہیں،

فی الخیریۃ عن الاشباہ عن جامع الفصولین والقنیۃ اذا اقر بالطلاق بناء علی ما افتی بہ المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانہ لایقع۔[1]

خیریہ میں اشباہ سے اور وہاں سے جامع الفصولین اور قنیہ سے منقول ہے کہ اگر مفتی کے فتوی کی بنا پر طلاق ہونے کا اقرار کیا تو پھر معلوم ہُوا کہ طلاق نہ ہوئی، تو اس اقرار کو طلاق نہ قرار دیا جائے گا۔ (ت)

خیر بہرحال مدارِ کار نیت پر ہے، اگر زید نے ان تینوں لفظوں میں کُل یا بعض کسی سے طلاق دینے کا قصد کیا تھا تو ایک طلاق بائن واقع ہُوئی کہ عورت راضی ہو تو اب یا عدت کے بعد جب چاہے بے حلالہ اُس سے نکاح کرسکتا ہے۔ عالمگیری میں ہے:

لایلحق البائن البائن بان قال لہا انت بائن ثم قال لہا انت بائن لایقع الا طلقۃ واحدۃ بائنۃ۔[2]

اگر کہا، تجھے ایک بائنہ طلاق، اس کے بعد دوبارہ کہا تجھے بائنہ طلاق، تو ایک ہی بائنہ طلاق ہوگی کیونکہ پہلی بائنہ کے بعد دُوسری بائنہ اس کو لاحق نہیں ہوسکتی۔ (ت)

اور اگر ان تین میں کسی لفظ سے طلاق دینے کی نیت نہ کی اگرچہ اخیر کے دونوں لفظ بہ نیت طلاق کہے ہوں تو اصلاً طلاق نہ ہُوئی وُہ بدستور اس کی زوجہ ہے اور نیتِ طلاق نہ ہونے میں شوہر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے اگر وُہ بالقسم کہہ دے کہ میں نے ان تینوں لفظوں میں کسی سے نیت انشائے طلاق نہ کی تھی قطعاً مان لیں گے اور انھیں زوج و زوجہ جانیں گے اگر وہ اس قسم میں جھوٹا ہے تو وبال اس پر ہے عورت پر الزام نہیں۔ درمختار میں ہے: القول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ[3] (نیت نہ ہونے میں خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] فتاوٰی خیریہ — کتاب الطلاق — دارالمعرفۃ بیروت — ۱/ ۴۷
[2] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الخامس فی الکنایات — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/ ۳۷۷
[3] درمختار — باب الکنایات — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/ ۲۲۴

مسئلہ ۲۸۳: از متھرا محلہ کیشوپورہ مرسلہ حکیم توحید الحق صاحب ۲۲ ذی الحجہ ۱۳۰۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید عاقل وبالغ بفہمائش دیگر مرداں وزبردستی والدین بایجاب ہندہ رضا دادہ او را بنکاح خود در آرد وخلوتِ صحیحہ بوقوع نیاید کہ ہندہ پیش مادر خود باشد وہنوز رخصت نشدہ باشد وباز زید پیش دو سہ مرداں صادق وعادل بنا راضی بگوید کہ من بایجاب ہندہ برضا ورغبت خود اقرار ندادہ ام محض بفہمائش وزبردستی مرداں اقرار بلسان نمودم ایں نکاح من مسلم نشدہ باز از سرِ نو خواہد شد واندراں حالت ناراضی از خویش واقارب رنجیدہ بجائے سفر نماید واز ہندہ خبرے نگیرد نہ از قرائن واطوار او توقع باز آمدن ماند ودر انجا قاضی وشاہدان عند الایجاب اقرار بالجزم دہد کہ من ناکتخدا ام ہنوز نکاحم از کسے نگردیدہ ونہ از خویش واقارب ما کسے زندہ نہ مارا از کسے در وطن سروکارے است و ونہ خواہد شد حالا ہندہ در نکاح زید ماندہ یا نہ؟ دریں صورت چگونہ از زید آزاد گردد، فقط۔

علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں، کہ زید عاقل بالغ نے دوسرے لوگوں کی تلقین اور والدین کے جبر پر ہندہ سے ایجاب وقبول کیا اور اس سے نکاح کرلیا، اور ابھی رخصتی نہ ہوئی اور خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی کیونکہ ہندہ ابھی والدہ کے پاس ہے، اس کے بعد زید نے دو تین سچے اور عادل حضرات کے سامنے نکاح پر عدم رضامندی ظاہر کی اور کہا کہ میں نے ہندہ سے اپنی رضامندی اور رغبت کے ساتھ ایجاب نہیں کیا بلکہ محض دوسروں کی زبردستی کی بنا پر اور ان کی تلقین کی وجہ سے صرف زبانی رضامندی ظاہر کی تھی اس لئے یہ نکاح مجھے منظور نہیں، یہ نکاح دوبارہ ہونا چاہئے، اندریں حالات خویش واقارب کی ناراضگی ہوئی جس پر وہ کہیں سفر پر نکل گیا اور ہندہ کی خبر تک نہ لی، اور اس کے قرائن واطوار بھی ظاہر کرتے ہیں کہ وہ واپس نہیں آئے گا، وہاں اس نے تمام گواہوں اور قاضی وغیرہ کو بالجزم یہ تاثر دیا کہ وہ ابھی کنوارہ غیر شادی شدہ ہے اور کسی سے اس کا نکاح نہیں ہوا، اور یہ بھی تاثر دیا کہ میرے خویش واقارب میں کوئی بھی زندہ نہیں رہا اور میرا اب وطن سے کوئی سروکار نہیں ہے اور نہ ہی ہوگا۔ تو مذکورہ حالات میں ہندہ ابھی زید کے نکاح میں ہے یا نہیں؟ اور اس صورت میں زید سے ہندہ کا چھٹکارا کیسے ہو؟ فقط۔

الجواب

درصورتِ مستفسرہ بقطع نظر از انکہ تحقق اکراہ شرعی معلوم نیست جبر واکراہ دربارۂ نکاح مخل صحت ونفاذ ولزوم نباشد فی الھندیۃ

صورتِ مسئولہ میں قطع نظر اس بات کے کہ یہ جبر واکراہ شرعی تھا یا نہیں، نکاح میں جبر واکراہ اس کے نفاذ اور لزوم کے لئے مانع نہیں ہوتا۔ ہندیہ میں ہے

تصرفات المکرہ کلہا قولا منعقدۃ عندنا وما لایحتمل الفسخ منہ کالطلاق والعتاق والنکاح فہو لازم کذا فی الکافی[1] اھ ملخصا قول او من ناکتخدا ام و ہنوز با کسے نکاح نکردہ چیزے نیست زیراکہ جحود نکاح خبر دروغ ست واثرے ندارد فی الھندیۃ ان قال لم اتزوجک ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذا فی البدائع ولو قال مالی امرأۃ لایقع وان نوی[2] وہمچناں قول او مرا در وطن باکسے سروکارے نیست و نخواہد بود کہ سروکار نبودن بمعنی نفی غرض وتعلق قلب ست کہ عبارت از رغبت وحاجت باشد گویا گفت باکسے غرضے ندارم یا حاجتم نیست یا پروائے کسے ندارم وانیہا خود از الفاظ طلاق نیست فی الھندیۃ لوقال لاحاجۃ لی فیک ینوی الطلاق فلیس بطلاق اذا قال لا اریدک ولا احبک اولا اشتھیک اولا رغبۃ لی فیک فانہ لایقع وان نوی[3] فی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی باز علماء

کہ مجبور کئے ہُوئے شخص کے قولی تصرفات ہمارے نزدیک منعقد ہوجاتے ہیں اور وُہ امور جو فسخ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں مثلاً طلاق، عتاق اور نکاح یہ لازم ہوجاتے ہیں، جیسا کہ کافی میں ہے، ملخصاً۔ لہذا اس کا یہ کہنا کہ میں ابھی کنوارا ہُوں اور ابھی تک کسی سے نکاح نہیں کیا' کوئی چیز نہیں کیونکہ نکاح کا انکار جھُوٹی خبر ہے جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ ہندیہ میں ہے کہ اگر کہے "میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا" تو طلاق کی نیت ہو تو بھی طلاق بالاجماع نہ ہوگی، جیسا کہ بدائع میں ہے، اور یُونہی اگر کہے "میری کوئی بیوی نہیں" طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ اور زید کا یہ کہنا کہ "وطن میں میرا کسی سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہوگا" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرا قلبی تعلق یا غرض کسی سے نہیں ہے، جس کا معنی رغبت اور حاجت ہے، گویا اُس نے یُوں کہا مجھے کسی سے غرض یا حاجت نہیں ہے یا مجھے کسی کی پروا نہیں ہے جبکہ یہ مذکور الفاظ طلاق میں سے نہیں ہیں، ہندیہ میں ہے اگر خاوند نے کہا مجھے تجھ میں حاجت نہیں یا میں تجھے پسند نہیں کرتا، میں تیری خواہش نہیں رکھتا، مجھے تجھ سے رغبت نہیں، تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت سے کہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک۔ نیز علماء کرام نے فرمایا ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الاکراہ الباب الاول فی تفسیر شرعًا الخ نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۳۵
[2] " " الفصل الخامس فی الکنایات " " " ۱/ ۳۷۵
[3] ایضاً

فرمودہ اند اگر گفت زنانِ بغداد ہمہ طالقہ اند و زنِ او نیز از بغداد ست مطلقہ نشود مگر آں کہ بالتعبیر نیت او کردہ باشد فی رد المحتار ذکر فی الذخیرۃ اولا الخلاف فی نساء اھل بغداد طالق، فعند ابی یوسف و روایۃ عن محمد لاتطلق الاان ینویھا لان ھذا امر عام[1]، وفیہ ایضاعن الاشباہ عن الخانیۃ الفتوی علی قول ابی یوسف[2] ایں جا لفظ وطن گفتہ است کہ از بلدہ و قریہ عام ترست باز تخصیص زناں ہم نکرد مطلق لفظ کسے گفت کہ زناں و مرداں و پسراں و دختراں ہمہ را شامل است بالجملہ در صورت مسئولہ نکاح صحیح و لازم ست و طلاق ثابت نیست چارہ کار جز ایں چیست کہ رجوع بحکومت کردہ آید تا طلاق رسد یا حقوق زناشوئی مودی شود۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کہ کوئی شخص کہے بغداد کی تمام عورتوں کو طلاق ہے اور اس کی بیوی بھی بغداد میں ہو تو اس کی بیوی کو اس وقت تک طلاق نہ ہوگی جب تک اس لفظ سے بیوی کی طلاق کی نیت نہ کرے۔ ردالمحتار میں ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے تمام بغداد والوں کی عورتوں کو طلاق' تو ذخیرہ میں اولاً اس کے متعلق اختلاف ذکر کیا ہے کہ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک طلاق نہ ہوگی اور امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کی ایک روایت بھی یہی ہے تا وقتیکہ بیوی کی نیت سے نہ کہے، کیونکہ یہ عام بات ہے اور اسی میں اشباہ اور وہاں خانیہ سے منقول ہے کہ فتوٰی امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول پر ہے' زید نے تو وطن کہا ہے جو کئی شہروں اور قریوں پر مشتمل ہے، اور پھر اس نے خاص عورتوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف "وطن سے سروکار نہیں" کہا، تو وطن سب مردوں، عورتوں، بچوں اور بچیوں کو شامل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسئولہ صورت میں زید کا ہندہ سے نکاح صحیح ثابت ہے اور طلاق ثابت نہیں ہے، چھٹکارے کا چارہ کار یہی ہے کہ کسی شرعی حاکم کے ہاں رجوع کرے تاکہ وہ طلاق حاصل کرائے یا حقوقِ زوجیت بحال کرائے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۸۴: از پیلی بھیت محلہ شیر خاں متصل مکان مینہ شاہ مرسلہ نظام الدین شانہ گر ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی عورت مدخولہ سے تین بار کہا "میں نے تجھے آزاد کیا" اس صورت میں نکاح قائم رہا یا نہیں؟ اور اب اس سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] و [2] ردالمحتار باب الطلاق غیر المدخول بہا داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۱

الجواب

یہ لفظ کہ "مرد نے عورت سے کہا" اگر ان سے طلاق کے معنی مراد نہ تھے جب تو طلاق اصلاً نہ ہوئی اور اگر بہ نیتِ طلاق کہے تو ایک طلاق پڑگئی عورت نکاح سے نکل گئی مگر حلالہ وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں، نہ اُسے کچھ انتظار کی حاجت، دونوں آپس میں راضی ہوں تو اُسی وقت پھر نئے سرے سے نکاح کرلیں، ہاں اگر شوہر نے خود ہی ان میں کوئی لفظ تین طلاقوں کی نیت سے کہا تو بیشک طلاق مغلظہ ہوگئی کہ اب بے حلالہ کے اس سے نکاح نہیں کرسکتا،

فی الهندية لوقال اعتقتك طلقت بالنية كذا فی معراج الدراية[1] وفی الدر الكناية مالم يوضع له ای الطلاق واحتمله وغيره ويقع البائن ان نواها او الثنتين وثلث ان نواه، ولا يلحق البائن البائن اذا امكن جعله اخبارا عن الاول كانت بائن او ابنتك بتطليقة فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعله انشاء بخلاف ابنتك باخری او قال نويت البينونة الكبری لتعذر حمله علی الاخبار فيجعل انشاء[2] اھ ملتقطا۔

ہندیہ میں ہے اگر خاوند نے کہا "میں نے تجھے آزاد کیا" تو نیتِ طلاق سے طلاق ہوجائے گی، جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے اھ اور دُر میں ہے وُہ لفظ کنایہ ہوتا ہے جو طلاق کے لئے وضع نہ ہو اور وُہ طلاق اور غیر طلاق دونوں قسم کا احتمال رکھتا ہو تو ایسے لفظ سے بائنہ طلاق ہوگی ایک یا دو کی نیت سے ایک اور تین کی نیت سے تین ہوگی اور ایسا لفظ پہلے بائنہ طلاق کو لاحق نہ ہوگا مگر جب وُہ پہلی طلاق کی حکایت کا احتمال رکھتا ہو تو اس کو خبر و حکایت ہی قرار دیا جائے گا، مثلاً یُوں کہے "تُو بائن بائن ہے" یا کہے "میں نے ایک طلاق بائنہ دی ہے" تو دُوسری بائنہ واقع نہ ہوگی، کیونکہ اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں، اس کے برخلاف جب یُوں کہے "میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی" یا کہے "میں نے بڑی بائنہ کی نیت کی ہے" تو اس صورت میں اس کو خبر قرار دینا درست نہیں ہوسکتا، لہذا اس کو انشاء ہی ماننا پڑے گا اھ ملتقطاً (ت)

مسئلہ ۲۸۵ ازبدایوں مرسلہ اعلٰحضرت سیّد ابوالحسن احمد نوری رضی اللہ تعالٰی عنہ ۲۰ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

ایک عورت سے ایک مرد اجنبی نے جبریہ زنا کیا شوہر نے سُنا تو اعتبارِ جبر نہ کرکے یہ کلمات کہے کہ

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

"میرے کام کی نہ رہی، میں نے چھوڑ دی، اگر آئے گی تو ناک کاٹ لوں گا، جہاں چاہے چلی جائے، جو چاہے سو کرے۔" اور اس کو عرصہ سال بھر سے زیادہ گزر گیا، آیا طلاق پڑی یا نہیں؟ وہ عورت دُوسرا نکاح کرے یا نہ کرے؟ خاوند نے باوجود فہمائش بھی رجوع نہ کیا، بدستور مقر اسی بات کا ہے جو کہی تھی الفاظِ طلاق صریح نہ تھے یہی تھے جو کہے، فقط۔

الجواب

عورت کو چھوڑ دینا عرفاً طلاق میں صریح ہے، خلاصہ وہندیہ میں ہے،

لوقال الرجل لامرأته ترا چنگ باز داشتم اوبہشتم اویلہ کردم ترا او پائے کشادہ کردم ترا فھذا کلہ تفسیر قولہ طلقتک عرفا حتی یکون رجعیا ویقع بدون النیة۔[1]

اگر کوئی شخص بیوی کو کہے" میں نے تیرا چنگل باز رکھا، تجھے چھوڑا ہے، تجھے جُدا کردیا ہے یا تیرے پاؤں کھول دئے ہیں، تو یہ تمام الفاظ عرفاً "تجھے طلاق دی" کے ہم معنیٰ ہیں، اس لئے ان سے رجعی طلاق ہوگی اور بغیر نیت طلاق ہوگی۔ (ت)

"اور جہاں چاہے چلی جائے" کنایاتِ طلاق سے ہے کہ کلام میں تقدم طلاق صریح کے باعث وہ بھی تنقیحِ نیت کا محتاج نہ رہا،

فی التنویر کنایة مالم یوضع له واحتمله وغیرہ فلا تطلق بھا الا بنیة او دلالة الحال[2]۔ فی ردالمحتار المراد بھا الحالة الظاھرة المفیدة المقصودة ومنھا تقدم ذکر الطلاق بحر عن المحیط[3]۔

تنویر الابصار میں ہے کہ جو لفظ طلاق کے لئے وضع نہ ہو اور طلاق وغیر طلاق کا احتمال رکھتا ہو تو ایسے لفظ سے بغیر دلالت ونیت طلاق نہ ہوگی، اس پر ردالمحتار میں ہے، دلالت سے مراد یہ ہے کہ کوئی ظاہر ایسی حالت ہو جو مقصود کے لئے مفید ہوسکے اسی قبیل سے ہے کہ ان الفاظ سے قبل طلاق کا ذکر ہوچکا ہو، بحر میں محیط سے منقول ہے۔ (ت)

اور جبکہ یہ بائنہ اُس طلاق صریح رجعی سے ملی وہ بھی بائنہ ہوگی،

فان البائن یلحق الرجعی وبلحوقه یبطل

بائنہ طلاق جب رجعی کو لاحق ہوجائے تو اب خاوند کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۹
[2] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴
[3] ردالمحتار " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۳

خیار الرجعۃ فیصیران بائنین، کما صرحوا بہ۔

رجوع کا اختیار ختم ہوجاتا ہے کیونکہ دونوں بائنہ بن جاتی ہیں، جیسا کہ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے (ت)

پس صورت مذکورہ میں عورت نکاح سے نکل گئی اس پر دو طلاقیں بائن پڑگئیں، اگر اس مدت میں عدت گزرگئی ہو تو اسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۶: ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

اپنی عورت کو دو مرتبہ اس نے چھٹی دی اس کے بعد جو آدمی اس کے محلے کے ہیں وہ کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی اور اس کا آدمی کہتا ہے کہ طلاق نہیں ہوئی اور عورت کہتی ہے کہ مجھ کو طلاق نہیں دی صرف آدمیوں کے سامنے اُس آدمی نے یہ کہا کہ چھٹی دی اور دوسرے یہ کہ جب عورت اپنے مکان کو چلی گئی تو اس کے مکان کو آگ لگ گئی تو لوگوں نے کہا کہ آگ اس شخص نے دی جس کی تو عورت ہے اب اس کا نام لے کر آدمی کو اور عورت کو دونوں کو چوکی پر لئے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے یہ کہو کہ اس شخص کی ماں بہن ہیں اور اس شخص نے بوجہ خوف کے یہ بات کہہ دی کہ یہ عورت میری بہن ہے تو ان دونوں کو اُن آدمیوں نے چھوڑا اب وہ عورت و مرد دونوں باہم راضی ہیں تو اُس کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور جو شخص آپ کے پاس سے فتوٰی لے جاوے اور اس کے مطابق حکم نہ کرے تو اس کا کیا نتیجہ ہے؟ بینوا توجروا عند اللہ۔

الجواب

عورت کی نسبت یہ لفظ کہنا کہ "یہ میری بہن ہے" نکاح میں کچھ خلل نہیں ڈالتا۔ سائل نے اظہار کیا کہ اُس شخص نے حالتِ غضب میں اپنی زوجہ کی نسبت دوبار یہ لفظ کہے کہ "میں نے اُسے چھٹی دی" اس کہنے سے عورت پر ایک طلاق بائن پڑگئی وہ نکاح سے نکل گئی جب مرد و عورت دونوں راضی ہیں نئے سرے سے پھر نکاح کرلیں،

فی تنویر الابصار اخرجی واذھبی یحتمل ردا وحرام بائن یصلح سبا وسرحتک لا یحتمل السب والرد ففی حالۃ الرضا تتوقف الاقسام علی نیۃ وفی الغضب الاولان وفی مذاکرۃ الطلاق الاول فقط[1] اھ مختصرا۔

تنویر الابصار میں ہے خاوند کا بیوی کو کہنا "تو نکل جا، تو چلی جا" یہ جواب کا احتمال بھی رکھتے ہیں، اور اس کا یوں کہنا "حرام ہے، بائن ہے" یہ ڈانٹ کا احتمال بھی رکھتے ہیں۔ اور یہ کہنا "میں نے تجھے آزاد کردیا" یہ ڈانٹ اور جواب دونوں کا احتمال نہیں رکھتے، تو رضا کی حالت میں یہ تمام الفاظ نیت پر موقوف ہوں گے، اور غصہ کی حالت میں پہلے دونوں موقوف اور مذاکرہ طلاق میں صرف پہلا لفظ نیت پر موقوف ہوگا اھ مختصرا (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

جو شخص شریعت مطہرہ کے فتوٰی پر عمل نہ کرے گنہگار مستحق سزا وعذاب ہے والعیاذ باللہ تعالٰی واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۶: از نجیب آباد ضلع بجنور مرسلہ شیخ عبدالرزاق ۱۵ شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحالتِ غصہ اپنی زوجہ سے بہ نیتِ طلاق ایک وقت میں تین بار کہا کہ "میں نے تجھے آزاد کیا" اس صورت میں کون سی طلاق واقع ہوگی مغلظ یا بائنہ یا رجعی؟ فقط۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوئی یعنی عورت نکاح سے نکل گئی، زوج کو اس پر کوئی اختیار جبر نہ رہا وہ عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے مگر حلالہ کی اصلاً حاجت نہیں جب کہ اس بار سے پہلے کبھی دو طلاقیں اس عورت کو نہ دے چکا ہو، زن ومرد اگر راضی ہوں تو شوہر عدت میں اور بعد عدت اس سے نکاحِ جدید کرسکتا ہے، یہاں تین طلاق کا حکم دینا یوں غلط ہے کہ تمام متون وشروح وفتاوٰی میں تصریح ہے کہ کنایہ بائنہ طلاق بائن کے بعد طلاق جدید نہیں ٹھہرتا بلکہ اُسی طلاق اول سے اخبار ہوتا ہے الا ان ینص بما لایحتملہ (مگر ایسے الفاظ سے واضح کرے جو دُوسرے معنی کا احتمال نہ رکھتا ہو۔ ت) درمختار میں ہے:

لایلحق البائن البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن اوابنتك بتطلیقة فلا یقع لانہ اخبار فلا ضرورة فی جعلہ انشاء بخلاف ابنتك باخری[1]

بائنہ طلاق بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی جب دوسری بائنہ پہلی سے حکایت وخبر ہو مثلاً "تو بائن بائن ہے" یا "میں نے تجھے ایک طلاق سے بائنہ کیا" تو دُوسری بائنہ واقع نہ ہوگی، کیونکہ پہلی سے حکایت وخبر ہے، لہذا اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے برخلاف جب یُوں کہے "میں نے تجھے دوسری بائنہ طلاق دی۔ (ت)

اور ایک ہی پڑنے کی یہ وجہ ٹھہرانا کہ الفاظِ طلاق متفرق کہے جب اول پڑی اب عورت محلِ طلاق نہ رہی لہذا دوسری نہ پڑی یہ یُوں جہل محض ہے یہ حکم خاص زنِ غیر مدخولہ کے ساتھ ہے زنِ مدخولہ جب تک عدت نہ گزرے تین طلاق مجموع ومفرق سب کی محل ہے کما نصوا علیہ قاطبة فی جمیع کتب المذھب (جیسا کہ اس پر مذہب کی تمام کتب میں نص ہے۔ ت) اور یہاں مدخولہ ہے کما افصح عنہ السائل فی سوال آخر (جیسا کہ سائل

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

نے خود اس کو دُوسرے سوال میں واضح کیا ہے۔ ت) بلکہ ایک پڑنے کی صحیح وجہ یہ ہے جو فقیر نے بیان کی وباللہ التوفیق، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۸۸ ماقولکم رحمکم اللہ (اللہ آپ پر رحم کرے آپ کا کیا فرمان ہے۔ ت) اس صورت میں کہ زید کی زوجہ کوکسی نے دوسرے ایک شخص کے ساتھ ایک مکان میں بند کیا جب زید کو خبر ہُوئی تو اس نے چار پانچ آدمیوں کے رُوبرو اپنے خسر سے مخاطب ہوکر کہا کہ چونکہ تم لوگوں نے میری زوجہ کو غیر شخص کے ساتھ ایک مکان میں بند کیا لہذا اب وُہ مجھ پر حرام، پس کیا حکم ہے، آیا وہ زوجہ طلاق ہوگئی یا ہنوز حسبِ سابق اس کی زوجہ ہے، برتقدیر تعلق زوجیت کے قائل کے ذمّہ کچھ کفارہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہر چند یہ لفظ بوجہ عرف ملحق بالصریح ہے کہ بے حاجت نیت طلاق بائن واقع ہو،

فی ردّ المحتار قولہ حرام سیأتی وقوع البائن بہ بلانیۃ فی زماننا للتعارف لافرق فی ذٰلک بین محرمۃ وحرمتک سواء قال علیّ اولا[1] اھ ملخصا وتمامہ فیہ۔

ردالمحتار میں ہے کہ خاوند کا کہنا "تُو حرام ہے" عنقریب بیان ہوگا کہ اس لفظ سے ہمارے زمانے میں بغیر نیت بائنہ طلاق واقع ہو گی کیونکہ اس کے طلاق ہونے پر عرف بن چکا ہے۔ "تو مجھ پر حرام ہے" اور "میں نے تجھے حرام کیا" دونوں برابر ہیں، یہاں "مجھ پر" کا لفظ کہے نہ کہے کوئی فرق نہیں ہے اھ ملخصاً، مکمل عبارت کتاب میں ہے۔ (ت)

مگر کلامِ زید "چونکہ تم نے ایسا کیا لہذا حرام ہے" اس کے یہ معنی بھی محتمل کہ صرف اس بند کرنے کو موجبِ حرمت بتاتا ہے جیسے بہت جہّال کے خیال میں ہوتا ہے کہ عورت بے اجازتِ شوہر باہر جائے تو نکاح سے نکل جاتی ہے اس تقدیر پر یہ کلام انشائے طلاق نہ ہوگا بلکہ ایک بنائے باطل پر اقرارِ اطلاق، اور وُہ محض لغو ہے،

فی الخانیۃ رجل طلق امرأتہ وھو صاحب برسام فلما صح قال قد طلقت امرأتی ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلک الحالۃ کان واقعا قال مشائخنا رحمہم اللہ تعالٰی

خانیہ میں ہے کہ ایک شخص نے خیال کیا کہ مرضِ برسام میں خود بخود طلاق ہوجاتی ہے، اس بنا پر اس نے کہا "میری بیوی مطلقہ ہوگئی" پھر تندرست ہونے کے بعد طلاق کا اقرار کرتے ہُوئے کہتا ہے میں نے گمان کیا کہ برسام میں خود بخود طلاق ہوجاتی ہے،

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۴۶۴/۲

حين ما اُفيق بالطلاق ان يرده الى حالة البرسام وقال قد طلقت امرأتی فی حالة البرسام فالطلاق غیر واقع[1] الخ۔

تو اس صورت میں ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اگر طلاق کا اقرار کرتے ہُوئے مرض کو وجہ بتائے اور کہے کہ میں نے مرض برسام میں طلاق دی ہے" تو طلاق واقع نہ ہوگی الخ۔ (ت)

پس اگر یہی معنی مراد تھے تو نہ طلاق ہُوئی نہ کوئی کفارہ لازم، اور اگر بہ نیتِ طلاق الفاظِ مذکورہ کہے تو ایک طلاق بائن ہوئی عورت نکاح سے نکل گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۰۹: از بجری آباد ڈاکخانہ سادات ضلع غازی پور ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ مرسلہ محمد جان ابوالخیر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کو مرتکبِ زنا سمجھ کر ناراض ہوکر اس کے باپ کے گھر پہنچادیا اور یہ کلام کیا کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے تو ہمارے قابل نہ رہی اور بعدہ ایک مہینہ کے نہیں معلوم کہاں چلاگیا اُس کو عرصہ سات برس کا ہُوا کہ ہنوز مفقود الخبر ہے اس کے بعد اس کے باپ نے زوجہ کے شوہر کے بڑے بھائی کو جو مالک و بزرگ خاندان ہے بلاکر یہ کہا کہ یہ عورت عزّت وآبرو تمھاری ہے لے جاؤ ہمارے یہاں اس کا گزر نہیں ہوگا اُس کے شوہر کے بڑے بھائی نے انکار کیا اور یہ کہا اوّل تو شوہر اُس کا مکان پر نہیں ہے دوسرے یہ عورت ہمارے کام کے لائق نہیں ہے ہم نہ لے جائیں گے تم کو اختیار ہے کہ جہاں چاہو کردو، اس جواب پر اُس کا باپ دوسرے نکاح کے سامان میں تھا کہ اس اثنا میں وُہ عورت بطورِ خود ایک شخص کے ساتھ بلانکاح چلی گئی اور اسی مرد کے ساتھ اس زمانہ سے بلانکاح رہی اب اس عورت نے اس شخص کے ساتھ جس کے ساتھ بطورِ خود چلی گئی تھی نکاح کرلیا تو آیا یہ نکاحِ ثانی اُس کا شرعاً جائز ہُوا یا نہیں اور زوجِ اوّل کا غصّے سے یہ کہنا کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے تو ہماری قابل نہیں رہی اور بعد اس کے اُس کو چھوڑ دینا اور دی ہُوئی چیز واپس کرلینا حکم میں طلاق کے ہے یا نہیں؟ اور بقرائن مذکور اس کہنے سے کہ ہم تجھ کو نہ رکھیں گے طلاق واقع ہُوئی یا نہیں حالانکہ قرائن حالیہ و دلالت حال اس امر پر موجود ہے کہ زید نے کلام بالا جو کنایہ طلاق ہے بارادہ طلاق کہا تھا مختصر وقایہ میں ہے:

وكناية ما يحتمله وغيره فنحو اخرجي و اذهبي وقومي يحتمل ردا، ونحو خلية وبرية، بتة، حرام، بائن، يصلح سبا ونحو اعتدى واستبرئى

اور کنایہ وُہ ہے کہ طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال رکھتا ہو مثلاً نکل جا، چلی جا، اُٹھ جا۔ یہ الفاظ کسی بات کا جواب ہوسکتے ہیں اور جُدا، بری ہے، علیحدہ ہے، حرام ہے، بائن ہے، ڈانٹ کا احتمال

[1] قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۳

سرحتك انت واحدة انت حرة اختاری امرك بيدك سرحتك فارقتك، لا يحتمل الرد والسب[1]۔

رکھتے ہیں، اور مثلاً عدت پوری کر، رحم کو صاف کر، تُو اکیلی ہے، تُو آزاد ہے، تجھے اپنا اختیار ہے، تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے، میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تجھ سے فرقت کرلی، یہ صرف طلاق کا احتمال رکھتے ہیں۔ (ت)

شرح وقایہ میں ہے:

وفی حالة الغضب يتوقف الاولان ای ما يصلح ردا وما يصلح سبا على النية ان نوى الطلاق يقع به الطلاق وان لم ينو لايقع واما القسم الاخير وهو ما يصلح ردا لاسبا يقع به الطلاق وان لم ينو[2] اھ

اور غصّہ کی حالت میں پہلے دونوں الفاظ یعنی جو جواب بن سکتے اور وُہ جو ڈانٹ بن سکتے ہیں، نیّت پر موقوف ہوں گے، اگر طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن تیسری قسم جو ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتے وہ غصّہ کی حالت میں بغیر نیت بھی طلاق قرار پائیں گے، اھ (ت)

اور ظاہر ہے کہ ہم نے تجھ کو چھوڑ دیا ہم تجھے نہ رکھیں گے متحد المفاد و داخل قسم اخیر ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ہم تجھ کو نہ رکھیں گے متمحض للاستقبال والابعاد ہے اور ایسا لفظ اگر صریح بھی ہوا اصلاً مؤثر نہیں مثلاً اگر ہزار بار کہے میں تجھے طلاق دے دُوں گا طلاق نہ ہوگی۔

وهذا ظاهر جدا، وفی جواهر الاخلاطی فقال للزوج طلاق میکنم طلاق میکنم انها ثلاث لان می کنم يتمحض للحال وهو تحقيق بخلاف قوله كنم لانه يتمحض للاستقبال وبالعربية قوله اطلق لايكون طلاقا لانه دائر بين الحال والاستقبال

یہ بالکل ظاہر ہے، اور جواہر اخلاطی میں ہے خاوند نے کہا میں طلاق کرتا ہُوں، طلاق کرتا ہوں، تو تین طلاقیں ہوں گی کیونکہ اس کا قول "کرتا ہُوں" صرف حال کے لئے مختص ہے اور یہ طلاق کو واقع کرتا ہے اس کے برخلاف اس کا یہ کہنا "طلاق کروں گا" یہ خالص استقبال کے لئے ہے اور عربی میں اطلق (طلاق دوں گا) سے طلاق نہ ہوگی، کیونکہ یہ

---

[1] مختصر الوقایہ کتاب الطلاق نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۶۱

[2] شرح الوقایہ باب ایقاع الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۸

فلم یکن تحقیقا مع الشک[1] الخ۔ حال اور استقبال دونوں میں مشترک ہے، لہذا شک کی بناء پر طلاق واقع نہ ہوگی الخ (ت)

اور "تو ہمارے قابل نہ رہی" اگرچہ کنایہ ہوسکتا ہے مگر وہ سب کو بھی محتمل ہے کہ اس کی نالائقی و ناکارگی کا اظہار ہے جس طرح برادر شوہر نے بھی اسی مضمون کے لفظ کہے، اور جب کہ حالتِ غضب تھی جیسا کہ تقریر سوال سے ظاہر، تو الفاظِ صالحہ سبّ محتاجِ نیت رہیں گے، بے ظہورِ نیت بوجہ شک حکمِ طلاق نہیں دے سکتے کما یظھر من عبارۃ النقایۃ التی نقل السائل والجواھر التی نقلنا (جیسا کہ نقایہ کی عبارت جس کو سائل نے نقل کیا ہے، سے ظاہر ہورہا ہے اور جواہر اخلاطی کی عبارت جس کو ہم نے نقل کیا ہے، سے بھی ظاہر ہورہا ہے۔ ت) اور اُسے نکال دینا، کپڑے وغیرہ چھین لینا دلیلِ غضب ہے، نہ دلیلِ طلاق۔ تو بے ظہورِ طلاق یا وضوحِ موتِ حقیقیہ یا بالحکم بمرورِ مدتِ معینہ للمفقود بمذہب مفتی بہ مؤید بالحدیث روزِ ولادت سے ستّر سال ہے عورت کو نکاحِ ثانی ہرگز نہ تھا نہ ہے وہ اب بھی معصیت ومخالفتِ شرعِ مطہر میں مبتلا ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ سے بحالتِ غضب یہ لفظ کہے، "مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں۔ جس سے چاہ مباشرت کر۔ جسے چاہے اپنا خاوند بنا۔ مجھ سے تجھ سے کچھ تعلق نہ رہا۔" اس صورت میں طلاق واقع اور ہندہ اُس کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مسئولہ میں لفظِ اول یعنی "مجھے تجھ سے کچھ کام نہیں" الفاظ طلاق ہی سے نہیں حتی کہ اگر اس سے نیت کرے گا تاہم واقع نہ ہوگی،

فی فتاوی الامام قاضی عـــہ خاں لو قال فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے۔ اگر خاوند نے کہا

عـــہ قال فی الھندیۃ لو قال لھا مرا با تو کارے نیست وترا با من نے اعطینی ما کان لی عندک و اذھبی حیث شئت لا یقع بدون النیۃ کذا فی الخلاصۃ[2] ۱۲ مفتی اعظم الامۃ مصطفٰی رضا مدظلہ۔

ہندیہ میں کہا، اگر یُوں کہے 'میرا تجھ سے کام نہیں اور تیرا مجھ سے نہیں میرا جو کچھ تیرے پاس ہے مجھے دے دے، جہاں چاہے چلی جا، تو بغیر نیت طلاق نہ ہوگی۔ خلاصہ میں یونہی ہے ۱۲ مفتی اعظم الامۃ مصطفٰی رضا مدظلہ (ت)

---

[1] جواہر الاخلاطی فصل فی طلاق الصریح قلمی نسخہ ص ۷۰-۶۹

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۵

لاحاجۃ لی فیک ونوی الطلاق لایقع وکذا لوقال مرا بکار نیستی وکذا لوقال ما اریدک اھ[1]

"مجھے تجھ میں کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کی ہو تب بھی طلاق نہ ہوگی، یُونہی اگر کہا "تو میرے کام کی نہیں" اور یونہی اگر کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیتِ طلاق ہو اھ (ت)

باقی الفاظ ثلثہ میں چند صُورتیں ہیں:

(۱) اگر اس نے کسی لفظ سے نیتِ طلاق نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا کہ لفظ ثالث محتمل رَد و سب نہیں، اور ایسے الفاظ حالتِ غضب میں حاجتِ نیت نہیں رکھتے۔

فی الھدایۃ فی حالۃ الغضب یصدق فی جمیع ذٰلک لاحتمال الرد والسب الا فیما یصلح للطلاق ولا یصلح للرد والشتم[2] انتھی۔

ہدایہ میں ہے کہ غصّہ کی حالت میں ان تمام الفاظ میں خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ یہ الفاظ ڈانٹ اور جواب کا بھی احتمال رکھتے ہیں، مگر وُہ الفاظ جو صرف طلاق کا احتمال رکھتے ہیں اور ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتے وہاں تصدیق نہ کی جائیگی اھ (ت)

(۲) اور جو صرف پہلے سے نیتِ طلاق کی تو بشرطیکہ لفظ ثانی سے معنی حقیقی یعنی میں تو طلاق دے چکا اب تزویج کا تجھے اختیار ہے مراد نہ لئے ہوں تو دُو بائنہ واقع ہوں گی، لفظِ اوّل سے بحکمِ نیت اور ثانی سے بدیں سبب کہ بوجہ تقدم ومقارنت نیت حالت حالتِ مذاکرہ ہوگئی اور اِس حالت میں الفاظ غیر صالحہ رد پابند نیت نہیں رہتے،

فی الھدایۃ لما نوی بالاولی الطلاق صار الحال حال مذاکرۃ الطلاق فتعین الباقیان للطلاق بھذہ الدلالۃ، بخلاف ما اذا قال نویت بالثالثۃ الطلاق دون الاولیین حیث لایقع الا واحدۃ لان الحال

ہدایہ میں ہے، جب پہلے لفظ سے طلاق کی نیت کی ہو تو مذاکرہ طلاق ہو جانے کی وجہ سے باقی دو الفاظ بھی طلاق کے لئے متعین ہوجائیں گے اس کے برخلاف جب یہ کہے کہ میں نے تیسرے لفظ سے طلاق مراد لی ہے تو پھر پہلے دونوں لفظ طلاق نہ ہونگے صرف آخری ایک طلاق ہوگی کیونکہ پہلے دونوں کے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۶

[2] الہدایہ فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/۳۵۴

عند الاولیین لم تکن حال مذاکرۃ الطلاق (وفیہا) قال نویت بالاولی طلاقا و بالثانی حیضا دین فی القضاء لانہ نوی حقیقۃ کلامہ[1] ملخصا انتہی،

وقت مذاکرہ طلاق نہ تھا اور اسی میں اگر مذکورہ صورت میں یہ کہے کہ میں نے پہلے لفظ سے طلاق اور دوسرے سے حیض مراد لیا ہے تو خاوند کی تصدیق کی جائے گی کیونکہ اس نے لفظ کے حقیقی معنی کی نیت کی ہے اھ ملخصا (ت)

وفی الکافی شرح الوافی فی حالۃ مذاکرۃ الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاء لا فیما یصلح جوابا وردا فانہ لا یجعل طلاقا عزاہ لہ فی العلمگیریۃ[2]۔

اور کافی شرح وافی میں ہے کہ مذاکرہ طلاق میں ان تمام الفاظ سے قضاءً طلاق واقع ہوگی جو طلاق کا بھی احتمال رکھتے ہیں اور جو صرف ڈانٹ یا جواب بننے کا احتمال رکھتے ہیں ان میں طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ ان کو طلاق قرار نہ دیا جائے گا، اس عبارت کو عالمگیری میں کافی کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ت)

رہا تیسرا لفظ، ہر چند وہ بھی محتاجِ نیت نہ تھا مگر اس سبب سے کہ دوسری طلاق سابق سے اخبار قرار دینا ممکن، اور ایسی صورت میں بائن سے بائن لاحق نہیں ہوتی اُس سے طلاق واقع نہ ہُوئی،

فی الدرالمختار لا یلحق البائن اذا امکن جعلہ اخبارا عن الاول کانت بائن بائن او ابنتك بتطلیقۃ لانہ اخبار فلا ضرورۃ فی جعلہ انشاء[3]

درمختار میں ہے: بائن کے بعد دوسری بائن نہ ہوگی جبکہ دُوسری بائن پہلی سے حکایت بن سکے، مثلاً "تُو بائن بائن ہے" یا "میں نے تجھے طلاق کے ساتھ بائنہ کردیا" یہ اخبار ہے اول سے تو اس کو انشاء بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (ت)

(۳) اسی طرح اگر پہلی یا دُوسری دونوں (۴) یا تینوں سے نیتِ طلاق کی تو دو ہی بائنہ واقع ہوں گی،

لما مر من ان البائن لا یلحق البائن ما امکن حملہ علی الاخبار۔

جیسا کہ گزرا کہ بائنہ بائنہ کو لاحق نہیں ہوتی جب وُہ پہلی سے حکایت بن سکے (ت)

باقی سب صورت میں خواہ (۵) صرف دوسرا (۶) یا صرف تیسرا (۷) یا پہلا اور تیسرا دونوں (۸) یا

---

[1] الہدایہ فصل فی الطلاق قبل الدخول المکتبۃ العربیۃ کراچی ۲/ ۳۵۵
[2] الکافی شرح الوافی
[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۵

دوسرا اور تیسرا جیسا مقرون بہ نیت ہوں تو ایک ہی بائنہ واقع ہوگی،

کما یظھر لك مما القینا علیك من الادلۃ و ان لاطلاق بالثالثۃ کلما تقدمھا طلاق۔

جیسے ہم نے آپ کو دلائل بیان کر دئے اس سے ظاہر ہے، اور یہ کہ تیسرے لفظ سے طلاق نہ ہوگی جب اس سے قبل طلاق بائنہ ہو چکی ہو۔ (ت)

پس اس میں شُبہہ نہیں کہ ہندہ نکاحِ زید سے خارج ہوگئی اور تاوقتیکہ زید اُس سے نکاح جدید نہ کرے وُہ اس کی زوجہ نہیں ہوسکتی،

فی تنویر الابصار وینکح مبانتہ بما دون الثلث فی العدۃ وبعدھا بالاجماع[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تنویر الابصار میں ہے کہ تین سے کم بائنہ میں دوبارہ نکاح کی ضرورت ہوتی ہے خواہ عدت میں ہو یا عدت کے بعد ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۱: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی نسبت کہا "مجھے اس سے کچھ کام نہیں میں اس کو نہیں رکھوں گا اگر اسے گھر میں رکھوں تو اسی کا دُودھ پیوں" پھر اس اندیشہ سے کہ شاید اس سے طلاق نہ ہوگئی ہو اُس سے پھر نکاح کرلیا، اس صورت میں عورت پر طلاق ہُوئی یا نہیں اور یہ نکاح کافی ہُوا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صُورتِ مستفسرہ میں اُس عورت پر طلاق واقع نہ ہُوئی اور پہلا ہی نکاح اس کا بحالِ خود قائم ہے دُوسرے نکاح کی کچھ حاجت نہ تھی یہ عبث واقع ہُوا،

فی العالمگیریۃ رجل قال لامرأتہ مرابکارنیستی ونوی بہ الطلاق لایقع[2] انتھی

عالمگیری میں ہے کہ کسی نے اپنی بیوی کو کہا "تُو میرے کام کی نہیں" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت بھی کی ہو اھ (ت)

اما قولہ "میں اس کو نہیں رکھوں گا"

فھذا وان احتمل الجماع لان رکھنا بلغتنا یکنی بہ عن الجماع الا انہ عدۃ فلا یفید شیئا و اما قولہ (اس کو گھر میں رکھوں

تو یہ اگرچہ جماع کا احتمال بھی رکھتا ہے کیونکہ "رکھنا" ہماری لغت میں جماع سے کنایہ ہوتا ہے مگر یہ وعدہ ہے لہذا اس سے کچھ بھی مراد نہ ہوگا، اور اس کا

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار باب الرجعۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۴۰

[2] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۰

تو اسی کا دُودھ پیوں) فهذه لیس من باب الایلاء فی شیٔ لان گھرمیں رکھنا انما ھو الایواء ای ھو التمکین من ان تسکن فی بیته ولایکنی به عن الوطی ولایکون یمینا ایضا حتی لو اٰواھا ومکنها بعد من التمکن لا تلزمه کفارة یمین لان شرب لبن العرس غایته ان یکون حراما وقوله ان فعلت کذا فانا زان او سارق اوشارب خمر او اٰکل ربو فلیس بحالف[1] ھکذا فی الھندیة عن الکافی فلایلزمه بذٰلك شیٔ ، واللّٰه سبحانه وتعالٰی اعلم۔

قول" اس کو گھر میں رکھوں تو اسی کا دُودھ پیوں" تو یہ ایلاء یعنی قسم کے معنٰی میں نہیں ہے کیونکہ گھر میں رکھنا گھر میں رہنے کی اجازت دینا ہے، اس سے وطی مراد نہیں ہوسکتی، اور قسم بھی نہیں ہوسکتی حتی کہ اس کو گھر میں رکھا بھی تو قسم کا کفارہ نہ پڑے گا کیونکہ بیوی کا دودھ پینا زیادہ سے زیادہ حرام ہے، اور یُوں ہی اگر کہا اگر میں یہ کام کروں تو میں زانی یا چور یا شرابی یا سُود خور قرار پاؤں، قسم نہ ہوگی۔ ہندیہ میں کافی سے یہی منقول ہے، لہٰذا اس سے کوئی کفارہ لازم نہ ہوگا۔ واللّٰه سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۲۹۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین بیچ اس باب کے کہ زید نے حالت ناراضگی یا راضگی میں ہندہ سے جو اس کی زوجہ ہے یہ کلمے کہے کہ "میرے مکان سے نکل جا اور میں اب تجھ کو اپنے یہاں نہ رکھوں گا، تُو اب اور کوئی شوہر کرلے، یا کسی سے آشنائی کر، مجھ کو تجھ سے کچھ واسطہ نہیں، اور اگر تُو میرے کہنے سے نہ نکلے گی تو پھر میں تیری ناک کاٹ لُوں گا کہ پھر تو خاوند کرنے سے بھی بیکار ہوجائے گی" وہ ہندہ بخوف ناک اور بسبب یہ کلمے کہنے زید کے وہاں سے نکل کر ایک مکان میں کہ جو اُس کے اقرباؤں کا تھا چلی آئی، چرچا اس کا محلہ میں پھیلا، جب زید سے آکر اہلِ محلہ نے کہا ہندہ کے باپ نے جواب پایا زید سے کہ "میری اب طبیعت اُس سے بہت ناراض ہے میں اس کو اب اپنے پاس نہ رکھوں گا" اور جس نے کہا یہی جواب پایا کہ "مجھ کو اُس سے کچھ سروکار نہیں اس کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے وہاں جائے" اور ایک صاحب نے کہا کہ تمھاری بے حُرمتی ہوگی تو زید نے کہا "کیا بے حُرمتی ہوگی کیا مرد عورت کو چھوڑ نہیں دیتے ہیں کچھ بے حُرمتی اور بے عزتی نہیں ہے" بس یہ کلمے زید کے مثل طلاق ہُوئے بیچ حق ہندہ کے یا نہیں؟ جو حکم شرعی ہو ارقام فرمائیں فقط بیّنوا توجروا۔

الجواب: یہ کلمات جو زید نے کہے کنایاتِ طلاق میں سے ہیں ان الفاظ سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے یعنی

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الایمان الباب الثانی نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۵۵

زید مذکور کو اختیار ہے کہ اُس سے رجعت کرلے یا بعد انقضائے عدت نکاح کرلے۔ درمختار میں خلاصہ سے نقل کیا ہے کہ:

اذھبی وتزوجی یقع واحدۃ بلانیۃ[1] یعنی اگر شوہر نے زوجہ کو کہا کہ چلی جا اور دوسرا شوہر کرلے تو اس سے ایک طلاق پڑجائے گی خود شوہر کی نیت طلاق کی ہو یا نہ ہو۔

کتبہ محمد احسن الصدیقی الحنفی (محمد احسن صدیقی ۱۲۷۶)

الجواب

اقول وباللہ استعین (میں کہتا ہوں اور اللہ سے مدد مانگتا ہوں۔ ت) جواب میں الفاظ مندرجہ سوال سے تعرض نہیں اور جس بات کا حکم درمختار سے نقل کیا یعنی اگر شوہر نے زوجہ کو کہا "چلی جا اور دوسرا شوہر کرلے" سوال میں بہیئت کذائی نہیں، اگر اخرجی اور اذھبی میں فرق نہ کیا جائے تاہم بسبب لفظ ثالث یعنی اس کلام کے کہ "میں اب تجھ کو اپنے یہاں نہ رکھوں گا" صورت مسئلہ کی بدل جائے گی، پس دلیل جناب مجیب کی قطع نظر اس سے کہ رجعی ہونا صورت محکوم علیہا کا اس سے ظاہر نہیں سوال سے علاقہ نہیں رکھتی کہ حکم ہیئت اجتماعیہ کا حالت انفراد کے حکم سے مغایر ہوسکتا ہے فلایتم التقریب اصلا (تو دعوٰی اور دلیل مطابق نہ ہوئے۔ ت) علاوہ بریں بعد تسلیم اس امر کے کہ یہ کلمات کنایات طلاق سے ہیں طلاق مذکور کو رجعی قرار دینا بس عجیب ہے اس لئے کہ سوا چند الفاظ کے کہ کتب فقہ میں مذکور ہیں باقی کنایات سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور لفظ ابتغی الازواج (خاوند تلاش کر۔ ت) کو وقایۃ الروایۃ میں کنایات میں ذکر کرکے کہا واحدۃ بائنۃ[2] (ایک بائنہ طلاق ہوگی۔ ت) پس جواب صحیح یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں تین لفظ کنایات طلاق سے مذکور ہیں،

اوّل، تو میرے مکان سے نکل جا کہ حاصل معنی اخرجی کا ہے بشرط نیت اس سے طلاق بائن ہوجاتی ہے کما مر (جیسا کہ گزرچکا ہے۔ ت)۔

دوم، تو اب کوئی شوہر کرلے یا کسی سے آشنائی کر، اس تردید کے جزء اول کا بھی یہی حکم ہے، وقد مر ایضًا (اور یہ بھی گزرچکا۔ ت)

سوم، مجھ کو تجھ سے کچھ واسطہ نہیں، یہ لفظ بھی کنایات طلاق سے ہے کہ بشرط نیت اس سے

---

[1] درمختار | باب الکنایات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲۶
[2] شرح الوقایہ | " | " " | ۲/۸۷

طلاق بائن ہوتی ہے۔ فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

ولوقال لم یبق بینی وبینك عمل یقع الطلاق اذا نوی[1]۔ اگریوں کہا کہ تیرے اور میرے درمیان کوئی عمل نہ رہا جب طلاق کی نیت سے طلاق واقع ہوگی۔(ت)

پس اگر جملہ یا بعض الفاظِ مذکورہ بہ نیت طلاق کہے طلاق بائن واقع ہوئی، بے تجدیدِ نکاح کے مباشرت عورت سے حرام ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

البائن یلحق الصریح لا البائن الا اذا[2]۔ بائن طلاق، صریح کو لاحق ہوسکتی ہے بائن کو نہیں مگر جب۔(ت)

(جواب ناقص ملا)

مسئلہ ۲۹۳: ازشہر کہنہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپنی زوجہ سے جس کا نام ہندہ ہے اور جو کئی سال سے اس کے نکاح میں تھی بغرض اپنی شادی دوسری جگہ کرنے کے اُس کو طرح طرح کی تکلیفیں دینا شروع کیں اور بجبر اس پر تہمت زنا کی لگا کر ایک پرچہ پر تحریر کیا اور پرچہ اپنے قلمدان میں رکھا اُس روز ہندہ کو سختی ایسی دی کہ زید کے وارثان نے ہندہ کے وارثوں کو خبر دی کہ تم اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ وہ سخت تکلیف میں ہے۔ اس پر ہندہ کی ماں ہندہ کو اپنے گھر لے آئی اور پرچہ جس کا ذکر اوپر ہوا ہے وہ بھی ہندہ اپنے ساتھ لائی اس پر ہندہ کے وارثوں نے ایک مجمع عام میں زید کو ایسے کلمات کی تحریر سے نصیحۃً فہمائش کی، بجواب اس کے زید نے کہا کہ میں نے چھوڑا، مجھے کچھ تعلق نہیں، جو اسباب ہندہ کا ہے ابھی مجھ سے لے لو۔ ہندہ کے وارثوں نے دو شخصوں کو زید کے پاس ہندہ کا اسباب لینے کو بھیجا، زید نے کُل اسباب دے دیا، اُن لوگوں نے ہندہ کے حوالہ کر دیا، ہندہ نے کہا کہ میرا زیور باقی ہے وہ بھی لاؤ۔ وُہی شخص زیور لینے زید کے پاس گئے، زید نے زیور کا وعدہ کیا کہ بیس روز میں دے دُوں گا۔ چنانچہ زید نے بیسویں روز رُوبرو چار آدمیوں کے کُل زیور دے دیا اور پھر کہا کہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ اس صورت میں زید نے دو مرتبہ یہ کلمہ کہا کہ مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔ منشا زید کا ان کلمات سے ظاہر ہے۔ عرصہ چار سال ہُوا جب سے اِس وقت تک کچھ تعلق نہیں رکھا۔ اس صورت میں شرعاً ہندہ پر طلاق واقع ہُوئی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ہندہ پر طلاق پڑجانے اور نکاحِ زید سے باہر ہوجانے کا حکم دیا جائے گا ہاں

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۶

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۵

اگر لفظ جو زید نے کہے اسی قدر ہیں اور اس حالت میں وہ حلف شرعی کے ساتھ بیان کرے کہ میں نے یہ الفاظ ہندہ کی نسبت نہ کہے تھے اُسے چھوڑنا مراد نہ تھا تو وقوعِ طلاق کا حکم نہ دیں گے پھر اگر وہ اپنے اس حلف میں جھوٹا ہو تو اس کا وبال اور عذابِ الٰہی کا استحقاق زید ہی پر رہے گا ہندہ پر الزام نہ آئے گا،

فی الھندیۃ عن الخلاصۃ عن الفتاوی رجل قال لامرأتہ اگر تو زن منی سہ طلاق مع حذف الیاء لایقع اذا قال لم انو الطلاق لانہ لما حذف فلم یکن مضیفا الیہا[1] اھ وفی البزازیۃ والخانیۃ فی قولہ لاتخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق انہ یحتمل الحلف بطلاق غیرھا فالقول قولہ[2] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہندیہ میں خلاصہ سے اور وہاں فتاوٰی سے منقول ہے اگر کسی نے بیوی کو کہا" اگر تُو عورت ہے تو مجھ سے تین طلاق" عورت کے ساتھ یا ءِ نسبت کو ذکر نہ کیا، تو پھر کہے کہ میں نے طلاق کی نیت نہیں کی، تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے جب یاء کو حذف کر دیا تو اب طلاق بیوی کی طرف منسوب نہ ہوئی اھ۔ بزازیہ اور خانیہ میں ہے کہ خاوند نے بیوی کو کہا گھر سے میری اجازت کے بغیر مت نکل کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اس میں خاوند کی وضاحت معتبر ہوگی کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس نے کسی اور کی طلاق مراد لے کر قسم کھائی ہو اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۴: از قصبہ سرولی تحصیل آنولہ ضلع بریلی مرسلہ مسماۃ محمودی بنت شیخ علیم اللہ
۱۴ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مسمّی ولایت خاں شوہر (مجھ مسماۃ محمودی) نے عرصۂ دراز سے مجھ کو چھوڑ دیا ہے نہ مجھ کو نان ونفقہ دیتا ہے، میں بوجہ نہ ملنے نان ونفقہ کے بہت تکلیف میں ہوں، لہذا میں بھی اس شخص سے بوجہ تارک الصلوٰۃ ونیز نہ دینے نان ونفقہ کے ناخوش ہوں، چنانچہ ایک پرچہ نوٹس ناخوشی شوہر مذکور کا میرے پاس آیا وہ سرشتہ سوال ہذا ہے، امید کہ برائے خدا علمائے دین بموجب شرع شریف حکم آزادگی کا ارقام فرمائیں تاکہ میں نکاح اپنا کسی شخص صالح سے کروں اور عمر میری بسر ہو، عبارت نوٹس یہ ہے ایک پرچہ نوٹس آپ کا دربارۂ نالشی متذکرہ نان ونفقہ دختر آپ کی کا یعنی محمودی کا آیا، اُس کا جواب یہ ہے کہ جب تک آپ کی لڑکی میرے گھر رہی تب تک آپ میرے خسر رہے جس روز سے کہ اُس کو میں نے آزاد

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸۲
[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۵

کر کے معہ جملہ اسباب جہیز وغیرہ اُس کا اُس کے ہمراہ کر دیا گیا اور آپ کے گھر بھیج دیا گیا مجھ سے اور اس سے کچھ تعلق شرعاً نہیں رہا، نہ اس کا کوئی سامان میرے ذمّہ باقی رہا بلکہ اسی روز بہت پنچان قصبہ سرولی کے موجود تھے وہ بھی اس امر کے گواہ ہیں، اگر مجھ سے اور مسماۃ مذکور سے کچھ تعلق ہوتا تو میں ضرور اس کے نان و نفقہ کی فکر کرتا، آپ کیوں برابر تحریر کرتے ہیں، اب آپ کے نوٹس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ پھر پنچان جمع کر کے میرے مکان پر لانے والے ہیں اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھ سے اور آپ سے رنج حد کو پہنچے گا لہذا اب آپ پنچان کے جمع کرنے کا ارادہ نہ کریں، اسی واسطے نوٹس دیا گیا مطلع رہو۔ از مقام دھنورہ مرسلہ ولایت خاں ۳۱/ اکتوبر ۱۹۲۰ء۔

الجواب

عبارت نوٹس سے (کہ جب تک میرے گھر رہی آپ میرے خسر رہے جس روز سے اُس کو میں نے آزاد کرکے آپ کے گھر بھیج دیا) صاف اقرار طلاق ظاہر ہے،

اعتاق المرأۃ وان کانت من الکنایات فلا یتحمل ردًا ولا سبا کما لایخفی، وفی الدر المختار انت حرۃ لایحتمل السب والرد[1]، قال الشامی واعتقتك مثل انت حرۃ کما فی الفتح[2] والحالۃ کما تری حالۃ الغضب فلا یفھم فی الحکم الا الطلاق والمرأۃ کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ۔

بیوی کو "آزاد ہے" کہنا، اگرچہ الفاظ کنایہ میں سے ہے تاہم یہ ڈانٹ اور رجواب کا احتمال نہیں رکھتا اور صرف طلاق مراد ہوگی جیسا کہ مخفی نہیں ہے، درمختار میں ہے: بیوی کو کہنا "تو آزاد ہے" ڈانٹ اور رجواب کا احتمال نہیں رکھتا، اور اس پر علامہ شامی نے فرمایا "میں نے تجھے آزاد کیا" ایسے ہی ہے جیسے کوئی کہے "تو آزاد ہے" جیسا کہ فتح میں ہے، اور حالت بھی غصہ کی ہو تو پھر طلاق ہی حکم سمجھا جاسکتا ہے، اس میں عورت قاضی کی مانند ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔ (ت)

پس اگر گواہانِ شرعی سے ثابت ہو کہ یہ نوٹس اسی کا لکھا ہُوا ہے یا وُہ مقر ہو تو ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور وقت تحریر نوٹس سے عدت لی جائے گی اگرچہ ہندہ بھی تسلیم کرتی ہو کہ جس وقت اُس نے گھر سے نکالا تھا طلاق دے دی تھی جس کا اقرار اس نوٹس میں ہے، ہاں اگر ہندہ گھر سے نکالتے وقت

---

[1] درمختار | باب الکنایات | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/۲۲۴

[2] ردالمحتار | " " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/۴۶۵

طلاق دینے کی مقر ہے اور اس وقت سے تحریر نوٹس کے وقت تک اتنا زمانہ گزر گیا جس میں عدت منقضی ہو تو عدت تو محمودی کو روز تحریر نوٹس ہی سے کرنی پڑے گی مگر اس عدت کا نفقہ شوہر سے نہ پائے گی

مواخذۃ علیہا باقرارہا وان امرہ الشرع بالعدۃ قطعا للتزویر۔

یہ بیوی کے اپنے اقرار پر مواخذہ ہے اگرچہ شرع نے اس کو عدت کا حکم دیا ہے کیونکہ جھوٹ ہو سکتا ہے۔ (ت)

اور اگر محمودی اس وقت طلاق دئے جانے کی مقر نہیں تو اس عدت کے ایام کا نفقہ بھی شوہر سے پائے گی،

لان نفقۃ عدۃ الطلاق علی الزوج بالنص وبہ ظہر ضعف ما فی الخیریۃ۔

کیونکہ طلاق کی عدت میں نفقہ خاوند پر نص کی وجہ سے ثابت ہوا ہے۔ اس سے خیریہ کے بیان کا ضعف واضح ہوگیا ہے (ت)

فی الخیریۃ سئل فی رجل فرض علیہ القاضی نفقۃ وکسوۃ لزوجتہ ومضت مدۃ فادعی طلاقہا منذ زمان اجاب ان کذبتہ فی الاسناد ولم تقم بینۃ کان علیہا العدۃ من وقت الدعوی ولہا فیہا النفقۃ والسکنی وان صدقتہ فلا نفقۃ لہا ولا سکنی[1] (ملخصاً) واللہ تعالٰی اعلم۔

فتاوٰی خیریہ میں ہے سوال کیا گیا کہ ایک شخص پر اس کی بیوی کا نفقہ اور لباس قاضی نے لازم کیا، اور کچھ مدت گزرنے پر خاوند نے یہ دعوٰی کیا کہ میں نے بیوی کو مدت سے طلاق دے رکھی ہے، تو انھوں نے جواب دیا کہ اگر عورت خاوند کے اس دعوٰی کو دلیل سے جھوٹ ثابت کر دے اور گواہ پیش نہ کر سکے تو بیوی پر دعوٰی کے وقت سے عدت لازم ہو جائے گی، اور عدت میں اس کو نفقہ اور رہائش ملے گی، اور اگر بیوی خاوند کے دعوے کو سچ قرار دے تو پھر عدت میں نفقہ اور رہائش نہ ملے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریہ باب النفقۃ دار المعرفۃ بیروت ۱/۷۵

مسئلہ ۲۹۵

ماقولکم رحمکم اللہ فی ہذہ المسئلۃ
نکاحِ زید با ہندہ حسب آئین شرع محمدی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم منعقد گشت بعد چند روز ہندہ را خلل جن
واقع گردید از دعا و دوا ہیچ افاقہ نہ شد سالے ہمیں
حال مبتلا ماند والدینِ ہندہ ہندہ را بر مکان خود آوردند
و والدینِ زید زید را نصیحت کردند کہ انقطاع و
احتراز از صحبت ہندہ باید کرد مبادا ایں بلا بر توہم
مستولی نشود زید نوعے خیال ایں سخن نکرد و
خفیہ از والدین خود آمد و شد جاری داشت وقتیکہ
والدین زید ازیں آمد و شد مطلع شدند زید را تنگ
گرفتند و ممانعت قطعی نمودند زید را نصیحت و
امتناع والدین کارگر شد و از ہندہ انقطاعِ کلی کرد
و ہمدریں اثنا بفضل الٰہی ہندہ را صحت کلی حاصل
گشت مگر زید از انقطاع وارد و تا حال بہ ہندہ
رجوع نکرد و ارادۂ رجوع ہم ندارد و تا سہ سال کامل
نزد والدین خود قیام نمود و تا حال موجود است جملہ
مصارف ہندہ متعلق والدین ہندہ ماند و والدین
ہندہ مفلوک الحال و مزدور پیشہ ہستند و زید از
قرص نانے ہم با ہندہ گاہے مسلوک نگشت و نمی شود
بارہا گفتگوئے ایں بجانبین درمیان آمد الا زید
والدینش صاف جواب داد و گفت کہ (ما را از ہندہ
مطلق سروکارے نیست از جانب ما ایں جواب صاف
را طلاق فہمید) پس اندریں صورت نکاح ہندہ
بادیگر کس کردن جائز خواہد شد یا نہ، علمائے

علماء کرام، آپ رحمکم اللہ تعالٰی کا اس مسئلہ میں
کیا ارشاد ہے کہ زید کا ہندہ کے ساتھ شرع محمدی کے
مطابق نکاح ہوا، اس کے چند روز بعد ہندہ کو
آسیب ہوگیا، علاج و دعا کے باوجود ہندہ کو کوئی
افاقہ نہ ہوا، ایک سال اسی حال میں مبتلا رہی، تو ہندہ
کے والدین ہندہ کو اپنے گھر لے گئے، اور زید کے
والدین زید کو ہندہ سے انقطاع اور احتراز کی تاکید
کرتے رہے تاکہ زید اس بیماری سے متاثر نہ ہو،
تو زید نے اپنے والدین کی اس نصیحت کی پروا
نہ کرتے ہوئے خفیہ طور پر ہندہ کے پاس آنا جانا
جاری رکھا، جب زید کے والدین کو اس پر اطلاع
ہوئی تو انھوں نے زید کو سختی سے اس میل جول سے
منع کردیا اور زید نے والدین کی ممانعت پر عمل کرتے ہوئے
ہندہ سے کلی طور انقطاع کرلیا اسی دوران اللہ کا فضل
ہوا اور ہندہ بالکل تندرست ہوگئی، مگر زید نے اپنا
کلی انقطاع قائم رکھا اور اب تک اس نے ہندہ کی
طرف رجوع نہ کیا اور نہ ہی رجوع کا ارادہ رکھتا ہے اور
دو تین سال سے والدین کے پاس ہی ہندہ تمام مصارف
پورے کررہی ہے اور تمام بوجھ ہندہ کے والدین پر
ہے جبکہ ہندہ کے والدین خود مفلوک الحال اور مزدور پیشہ
ہیں اور زید نے کبھی ہندہ کے لئے روٹی کی ٹکیہ تک
خرچہ نہ بھیجا، متعدد بار فریقین میں معاملہ بنانے کی کوشش
ہوئی مگر زید اور اس کے والدین نے صاف جواب دے دیا اور
کہا ہمارا ہندہ سے کوئی سروکار نہیں اور ہماری طرف سے یہ صاف

ذوی الکرام و مفتیان ذوی الاحترام استفتاء را از مواہیر و دستخط بجواب صاف شرعیہ مزیّن فرمایند بیّنوا توجروا فقط مگر اینکہ گفتگوے او والدینش کہ آں بر جواب صاف دادن مبنی ست جواز طلاق دادن را یا نہ فقط،

جواب ہے اور اس کو طلاق سمجھا جائے ، تو کیا اندریں حالات، ہندہ کا کسی دوسرے شخص سے نکاح جائز ہوگا یا نہیں؟ علمائے کرام اور مفتیان ذوی الاحترام سے درخواست ہے کہ استفتاء کا جواب اپنے دستخطوں اور مُہروں سے مزیّن فرماکر ماجور ہوں ، نیز مکرر ہے کہ زید اور اس کے والدین کا یہ کہنا کہ "ہمارے صاف جواب کو طلاق سمجھا جائے" کو طلاق دینا متصور کیا جائے یا نہیں ، فقط ، (ت)

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔

در صورت مستفسرہ طلاق بداں زن واقع نشد زیرا کہ سروکار نبودن جز اظہار بے غرضی و بے پروائی افادہ معنی دیگر نمی کند واگر شوھر مرزنش را گوید مرا باتو غرضے نیست یا پروائے تو ندارم یا تو مرا بکار نیستی یا تو مرا چیزے نباشی یا میان من و تو چیزے نماندہ است ہرگز طلاق واقع نشود اگرچہ باینہا ارادہ و نیت طلاق کردہ شد و پُر ظاہر کہ سروکار نبودن بیش ازیں الفاظ نیست بلکہ علماء روشن گفتہ اند کہ اگر زن را گفت تو مرا بیگانہ ایں ہم لغو و مہمل باشد پس لفظ مذکور فی السؤال اولی باہمال فی الغلمگریۃ لوقال لاحاجۃ لی الیك ینوی الطلاق فلیس بطلاق (وفیھا) اذا قال لا اریدك او لا احبك او لا اشتھیك او لا رغبۃ لی فیك فانہ لایقع وان نوی فی قول ابی حنیفۃ رحمھم

اے اللہ! حق کی رہنمائی فرما۔ (ت)

مسئولہ صورت میں عورت کو طلاق نہ ہوئی ، کیونکہ سروکار نہ ہونا ، بے غرضی ، بے پرواہی کے علاوہ کوئی معنی نہیں رکھتا ، بلکہ اگر شوہر خاص بیوی کو کہے "مجھے تجھ سے غرض نہیں ، میں تیری پروا نہیں رکھتا' تُو میرے کام کی نہیں ، تُو میرے لئے کوئی چیز نہیں ، یا تیرے اور میرے درمیان کوئی چیز باقی نہیں رہی" تب بھی ہرگز طلاق نہ ہوگی ، اگرچہ یہ الفاظ طلاق کی نیت سے بھی کہہ دے اور طلاق کی نیت کرے تو "سروکار نہیں" ان مذکورہ الفاظ سے زیادہ سخت نہیں ، بلکہ مشہور علماء کا ارشاد ہے کہ اگر خاوند بیوی کو یہ کہے "تُو میرے لئے بیگانی ہے" تو یہ مہمل اور لغو کلام ہوگی ، تو سوال میں مذکور الفاظ بطریق اولٰی مہمل ہیں ، عالمگیری میں ہے کہ خاوند بیوی کو کہے "مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں" اور طلاق کی نیت کرے تو بھی طلاق نہ ہوگی ۔ اور اسی میں ہے اگر یُوں کہے کہ "میں تجھے نہیں چاہتا ، میں تجھے پسند نہیں کرتا ، میں تجھ سے خواہش نہیں رکھتا" یا کہے "مجھے تجھ میں کوئی رغبت

اللہ تعالٰی[1] (وفیہا) لو قال لم یبق بینی و بینك شیئ ونوی به الطلاق لا یقع[2] وفی الخلاصۃ قال تو مرا بیگانہ او لاحاجۃ لی فیك لا یقع وان نوی[3]، وفی الہندیۃ ایضا سئل ابوبکر عن سکران قال لامرأتہ بیزارم بیزارم بیزارم تو مرا چیزے نباشی الی قولہ ارجوانہا لاتطلق وھی امرأتہ[4]، وچوں ظاہر شد کہ ایں لفظ از الفاظ طلاق نیست نہ صریح نہ کنایہ، پس قولِ اُو کہ از جانب ما ایں جواب صاف را طلاق فہمند نیز لغو باشد زیرا کہ اُو پیش از اظہار طلاق نیست پس گویا حاصل کلامش آن ست کہ چنیں گفتہ کہ بایں گفتن نیت طلاق کردم وخود اگر نیت مے کرد کارگر نمی باشد کما اوضحنا پس اظہار مہمل جز مہمل نباشد قلت ولا یمکن جعلہ طلاقا مبتدأ لانہ

نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی کے قول کے مطابق ہے۔ اور اسی میں ہے کہ اگر یُوں کہا "میرے اور تیرے درمیان کوئی چیز باقی نہیں" تو نیتِ طلاق کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ اور خلاصہ میں ہے اگر خاوند نے کہا تو میرے لئے بیگانی ہے یا کہے مجھے تجھ سے کوئی حاجت نہیں، تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ عالمگیری میں ہے کہ علامہ ابوبکر سے نشہ والے کے بارے میں سوال کیا گیا اس نے اپنی بیوی کو کہا "میں بیزار ہُوں میں بیزار ہوں میں بیزار ہُوں، تو میرے لئے کچھ نہیں" تو انھوں نے جواب میں بیان فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ طلاق نہ ہوگی اور بیوی بحال رہے گی۔ تو واضح ہو گیا کہ سوال میں مذکور لفظ، صریح یا کنایہ طلاق کا لفظ نہیں ہے تو ان کا کہنا کہ "ہمارا صاف جواب طلاق سمجھا جائے" بھی لغو اور مہمل ہے، کیونکہ اس سے قبل زید کی طرف سے طلاق کا کوئی اظہار نہیں، تو اس کی کلام کا خلاصہ یہ ہُوا کہ گویا اس نے کہا "میں نے اس بات سے طلاق کی نیت کی ہے" اور نیت بھی کرے تب بھی طلاق کے لئے کارگر نہیں ہے جیسا کہ واضح ہو چکا ہے، پس یہ مہمل

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵
[2] " " " " " " " " ۱/۳۷۶
[3] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الطلاق مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۲/۹۸
[4] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالالفاظ الفارسیۃ نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۳

اشار الی غیر معتبر شرعا وما لم یعتبر شرعا
فلیس فی وسع احد ان یجعلہ معتبرا
قال فی الدر المختار لایقع طلاق النائم
ولو قال اجزتہ او اوقعتہ لایقع لانہ اعاد
الضمیر الی غیر معتبر جوھرۃ[1] اھ وقد صرح
بالجزئیۃ فی الخانیۃ حیث قال قال لہا
احسبی انک طالق لایقع وان نوی[2] اھ ملخصا
پس درصورت مذکورہ زنہار روا نیست کہ ہندہ
با مردے دگر نکاح کند ھذا ما عندی والعلم
بالحق عند ربی، واللہ سبحانہ وتعالٰی
اعلم۔

برائے مہمل ہے۔ **قلت** (میں کہتا ہوں۔ت)
اس گفتگو کو ابتداءً طلاق قرار دینا درست نہیں
کیونکہ شرعی طور پر غیر معتبر لفظ سے اشارہ ہے، اور
جو شرعاً غیر معتبر ہو اس کو کوئی بھی معتبر نہیں بنا سکتا،
دُرمختار میں فرمایا کہ سوئے ہوئے کی طلاق واقع نہ ہوگی
اگرچہ وہ بیدار ہو کر کہے کہ میں نے اُسے جائز قرار
دیا ہے یا اس کو واقع کرتا ہوں، تو پھر بھی واقع
نہ ہوگی کیونکہ وہ جس کلام کو واقع کرنا چاہتا ہے وہ نیند
کی کلام ہے جو غیر معتبر ہے، جوہرہ، اھ۔ اور خانیہ
میں اس خاص جزئیہ کی تصریح کی ہے کہ اگر خاوند
بیوی کو کہے، تو یہ خیال کرلے کہ تُو طلاق والی ہے تو
طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیّت سے بھی کہے اھ ملخصاً، لہذا مسئولہ صورت میں ہندہ کو ہرگز جائز نہیں کہ کسی
دوسرے مرد سے نکاح کرے، یہ میری تحقیق ہے حقیقی علم اللہ تعالٰی رب العزت کو ہے۔ واللہ سبحانہ
وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۶: ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچہری میں اپنی
بی بی کی نسبت بیان کیا کہ میرا اُس سے نکاح نہیں ہوا اور اُس کی اولاد میرے نطفہ سے نہیں ہے
اور حاکم نے بموجب بیان کے مقدمہ کو فیصل کرکے اس کی بی بی اور اُس کی اولاد قرار نہ دی حالانکہ نکاح
اُس کا درحقیقت اُسی عورت سے ہوچکا تھا اب شرعاً نکاح اس کا جائز رہا یا نہ رہا اور اولاد اس کی
فوت ہونے کے بعد اس کا ترکہ پائے گی یا نہ پائے گی اور بعد حنث اس شخص پر کفارہ یمین عائد ہوگا یا
نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] درمختار کتاب الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۱۸
[2] قاضی خاں " نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۰

الجواب

سائل مظہر کہ شخص مذکور نے انگریزی کچہری میں کسی مصلحت سے ایسا اظہار حلفی دیا پس صورت مستفسرہ میں وُہ شخص جھُوٹے حلف کا گنہ گار ہُوا، توبہ استغفار کرے، باقی نہ نکاح گیا نہ کوئی کفارہ آیا، نہ اولاد اس کے ترکہ سے محروم ہُوئی،

اما بقاء النکاح فلان جحودہ لایزیلہ والمقام ھٰھنا متعین للاخبار لانہ فی اظہار لاسیما مع الحلف بل اللفظ بنفسہ لایحتمل الانشاء کما لایخفی بخلاف قول القائل لست لی بامرأۃ فلم یکن طلاقا اجماعا۔

نکاح کا باقی رہنا اس لئے کہ اس کا انکار نکاح کو متاثر نہیں کرتا جبکہ یہ مقام بھی خبر دینے کے لئے متعین ہے کیونکہ یہ اظہار ہے اور وُہ بھی حلف کے ساتھ ہے بلکہ خود لفظ بھی انشاء کا احتمال نہیں رکھتا، جیسا کہ مخفی نہیں، اس کے برخلاف اگر کوئی کہے کہ "تُو میری بیوی نہیں ہے تو یہ بالاجماع طلاق نہیں (باوجودیکہ یہ انشاء ہے)۔ (ت)

عالمگیری میں ہے:

ان قال لو اتزوجك ونوی الطلاق لایقع الطلاق بالاجماع کذا فی البدائع[1]۔

اگر خاوند کہے "میں نے تجھ سے نکاح نہیں کیا" تو بالاجماع طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ بدائع میں ہے (ت)

اُسی میں ہے:

اتفقوا جمیعا انہ لو قال واللہ ما انت لی بامرأۃ اولست واللہ لی بامرأۃ فانہ لایقع شیئ وان نوی کذا فی السراج الوھاج[2]، ملخصا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر خاوند کہے "خدا کی قسم تُو میری بیوی نہیں" یا یوں کہے "تُو خدا کی قسم میری بیوی نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی، جیسا کہ سراج الوہاج میں ہے ملخصاً۔ (ت)

اسی طرح اور کتب میں ہے،

واما عدم الکفارۃ فلان المعھود فی محاکمھم غیر القسم وان کان فلا کفارۃ

اور لیکن کفارہ اس لئے نہیں کہ کچہری میں حلف کو قسم نہیں قرار دیا جاتا ہے، اور اگر قسم ہو بھی تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۷۵

[2] ایضاً

فی غموس واما عدم انتفاء نسب الولد حتی یحرموا من ترکۃ فلعدم تحقق اللعان ومجرد النفی لاینفی وان تصادق علیه الزوجان۔

یہ یمینِ غموس ہے جس پر کفارہ لازم نہیں ہوتا، (ماضی کے معاملہ میں جھوٹی قسم کو یمینِ غموس کہتے ہیں) باقی بچے کے نسب کا انتفاء، اس لئے نہیں ہوگا کہ لعان کے بغیر نکاح کی نسبت منتفی نہیں ہوسکتی، اور لعان کے بغیر نفی پر خاوند بیوی دونوں متفق ہوجائیں تب بھی اولاد کی نسب منتفی نہیں ہوسکتی۔ (ت)

درمختار میں ہے:

من قذف زوجته ونفی نسب الولد منه او من غیره وطالبته بموجب القذف وهو الحد، لاعن فان لاعنت بعده و الاحبست تلاعن او تصدقه فان صدقه لاینتفی النسب لانه حق الولد فلا یصدقان فی ابطاله[1] اھ ملتقطا، واللّٰه تعالٰی اعلم۔

جس نے بیوی پر زنا کی تہمت لگائی یا بچے کے نسب سے انکار کردیا، یا بیوی کے پہلے خاوند سے بچے کے نسب کو اس بچے والدسے منتفی کیا اور بیوی نے قاضی کے ہاں اس پر حد قذف کا دعوٰی کیا تو خاوند نے لعان کیا تو اس کے بعد اگر عورت نے لعان کیا تو بہتر ورنہ بیوی کو قید کیا جائے گا حتی کہ وہ لعان کے لئے تیار ہوجائے یا خاوند کی تصدیق کرے، اور خاوند کی تصدیق کردی تو نسب منتفی نہ ہوگا کیونکہ یہ بچے کا حق ہے لہذا بچے کے حق کو باطل کرنے میں ان دونوں کی بات تسلیم نہ کی جائیگی اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۹۷: ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید نے اپنی منکوحہ سے دو بار کہا کہ "تو میرے نکاح سے باہر ہے بجائے میری ماں بہن کے ہے" آیا اس کی منکوحہ پر طلاق پڑی یا نہیں؟ اور یہ ظہار ہے یا نہیں؟ اور اگر طلاق ہوگئی تو رجعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور بعد رجعت کفارۂ ظہار زوج کو ادا کرنا چاہئے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل نے عندالتفتیش بیان کیا کہ اس نے ایک جگہ جانے کے لئے اپنی زوجہ کو کہا تھا اُس نے

---

[1] درمختار باب اللعان مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۵۱-۵۲

انکار کیا اُس نے اصرار کیا آخر کہا "اگر نہ جائے گی تو میرے نکاح سے باہر ہو جائے گی" اس نے پھر بھی نہ مانا تو کہا "تو میرے نکاح سے باہر ہوگئی، تُو بجائے میری ماں بہن کے ہے" اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جانے کا حکم ہے،

لان اللفظ من الکنایات کقولہ لم یبق بینی و بینك نکاح[1] کما فی الھندیۃ وظاھر انہ لایصلح ردا ولا سبا والحالۃ حالۃ الغضب۔

کیونکہ یہ لفظ کنایات میں سے ہے، جیسا کہ "تیرے اور میرے درمیان نکاح نہیں"، جیسا کہ ہندیہ میں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ لفظ ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتا اور حالت بھی غصہ والی ہے۔ (ت)

اور اب ظہار کا کوئی محل نہیں،

فان الظھار یعتمد الزوجیۃ کما فی الدر المختار وانہ بعد البیونۃ صادق فی بیان الحرمۃ کما فی رد المحتار۔

کیونکہ ظہار نکاح میں ہو سکتا ہے جیسا کہ درمختار میں ہے، اور خاوند طلاق بائنہ کے بعد اپنے بیانِ حُرمت میں سچا ہے جیسا کہ ردالمحتار میں بیان کیا گیا ہے۔ (ت)

تو کفارے کی حاجت نہیں اور صرف رجعت کی صورت نہیں بلکہ نکاح پھر کرے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۹۸: از رچھا تھانہ بہیڑی ضلع بریلی ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے بیٹوں سے ناخوش ہوا اور ان کو علیحدہ کر دیا، لوگ برادری کے جمع ہُوئے کہ اُن کو ایک جگہ جمع کر دیں، باپ یعنی زید کو سمجھانا شروع کیا، اسی اثنا میں زید نے اپنی بی بی کی نسبت کہا کہ مجھ کو اس سے کوئی تعلق نہیں خواہ یہ اپنے لڑکوں میں رہے یا کسی جگہ چلی جائے میں لادعوٰی ہوں مجھ کو اس سے کچھ مطلب نہیں، وُہ برادری کے لوگ جو جمع تھے ان میں سے ایک شخص عمرو نے کہا کہ اے زید! خاموش ہو اپنی زبان کو روک، یہ کیا کہتا ہے، ایسے لفظ نہیں بولتے ہیں۔ زید نے پھر دوبارہ سہ بارہ اُسی طرح سے کہا کہ میں پھر کہتا ہُوں کہ مجھ کو کوئی دعوٰی نہیں جہاں چاہے چلی جائے مجھ کو کچھ تعلق نہیں، غرض جُوں جُوں عمرو اس کو سمجھاتا تھا اُتنا ہی زید ان الفاظ کو بار بار کہتا تھا چار چھ مرتبہ اُن سب کے رُوبرو یہ الفاظ زید نے اپنی زبان سے نکالے، اب زید چاہتا ہے کہ میں بی بی کو اپنے پاس رکھوں، برادری کے بعض لوگ بھی کہتے ہیں کہ زید نے اس وقت غصہ میں کہہ دیا تھا کچھ حرج نہیں ہے اور چاہتے ہیں کہ میاں بی بی کا میل جول کرا دیں، تو فرمائیے کہ اس صورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں؟ اور میاں بی بی کو خلط ملط

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

جائز ہے یا نہیں؟ یا جوبات عنداللہ ہو بیان فرمائیے، بینوا بالصدق والصواب وتوجروا عند اللہ یوم الحساب۔

الجواب

"مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں" کے سوا باقی الفاظ کنایات طلاق سے ہیں ان کے کہنے میں اگر زید نے عورت کو طلاق دینے اور اپنے نکاح سے باہر کردینے کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن ہوگئی، ولایتعدد بالتکرار لان الکنایۃ البائنۃ لاتلحق طلاقا بائنا کما فی البحر والدر وغیرھما۔

اور یہ تکرار کی وجہ سے متعدد طلاقیں نہیں ہوسکتیں، کیونکہ کنایہ والی بائنہ طلاق پہلی بائنہ کو لاحق نہیں ہوسکتی، جیسا کہ بحر اور دُر وغیرہما میں ہے (ت)

اس صورت میں تو عورت کی رضامندی کے ساتھ اُس سے نکاح کرلے اور اگر یہ الفاظ عورت کو طلاق دینے کی نیت سے نہ کہے تھے تو طلاق ہی نہ ہُوئی عورت بدستور اُس کے نکاح میں ہے یہ بات کہ ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تھی یا نہ کی تھی خود زید کے بیان سے معلوم ہوگی عورت اس سے قسم لے کر پُوچھے اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو طلاق کا حکم نہ ہوگا، فی الدر المختار ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ۔[1]

درمختار میں ہے کہ عورت کا گھر میں خاوند سے قسم لے لینا کافی ہے (ت)

اگر زید جھُوٹی قسم کھائے گا تو اُس کا وبال زید ہی پر ہے، عورت الزام سے بری ہے اور اگر زید قسم کھانے سے انکار کردے یا صاف اقرار کردے کہ میں نے وہ الفاظ بہ نیتِ طلاق کہے تھے تو بغیر نکاح جدید کے اُن میں میل جول نہیں ہوسکتا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹۹: از سرولی پرگنہ آنولہ ضلع بریلی محلہ رنگریزاں مرسلہ مسیتن زوجہ وزیر بیگ ۱۱ جمادی الآخرہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجھ مسماۃ مسیتن کو مرزا وزیر بیگ شوہر میرے نے عرصہ دراز سے ہر طرح کی تکلیف دے کر اپنے مکان سے نکال دیا ہے اور میں اپنے باپ کے گھر رہتی ہوں، یہاں تک کہ میں نان شبینہ کو محتاج ہُوں، چنانچہ چند بار میں نے شوہر مذکور سے بابت نان ونفقہ بذریعہ تحریر طلب کیا سو اُس کے جواب میں یہ نوٹس بھیجا جو ہمرشتہ سوال ہذا ہے یقین ہے کہ ملاحظہ سے گزرا ہوگا لہذا اُمیدوار ہُوں کہ برائے عنداللہ بموجب حکم شرع شریف کے اجازت ہو کہ میں اپنا نکاح کسی مرد صالح

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۳

کے ساتھ کر لوں جس سے قوت بسری میری متصور ہو فقط ۔

نقلِ نوٹس : نوٹس بنام مسماۃ مستین دختر خیراتی واضح ہو تم نے چند بار واسطے خرچ کے مجھ کو لکھا کہ مجھ کو خرچ کی سخت ضرورت ہے خوب بات ہے اگر تم بلا اجازت میرے اپنی ماں کے گھر نہ چلی جاتیں تو میں تم کو خرچ کچھ نہ کچھ دیا کرتا اگرچہ میں پہلے ہی تم سے ازحد ناخوش ہوں مگر اب تو میرا بالکل ہی تم سے کچھ تعلق نہیں رہا، مجھ سے تم کسی قسم کی اُمید مت رکھنا بلکہ تم کو اپنی ذات کا اختیار ہو چکا، میں تم سے دست بردار ہوں، زیادہ اور لکھوں فقط، راقم وزیر بیگ از پیاکس ۹ جولائی ۱۹۰۴ء

الجواب

صورت مستفسرہ میں ایک طلاق بائن پڑنے کا حکم دیا جائے گا عورت اپنے آپ کو نکاح سے باہر سمجھے اور روزِ طلاق کے بعد سے تین حیض کامل شروع ہو کر ختم ہو جانے کے بعد اُسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرے،

لان نفی التعلق من بین کنایات التطلیق وکذا دست برداری ولا یحتملان ردا ولا سبّا والحالۃ حالۃ الغضب فیحکم بالوقوع بل اللفظ الباقی ایضا کنایۃ عن التطلیق دون التفویض کما یعلم من یعرف اسالیب التحاور واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ کنایات میں تعلق کی نفی کو طلاق دینا قرار دیا گیا ہے اور یونہی "دستبردار ہونا" کا حکم ہے، یہ دونوں لفظ جواب اور ڈانٹ کا احتمال نہیں رکھتے اور حالت بھی غصہ والی ہے، اس لئے طلاق واقع ہونے کا حکم ہوگا اور اسی طرح باقی الفاظ بھی کنایہ والے ہیں جن سے طلاق ہی مراد ہوتی ہے اور ان سے بیوی کو اختیار دینا نہیں ہوتا جیسا کہ محاورات کے مفہومات کو سمجھنے والا ہر شخص جانتا ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت اور اس کا مرد یعنی خاوند اس کا میاں بی بی میں جھگڑا اور فساد ہُوا اور غصہ تھا اُس غصہ کی حالت میں عورت نے کہا مجھ کو طلاق دے دو، اس کے میاں نے غصہ کی حالت میں تین بار کہا تُو ہماری بہن ہو چکی تُو ہماری بہن ہو چکی تُو ہماری بہن ہو چکی ۔ اس صورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں ؟ جب غصہ اُترا تو خیال کیا یہ ہم نے کیا کہا فقط ۔ یہ واقعہ ہُوا ہے ایک نومبر ۱۹۰۶ء کو، آج پانچواں دن ہے ۔

الجواب

تین طلاق کی اس صورت میں اصلاً گنجائش نہیں،

لانہ ان کان بائنا والبائن لا یلحق البائن

کیونکہ اگر بائنہ ہو تو وہ پہلی بائنہ کو لاحق نہیں ہو سکتی،

وظاھرانہ لیس ظہارالعدم التشبیہ وظاھر کلامھم ان لاطلاق فیہ تامل۔

اور ظاہر یہ ہے کہ ظہار نہیں کیونکہ ظہار میں تشبیہ ہوتی ہے جو یہاں نہیں ہے لہذا فقہاء کرام کا ظاہر قول یہی ہے کہ اس صورت میں طلاق نہ ہوگی، غور کی ضرورت ہے۔ (ت)

احتیاط یہ کہ آپس میں نکاح نئے سرے سے کرلیں، دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۱: از شاہجہانپور محلہ بارو زئی اول ۸ شوال ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ اپنی ساس کی بدمزاجی اور سخت کلامی سے اپنے والدین کے مکان پر چلی آئی زید اس کے شوہر نے جو پردیس میں ملازم ہے ایک خط بقلم خود بذریعہ ڈاک ہندہ کے باپ کے نام لکھا، علاوہ اور کلمات سخت کے یہ بھی لکھا کہ اب آپ عمر بھر لڑکی کو بٹھائے رکھئے اور اب وہ کبھی نہیں بلائی جاوے گی اور اب آپ دیکھیے گا کہ مجھ کو لوگ کیسے لڑکی دیتے ہیں اور اب آپ لڑکی کو اپنے پاس رکھئے اور آپ کی لڑکی میں کیا صفت ہے، اب آپ لڑکی کو بٹھائے رکھئے جب تک جی چاہے، اور میرا اس کا کچھ تعلق نہیں ہے اور اب آپ کی لڑکی کو کوئی نہیں بلائے گا اور میں والد صاحب کو لکھ دوں گا کہ آپ سے کچھ تعلق نہ رکھا جاوے اور نہ لڑکی کو بلایا جاوے اور میری آپ کی خط و کتابت بھی یہیں سے قطع ہوتی ہے اب آپ جواب اس کا نہ دیجئے گا میں نہیں چاہتا، پس یہ کلمات جو زید نے لکھے وہ طلاق تک پہنچے یا نہیں؟

الجواب

ایسے خط سے طلاق نہیں ہوسکتی جب تک زید اس کے لکھنے کا اقرار نہ کرے، پھر بعد اقرار بھی حکم طلاق نہیں ہوسکتا جب تک وہ اس لفظ کے بہ نیتِ طلاق کہنے کا اقرار نہ کرے کہ میرا اس کا کوئی تعلق نہیں، ہاں اگر وہ کہے کہ یہ خط میں نے اور یہ الفاظ بہ نیت طلاق لکھے تھے تو ضرور ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائیگا اور اگر واقع میں اس نے یہ لفظ بہ نیت طلاق لکھے تھے اور اب سکا انکار کرجائیگا تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰۲: از شاہجہان پور محلہ دلدار متصل مسجد کوٹھی بابو سمیع اللہ خاں مرسلہ سید امجد علی صاحب ہیڈ کانسٹبل پنشنر ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

عمرو ایک نوکری پیشہ ہے اور اس کی ایک لڑکی محمودہ اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ رہتی تھی عرصہ تین چار سال ہوا کہ اس کی ماں سوتیلی نے اپنے حقیقی بھائی کی صلاح سے جو محمودہ کا سوتیلا ماموں ہے بلا رضامندیِ عمرو محمودہ جس کی عمر ۱۴ سال تھی کی شادی خالد جو بدچلن لامذہب آدمی ہے سے کردی، دس بارہ یوم میں محمودہ کو جب علم ہوا کہ یہاں پر کوئی کام مطابق شرع نہیں، تب خالد کو فہمائش پابندیٔ نماز کی جس پر

محمودہ کو سخت و سست کہا گیا اور ہر طرح کی تکلیف خورد و نوش اور صوم وصلاۃ کی دی گئی اور آخر کار خالد نے محمودہ کو باپ کے گھر پہنچا دیا، کچھ عرصہ بعد والدہ و نانی خالد کی آئیں اور خدا اور رسول کو درمیان میں ڈال کر اور اقرار اس بات کا کر کے کہ اب لڑکی کو تکلیف نہ ہوگی اور اس کو ناخوش نہ رکھا جائے گا محمودہ کو رخصت کرا لے گئیں، دس پندرہ یوم تک محمودہ وہاں رہی، مگر قسم اور اقرار کی پابندی نہ دیکھ کر وہ میکہ چلی آئی غرضیکہ اس عرصہ چار سال میں چار پانچ مرتبہ ایسا ہی اتفاق ہوا، آخر مرتبہ خالد کے باپ نے حلف لیا اور ذمہ دار ہوا اور لڑکی کو رخصت کرالے گیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد خالد نے محمودہ سے بات چیت کرنا گھر میں آنا چھوڑ دیا اور بالآخر زیور و کپڑا اتار کر یہ کہہ کر کہ اب عمر بھر کو جاؤ ہم سے کوئی واسطہ اور تعلق نہیں اس کو میکے میں پہنچا دیا اور ایک جماعت کثیر کے جلسہ میں جس میں چند اصحاب نمازی اور پابند صوم وصلوٰۃ موجود تھے کہا کہ ہم نے اب در بہی پھونک دیا اور مجھ سے و محمودہ سے کوئی تعلق نہیں رہا اور جب سے اب تک کوئی خبر گیری نہ لی۔

الجواب

لوگ بہت گول سوال کرتے ہیں کچھ نہ بتایا کہ نکاح کے وقت محمودہ بالغہ تھی یا نابالغہ، چودہ سال کی عمر میں دونوں باتیں محتمل ہیں، اگر عارضہ ماہواری آتا ہو بالغہ ہے ورنہ نابالغہ، یہ نہیں بتایا گیا کہ اگر بالغہ تھی تو اس کا اذن لیا گیا یا نہیں، اور نابالغہ تھی تو باپ نے اس نکاح کو سن کر کیا کہا اور یہ رخصت کس کی اجازت سے ہوئی۔ جب تک ان باتوں کی تفصیل نہ بتائی جائے حکم متعین نہیں ہوسکتا، اور ہر شق کا حکم بتانا خلاف مصلحت شرعیہ ہے، تقریر سوال سے ظاہر ہے کہ نکاح کو صحیح مان کر طلاق کی نسبت استفسار ہے کہ ان لفظوں سے ہوئی یا نہیں، اگر وہ واقعی لامذہب ہے بایں معنی کہ زندیق و دہریہ ہے کوئی دین نہیں رکھتا یا بایں معنی کہ وہابی غیر مقلد ہے جب تو نکاح ہی نہ ہوا طلاق کیسی، اور اگر بایں معنی کہا کہ دین کے احکام پر قائم نہیں، ہر قسم کے لوگوں سے میل جول ہے، تو اگر نکاح صحیح فرض کرلیا جائے جس کی حقیقت بغیر امور مذکورہ کے واضح نہ ہوگی تو طلاق کی نسبت اتنا جواب ہے کہ یہ الفاظ کنایہ ہیں طلاق اس کی نیت پر موقوف ہے، اگر بہ نیت طلاق کہے ایک طلاق بائن ہوگئی، عورت نکاح سے نکل گئی ورنہ نہیں، اور نیت ہونے نہ ہونے میں مرد کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہے، کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۳: از رانچی محلہ اوپر بازار مرسلہ جناب عبدالرب ۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

شوہر نے اپنی بی بی سے کہا کہ مجھ سے اور تجھ سے کوئی سروکار واسطہ نہیں میں نے تجھ کو چھوڑ دیا

بعد کہنے ان الفاظ کے تفرقہ و قطع تعلق کیا بعد زمانہ ڈیڑھ دو سال کے دوسرے مرد نے اس عورت سے نکاح کرنا چاہا بعض نے کہا کہ اسے شوہر نے طلاق نہیں دیا ہے، شوہر سے پوچھا کہ تم نے طلاق دی ہے یا نہیں، اُس نے بیان کیا کہ ڈیڑھ دو سال سے میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور کوئی واسطہ و سروکار نہیں ہے اور وُہ داخل طلاق ہے اور طلاق ہی جانئے، سوال یہ ہے کہ واسطہ و سروکار نہیں اور میں نے اُسی کو چھوڑ دیا ہے، طلاق بالکنایہ محتاج نیت و دلالت حال کی ہے، عرصہ ڈیڑھ دو برس سے باہمی تفرقہ و قطع تعلق رکھنا موافق قولِ ثانی امام محمد کے جو مختار سغدی ہے دلیل اوپر نیت طلاق کے ہے تیسرا جملہ داخل طلاق یا طلاق ہی جانیے صریح ہے، پس وقوعِ طلاق مسند زمان ماضی اندر عدت ڈیڑھ دو سال کے ثابت ہے یا نہیں اور انقضائے عدت زمانہ وقوعِ طلاق سے عرصہ ڈیڑھ دو سال کے اندر موافق روایات فقہیہ متعلق ہے یا نہیں، اور یہ دوسرا نکاح بعد ڈیڑھ دو سال کے صحیح ہُوا یا نہیں، زید بسند کتبِ معتبرہ فقہیہ ہدایہ و بحر و فتح وغیرہ ثابت کرتا ہے کہ جب وقوعِ طلاق باسناد و سند زمان ماضی متعلق ہے اور طلاق سبب عدت ہے تو عدت اندر ڈیڑھ دو سال کے گزر گئی نکاح دوسرا صحیح ہے بکر کہتا ہے کہ نہیں بلکہ وقتِ اقرار سے عدت محسوب ہوگی یہ دوسرا نکاح باطل ہے بلکہ تمتع فیما بین داخلِ زنا، پس قول بکر کا صحیح ہے یا زید کا؟

الجواب

"مجھ کو تجھ سے کوئی سروکار نہیں" یہ تو الفاظِ طلاق سے ہی نہیں،

کقولہ لاحاجۃ لی فیک لا اشتھیک[1] کما نص علیہ فی العلمگیریۃ وغیرھا۔

جیسا کہ خاوند کہے "مجھے تجھ میں حاجت نہیں، تجھ میں میری خواہش نہیں ہے، جیسا کہ عالمگیری وغیرہ میں اس پر نص موجود ہے (ت)

"مجھ سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں" یہ ضرور کنایاتِ طلاق سے ہے کقولہ لم یبق بینی و بینك شیئ[2] (جیسا کہ یُوں کہے میرے اور تیرے درمیان کچھ نہیں ہے۔ ت) اور "میں نے تجھ کو چھوڑ دیا" یہ لفظ صریح ہے کما بیناہ فیما علقناہ علی ردالمحتار (جیسا کہ ہم نے ردالمحتار کے حاشیہ میں اس کو بیان کر دیا ہے۔ ت) اب اگر اُس نے ان لفظوں سے کہ "مجھ سے تجھ سے کوئی واسطہ نہیں" طلاق کی نیت کی تھی تو دو طلاقیں بائن ہوگئیں،

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الخامس فی الکنایات نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۷۵

[2] " " " " " " ۲/۳۷۶

فان الصریح یلحق البائن والرجعی اذا جامعہ البائن جعلہ بائنا لامتناع الرجعۃ۔

کیونکہ صریح بائن کو لاحق ہوتی ہے اور صریح اور بائن جمع ہوجائیں تو بائنہ صریح کو بائنہ بنا دیتی ہے کیونکہ رجوع نہیں ہوسکتا۔ (ت)

اور اگر اُس سے طلاق کی نیت نہ کی ہو تو ایک طلاق رجعی ہُوئی اگرچہ دوسرے لفظ سے بھی نیت نہ کی ہو۔

لان الصریح لایحتاج الی النیۃ ولتاخرہ عن الکنایۃ لم یکن قرینۃ علی نیۃ الطلاق بہا۔

کیونکہ صریح طلاق نیت کی محتاج نہیں ہوتی، چونکہ صریح طلاق یہاں کنایہ کے بعد ہے لہذا کنایہ کے وقت نیتِ طلاق کا قرینہ موجود نہ تھا۔ (ت)

عالمگیریہ میں محیط سے ہے:

لوقال لہا بینی فانت طالق فہی واحدۃ اذا لم ینو بقولہ بینی طلاقا[1]۔

اگر خاوند کہے "تو جُدا ہو تجھے طلاق" تو یہ ایک طلاق ہے، اگر اُس نے "تو جُدا ہو" سے طلاق کی نیت نہ کی ہو۔ (ت)

فتاوٰی خیریہ میں ہے:

قال لامرأتہ فی حال الغضب روحی طالق یقع واحدۃ رجعیۃ وان نوی الاکثر اوالابانۃ اولم ینوشیئا لانہ صریح اذ الکنایۃ ما تحتمل الطلاق ولایکون الطلاق مذکورا ایضا کما صرح بہ قاضی خاں فی الکنایات، وھنا الصریح مذکور[2]۔

خاوند نے بیوی کو غصہ میں کہا "میری روح طلاق والی ہے" تو ایک طلاق رجعی ہوگی اگرچہ وُہ زیادہ طلاقوں کی یا بائنہ کی نیت کرے یا کوئی نیت نہ کرے ہر طرح ایک رجعی ہوگی، کیونکہ یہ صریح ہے اور کنایہ وُہ ہوتی ہے جس میں طلاق کا احتمال ہو اور طلاق کا ذکر بھی نہ ہو جیسا کہ اس کو قاضی خاں نے کنایات کے باب میں ذکر کیا ہے جبکہ یہاں صریح طلاق مذکور ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

انہ مذکور بعدہ والقرینۃ لابد ان تتقدم کما یعلم مما مر

یہ بعد میں مذکور ہے جبکہ قرینہ کے لئے ضروری ہے کہ وُہ پہلے ہو، جیسا کہ پہلے اعتدی (تو عدت

---

[1] فتاوٰی ہندیہ — الفصل الخامس فی الکنایات — نورانی کتب خانہ پشاور — ۱/۳۷۷

[2] فتاوٰی خیریہ — کتاب الطلاق — دارالمعرفۃ بیروت — ۱/۵۴ و ۵۵

فی اعتدی ثلثا[1]

پُوری کر) تین مرتبہ کہنے کے متعلق معلوم ہوچکا ہے۔(ت)

اُسی میں ہے:

لایقع بالاول شیئ لانہ لم ینوبہ ودلالۃ الحال وجدت بعدہ[2] **اقول** وفیما ذکر فی الخیریۃ نوع مخالفۃ لما مرعن المحیط والظاھر مافی المحیط وعبارۃ الخانیۃ الکنایۃ ما تحتمل الطلاق ولایکون الطلاق مذکورا نصا[3] اھ فانما معناہ لایکون نصا فی الطلاق کیف وقد قال فیھا لوقال انت طالق فاعتدی وقال عنیت بہ العدۃ صحت نیتہ وان عنی بہ تطلیقۃ اخری اولم ینو شیئا فھی تطلیقۃ اخری وکذٰلک واعتدی اوقال اعتدی بغیر حرف العطف[4] فقد اوقع بالکنایۃ اخری عند النیۃ مع وجود الصریح وانما لم یحتج الی النیۃ لتقدم الصریح فکان من المذاکرۃ بخلاف مانحن فیہ فانہ کقولہ بینی فانت طالق واللہ تعالٰی اعلم۔

کنایہ پہلے ہو تو اس سے کوئی طلاق نہ ہوگی جبکہ نیتِ طلاق نہ ہو، کیونکہ ایسی صورت میں نیت اور دلالت دونوں نہ پائے گئے، اور دلالت اگرچہ ہے مگر بعد میں ہے جو کہ قرینہ نہیں بن سکتی **اقول** (میں کہتا ہوں) خیریہ میں جو مذکور ہے وہ محیط سے منقول کے کچھ خلاف ہے جبکہ ظاہر وہی ہے جو محیط میں ہے، خانیہ کی عبارت یوں ہے کہ کنایہ وہ جو طلاق کا احتمال رکھے اور صراحۃً طلاق مذکور نہ ہو اھ، جبکہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ طلاق میں نص نہ ہو، یہ کیونکر نہ ہو جبکہ انھوں نے خانیہ میں فرمایا کہ اگر خاوند بیوی کو کہے "تو طلاق والی ہے پس تُو عدت پُوری کر" اور پھر کہے کہ میں نے فاعتدی (پس تُو عدت پُوری کر) سے عدت مراد لی ہے، تو اس کی نیت صحیح ہوگی، اور اگر کہے کہ میں نے اس سے دوسری طلاق مراد لی ہے یا کہے کہ میں نے کوئی نیت نہیں کی، تو یہ دوسری طلاق شمار ہوگی، اور یُونہی اگر "و" عطف کے ساتھ یا بغیر عطف واعتدی اور اعتدی کہے تو بھی یہی حکم ہے، تو یہاں اس بیان میں انھوں نے "اعتدی" کے کنایہ سے نیت کے ساتھ دوسری طلاق باوجودیکہ اس سے پہلے صریح طلاق مذکور ہے، واقع ہونا تسلیم کیا ہے، تو بلاشک کنایہ میں نیت کی ضرورت نہ ہوگی جہاں صریح طلاق پہلے مذکور ہو تاکہ وہ مذاکرہ طلاق بن سکے، اس کے برخلاف جو ہم بیان کررہے ہیں اس میں کنایہ پہلے اور صریح بعد میں ہے

---

[1] رد المحتار باب الکنایات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۴

[2] " " " " ۲/۴۶۷

[3] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی الکنایات والمدلولات نولکشور لکھنؤ ۲/۲۱۶

[4] " " " " ۲/۲۱۷

لہذا وہ "تو جُدا ہو تجھے طلاق ہے" کی طرح ہے، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

وقتِ اقرار سے عدت معتبر ہونا کہ برخلاف ائمہ اربعہ وجمہور صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین فتوائے متاخرین ہے صرف محل تہمت میں ہے اور وہ بھی وہاں کہ طلاق صرف اقرار سے ثابت ہو اگر پہلے سے معلوم ہے تو بلاشبہہ بالاجماع وقت طلاق ہی سے عدت ہے، یُوں ہی اگر پہلے سے طلاق کا ثبوت نہیں مگر جس وقت سے طلاق دینا بیان کرتا ہے جب سے زوجہ کو جُدا کر دیا ہے تو اس صورت سے بھی فتوائے متاخرین متعلق نہیں، اور یہاں یہ دونوں باتیں موجود ہیں طلاق قبل اقرار ثابت ہے اور اُس وقت سے وُہ اسے جُدا بھی کرچکا تو یہاں وقت اقرار سے عدت لینا صراحۃً باطل وخلاف اجماع ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر ظاھر کلام محمد فی المبسوط وعبارۃ الکنز اعتبارھا من وقت الطلاق الا ان المتاخرین اختاروا وجوبھا من وقت الاقرار حتی لا یحل له التزوج باختھا واربع سواھا زجرا له حیث کتم طلاقھا، وھو المختار کما فی الصغرٰی اھ ووفق السغدی بحمل کلام محمد علی ما اذا کان متفرقین من الوقت الذی اسند الطلاق الیه، اما اذا کان مجتمعین فالکذب فی کلامھما ظاھر فلا یصدقان فی الاسناد، قال فی البحر وھذا ھو التوفیق ان شاء اللہ تعالٰی وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفۃ للائمۃ الاربعۃ وجمھور الصحابۃ والتابعین وحیث کانت مخالفتھم للتھمۃ فینبغی ان یتحری به محالھا والناس الذین ھم مظانھا، ولھذا فصل السغدی بما مر اھ ملخصاو

بحر میں فرمایا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کا مبسوط میں ظاہر کلام اور کنز کی عبارت میں ہے کہ عدت کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہے مگر متاخرین نے اس میں اقرار کے وقت سے عدت کا وجوب مانا ہے اس لئے اس کو بیوی کی بہن اور اس کے ماسوا زائد چار عورتوں سے نکاح حلال نہ ہوگا جب تک اقرار کے بعد مکمل عدت پُوری نہ ہوجائے، متاخرین کا یہ حکم طلاق کو چھپانے کی سزا کے طور پر ہے اور یہی مختار ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اھ، اور سغدی نے امام محمد اور متاخرین کے کلاموں میں موافقت پیدا کرتے ہُوئے یُوں کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا محل یہ ہے کہ جب خاوند اور بیوی بیان کردہ وقتِ طلاق سے علیحدگی اختیار کرچکے ہوں اور اگر وُہ دونوں اس وقت سے اب اقرار تک اکٹھے رہ رہے ہوں تو پھر طلاق کے لئے بیان کردہ وقت میں دونوں کا جھوٹ ظاہر ہے اس لئے وقت بیان میں تصدیق نہ کی جائے گی (اور اقرار کے وقت سے ہی

اقرہ فی البحر والنھر[1] عدت شمار ہوگی) اور بحر میں فرمایا یہ موافقت درست ہے ان شاء اللہ تعالٰی۔ اور فتح میں ہے کہ متاخرین کا فتوٰی ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ کرام اور تابعین کے قول کے مخالف ہے، تو یہ مخالفت تہمت کے مقام میں ہے، تو بہتر ہے کہ اس کی وجہ معلوم کرنے کے لئے سوچ بچار سے کام لیا جائے، اور لوگوں میں ایسے واقعات موجود ہیں اسی لئے سغدی نے اس کی تفصیل بیان کی ہے جو گزرچکی اھ ملخصًا اور اس کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے۔ (ت)

ڈیڑھ دو سال میں اگرچہ ذوات الحیض کی مدت کا انقضا لازم نہیں فقد تکون ممتدۃ الطھر (کیونکہ کبھی لمبے طُہر والی ہوتی ہے۔ ت) مگر شک نہیں کہ اتنی مدت انقضائے عدت کے لئے کافی ضرور ہے کہ امام کے نزدیک کم از کم دو مہینے اور صاحبین کے ہاں انتالیس[39] دن میں تین حیض گزر سکتے ہیں اور عورت کا نکاح پر اقدام انقضائے عدت کا اقرار تو صحت نکاح میں کوئی شبہہ نہیں جب تک کہ عورت کا اس اقرار میں کذب شرعًا نہ ثابت ہو یُوں کہ طلاق سے مثلًا ڈیڑھ برس بعد نکاح کیا اور اُس نکاح کو چھ مہینے اور طلاق کو دو برس گزرنے سے پہلے بچہ پیدا ہوا کہ اس صورت میں صاف ظاہر ہُوا کہ عدت نہ گزری تھی، بدائع و بحر و درمختار وغیرہا میں ہے:

اقدامھا علی التزوج دلیل انقضاء عدتھا[2] بیوی کا نکاح کے لئے اقدام اس کی عدت ختم ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے (ت)

بالجملہ قول بکر غلط محض ہے اور حاصل قول زید کا اُس وجہ پر کہ ہم نے تقریر کی ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰: سائل مذکور الصدر بتاریخ مذکور

اسی مسئلہ کے متعلق بکر بزورِ طبع زید کو ترغیب عزت و احترام دنیاوی دلاکر کہتا ہے کہ تم اس مسئلہ میں اقرار شبہہ کا اقرار کرو تو ہم بمقابلہ عوام تمہاری عزت دُونی کرادیں گے اگر کوئی اعتراض کرے گا تو صدہا غلطیاں و شبہات خلفائے راشدین و ائمہ مجتہدین پیش کرکے لوگوں کو سرنگوں کردیں گے وبصورت عدم اقرار شبہہ بدعتی کا حکم لگادیں گے، غور فرمایا جائے کہ بمقابلہ عوام کے خواص کی غلطیاں دکھلانا ایک جزئی مسئلہ میں توہین خواص متصور ہے یا نہیں؟ اور ایک مسلمان کو بدعتی کہنا کیسا ہے؟

---

[1] ردالمحتار باب العدۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۰

[2] بحرالرائق " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۴۷

الجواب

بکر نے جو حکم لگایا تھا کہ یہ نکاح نہ ہُوا اور تمتع زنا ہوگا یہ شریعتِ مطہرہ پر اُس کا افترا تھا، اُسی پر اپنی خطا کا اقرار لازم ہے، اگر اصرار کرے تو وہی بدعتی ہے کہ احکامِ شریعت کو نہیں مانتا اور اپنے گھڑے حکم پر جما ہے اس وقت تک اگر اُس کا افترا نادانستہ تھا اور اب جان کر مُصر ہوگا تو قصداً مفتری علی اللہ ہوگا۔ اور اللہ عزّ وجل فرماتا ہے:

انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون[1] جھوٹا افترا وہ لوگ بناتے ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون[2] بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھُوٹ افترا بازی کرتے ہیں وُہ فلاح نہیں پائیں گے۔ (ت)

اُس کا یہ طمع کی رشوت دینا کہ ہم تمھاری عزّت بڑھادیں گے ناپاک و مردود ہے، عزت سب اللہ کے ہاتھ ہے،

ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا[3] کیا وُہ ان کے ہاں عزّت چاہتے ہیں تو عزّت ساری کی ساری بیشک اللہ تعالٰی کیلئے ہے (ت)

دانستہ حق کو باطل کہنا اور حق سے رجوع کرکے اس میں اپنا شُبہہ بتانا موجبِ عزت نہیں دارین میں سخت ذلّت کا باعث ہے، خلفائے راشدین و ائمہ مجتہدین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے کبھی رجوع عن الحق نہ فرمائی ان کا اس طرح ذکر بلاشبہہ توہین ہے بکر بے ادب مختل الدین ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۰۵: از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ عقب تھانہ مرسلہ عصمت اللہ خاں قادری ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

مسماۃ مجیدن جس کی عمر قریب ۹ سال کے تھی اس کا نکاح اُس کی پھُپھی کے لڑکے رحیم خاں سے ہوا، کبھی میل جول عورت مرد کا جیسا ہونا چاہئے نہ ہُوا، اس وقت مجیدن کی عمر قریب ۱۳ سال کے ہے اُس کے شوہر نے گاؤں میں مشہور کیا کہ وُہ مرد نہیں ہے نہ عورت کے قابل، چند آدمی اپنے رشتہ دار اور غیر لوگوں

---

[1] القرآن ۱۶/ ۱۰۵
[2] القرآن ۱۰/ ۶۹
[3] القرآن ۴/ ۱۳۹

اور اپنی ساس سے یہ کہا کہ میں کسی قابل نہیں ہُوں میں جواب دے دُوں گا میرے چھوٹے بھائی سے اس کا عقد کردو یہ میری بیوی نہیں ہے بلکہ ماموں زاد بہن ہے۔ اس پر اُس کی ساس بہت ناخوش ہُوئی، اب اُس سے جواب کے لئے کہا جاتا ہے وہ انکار کرتا ہے، کبھی کہتا ہے میں اب مرد ہوگیا، کبھی لوگوں سے کہا میں اس عورت کی ناک کاٹ لُوں گا۔ یہ عورت اُس کے گھر جانا نہیں چاہتی نہ اس کی ماں اُس کو بھیجنا چاہتی ہے بلکہ دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی ہے۔ آیا وہ عورت اب بلا طلاق لئے دوسری جگہ اُس کا نکاح کر سکتی ہے؟

الجواب

اُس کا کہنا کہ میں کسی قابل نہیں اور یہ کہ میں جواب دے دوں گا، اور یہ کہ میری بی بی نہیں، اور یہ کہ ماموں زاد بہن ہے، ان میں سے کوئی لفظ کلمۂ طلاق نہیں البتہ اس کا یہ لفظ کہ "فلاں سے اس کا عقد کر دو" کنایۂ طلاق ہو سکتا ہے،

علی معنی زوجوھا فلانا لانی طلقتھا کما قال ش فیمن زوج امرأتہ من غیرہ موجھا لمن قال ان نوی طلقت لعل وجھہ ان قولہ زوجتك امرأتی فلانۃ یحتمل ان یکون علی تقدیر ان صح تزویجھا منك او تقدیر لانھا طالق منی فاذا نوی الطلاق تعین الثانی فتطلق[1] اھ۔

"اس کا نکاح فلاں سے کردو کیونکہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے" کے مطابق ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے ماتن کے قول "جس نے اپنی بیوی کا نکاح دوسرے سے کردیا" کے متعلق جس نے کہا اگر طلاق کی نیت کی ہو طلاق ہوجائیگی اس قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا خاوند کا کہنا کہ "میں نے اپنی فلاں بیوی کا تجھ سے نکاح کیا" اُس میں ایک احتمال یہ ہے کہ تجھ سے نکاح کیا اگر تجھ سے نکاح کرنا جائز ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے تجھ سے نکاح کیا کیونکہ میں نے اس کو طلاق دے رکھی ہے، تو جب طلاق کی نیت سے کہے تو صرف دوسرا احتمال مراد ہوگا، اس لئے طلاق ہوجائے گی اھ (ت)

رحیم خاں سے قسم لی جائے کہ تُو نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی تھی یا نہیں، اگر قسم کھالے گا کہ میں نے اس لفظ سے طلاق مجیدن کی نیت نہ کی تھی طلاق ثابت نہ ہوگی دوسری جگہ نکاح حرام محض ہوگا اور اگر قسم کھانے سے انکار کردے گا تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور عورت اُسی وقت سے جب سے

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۶۴

یہ الفاظ اُس نے اپنی ساس سے کہے تھے نکاح سے باہر سمجھی جائے گی پھر اگر خلوت اصلاً نہ ہُوئی جب تو عورت وقتِ طلاق ہی سے نکاح ثانی کی محل ہوگئی اور اگر خلوت ہُوئی اگرچہ جماع نہ کرسکا تو اگر جب سے اب تک عدت یعنی بعد طلاق تین حیض شروع ہوکر ختم ہوگئے تو اب ورنہ جب ختم ہوں دوسرے سے نکاح ہوسکتا ہے اور اگر رحیم خاں نہ ملے کہ اُس پر قسم رکھی جاتی تو طلاق ثابت نہیں نکاح حرام ہوگا قال اللہ تعالٰی والمحصنٰت من النساء[1] (اللہ تعالٰی نے فرمایا، اور شادی شدہ عورتیں حرام ہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۶: از چھپرا محلہ نئی بازار تربنہ مرسلہ حاجی عبدالرزاق صاحب یکم شعبان ۱۳۳۶ھ

زید نے بارہا اپنی بی بی کو غصہ کی حالت میں کہا تم ہمارے سامنے و نظر سے دُور ہوجاؤ جب وہ سامنے سے دُور نہیں ہوتی اس وقت وہ جوتا لے کر دوڑتا ہے تب وہ سامنے سے علیحدہ ہوجاتی ہے، آیا طلاق عائد ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر اس نے بہ نیتِ طلاق یہ الفاظ کہے تو طلاق نہ ہُوئی، اور اگر ایک بار بھی بہ نیتِ طلاق کہے تو طلاق ہوگئی عورت نکاح سے نکل گئی مرد سے قسم لی جائے اگر حلف سے کہہ دے کہ میں نے یہ لفظ کبھی بہ نیت طلاق نہ کہے تو حکمِ طلاق نہ دیں گے، اگر جھوٹی قسم کھائے گا وبال اُس پر ہے، یہ قسم حاکم کے سامنے ہونا ضرور نہیں عورت گھر میں قسم لے سکتی ہے۔ درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ[2] واللہ تعالٰی اعلم۔ عورت کا خاوند سے گھر میں قسم لے لینا کافی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۰۷: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تقریباً ۱۱ سال کا ہُوا میری شادی کو ہُوئے، میرے شوہر نے مجھ کو تین چار بار اپنے مکان سے نکال دیا، برادر جمع ہُوئے اور مجھ کو میرے شوہر کے یہاں پہنچا دیا، اور پھر چند عرصہ کے بعد میرے شوہر نے مجھ کو اپنے مکان سے باہر نکال دیا اور کہہ دیا کہ "تو نکل جا، آج سے مجھ سے اور تجھ سے کسی قسم کا کچھ تعلق نہیں"۔ اب عرصہ چھ سال سے اپنے والدین کے مکان پر ہوں، برادران نے دو شخص مقرر کئے وہ بتاریخ ۲ شوال ۱۳۳۶ھ یوم جمعہ کو میرے شوہر کے مکان پر گئے اور انھوں نے یہ لفظ میرے شوہر سے کہے کہ تمھاری بی بی بہت تکلیف میں ہے اور وہ تمھارے

---

[1] القرآن ۴/ ۲۵

[2] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۲۴

پاس آنا چاہتی ہے اس پر میرے شوہر نے یہ جواب دیا کہ "وہ میری بی بی تو اُسی تاریخ سے نہیں رہی جب سے وُہ گئی ہے اور اُسی تاریخ سے چھوڑ چکا ہوں صرف اس کو پریشان کرنے کے واسطے چھوڑ رکھا ہے۔" اب کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں اپنے شوہر کی زوجیت میں رہی یا نہیں؟

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں عورت پر ایک طلاق بائن ہوگئی اور وُہ اس کی زوجیت سے نکل گئی، اگر اُس روز سے آج تک جسے سائلہ چھ سال کا عرصہ بتاتی ہے اسے تین حیض شروع ہوکر ختم ہوگئے ہوں جیسا کہ ظاہر یہی ہے اس صورت میں اُسے اختیار ہے جس سے چاہے نکاح کرلے، اور اگر شاید ابھی تین حیض نہ ہوئے ہوں تو جب ہوجائیں اُس وقت اُسے دُوسرے سے نکاح جائز ہوگا اس لئے کہ وہ چھ برس سے طلاق دینے کا مقر ہے اور وُہ دونوں اُسی وقت سے جُدا ہیں تو عدت جبھی سے لی جائے گی۔ ردالمحتار میں ہے:

قال فی البحر وظاھر کلام محمد فی المبسوط وعبارۃ الکنز اعتبارھا من وقت الطلاق الاان المتاخرین اختاروا وجوبھا من وقت الاقرار حتی لایحل لہ التزوج باختھا واربع سواھا زجرالہ حیث کتم طلاقہا وھو المختار کما فی الصغری اھ ووفق السغدی بحمل کلام محمد علی ما اذا کان متفرقین من الوقت الذی اسند الطلاق الیہ اما اذا کانا مجتمعین فالکذب فی کلامھما ظاھر فلا یصدقان فی الاسناد قال فی البحر وھذا ھو التوفیق ان شاء اللہ تعالٰی وفی الفتح ان فتوی المتاخرین مخالفۃ للائمۃ الاربعۃ و

بحر میں فرمایا کہ مبسوط میں امام محمد کا ظاہر کلام اور کنز کی عبارت میں ہے کہ عدت کا اعتبار طلاق کے وقت سے ہے مگر متاخرین نے اس میں اقرار کے وقت سے عدت کا وجوب مانا ہے اس لئے ایسے شخص کو بیوی کی بہن اور اس کی بیوی کے ماسوا چار عورتوں سے نکاح حلال نہ ہوگا جب تک اقرار کے بعد مکمل عدت پُوری نہ ہوجائے، متاخرین کا یہ حکم طلاق کو چھپانے کی سزا کے طور پر ہے، اور یہی مختار ہے جیسا کہ صغرٰی میں ہے اھ، اور سغدی نے امام محمد اور متاخرین کے کلاموں میں موافقت پیدا کرتے ہوئے کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے کلام کا محمل یہ ہے کہ جب خاوند وبیوی بیان کردہ وقتِ طلاق سے علیحدگی اختیار کرچکے ہوں، اور اگر وُہ دونوں اس وقت سے وقتِ اقرار تک اکٹھے رہ رہے ہوں تو دونوں کا جھوٹ ظاہر ہے لہذا وقت کے بیان میں دونوں کی تصدیق نہ کی جائے گی (اور اقرار کے وقت سے ہی عدت شمار ہوگی)

جمهور الصحابة والتابعين رضی اللہ تعالٰی عنهم وحیث کانت مخالفتهم للتهمة فینبغی ان یتحری به محالها والناس الذین هم مظانها ولهذا فصل السغدی بما مر اھ واقرہ فی البحر والنهر[1] اھ اقول وانما اسند الامر الی اقرارہ لان قوله نکل جا یحتمل الرد کما نصوا علیه وقوله تعلق نہیں یحتمل السب کما حققناہ فی جد الممتار والحال حال الغضب فلا یحکم بالطلاق الا اذا اقر بالنیة وچھوڑنا من الصریح بلساننا فان کان قوله اُسی تاریخ سے الخ راجعا الی ذینك اللفظین کان اقرارا بالنیة فالعدة منذ ذاك بالاجماع وان فرض علی خلاف الظاهر صرفه عن الکلام المعروف الی کلام باطن مجهول او جعل اقرارا کاذبا کان انشاء مستندا فالعدة منذ ذاك بحکم التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

بحر میں فرمایا دونوں کلاموں میں یہ توفیق ان شاء اللہ درست ہے، اور فتح میں ہے کہ متاخرین کا فتوٰی ائمہ اربعہ، جمہور صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مخالف ہے اور متاخرین کا یہ فتوٰی مقام تہمت کے لئے ہے، لہذا مناسب ہے کہ موقع محل کے متعلق سوچ بچار سے کام لیا جائے اور لوگوں میں ایسے واقعات پائے جاتے ہیں، اسی لئے سغدی نے اس کی تفصیل واضح کرتے ہوئے مذکورہ موافقت بیان کی ہے اھ، اور اس کو بحر اور نہر میں ثابت رکھا ہے اھ اقول (میں کہتا ہوں) اور خاوند کے اقرار سے حکم متعلق اس لئے ہوگا کہ خاوند کا کہنا "نکل جا" جواب بننے کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر نص کی ہے، اور خاوند کا کہنا "تعلق نہیں" ڈانٹ کا احتمال رکھتا ہے جیسا کہ ہم نے جد الممتار حاشیہ رد المحتار میں تحقیق کی ہے جبکہ حالت بھی غضب والی ہے تو اس وقت تک طلاق کا حکم نہ ہوگا جب تک طلاق کی نیت کا اقرار نہ کرے، اور لفظ "چھوڑنا" ہماری زبان میں صریح طلاق ہے، اس لئے خاوند کا کہنا "اُسی تاریخ سے الخ"، اگر پہلے دونوں لفظوں کی طرف راجع ہو تو یہ نیت طلاق کا اقرار قرار پائے گا لہذا عدت کا شمار بالاجماع اسی تاریخ سے ہوگا، اور اگر اس کی بات کو معروف معنی کے بجائے مجہول اور مخفی معنی کی طرف پھیرا جائے یا اقرار کو جھوٹ قرار دیا جائے اگرچہ یہ خلافِ ظاہر ہے تاہم یہ انشاء ہوگا اور اس وقت کا اعتبار ہوگا لہذا عدت یہاں سے شمار ہوگی جیسا کہ موافقت کی صورت میں ذکر ہوا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۱۰

مسئلہ ۳۰۸: از ریاست رامپور محلہ شاہ آباد دروازہ مسئولہ سید نادر علی صاحب
۲۸ ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ

زید نے اپنی منکوحہ کو بوجہ زبان درازی مارا، اس پر اور زیادہ بد کلامی اور گفتگو ناشائستہ کرنی چاہی، زید نے اور سختی کی، اور یہ لفظ مجبور ہو کر منکوحہ سے کہا کہ چلی جا۔ اس واقعہ کے وقت زید کے رشتہ کے بہنوئی موجود تھے، لفظ "چلی جا" سُن کر زید سے کہا کہ اب تمہارا نکاح کب رہا، اس پر زید کو اور زیادہ غیظ بڑھا جو انتہا درجہ پر شمار کیا جائے اور کوئی نشیب وفراز کا خیال نہ کیا اسی حالتِ غیظ میں اپنے بہنوئی کی طرف مخاطب ہو کر چونکہ وہ اس کے پاس کھڑا تھا لفظ طلاق چند بار جس کی تعداد پورے طور پر یاد نہیں کہا اور یہ بھی کہا کہ "آزاد کیا"، ان لفظوں کی ادائیگی زید نے متوجہ کر کے یا مخاطب ہو کر اپنی منکوحہ سے نہ کہے بلکہ اس وقت زید کا فاصلہ اپنی منکوحہ سے آٹھ سات قدم کا تھا اور منکوحہ زید کے رُوبرو نہ تھی اور اس کا ایجاب وقبول نہ ہُوا۔ ایسی صورت میں نکاح جائز رہا یا باطل ہوا؟ اور زید کی منکوحہ ۵ ماہ کی حاملہ بھی ہے، لہٰذا یہ مسئلہ علمائے دین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ آپ صاحبان اپنی مُہر ودستخط سے مزیّن فرمائیں۔

الجواب

زید نے جو لفظ "طلاق طلاق" چند بار کہا اگر اس سے اپنی زوجہ کو طلاق دینی مقصود تھی تو تین طلاقیں ہوگئیں، بے حلالہ اُس کے نکاح میں نہیں آسکتی،

لانہ ان ثلث فذاک وان ثنی فثالثھما قولہ آزاد کیا لانہ لایحتمل ردا ولا سبا وقد صارت الحال حال المذاکرۃ لانہ قالہ لمدخولہ طلاق طلاق کما ذکرہ السائل والاضافۃ فی السابق اضافۃ فی اللاحق کقولہ طلقتک طلقتک۔

کیونکہ اگر تین مرتبہ طلاق کہا تو تین، ورنہ اگر دو مرتبہ طلاق کہا تو پھر تیسری طلاق اس کے "آزاد کیا" کہنے پر ہوگئی، کیونکہ یہ لفظ ڈانٹ اور جواب بننے کا احتمال نہیں رکھتا، جبکہ پہلے "طلاق" کہنے پر مذاکرہ طلاق بھی بن چکا ہے کیونکہ مدخولہ عورت (وطی شدہ) کو طلاق طلاق کہا ہے جیسا کہ سائل نے ذکر کیا ہے، اور پہلی طلاق میں بیوی کی نسبت آخری لفظ میں بھی معتبر ہوگی جیسا کہ "میں نے تجھے طلاق دی" میں ہوتا ہے۔ (ت)

مگر یہ اس کے اقرار پر موقوف ہے کہ اُس لفظ "طلاق طلاق" سے زوجہ کو طلاق دینی مراد تھی اگر اقرار نہ کرے گا اُن الفاظ سے حکم طلاق نہ ہوگا اگر واقع میں اس نے نیتِ طلاق کی تھی اور مُکر جائے گا تو وبال اُس پر رہے گا

مستحقِ عذابِ نار ہوگا، عورت کے پاس جانا اُس کے لئے زنا ہوگا عورت پر الزام نہ ہوگا۔ خلاصہ پھر ہندیہ میں ہے:

سکران هربت منه امرأته فتبعها و لم یظفر بها فقال بالفارسیة بسه طلاق ان قال عنیت امرأتی یقع وان لم یقل شیئا لایقع[1]

ایک نشے والے کی بیوی اس سے بھاگ گئی تو یہ اس کے پیچھے بھاگا اور کامیاب ہوا تو (بالفاظِ فارسی) کہا "تین طلاق"، بعد میں اگر وُہ کہتا ہے کہ میں نے بیوی کو کہا تھا، تو طلاق واقع ہوجائے گی، اور اگر کچھ نہ کہا تو طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

وجیز کردری پھر القرویہ میں ہے:

فرت و لم یظفر بها فقال سه طلاق ان قال اردت امرأتی یقع والا لا[2]

بیوی بھاگی تو کامیاب نہ ہونے پر اس نے کہا "تین طلاق" اگر بعد میں کہے "میں نے بیوی کو کہا ہے" تو طلاق ہوگی ورنہ نہیں۔ (ت)

پھر اگر وُہ اقرار مذکور کرلے جب تو کوئی بحث ہی نہ رہی کہ تین طلاقیں ہوگئیں اور اگر اقرار نہ کرے تو یہ الفاظ خارج ہوکر دو لفظ رہے "چلی جا" اور "آزاد کیا"، چلی جا مطلقًا محتاجِ نیت نہیں ہے۔ درمختار میں ہے: اذهی یحتمل ردا[3] (کیونکہ یہ جواب بن سکتا ہے۔ ت)۔ اگر قسم کھاکر کہے کہ بہ نیت تفریقِ زن نہ کہا تھا، تو اس لفظ سے طلاق نہ مانیں گے یہ قسم مکان ہی پر کافی ہے حاکم کے سامنے ہونا ضرور نہیں، اگر جھُوٹی قسم کھائے گا تو اس کا بھی پھر زنا کا وبال اسی پر ہے، درمختار میں ہے:

یکفی تحلیفها له فی منزله[4] خاوند سے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے (ت)

دوسرا لفظ "آزاد کیا" اگرچہ نہ محتملِ رَد ہے نہ محتملِ سب، اور حالت حالتِ غضب ہے تو طلاق مطلقًا ہونی چاہئے تھی، درمختار میں ہے:

انت حرة لایحتمل السب والرد[5] "تُو آزاد ہے" کہنا ڈانٹ اور جواب نہیں بن سکتا۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل السابع فی الطلاق بالفاظ الفارسیة نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۸۲

[2] فتاوٰی القرویہ کتاب الطلاق دارالاشاعت العربیہ قندھار افغانستان ۱/۴۷

[3] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

[4] و [5] ایضًا

مگر لفظ آزاد کیا میں عورت کی طرف اضافت نہیں تو اگر بحلف کہہ دے گا کہ عورت کی نسبت نہ کہا تھا، تو طلاق کا اصلاً حکم نہ ہوگا اگر جھوٹا حلف کرے گا تو اس کا پھر زنا کا وبال اور عذابِ شدید کا استحقاق اُس پر ہے۔ خانیہ و بزازیہ میں ہے:

لاتخرجی الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکر حلفه بطلاقها و یحتمل الحلف بطلاق غیرها فالقول له[1]

"تو میری اجازت کے بغیر مت نکل کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے" کہا، تو عورت نکل گئی، طلاق نہ ہوگی کیونکہ بیوی کی طلاق کی قسم نہ کہا، اور احتمال ہے کہ کسی دوسری عورت کی طلاق مراد لی ہے لہذا شوہر کی وضاحت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (ت)

بالجملہ اگر "طلاق طلاق" سے نیت طلاق کی اقرار کرے تو تین طلاقیں ہوگئیں ورنہ ایک بائن کا حکم ہے، عورت نکاح سے نکل گئی، عدت میں خواہ بعد عدت اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے مگر یہ کہ بحلف کہے کہ لفظ "آزاد کیا" اس زوجہ کی نسبت نہ کہا تھا تو اب اس سے حلف لیں گے کہ "چلی جا" سے اس عورت کو طلاقِ بائن کا ارادہ کیا تھا یا نہیں، اگر اس پر بھی حلف کرلے گا تو اصلاً حکمِ طلاق نہ ہوگا، اور اگر اس پر حلف سے انکار کرے تو قاضی کے حضور پیش کیا جائے اگر حاکم کے سامنے بھی انکار کرے تو ایک طلاق بائن کا حکم دیا جائے گا، عورت نکاح سے نکل گئی، غصہ یا حمل یا عورت کا دُور رہنا کچھ منافیِ طلاق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۹: از شاہجہان پور محلہ مہند گرھی مرسلہ حافظ نذیر حسن صاحب ۲۶ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت کو عرصہ سات برس سے چھوڑ رکھا اور اس کا اصلاً خبرگیراں نہیں ہوتا ہے، نہ روٹی دیتا ہے نہ کپڑا دیتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے کہ اُس کا دوسری جگہ نکاح کردیا جائے اور اُس کا کوئی علاقہ بندوں سے دستگیر نہیں ہے کہ اُس کا نان نفقہ کسی طرح پر چل سکے بلکہ سخت مجبور ہے، اب جو حکم صاحبانِ شرع متین کا ہو اس پر عمل کیا جائے، بیان کرو اجر پاؤ، اور اس مدت کے درمیان میں مسماۃ نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ اب شوہر میرا مجھ کو رخصت کرلیجاوے اور بطور اپنی زوجہ کے مجھ کو سمجھے، اس کے واسطے مسماۃ نے چند خط بھی روانہ کئے اور آدمیوں کو بھی بھیجا لیکن شوہر نے کچھ توجہ نہیں کی، پھر اُس کے بعد خود بھی گئی، پھر بھی اُس نے نہیں رکھا واپس کردیا، تب مجبور ہوکر عدالت سے نان نفقہ کا دعوٰی کیا وہاں اس نے روٹی کپڑا

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۵

دینے کا اقرار کیا اُس پر بھی وہ مقدمہ خارج کیا گیا، پھر اس کے بعد مسماۃ نے کچھ عرصہ تک انتظار کیا، پھر مسماۃ نے وہاں خبر بھیجی اُس پر اُس نے ایک ایسا کارڈ روانہ کیا کہ جس کو دیکھ کر عقل گم ہوگئی، چونکہ ظاہر میں وہ شخص اقرار کرتا ہے اور باطن میں وہ ایسا ہے، پس اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مسماۃ کو ذلیل کرنا چاہتا ہے اور وہ شخص ضلع شاہجہانپور مقام موضع سندھولی کا رہنے والا ہے اور مسماۃ باشندہ شاہجہان پور ہے محلہ مہندگرھی، اور جو کارڈ اُس نے روانہ کیا وہ کارڈ بھی اس میں رکھا ہے، آپ اپنے دستخط اور جو علمائے سنت ہوں اُن کے دستخط کروا کے روانہ کیجئے، نہایت عاجز اور مسکین ہوں فقر فاقہ کرتی ہوں، آپ صاحبان علمائے دین کے دستخط ہو کر فتوی آجائے گا تو اور جگہ نکاح کر لوں گی اور آپ کو دعا دوں گی اور آپ کو اللہ تعالٰی اس کا اجرِ عظیم دے گا، واسطے اللہ کے میرے اُوپر رحم کیجئے۔

الجواب

کارڈ دیکھا گیا اس میں صرف یہ لفظ ہے آپ کہتے ہیں اپنی عورت کو لے جاؤ اور اس نے مجھ پر مقدمہ چلایا اور وکیلوں کے پاس گئی اور پھری گئی اور ہر کس و ناکس سے ملی اس لئے وہ بالکل میرے کام کی نہ رہی، اتنے لفظ پر جب تک طلاق کی نیت سے کہنا ثابت نہ ہو طلاق کا حکم نہیں ہوسکتا، نہ ہرگز عورت دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اگر کرے گی محض حرام ہوگا، اس سے پوچھا جائے اگر وہ اقرار کرے کہ ہاں میں نے یہ لفظ بہ نیت طلاق کہا تھا تو جبھی سے طلاق ہوگئی جب سے اب تک اگر عورت کو تین حیض آکر ختم ہو گئے یا جب ختم ہوجائیں دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے اور اگر وہ نیتِ طلاق کا اقرار نہ کرے اس پر حلف رکھا جائے اگر حلف سے کہہ دے کہ میں نے ان لفظوں سے نیتِ طلاق نہ کی تھی تو ہرگز حکم طلاق نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے: یکفی تحلیفها له فی منزله[1] (خاوند سے گھر میں ہی قسم لے لینا کافی ہے۔ت) اور اگر حلف سے انکار کرے تو شرعی نالش کی جائے کہ اُس نے یہ الفاظ کہے ہیں اور ان سے طلاق کا احتمال ہے اگر وہ حاکم کے سامنے بھی اس حلف سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہوجائے گی اور عورت بعد عدت دوسری جگہ نکاح کرسکے گی اور اگر وہاں حلف کرلیا تو طلاق ثابت نہ ہوگی، اگر جھوٹا حلف یہاں یا وہاں کیا تو وبال اُس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۰: از بریلی شہر کہنہ محلہ قرولی مرسلہ عظیم اللہ خاں صاحب ۹ شوال ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مے نوشی و قماربازی کرتا ہے، اس نے

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

حالت مے نوشی و ہار کی سوزش قماربازی میں بیوی اپنی سے روپیہ طلب کیا، روپیہ دینے میں بیوی نے تسہل کیا یہ سمجھ کر کہ حالت غیر ہے اس وجہ سے تشدد ہے نیز یہ بھی خیال کیا کہ بچوں کو تکلیف نہ ہو یہ سستی کرنا اور انکار زر روپیہ سے کرنا اس کو اس قدر ناگوار ہوا کہ یہ تحریر لکھ کر دے دی جو حضور کے پیش نظر ہے:

نقل تحریر: میں مسماۃ عائشہ بیگم کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ چاہے کسی کے ساتھ عقد کرے یا بیٹھی رہے مجھے کچھ عذر نہیں ہے۔ عنایت اللہ ولد محمد مصطفٰی ساکن بریلی شہر کہنہ محلہ قرولی مورخہ ۷ جولائی ۱۹۱۹ء۔

الجواب

اگر یہ تحریر اس نے بہ نیت طلاق لکھی یعنی "میں نے اسے طلاق دے کر آزاد خود مختار کر دیا چاہے تو دوسرے سے نکاح کر لے" جب تو ایک طلاق بائن ہوگی عورت نکاح سے نکل گئی عورت کو اختیار ہے کہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کر لے اور اگر نیت طلاق سے نہ لکھی تو طلاق نہ ہوئی یہ بات کہ طلاق کی نیت نہ تھی زید کے حلف پر ہے اگر وہ قسم کھا کر کہہ دے گا کہ میں نے اس سے اُسے اپنے نکاح سے خارج کرنے کی نیت نہ کی تھی مان لیں گے اور حکم طلاق نہ دیں گے، اگر زید جھوٹا حلف کرے گا وبال اس پر ہے۔ درمختار میں ہے:

والقول لہ بیمینہ فی عدم النیۃ ویکفی تحلیفہا لہ فی منزلہ[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کی بات قسم کے ساتھ تسلیم کر لی جائے گی، اور بیوی کا گھر میں خاوند سے قسم لے لینا کافی ہوگا۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۱: از شہر بریلی کیمپ صدر مسئولہ حبیب احمد صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ ایک شخص کی شادی ہوئے عرصہ ۹ سال کا ہوا، شادی کرکے وہ شخص صرف پندرہ روز اپنی زوجہ کے پاس رہا بعد میں وہ سفر کو چلا گیا اور ۹ سال سے آوارہ پھرتا ہے، جب اس کے قیام کی خبر دہلی میں معلوم ہوئی اس کی زوجہ اس کے پاس گئی اس نے کہا "تو یہاں سے چلی جا ورنہ تیری ناک کاٹ لوں گا، جو تیرا دل چاہے وہ تو کر، میرے پاس مت آ۔" عورت نوجوان ہے شوہر متذکرہ بالا پر کیا نکاح جائز رہا؟

الجواب

اگر اس کی نیت ان لفظوں سے طلاق کی نیت ہونا ثابت ہو جائے حکم طلاق دے دیں گے ورنہ

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

نہیں، اُس سے پُوچھا جائے کہ تُونے یہ لفظ بہ نیتِ طلاق کہے تھے یا نہیں، اگر قسم کھالے کہ میں نے بہ نیت طلاق نہ کہے تھے، تو طلاق نہ مانی جائے گی۔ اور اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہو جائے گی جب یہ انکار حاکم شرع کے حضور ہو طلاق ثابت ہوگی ہاں اگر اقرار کرے کہ بہ نیت طلاق کہے تھے تو طلاق ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۱۲ از پیلی بھیت محلہ شیر محمد مسئولہ اویس خاں عرف شریف اللہ خاں ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے ہیں کہ ایک شخص ملازم فوج ہو کر پردیس جانے کے وقت اپنے والدین سے یہ کہہ کر رخصت ہُوا کہ میری یہ عورت میرے مطلب کی نہیں ہے میری واپسی سے قبل نہایت ایذا کے ساتھ اس کو نکال دینا میں واپس آکر دوسری شادی کروں گا۔ چنانچہ اس شخص کی عورت کو مطابق استدعا کے اُس کے والدین نے اندر دو ماہ نکال دیا اور اس عورت نے اندر ایک ماہ دوسرے شخص کے ساتھ اپنا نکاح کر لیا، عورت مذکورہ دوسرے شوہر کے یہاں سے بھی بلا طلاق کے بوجہ حمل ہونے کے نکال دی گئی اب اس عورت کو اپنے پہلے شوہر کے مکان سے نکلے ہُوئے تقریبًا ایک سال گزر گیا اور اس کا شوہر بھی ملازمتِ فوج سے واپس آگیا اور پانچ چھ ماہ ہُوئے وقت واپسی کے آج تک عورت مذکور کا خبر گیراں نہیں ہُوا اور قبل جانے پردیس کے ایک دن اس کے شوہر نے طلاق نامہ لکھنے کا بندوبست کیا تھا اور کچھ لوگوں کو جمع کیا تھا مگر اس کو کسی خیال نے تکمیل طلاق نامہ سے روک دیا تھا، عورت مذکور کو اس کے ماں باپ بھی اپنے پاس رکھنے کے روادار نہیں ہیں اور اُس کی گود میں ایک لڑکا سات سال کا پہلے شوہر کا موجود ہے کیا عورت مذکور اپنا نکاح کسی اور شخص سے کر سکتی ہے؟

الجواب

یہ لفظ کہ "یہ عورت میرے مطلب کی نہیں" کنایات سے ہے اور محتمل سب ہے اور حالت حالت غضب ہے تو حکم طلاق نیت پر موقوف ہے کہ پہلا شوہر اگر یہ اقرار کرے کہ بہ نیت طلاق یہ لفظ کہے تھے تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور بعد وضع حمل عدت گزر گئی دوسرے سے نکاح کا اُسے اختیار ہوگا، اگر وہ نیتِ طلاق کا انکار کرے تو اس سے حلف لیا جائے، اگر حلف کرے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی تو طلاق ثابت نہ ہوگی اور عورت کو دُوسری جگہ نکاح حرام ہوگا اور وہ جو دوسرے سے نکاح کیا تھا وہ توبہر حال حرام تھا کہ بلا ثبوت طلاق تھا اور اگر ثبوت بھی ہو جاتا تو عدت کے اندر تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۱۳ از اجمیر شریف محلہ چاہ ارٹ مسئولہ سید محمد عظیم صاحب ۲۲ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ عورت کا بیان ہے کہ میرے خاوند سے عرصہ دو برس سے کوئی تعلق نا اتفاقیوں کے باعث نہیں تھا چنانچہ اب اُس نے زبانی اور تحریر سے یہ لکھ دیا ہے کہ "تو ہفتہ کے اندر میرے

پاس نہ آئے تو جہاں پر چاہے جا، تجھے اختیار ہے تیرے دل کا اور مجھے اختیار ہے اپنے دل کا۔" لہذا عورت نے ان الفاظ کو طلاق سمجھ کر اپنے کو بائن کر لیا لہذا فرمائیے کہ یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور عورت بعد عدت دُوسرے سے عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں طلاق ہونا نیتِ شوہر پر موقوف ہے عورت کو کوئی اختیار نہیں کہ بطورِ خود اپنے آپ کو مطلقہ سمجھے شوہر اگر قسم سے کہہ دے گا کہ میں نے ان لفظوں سے طلاق کی نیت نہ کی تھی تو ہرگز طلاق نہ مانی جائے گی اور وُہ بدستور اُس کی زوجہ ہوگی، ہاں اگر قسم کھانے سے انکار کرے تو حاکم شرعی کے حضور نالش کی جائے اگر شوہر اُس کے سامنے بھی حلف سے انکار کرے گا تو طلاق ثابت ہو جائے گی، وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۴: از شہر بریلی ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غصہ کی حالت میں اور دوران طلب طلاق میں زید نے اپنی ساس اور خسر سے کہا اگر میں پسند نہیں ہوں تو دوسرے سے نکاح کر دو یا شادی کر دو، ساس نے جواب میں کہا ہاں تو پسند نہیں ہے اس سے نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

حالت حالتِ مذاکرہ وغضب ہے اور لفظ نہ محتمل رد نہ محتمل سب ہے لہذا طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی ھذا ما عندی (یہ جواب میرے ہاں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۵: از جیت پور کاٹھیا واڑ جامع مسجد مدرسہ معرفت جناب مولوی سیّد غلام حید رصاحب مسئولہ مولوی جمیل الرحمٰن صاحب رضوی بریلی ۱۴ ذیلقعدہ ۱۳۳۹ھ

کیا حکم ہے شریعتِ مطہرہ کا اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بی بی ہندہ پر سخت غصہ ہو کر بحالتِ غصہ یہ کہا کہ "تو اپنے گھر کو جا میرے کام کی نہیں میں نے تجھ کو طلاق دی۔" ہندہ کو آٹھ ماہ کا حمل ہے زید حلف اٹھاتا ہے کہ "میں نے فقط تنبیہ کے لئے یہ الفاظ کہے تھے ہرگز ایسے الفاظ طلاق کی غرض سے نہ کہے تھے اور میں اس وقت غصہ میں آپے سے باہر تھا،" اب زید وہندہ کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر حلالہ لازم آتا ہو تو کوئی صُورت شریعتِ مطہرہ نے ایسی بھی بتائی ہے کہ حلالہ نہ کرنا پڑے اور زید وہندہ کے تعلقات قائم رہیں یا قائم ہو جائیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر واقعہ اسی قدر ہے عورت نے یا کسی اور نے عورت کے لئے طلاق نہ مانگی تھی جس کے جواب میں یہ لفظ اُس نے کہے نہ اُس نے ان الفاظ کو مکرر کہا بلکہ صرف ایک ہی بار کہا تو اس صورت میں ایک ہی طلاق رجعی واقع ہُوئی

لان اللفظ الاوّل یحتمل الرد فینوی علی کل حال والثانی یحتمل السب فینوی فی الغضب وقد حلف ویکفی حلفه فی منزله[1] کما فی الدرالمختار واللفظ الثالث وان کان صریحا لایکون قرینة فی الاولین لان شرط النیة ان تتقدم کما فی ردالمحتار۔

کیونکہ پہلا لفظ جواب کا بھی احتمال رکھتا لہٰذا بہرصورت نیتِ طلاق ضروری ہے، اور دُوسرا لفظ ڈانٹ کا بھی احتمال رکھتا ہے اس لئے صرف غصہ کی حالت میں طلاق کی نیّت کرنی ہوگی جبکہ وُہ قسم دے چکا ہے اور گھر میں قسم دے دینا کافی ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔ اور تیسرا لفظ اگرچہ طلاق میں صریح ہے لیکن یہ پہلے دونوں لفظوں کے لئے قرینہ کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ قرینہ کے لئے پہلے ہونا شرط ہے جیسا کہ ردالمحتار میں ہے۔ (ت)

پس اگر اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں نہ دی تھیں نہ ایک طلاق بائن دی تھی جس کی عدت باقی ہو تو جب تک وضعِ حمل نہ ہو رجعت کرسکتا ہے، مثلاً زبان سے اتنا کہہ دے کہ "میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیر لیا" تو وہ بدستور اس کے نکاح میں رہے گی، اور اگر وضعِ حمل تک رجعت نہ کرے گا تو اس کے بعد برضائے زن اس سے دوبارہ نکاح کرنے کی حاجت ہوگی، حلالہ کی حاجت دونوں صورتوں میں نہیں، حلالہ تین طلاقوں پر لازم ہوتا ہے، اور جب لازم ہوتا ہے اس کے ساقط کرنے کی کوئی صورت نہیں وکل ما ذکر فی القنیة من الحیل وغیرھا باطل لا اصل له (قنیہ میں جو حیلے ذکر کئے گئے وُہ باطل ہیں ان کی کوئی اصل نہیں۔ ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۶: مرسلہ مستقیم خاں زمیندار ۱۳ صفر ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ علی محمد خاں کی بیٹی کا نکاح بھُورا خاں کے ساتھ ہُوا ابھی رخصت نہ ہُوئی تھی کہ باہم نزاع ہوگیا۔ برکت اللہ خاں، مستقیم خاں، نظیر الدین خاں صُلح کے لئے گئے۔ سب کے سامنے بھُورا خاں نے کہا "یہ میری زوجہ نہیں ہے میں نے اس کو پہلے چھوڑ دیا ہے" اور چند مرتبہ کہا "میں نے چھوڑ دی مجھ کو کچھ سروکار نہیں، میری بی بی نہیں ہے" اس صورت میں طلاق ہُوئی یا

---

[1] درمختار باب الکنایات مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۴

نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اس صورت میں عورت نکاح سے نکل گئی، اُس پر ایک طلاق بائن ہو گئی، آدھا مہر شوہر پر واجب الادا ہُوا، عورت کو عدّت کی ضرورت نہیں جس وقت چاہے نکاح کر لے، اگر اس شوہر سابق ہی سے راضی ہو تو اس سے بھی نکاح ہو سکتا ہے حلالے کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۱۷ مسئولہ مولٰنا حشمت علی صاحب سُنّی حنفی قادری رضوی لکھنوی متعلم مدرسہ اہلسنت وجماعت ۱۹ رجب شریف یوم جمعہ ۱۳۳۸ھ بریلی شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ زید نے اپنی ساس سے کہا "میں تمھاری لڑکی کو چھوڑتا ہوں میرے کام کی نہیں" اب سوال یہ ہے کہ طلاق ہُوئی یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

دو طلاقیں بائن ہو گئیں، عورت نکاح سے نکل گئی، عدّت کے بعد دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اگر رخصت نہ ہُوئی تھی تو عدّت کی بھی حاجت نہیں، اور اگر زید ہی سے نکاح چاہے تو اس سے بھی کر سکتی ہے عدّت میں خواہ عدّت کے بعد، جبکہ اس سے پہلے کوئی طلاق اسے نہ دے چکا ہو کہ ایسا تھا تو تین ہو گئیں، بے حلالہ نہیں ہو سکے گا،

وذٰلک لان اللفظ الاول صریح فوقع بہ طلاق وان لم ینو وصار الحال بہ حال المذاکرۃ واللفظ الثانی لایحتمل الرد بل السب فاستغنی عن النیۃ لاجل المذاکرۃ، والواقع بہ بائن لانہ من الکنایات غیر الثلاث المعلومۃ اعتدی واخیہا فلحوقہ جعل الرجعی الاوّل ایضا بائنا لامتناع الرجعۃ بالثانی فبانت بثنتین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ پہلا لفظ صریح ہے اس لئے یہ طلاق ہوتی اگرچہ نیت نہ بھی ہو، اس سے مذاکرہ طلاق کا حال ہو گیا اور دوسرا لفظ صرف ڈانٹ کا احتمال رکھتا اور جواب نہیں بن سکتا، لہذا یہاں نیت کی ضرورت نہیں کیونکہ مذاکرہ طلاق ہو چکا ہے، اس سے بائنہ طلاق ہُوئی کیونکہ یہ کنایات میں سے ہے لیکن اعتدی اور اس جیسے الفاظ کنایہ تین میں سے نہیں ہے، لہذا اس دوسرے لفظ سے پہلی صریح طلاق بھی بائنہ ہو گئی کیونکہ دُوسری بائنہ ہے جس کی وجہ سے پہلی میں رجوع ممکن نہ رہا، لہذا بیوی کو دو بائنہ طلاقیں ہُوئیں، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۱۸ ۲۳ جمادی الآخرہ ۱۳۳۸ھ

زید نے اپنی بی بی سے کہا کہ "جا میں نے تجھے چھوڑدیا" اور چند مرتبہ اور چند آدمیوں کے سامنے یہی کہا کہ میں نے اس کو چھوڑدیا" مگر "طلاق" کا لفظ نہیں کہا تو طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب

اگر تین بار کہا تین طلاقیں ہوگئیں، اب بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا اور تین بار سے کم کہا اور عدت گزر گئی تو دوسرا نکاح آپس میں کرسکتے ہیں، اور عدت نہ گزری تو مرد کا اتنا کہنا کافی ہے کہ میں نے تجھے اپنے نکاح میں پھیرلیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۱۹ از شہر بریلی محلہ ذخیرہ مسئولہ سید شرافت علی صاحب ۷ رجب مرجب ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی بیوی اپنے میکہ میں ہے، زید کے گھر سے ایک آدمی اس کو لینے گیا، اُس کے والدین نے نہیں بھیجا، دوسرے دن زید خود گیا پھر بھی نہیں بھیجا اور نہ کوئی وجہ خاص بتلائی، زید کو ناگوار ہوا اُس نے کہا کہ "اگر آپ نہیں بھیجتے تو آپ کی لڑکی کو جواب دے دوں گا اور آپ اس وقت دو چار آدمیوں کو بلوا لیجئے تاکہ میں اس وقت اُن کی موجودگی میں جواب دے دوں اور قطع تعلق کرلوں۔" زید کے خسر اور ساس نے جواب دیا کہ "نہ ہم آدمیوں کو جمع کریں گے اور نہ جواب لینا منظور ہے۔" زید یہ کہہ کر کہ "میں اِس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا اور کل بذریعہ رجسٹری ڈاکخانہ سے دوبارہ آپ کو اطلاع دوں گا۔" دوسرے دن اُس نے یہ لکھ کر کہ "میں قطع تعلق کرتا ہوں اور طلاق دیتا ہوں" رجسٹری کردی، زید کے خسر نے واپس کردی، زید پردیس چلا گیا وہاں سے دو ماہ کے بعد آیا اس وقت زید کے ایک عزیز نے جو کہ اس کی بی بی کا قریبی رشتہ دار تھا زید سے مل کر یہ چاہا کہ بیوی سے صلح ہوجائے، زید نے اس کو یہ جواب دیا کہ "میں طلاق دے چکا ہوں اب صلح کیسی" وہ خاموش ہوگیا، چنانچہ ایک اور آدمی سے بھی زید نے یہ کہا کہ "میں اپنی بی بی کو طلاق دے چکا ہوں" اب زید معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اُس کی بی بی کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟

الجواب

طلاق ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی، اگر اس سے پہلے کوئی طلاق نہ دے چکا تھا تو برضائے زن اُس سے نکاح کرسکتا ہے حلالہ کی حاجت نہیں، اور اگر پہلے ایک طلاق بھی دے چکا تھا تو اب بے حلالہ نہیں کرسکتا کہ تین ہوگئیں ایک پہلے اور ایک اُس وقت اُس کا کہنا کہ "میں اس وقت سے جواب دیتا ہوں اور اپنا کوئی تعلق نہیں رکھتا" ______ پھر لکھنا کہ "میں قطع تعلق کرتا ہوں" یہ مجموع ایک ہی ہوگی فان البائن لایلحق البائن والنیۃ قد ظھرت

(بائنہ طلاق پہلی بائنہ کے بعد نہیں آسکتی اس میں نیت کی ضرورت بھی جو کہ پائی گئی۔ت) اور ایک اُس کا لکھنا کہ "طلاق دیتا ہوں" اور رجسٹری واپس دینے سے طلاق واپس نہ ہوگی کہ بلاشرط تھی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۰: ازملک متوسط شہر رامپور محلہ بیجناتھ بارہ مرسلہ منشی محمد اسحٰق مولود خواں عرائض نویس ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمّی طالع ورخاں نے بحالت غیظ وغضب ایک خط اپنے خسر حقیقی کے نام لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے جناب ماموں نجم خاں صاحب دام ظلہ، بعد السلام علیکم واضح ہو میں نے آپ سے بارہا کہا کہ عمدہ کو یہاں سے مت لے جاؤ، مگر آپ لے ہی گئے بغیر رضا مندی آپ نے اپنی ہی ضد کی، میں بھی اُس کے اطوار سے نہایت درجہ ناخوش تھا، اس چار مہینہ کے عرصہ میں کبھی میری خدمت نہ کی، اطوارِ ناشائستہ جو اس میں ہیں اُن کا دفع غیر ممکن ہے، اس سے بڑھ کر خراب عادات عمدہ میں ہیں، لہٰذا بخوشی تمام آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص کے ساتھ کردو کیونکہ جس حالت میں میرا دل اُسے خوش نہیں اور اُس کا بھی مجھ سے نہیں ایسی حالت میں ایک دوسرے کی جان کے ضرور خواہاں رہیں گے ایسا نہ ہونا سبب، برضا ورغبت آپ کو اجازت دیا اُس کا خرابا نہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیا تاکہ خدائے پاک مجھ کو اپنے فضل سے مرتکب گناہ نہ کرے اس خط کو بطور طلاقنامہ کے تصور فرمائیں اگر آپ اُس کا نکاح کرادیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا صرف ڈیڑھ سو روپیہ نکاح میں صرف ہوا اس کا تو البتہ افسوس ہے کہ حج کا روپیہ خرچ ہوگیا مگر کیا علاج ہے کچھ چارہ نہیں، مرضیِ مولٰی ازہمہ اولٰی۔ آپ اپنے دل میں بھی اس امر کا رنج نہ کریں تحریر مختصر کو کثیر تصور فرمائیں عمدہ سے اور مجھ سے اب کچھ سروکار نہ رہا جو رشتہ پہلے تھا وہی اب قائم رہے گا، سرمست خاں اس خط کو حرف بحرف پڑھ کر ماموں صاحب اور عمدہ کو بھی سُنادیں تاکہ اُس پر شرعاً طلاق واجب ہوجائے کیونکہ وہ میری بلا اجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا اظہر من الشمس ہے فقط بندہ طالع ورخاں از مقام ساکولی۔

جس وقت یہ خط پہنچا سرمست خاں نے عمدہ اور اس کے والد نجم خاں کو سنادیا، بعد ایک ہفتہ کے طالع ورخاں اپنے خسر کے یہاں آئے اور کہنے لگے کہ میری زوجہ عمدہ کو میرے ساتھ روانہ کردو، نجم خاں نے روبرو چند آدمیوں کے بھیجنے کا اقرار کیا پھر بعد دو گھنٹے کے طالع ورخاں لینے آئے تو معلوم ہوا کہ نجم خاں دیہات پر چلا گیا، بعد چند ماہ کے نجم خاں نے طالعورخاں سے صراحۃً کہہ دیا کہ ہم لڑکی کو کیسے روانہ کریں تم نے تو طلاقنامہ لکھ کر روانہ کر دیا، پھر بائیس ۲۲ ماہ کے بعد طالعورخاں نے اپنے خسر کے نام یہ خط لکھا:

جناب ماموں صاحب! بعد سلام علیک واضح ہو میں نے یہاں پر کئی علماء سے دریافت کیا سب

یہی کہتے ہیں کہ طلاق ہو چکی اس لئے عرض پرداز ہوں کہ آپ اپنی لڑکی کا نکاح کرا دیجئے مجھ سے کوئی واسطہ نہ رہا آپ رنجیدہ نہ ہوں امر مجبوری ہے ورنہ کوئی صورت لانے کی کیا ہوتا فقط

پھر نو ماہ کے بعد خسر کو خط لکھا کہ فرنگی محل کے علماء سے خط بھیج کر فتوٰی طلب کیا تھا جواب آیا کہ طلاق ہو چکی، مہر کے نسبت اُنھوں نے فتوٰی دیا کہ نصف مہر دینا چاہئے، مگر میں اور جوابوں کا منتظر ہوں، پس عرض یہ ہے کہ صورتِ مرقومہ بالا میں عمدہ پر طلاق ہُوئی یا نہیں؟ اگر ہُوئی تو کن لفظوں سے؟ اور کس قسم کی؟ اور کتنی طلاق متحقق ہُوئیں؟ غرض عمدہ طالعور خاں کے نکاح میں رہی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ اس خط میں آٹھ لفظ تھے،

(۱) بخوشی تمام اجازت دیتا ہُوں کہ اُس کا نکاح کسی دُوسرے کے ساتھ کر دو۔

(۲) برضا و رغبت آپ کو اجازت دیا۔

(۳) اُس کا خراب نہ ہونا سبب دوسرے نکاح کی اجازت دیا۔

(۴) اس خط کو بطور طلاق نامہ تصوّر فرمائیں۔

(۵) اگر آپ اُس کا نکاح کرا دیں گے تو مجھ کو کسی نوع کا عذر تکرار آگے نہیں اور نہ کروں گا۔

(۶) عمدہ سے اور مجھ سے کوئی سروکار نہ رہا۔

(۷) اس خط کو ماموں صاحب اور عمدہ کو سُنا دیں کہ اُس پر شرعاً طلاق واجب ہو جائے۔

(۸) وہ میری بلا اجازت گئی تو نکاح کے باہر ہونا اظہر من الشمس ہے۔

ان میں لفظ چہارم صالح ایقاع طلاق نہیں کہ بطور طلاق نامہ تصوّر فرمائیں، کے صاف یہ معنٰی کہ حقیقت میں طلاق نامہ نہیں، فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے:

امرأۃ قالت لزوجہا مرا طلاق دہ فقال الزوج دادہ انگار او کردہ انگار لا یقع وان نوی کانہ قال لہا بالعربیۃ احسبی انک طالق وان قال ذٰلک لا یقع وان نوی[1] اھ ملخصًا۔

بیوی نے خاوند کو کہا "مجھے طلاق دے" خاوند نے جواب میں کہا "تو دی ہُوئی یا کی ہُوئی خیال کرلے" تو طلاق نہ ہوگی اگرچہ طلاق کی نیت کی ہو کیونکہ عربی میں اس کا معنٰی یُوں ہے "تو گمان کرلے کہ تو طلاق والی ہے" اور اگر یوں بالفاظ عربی کہا تو طلاق نہ ہوگی چاہے طلاق کی نیت کی ہو اھ ملخصاً (ت)

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/ ۲۱۰

اُسی میں ہے :

لوقیل لرجل اطلقت امرأتك فقال عدها مطلقة اواحسبها مطلقة لاتطلق امرأته[1] اھ تمام تحقیق ذٰلك فی فتاوٰنا المفصلة۔

ایک شخص نے دُوسرے سے کہا "کیا تُو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے" اور دوسرا جواب میں کہے "تُو اس کو طلاق دی ہُوئی شمار کرلے، تو مطلقہ سمجھ لے" تو بیوی کو طلاق نہ ہوگی اھ، اس کی مکمل تحقیق ہمارے مفصل فتووں میں ہے۔(ت)

لفظ پنجم ظاہراً ترکِ نزاع کا وعدہ ہے،

آگے بمعنی آئندہ اوھو تعلیق علی الانکاح ان ارید بقولہ آگے بعد الانکاح او اخبار عن النیة فی بعض الالفاظ السابقة ان ارید بہ من بعد ماکتبت ھذا۔

آگے بمعنی آئندہ یا یہ نکاح کردینے پر معلّق ہے اگر اس نے "آگے" کے لفظ سے نکاح کردینے کے بعد کی نیت کی ہو، یا پہلے مذکور الفاظ میں سے کسی لفظ میں نیت کی خبر بنتا ہے جبکہ اس نے وُہ لفظ لکھنے کے بعد مراد لی ہو۔ اسے محفوظ کرلو۔(ت)

لفظ ششم بھی الفاظِ طلاق سے نہیں، سر بمعنی خیال وخواہش اور کار بمعنی حاجت ہے سروکار نہیں یعنی غرض، مطلب، حاجت کام نہیں، اور ان الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی اگرچہ بہ نیتِ طلاق کہے۔ خانیہ و بزازیہ وغیرہما میں ہے:

لوقال لاحاجة لی فیك ونوی الطلاق لایقع وکذا لوقال مرا بکار نیستی وکذا لو قال ماارید ك[2]۔

اگر خاوند نے کہا "مجھے تجھ میں کوئی حاجت نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ یوں ہی اگر اس نے کہا "تُو میرے کام کی نہیں" یوں ہی اگر اس نے کہا "میں تجھے نہیں چاہتا" تو طلاق نہ ہوگی۔(ت)

بحرالرائق میں ہے:

اذاقال لاحاجة لی فیك اولا ارید ك اولا احبك اولا اشتھیك اولا رغبة

اگر خاوند نے یہ الفاظ کہے "مجھے تجھ میں حاجت نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا، میں تجھے پسند نہیں کرتا"

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الطلاق نولکشور لکھنؤ ۱/۲۱۳

[2] " " " فصل فی الکنایات " " ۱/۲۱۶

لی فیك فانہ لایقع وان نوی[1]۔

میں مجھے تیری خواہش نہیں تجھ میں میرے لئے رغبت نہیں" تو طلاق کی نیت کے باوجود طلاق نہ ہوگی۔ (ت)

لفظ ہشتم بھی محض لغو و غلط ہے کہ ایک باطل خیال جہاں پر نکاح سے باہر ہونا بتاتا ہے بے اجازتِ شوہر عورت چلی جائے تو نکاح سے باہر نہیں ہوتی اور جو اقرار غلط بنا پر ہو معتبر نہیں۔ خانیہ میں ہے:

صبی قال ان شربت فکل امرأۃ اتزوجہا فھی طالق فشرب وھو صبی فتزوج وھو بالغ وظن صھرہ ان الطلاق واقع فقال ھذا البالغ (آرے حرام است برمن) لاتحرم امرأتہ ھو الصحیح لانہ ما اقر بالحرمۃ ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیہ وذلك السبب باطل[2] اھ ملخصًا۔

ایک بچّے نے کہا اگر میں یہ پی لوں تو جس عورت سے بھی نکاح کروں تو اس کو طلاق" پھر اس نے دورانِ بچپن وہ چیز پی لی، پھر بالغ ہونے کے بعد اس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے سسرال نے خیال کیا کہ اس کے مذکور قول کی وجہ سے طلاق ہوگئی ہے تو اس لڑکے نے کہا "ہاں یہ مجھ پر حرام ہے" تو اس صورت میں صحیح قول کے مطابق اس کی بیوی اس پر حرام نہ ہوگی، کیونکہ یہاں ابتداءً بیوی کو حرام نہیں کہا بلکہ اس نے اس سبب کے وجود کا اقرار کیا جس پر دونوں سچے ہیں اور جس سبب پر اس نے یہ اقرار کیا وہ باطل ہے اھ ملخصًا (ت)

بقیہ چار الفاظ میں تین لفظ پیشین کا حاصل اجازتِ نکاح دینا ہے اور وہ بیشک کنایات سے ہے،

فانہ ینبئ عن رفع قید النکاح واخراجہا عن عصمۃ لنفسہ کقولہ تزوجی[3] کما فی الخانیۃ وابتغی الازواج[4] کما فی الکنز ووھبتك للازواج[5] کما فی

کیونکہ یہ الفاظ نکاح کی قید کو ختم کرنے کی خبر دیتے ہیں اور اپنی عصمت سے نکالنے کی خبر دیتے ہیں جیسے کہ خاوند بیوی کو کہے "تُو نکاح کر" جیسا کہ خانیہ میں ہے "تو خاوند تلاش کر" جیسا کہ کنز میں ہے

[1] بحرالرائق | باب الکنایات | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ۳/۳۰۳
[2] فتاوٰی قاضی خاں | باب التعلیق | نولکشور لکھنؤ | ۱/۲۳۵
[3] " " " | فصل فی الکنایات | " " | ۱/۲۱۶
[4] کنز الدقائق | باب الکنایات | ایچ ایم سعید کمپنی کراچی | ص ۱۱۶
[5] فتاوٰی ہندیہ | الفصل الخامس فی الکنایات | نورانی کتب خانہ پشاور | ۱/۳۷۶

الهندیة۔

"میں نے تجھ کو خاوندوں کے سپرد کیا" جیسا کہ ہندیہ میں ہے۔ (ت)

مگر ان نین اور ان کے ساتھ کتنی ہی کنایات بائنہ ہوں سب سے ہوگی تو ایک ہی طلاق بائن ہوگی اگرچہ سب سے نیت کی ہو فان البائن لا یلحق البائن (کیونکہ بائن طلاق کے بعد دوسری بائنہ لاحق نہیں ہوسکتی۔ (ت)

لفظ ہفتم طلاق صریح ہے مگر اس شرط پر معلق کہ سرمست خاں، نجم خاں اور عمدہ کو حرف بحرف خط پڑھ کر سنادے،

فان لفظه "تاکہ" تضمن ههنا ترتب الطلاق علی الاسماع ای ربط حصول ذاك بحصول هذا وهذا هو معنی التعلیق و فی الدر المختار یکفی معنی الشرط[1]۔

اس لئے کہ "تاکہ" کا لفظ یہاں سنانے پر طلاق کو مرتب کرنے کے لئے ہے یعنی اس چیز کے حاصل ہوجانے پر اس چیز کا حصول بتانے کے لئے ہے اور یہی تعلیق کا معنیٰ ہوتا ہے۔ اور درمختار میں ہے کہ تعلیق کا معنیٰ ہی شرط کے لئے کافی ہوتا ہے (ت)

تو ان آٹھ لفظوں کا حاصل صرف دو لفظ رہے، ایک کنایہ جس سے بلحاظ نیت طلاق بائن پڑیگی دوسرا صریح معلق جس سے بعد تحقق شرط طلاق رجعی ہوگی صریح کا حکم تو دیانۃً و قضاءً دونوں میں ایک ہی ہے کہ اگر سرمست خاں نے خط مذکور دونوں کو حرف بحرف سُنا دیا تو طلاق ہوگئی اور اگر ان میں ایک کو سُنانے میں بھی کچھ کمی رہی جسے حرف بحرف سُنانا نہ کہیں تو نہ ہوئی مگر حکم کنایہ یہاں مختلف ہے دیانۃً حاجت نیت ہے۔ ردالمحتار میں ہے،

لا یقع دیانة بدون النیة ولو وجدت دلالة الحال فوقوعه بواحد من النیة او دلالة الحال انما هو فی القضاء فقط کما هو صریح البحر وغیرہ[2]۔

کنایہ کی صورت میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی اور اگر دلالت حال بھی پائی جائے تو طلاق کا وقوع نیت یا دلالت حال میں سے ایک کے ساتھ ہوگا یہ صرف قضاءً طلاق ہوتی ہے بحر وغیرہ کی صراحت یہی ہے۔ (ت)

اور قضاءً بوجہ قرائن سباق و سیاق وقوع طلاق کا حکم علی الاطلاق،

---

[1] درمختار باب التعلیق مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۳۰

[2] ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۳

فان اللفظ وان کان مما یصلح ردا کما فی الغرر والبحر والخانیة لکن قد حفتہ قرائن ترد معنی الرد کقولہ لھذا وقولہ ایسا نہ ہونا سبب وقولہ اس کا خرابا نہ ہونا سبب و قولہ تاکہ خدائے پاک الخ فان ھذہ التعلیلات والتفریعات لاتلائم قصد الرد کما لایخفی ودلالة القال کدلالة الحال۔

غرر، بحر اور خانیہ میں جیسا کہ مذکور ہے کہ لفظ اگرچہ جواب بن سکتا ہو مگر وہاں قرائن کا ہجوم اس کے جواب ہونے کو مردود قرار دیتا ہے، جیسا کہ یہاں "ایسا نہ ہونا سبب، اس کا خرابا نہ ہونا سبب، تاکہ خدائے پاک الخ" کے الفاظ ہیں کیونکہ یہ الفاظ تعلیل اور تفریع ہونے کی بنا پر جواب کے ارادہ سے مناسب نہیں ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے، اور دلالتِ قال، دلالتِ حال کی طرح ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں نہرالفائق سے ہے: دلالة الحال تعم دلالة المقال[1] (دلالتِ حال، دلالتِ قال کو بھی شامل ہے۔ ت) مگر خط کی بنا پر وقوعِ طلاق کا حکم اسی حالت میں ہوسکتا ہے جب کہ شوہر مقر یا گواہانِ عادل شرعی دو مرد یا ایک مرد دو عورت سے ثابت ہو کہ یہ خط اس کا ہے ورنہ صرف مشابہتِ خط پر حکم نہیں۔ اشباہ میں ہے:

ان کتب علی وجه الرسالة مصدرا معنونا وثبت ذلك باقرارہ او بالبینة فکالخطاب[2]۔

اگر خط کا عنوان شروع کرکے لکھا اور پھر اس کے اقرار یا گواہوں سے ثابت ہوجائے تو یہ لکھنا زبانی خطاب کی طرح ہے۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں حکمِ قضایہ ہے کہ اگر اس خط کا طالع خاں کا ہونا نہ اس کے اقرار سے ثابت نہ گواہانِ عادل سے، جب تو اصلاً حکمِ طلاق نہیں، اور اگر اقرار یا شہادت سے ثبوت ہے تو عمدہ پر طلاق بائن پڑگئی، اگر سرمست خاں نے عمدہ و نجم خاں دونوں کو حرف بحرف سنا دیا جب تو دو طلاقیں بائن ہوگئیں،

فان الصریح یلحق البائن والرجعی اذا لحقہ صار مثلہ لعدم امکان اثبات الرجعة کما فی البزازیة

اس لئے کہ صریح طلاق، بائنہ کو لاحق ہوسکتی ہے، اور جب بائنہ کے بعد اس کو رجعی لاحق ہو تو وہ رجعی طلاق بھی بائنہ کی طرح ہوجاتی ہے

---

[1] ردالمحتار — باب الکنایات — دار احیاء التراث العربی بیروت — ۲/ ۴۶۳

[2] الاشباہ والنظائر — الفن الثالث — احکام الکتابة — ادارۃ القرآن کراچی — ۲/ ۹۸-۲۹۷

وغیرھا۔ کیونکہ ایسی صورت میں رجوع کا امکان نہیں رہتا، جیسا کہ بزازیہ وغیرہ میں ہے (ت)

ورنہ ایک ضرور ہوئی، بہرحال عمدہ نکاح سے نکل گئی، یہی تفصیل جو حکم قضائی ہے عمدہ کو اسی پر عمل واجب ہے فان المرأۃ کالقاضی[1] کما فی الفتح وغیرہ (کیونکہ بیوی اس میں قاضی کی طرح ہے، جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔ ت)

اور حکم دیانت یہ ہے کہ اگر یہ خط طالع ورخاں کا ہے اور اُس نے الفاظ کنایہ میں کل یا بعض سے نیت ازالہ نکاح کی تو طلاق بائن ہوئی پھر اس کے ساتھ وہ خط سنانے کی شرط بھی پوری پائی گئی تو دو طلاقیں بائن ہوئیں بہرحال عمدہ نکاح سے باہر ہوئی اور اگر نیت نہ کی تو سنانے کی شرط پائے جانے کی حالت میں ایک طلاق رجعی پڑی جس میں اسے اختیار رجعت تا ایام عدت تھا، اور اگر اس شرط میں بھی کمی رہی تو اصلاً طلاق نہ پڑی، یُونہی اگر یہ خط اُس کا نہیں جب بھی طلاق نہ ہوئی اگرچہ گواہ گواہی دیں یا خود اُس نے غلط اقرار کردیا ہو،

فان الاقرار الکاذب لااثر لہ دیانۃ ھذا جملۃ القول والتفصیل فی فتاوٰنا المذکورۃ۔ اس لئے کہ جھوٹے اقرار کا کوئی اثر دیانۃً نہیں ہے، یہ تمام خلاصہ کلام ہے اور تفصیل ہمارے فتاوٰی میں مذکور ہے۔ (ت)

اور جب کہ عمدہ وطالع ورخاں میں خلوت صحیحہ ہولی ہو جیسا کہ بیانِ سوال سے ظاہر ہے کہ وہ چار مہینے شوہر کے یہاں رہی تو بعد طلاق کُل مہر واجب الادا ہے، نصف ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] بحرالرائق کتاب الطلاق باب الطلاق الصریح ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۲۵۷
ردالمحتار باب الکنایات داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۶۸

باب تفویض الطلاق

(تفویض طلاق کا بیان)

مسئلہ ۳۲۱ از ملک بنگالہ ضلع سلہٹ پوسٹ آفس کمال گنج موضع پھول ٹولی
مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب ۶ رجب ۱۳۱۷ھ

ما قولکم رحمکم اللہ فی الدارین (اللہ تعالٰی دونوں جہانوں میں آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا ارشاد مبارک ہے۔ ت) اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا خاتون مسمّی زینب کو طلاق دے کر ہندہ کو خطبہ کیا تب ہندہ کہے کہ اگر اس شرط پر راضی ہو تو تیرے نکاح میں آسکتی ہوں ورنہ نہیں شرط یہ ہے، بلغیر اذن ہمارے اُس خاتون مطلقہ کو یا کسی اور غیر کو نکاح میں نہ لائیں اگر لائیں تو اختیار تین طلاق کی میرے ہاتھ میں رہے، زید شرط کو قبول کیا اور ہندہ کو نکاح میں لا کر پانچ چھ مہینے رہا پھر زید نے زینب کو بہ نکاح گھر میں لایا ہندہ خفا ہوکر زینب کے ساتھ تھوڑی دیر جنگ و خصومت کے بعد اُس کے کہا کہ اب میں مطابق اقرار نامہ نہیں رہ سکتی ہوں کہہ کر گھر سے نکل گئی اس قولِ ہندہ کے ساتھ گواہ بھی شرط ہے یا نہیں، اور اس طرح کے اختیار کرنا صحیح ہوگا یا نہیں، اور بعد آٹھ نو مہینے کے ولیِ ہندہ نے جا کر زید سے طلاق مانگا زید نے کہا کہ جو میں نے ستّر روپے مہر بانو کو دیا تھا واپس دے دو تب طلاق دُوں گا بحسب کہنے زید کے ستّر روپے جو کہ بابت مہر تھے واپس دے کر طلاق دلایا صحیح ہے یا لغو، بعد اس طلاق کے ہندہ پر عدت واجب ہے یا نہیں؟ اگر عدت کے اندر ہندہ بکر کے ساتھ نکاح بیٹھے تو وہ نکاح شرعاً حرام ہے یا حلال؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

قطع نظر اس سے کہ زید و ہندہ میں جو یہ گفتگو قبل از نکاح ہُوئی، اس میں تعلیق صحیح شرعی و اضافۃ الی الملک کہاں تک متحقق تھی کہ اگر اس وقت الفاظ ناکافیہ تھے تو خاص عقد نکاح میں بھی اس شرط کا ذکر آیا یا نہیں، آیا تو کن الفاظ سے؟ اور ایجاب میں تھا یا قبول میں؟ ان تفاصیل پر نظر کے بعد یہ واضح ہوگا کہ ہندہ کو اس قرارداد کی بناء پر برتقدیر نکاحِ زینب بے اذنِ ہندہ اپنے نفس کو تین طلاق دے لینے کا اختیار حاصل بھی ہُوا یا نہیں، صُورت یہی فرض کرلیجئے کہ شرعاً اختیار حاصل ہوگیا تھا پھر بھی اُس کے معنی یہ ہیں کہ بعد تحقق شرط جس مجلس میں ہندہ کو نکاحِ زینب کی اطلاع ہوا اس مجلس میں بے کسی کلام اجنبی کے اپنے نفس کو طلاق دے لے، یہ کہہ کر چلا جانا کہ اب میں مطابق اختیار نامہ رہ نہیں سکتی ہُوں طلاق نہیں، اور جب اپنے نفس کو بے طلاق دئے چلی گئی مجلس بدل گئی اور اختیار جاتا رہا، بلکہ اگر یہ کہنا طلاق ہی فرض کیا جائے تاہم اس سے پہلے زینب سے جنگ وجدل کلام فضولی و اجنبی کیا ان سے بھی مجلس بدل گئی اور اختیار نہ رہا، درمختار میں ہے:

مایوقعه غیرہ باذنه وانواعه ثلثة تفویض وتوکیل ورسالۃ والفاظ التفویض ثلثۃ تخییر وامر بید ومشیئۃ، قال لها اختاری او امرك بیدك ینوی تفویض الطلاق او طلقی نفسك، فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مشافهۃ او اخبارا، وان طال یوما او اکثر مالم یوقته ویمضی الوقت قبل علمها مالم تقم لتبدل مجلسها حقیقۃ او حکما بان تعمل مایقطعه مما یدل علی الاعراض[1]۔

خاوند کی اجازت سے دُوسرا کوئی شخص طلاق واقع کرے تو اس کے لئے تین طریقے ہیں: تفویض، توکیل اور خط یا قاصد۔ بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کیلئے تین الفاظ ہیں: بیوی کو طلاق کا اختیار، یا معاملہ طلاق سپرد کرنا، یا اس کی مرضی پر رضامندی ظاہر کرنا، لہذا بیوی کو کہا "اختیار کرلے" یا "تیرا معاملہ تیرے سپرد" تو تفویض طلاق ہوگی۔ یا اس کو کہا "تُو اپنے آپ کو طلاق دے" تو ان صورتوں میں بیوی کو جس مجلس میں اس تفویض کا علم ہوا اس مجلسِ علم میں وُہ بالمشافہ یا بطور اطلاع اپنے اختیار کو استعمال کرسکتی ہے، اگر خاوند نے یہ اختیار کسی وقت کے ساتھ مخصوص نہ کیا ہو تو یہ مجلس ایک پُورا دن یا اس سے بھی زیادہ ہوسکتی ہے اور اختیار کو کسی وقت سے مخصوص کیا ہو اور وُہ وقت بیوی کے علم سے قبل ختم ہوگیا تب

---

[1] درمختار   باب تفویض الطلاق   مطبع مجتبائی دہلی   ۱/۲۲۶

بھی بیوی کو مجلسِ علم میں اختیار باقی ہوگا بشرطیکہ اس مجلسِ علم میں کوئی تبدیلی اُٹھنے یا اُٹھنے کے مترادف کوئی کام یا بات کرنے سے نہ آئی ہو کیونکہ ایسی بات یا کام حقیقۃً یا حکماً مجلس کی تبدیلی قرار پائے گا، مثلاً کسی ایسے کام میں وہاں ہی مصروف ہوجائے جس سے یہ سمجھا جائے کہ اس نے اختیار کو چھوڑ دیا اور ختم کردیا ہے (ت)

ردالمحتار میں ہے :

ودخل فی العمل الکلام الاجنبی[1] — ایسے کام میں اجنبی اور اختیار سے لاتعلق کلام بھی اعراض سمجھا جائے گا۔ (ت)

پس صورتِ مستفسرہ میں وہ اختیار ہرگز صحیح نہ ہوا نہ اُس وقت تک ہندہ پر کوئی طلاق پڑی، ہاں جب ولیِ ہندہ نے طلاق مانگی اور زید نے مہر واپس لے کر طلاق دی، یہ طلاق بیشک صحیح ہوئی اور اسی طلاق کے وقت سے ہندہ پر عدت لازم آئی، اگر ختمِ عدت سے پہلے بکر وغیرہ زید کے سوا کسی سے نکاح کرے گی باطل محض وحرام قطعی ہوگا،

قال اللہ تعالٰی والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ — اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے: طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض ختم ہونے تک عدت میں پابند رکھیں۔

واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۲: ازبنگالہ ضلع سلہٹ ڈاکخانہ کمال گنج موضع پھول ٹولی مرسلہ مولوی عبدالغنی صاحب

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالٰی فی الدارین (اللہ تعالٰی دونوں جہانوں میں آپ پر رحم فرمائے آپ کا کیا فرمان ہے۔ ت) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی اگلی خاتون مسماۃ زینب کو طلاق دے کر ہندہ کو اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر بلا اذن ہندہ اپنے اگلے خاتون مطلقہ کو یا اور دوسری کسی کو اپنے نکاح میں لائے تو ہندہ کو تین طلاق کا اختیار ہے خواہ کہ طلاق کو اختیار کرکے اپنے نفس کو چھڑائے یا مرضیِ شوہر پر رہے۔ اب زید بلا اذنِ ہندہ اپنی اگلی خاتون مطلقہ کو بہ نکاح گھر میں لایا اس صورت میں ہندہ کو اختیار ایقاع طلاق کے واسطے مجلس شرط ہے یا نہیں، ہندہ دعوٰی کرتی ہے کہ بمجرد آتے ہی زینب کے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تھا زید اور دو عورت حاضر مجلس ہندہ سے کہتے ہیں ہندہ نے کوئی بات

---

[1] ردالمحتار باب تفویض الطلاق داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۴۷۶

[2] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

نہ کہی بلکہ گھر سے باہر گئی اور زینب سے جنگ وخصومت کی، اس اختلاف میں عندالشرع گواہ معتبر ہے یا قولِ ہندہ معتبر؟ مع الدلیل بیان فرمائیں، اگر ہندہ اس دعوٰی مذکور کے بنا پر بعد تین مہینے کے بکر کے پاس نکاح بیٹھے تو یہ نکاح صحیح ہُوا یا نہیں؟ اور باوجود اس دعوٰی مذکورہ کے ہندہ نے زید سے خلع کیا تو یہ خلع عندالشرع معتبر ہے یا نہیں؟ معترض کہتا ہے اگر وُہ دعوٰی ہندہ صحیح ہوتا تو کیوں خلع کیا، ہندہ کہتی ہے بسبب خوفِ حاکم خلع کیا تھا، نہ کہ عدمِ اختیارِ نفس کے۔ اختلافِ زوجین کی صورت میں قولِ زوجہ عالمگیری میں ثابت ہے جیسا کہ:

واذا جعل امرھا بیدھا وطلقت نفسھا و قال الزوج انما طلقت نفسك بعد اشتغالك بکلام اوبعمل وقالت بل طلقت نفسی فی ذٰلك المجلس من غیران اشتغل بکلام اٰخر ولبشیئ اٰخر فالقول قولھا وقع الطلاق کذا فی فصول الاشتروشنی[1] انتھی۔

اگر خاوند نے بیوی کو اس کی طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دے دیا، اور بیوی نے اس پر اپنے آپ کو طلاق دے دی اور خاوند نے کہا کہ چونکہ تو دوسرے کام میں مشغول ہوگئی تھی، یا دوسری بات میں مشغول ہوچکی تھی، اور اس کے بعد تُو نے طلاق دی ہے اور بیوی نے خاوند کے اس الزام کا انکار کرتے ہُوئے کہا "نہیں بلکہ میں نے اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے اور میں کسی دوسرے کام میں مشغول یا اجنبی بات میں مشغول نہیں ہُوئی" تو بیوی کی بات معتبر ہوگی، اور بیوی کی دی ہوئی طلاق واقع ہوجائیگی، اشتروشنی کے فصول میں یُوں ہی مذکور ہے۔ انتہی (ت)

اس صورت مسطورہ میں عندالشرع کس کی دلیل معتبر ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں قولِ زوج قسم کے ساتھ معتبر ہے، ہندہ جب تک گواہان عادل شرعی دُو مرد یا ایک مرد دُو عورتوں کی شہادت سے ثابت نہ کرے کہ میں نے اُسی مجلس میں اپنے نفس کو طلاق دے لی تھی اس کی بات ہرگز نہ سُنی جائے گی نہ اُسے بکر سے نکاح کی اجازت ہوگی، خلع جو کیا صحیح ہے خلع کی عدت گزرنے پر جس سے چاہے نکاح کرسکتی ہے، اس صورت واقعہ اور صورت مسئلہ فتاوٰی عالمگیری میں فرق عظیم ہے وہاں شوہر کو بھی تسلیم تھا کہ عورت نے اپنے نفس کو طلاق دی مگر یہ کہتا تھا کہ اُس کا یہ طلاق دینا باطل واقع ہُوا کہ بعد تبدلِ مجلس تھا، یہ صراحۃً خلافِ ظاہر ہے کہ جب عورت نے بعد تخییر طلاق کا قصد کیا تو ظاہر یہی ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹۱

کہ ایسے ہی وقت طلاق دی جس سے اُس کا یہ قصد پُورا ہو یعنی مجلس بدلنے سے پہلے، تو اُس صورت میں شوہر خلافِ ظاہر دعوٰی کرتا تھا لہٰذا قول عورت کا معتبر ہوا، اور یہاں شوہر سرے سے ایقاعِ طلاق ہی کا اقرار نہیں کرتا بلکہ کہتا ہے کہ ہندہ بے طلاق دیے چلی گئی اور ہندہ دعوٰی طلاق کرتی ہے تو وُہ زوالِ نکاح کی مدعیہ اور شوہر منکر ہے، لہٰذا قولِ شوہر معتبر ہے، اور اختیارِ طلاق دیے جانے سے خواہی نخواہی یہ ظاہر نہیں کہ عورت طلاق ہی اختیار کرے گی، جامع الفصولین میں ہے:

ت (ای الزیادات) قال امرک بیدک فطلقت نفسها فقال انما طلقت نفسک بعد الاشتغال بکلام او عمل وقالت بل طلقت نفسی فی ذلک المجلس بلا تبدل فالقول قولها لانه وجد سببه باقرارہ محم (ای مختصر الحاکم) قال خیرتک امس فلم تختاری وقالت قد اخترت فالقول قوله شخ (ای شمس الائمة السرخسی) قال لقنه جعلت امرک بیدک فی العتق امس فلم تعتق نفسک قال القن فعلته لا یصدق اذ المولٰی لم یقر بعتقه لان جعل الامر بیده لا یوجب العتق ما لم یعتق القن نفسه والقن یدعی ذلک والمولٰی ینکره ولا قول للقن فی الحال لانه یخبر بما

ت (یعنی زیادات) میں ہے: خاوند نے بیوی کو کہا کہ "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" تو اس پر بیوی نے اپنے آپ کو طلاق دے دی، اس کے بعد خاوند نے اسے کہا کہ تُو نے اختیار کے بعد مجلس میں کسی تبدیلی کے بغیر اپنے کو طلاق دی ہے تو اس صورت میں بیوی کی بات معتبر ہوگی کیونکہ بیوی کی تصدیق کا سبب خاوند کا اپنا اقرار ہے (کہ بیوی نے طلاق دی ہے) وُہ پایا گیا ہے۔ محم (یعنی مختصر الحاکم)، خاوند نے بیوی کو کہا "میں نے تجھے کل اختیار دیا تھا تو نے اپنا اختیار استعمال نہ کیا" تو جواب میں بیوی نے کہا "میں نے اختیار کو استعمال کرلیا ہے"، تو خاوند کی بات معتبر ہوگی۔ شخ (یعنی شمس الائمہ سرخسی)، مالک نے اپنے غلام کو کہا کہ "میں نے تجھے کل آزاد ہونے کا اختیار دیا تو تُو نے اپنے آپ کو آزاد نہ کیا"، تو غلام نے کہا "میں نے کرلیا ہے"، تو غلام کی بات معتبر نہ ہوگی کیونکہ مالک نے اس کی آزادی کا اقرار نہ کیا، کیونکہ محض آزادی کا اختیار دینا عتق کو لازم نہیں کرتا جب تک مالک کے اختیار پر غلام اپنے آپ کو آزاد نہ کرلے، جبکہ غلام اس کا مدعی ہے اور مالک

لایملك انشاؤُلخروج الامرمن یده بتبدل مجلسه وکذا لوقال اعتقتك علی مال امس فلم تقبل فقال القن قبلت فالقول للمولی وکذا هذا کله فی الطلاق وفی امرك بیدك[1] اھ ملخصًا۔

انکار کرتا ہے اور اس گفتگو میں غلام کا کہنا کہ میں نے اپنے آپ کو آزاد کرلیا ہے یہ اس چیز کی خبر دینا ہے جس کی انشاء کا ابھی تک وہ مالک نہیں بنا تو فی الحال غلام کا کوئی قول نہیں ہے، کیونکہ اب مجلس بدلنے کی وجہ سے اختیار اس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے، اور یونہی اگر کہا کہ "میں نے کل تجھے مال کے عوض آزادی کا اختیار دیا تھا جسے تُو نے قبول نہ کیا" تو غلام نے کہا "میں نے قبول کرلیا تھا" تو مالک کی بات معتبر ہوگی۔ اور یہی تمام صورتیں طلاق اور بیوی کے ہاتھ میں اختیار دینے کے متعلق ہیں اھ ملخصًا (ت)

بحرالرائق میں ہے:

الفرق بینھما ان فی المسئلۃ الاولی اتفقا علی صدور الایقاع منھا بعد التفویض والزوج یدعی ابطال ایقاعھا فلا یقبل منہ[2] الخ۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مذکورہ صورتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں خاوند وبیوی دونوں اختیار کے بعد مجلس میں اختیار کو استعمال کرنے پر متفق ہیں مگر خاوند بیوی کے حق کو باطل کرنے کا مدعی ہے اس لئے اس کی بات مقبول نہ ہوگی الخ۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے ایک عورت سے قبلِ نکاح یہ قرار دیا کہ اگر میں دوسرا نکاح کسی اور عورت سے کروں تو تجھ کو اختیار ہے کہ تُو اپنے آپ کو طلاق دے لے، اُس شخص نے دُوسرا نکاح کرلیا، عورت اپنے آپ کو فورًا حسبِ اختیار طلاق دے لے اور شوہر اس پر رضامند نہ ہو تو طلاق ہوگی یا نہیں؟ اور قبلِ نکاح یہ شرط جائز تصور ہوگی یا نہیں؟

الجواب

اگر لفظ جو اُس شخص نے اس عورت سے قبلِ نکاح کہے اسی قدر اور یُونہی ہیں جس طرح سوال میں

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثالث والعشرون فی الامر بالید ومتعلقہ اسلامی کتبخانہ بنوری ٹاؤن کراچی ۱/۳۰۲
[2] بحرالرائق فصل فی الامر بالید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/۳۲۶

مذکور ہوئے تو اس صورت میں عورت کو برتقدیر نکاح ثانی کوئی اختیار طلاق دے لینے کا حاصل نہ ہوا اس کا اپنے نفس کو طلاق دینا کافی نہیں جب تک شوہر اس طلاق کو نافذ نہ کرے،

فان الملك او الاضافة اليه لابد منه ولم يوجد اوطلاق الفضولی یتوقف عند ناعلی اجازۃ الزوج۔

کیونکہ طلاق دیتے وقت ملکیت یا اس کی طرف نسبت کا موجود ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں یہ موجود نہیں، یا یہ کہ یہ فضولی کی طلاق ہے جبکہ فضولی کی طلاق خاوند کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے (ت)

پیش از نکاح جو ان الفاظ سے شرط کی جائے لغو و مہمل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۲۴ از بنگالہ ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اس شرط پر زینب سے نکاح کیا کہ اگر تم کو چھ مہینے تک بے خوراک و بے خبری چھوڑوں گا تو اختیار ایقاع تین طلاق کی ملک تیرے ہاتھ دے دیا، اب زید نے بعد ایک سال کے اپنی منکوحہ کو خوش و راضی کرکے فی ماہ خوراک مقرر کرکے واسطے کسی کام کے سفر میں گیا اور تین گواہ بھی موجود ہیں، اب بعد چند روز کے منکوحہ زید دعوٰی کرتی ہے کہ میری طلاق واقع ہوگئی، آیا یہ دعوٰے زینب صحیح ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر الفاظِ شرط کہ زید نے کہے یہی ہیں جو سوال میں مذکور ہوئے تو اس میں چار صورتیں ہیں:

اوّل یہ لفظ زید نے پیش از نکاح کہے اگرچہ اُسی وقت معاً نکاح کرلیا۔

دوم خاص ایجاب و قبول میں یہ شرط کی اور ابتدائے ایجاب اس شرط کے ساتھ جانبِ زید سے تھی یعنی زید نے کہا میں تجھے اپنے نکاح میں لایا اس شرط پر کہ اگر تجھ کو چھ مہینے تک الخ، زینب نے کہا میں نے قبول کیا۔

سوم شرط خود عقد میں تھی اور ابتدائے ایجاب زینب کی طرف سے مثلاً زینب یا اس کے وکیل نے کہا میں نے اپنے نفس یا اپنی مؤکلہ زینب بنت فلاں بن فلاں کو تیرے نکاح میں دیا اس شرط پر کہ اگر تو چھ مہینے تک الخ، زید نے کہا میں نے قبول کیا، یا زینب خواہ وکیل نے کہا میں نے اپنے نفس یا مؤکلہ مذکورہ کو تیرے نکاح میں دیا، زید نے کہا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ اگر میں تجھ کو چھ مہینے تک الخ۔

چہارم یہ شرط بعد تحقق ایجاب و قبول کی، پہلی دو صورتوں میں سرے سے یہ تفویض طلاق یعنی زینب کو بشرطِ مذکور طلاق کا اختیار دینا ہی صحیح نہ ہُوا، اگر بالفرض زید چھ برس بے نفقہ و بے خبرگیری چھوڑے اور

زینب سَو بار اپنے نفس کو طلاق دے طلاق نہ پڑے گی،

لان التفویض تعتمد الملك او الاضافة الیہ ولم یوجد۔

کیونکہ تفویض کا دارومدار ملکیت یا اس کی طرف نسبت پر ہے جو کہ یہاں موجود نہیں ہے۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں وغیرہ میں ہے:

المرأۃ اذا کانت من الزوج کان التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المرأۃ قبلت والجواب یتضمن اعادۃ ما فی السؤال صار کانہ قال قبلت علی ان یکون الامر بیدك فیصیر مفوضا بعد النکاح[1] اھ مختصرا۔

بیوی نے خاوند سے طلاق کا اختیار طلب کیا تو اب خاوند نے تفویض کی ابتدا کی تو یہ تفویض نکاح کے بعد متصور ہوگی کیونکہ اگر بیوی کے جواب میں صرف قبلت (میں نے قبول کیا) کہا، تو یہ تفویض نکاح کے بعد اس لئے ہوگی کہ سوال کا جواب میں اعادہ معتبر ہوتا ہے گویا کہ یُوں کہا میں نے قبول کیا کہ معاملہ تیرے ہاتھ میں ہو اھ مختصرًا (ت)

اور پچھلی دُو صورتوں میں تفویض صحیح ہوگئی، اب اگر زید نے بعد نکاح چھ مہینے تک بے نفقہ وخبر گیری چھوڑا تو بھی زینب پر طلاق ہونے کے کوئی معنی نہیں لعدم تحقق الشرط (شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے ت) اور اگر شرط مذکور پائی گئی تو جس وقت چھ مہینے گزرے زینب کو اپنی طلاق دے لینے کا اختیار تو ضرور حاصل ہوا مگر یہ اختیار اُسی جلسہ تک رہے گا اگر مجلس بدلی یا کوئی فعل یا قول زینب سے ایسا صادر ہو جو اپنے آپ کو طلاق دینے سے اجنبی ہو تو وہ اختیار فورًا جاتا رہا اب چاہے سَو بار اپنے نفس کو طلاق دے نہ ہوگی مثلاً جس وقت چھ مہینے گزرے زینب ایک جگہ بیٹھی تھی وہاں سے کھڑی ہوگئی یا کھڑی تھی چلنے لگی یا کھانا مانگا یا کنگھی کی یا کسی کوئی اجنبی بات اس معاملے کے علاوہ کہی اُس کے بعد اپنے آپ کو طلاق دی ہرگز نہ پڑے گی اور اگر اُسی جلسہ میں بغیر کسی ایسے قول وفعل اپنے آپ کو طلاق دے سب سے پہلے یہی بات کی تو بیشک طلاق ہوگئی۔

فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرك بیدك فقدم فلان فامرھا بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی

وہ تفویض جو کسی شرط سے معلق ہو تو اس کی دُو صورتیں ہیں، وقت مقرر ہوگا یا وقت مقرر نہ ہوگا۔ اگر شرط کے ساتھ وقت مقرر نہ ہو جیسے یُوں کہے "تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے جب فلاں شخص آجائے تو

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں فصل فی النکاح علی الشرط نولکشور لکھنؤ ۱/۱۵۲

قدم فیہ[1] الخ

اس صورت بیوی کو فلاں کے آنے کی اطلاع والی مجلس میں اپنا اختیار حاصل ہوجائے گا الخ (ت)

اُسی میں ہے:

اذاقامت عن مجلسها قبل ان تختار نفسها وکذا اذا اشتغلت بعمل اٰخر یعلم انه کان قاطعا لما قبله کما اذا دعت بطعام لتأکله او نامت او نشطت او اغتسلت او اختضبت او جامعها زوجها او خاطبت رجلا بالبیع والشراء فهذا کله یبطل خیارها کذا فی السراج الوهاج[2]۔

اگر بیوی مجلس میں اپنے کو طلاق دینے سے قبل اُٹھ کھڑی ہُوئی یا کسی دوسرے کام میں مصروف ہوگئی جس سے معلوم ہوجائے کہ یہ اختیار کے لئے قاطع ہے مثلاً بیوی اس مجلس میں اختیار استعمال کرنے سے قبل کھانے کے لئے کھانا طلب کرلے یا کنگھی کرنا شروع کردے یا غسل شروع کردے یا خضاب مہندی لگانا شروع کردے یا خاوند سے ہمبستری شروع کردے یا کسی دوسرے شخص سے خرید و فروخت کی بات شروع کردے، تو یہ تمام افعال اس کے اختیار کو باطل کردیں گے۔ سراج الوہاج میں ایسے ہی مذکور ہے (ت)

درمختار میں ہے:

والفلك لها کالبیت وسیر دابتها کسیرها حتی لایتبدل المجلس بجری الفلك ویتبدل بسیر الدابة[3] الخ۔

کشتی، گھر کی طرح ہے، اور سواری کا چلنا عورت کے اپنے چلنے کی طرح ہے حتی کہ مجلس اختیار تبدیل نہ ہوگی جب کشتی چلتی رہی ہو مگر سواری کے چلنے پر مجلس تبدیل ہوجائے گی الخ (ت)

بالجملہ صورت مستفسرہ میں زینب پر طلاق ہونے کے لئے تین امور ضرور:

ایک یہ کہ وہ تفویض جانب زوج سے صحیح واقع ہُوئی یعنی بعد نکاح یہ اختیار دیا ہو یا وقت نکاح اس طور پر کہ ابتدائے ایجاب عورت کی طرف سے ہو۔

دوسرے یہ کہ بعد نکاح چھ مہینے بے نفقہ و خبرگیری گزرے ہوں۔

---

[1] فتاوٰی ہندیہ الفصل الثانی فی الامر بالید نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۳۹۶

[2] " " " الباب الثالث فی تفویض الطلاق " " " ۱/۳۸۷

[3] درمختار باب تفویض الطلاق مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۲۷

تیسرے یہ کہ اُن کے گزرتے ہی اسی مجلس میں بے کسی اجنبی بات کے زینب نے اپنے آپ کو طلاق دے لی ہو۔

ان تین امور سے اگر ایک بھی کم ہے دعوٰی طلاق محض غلط و باطل ہے اب اگر زید ان تینوں باتوں کے وجود کا مقر ہو تو آپ ہی طلاق ثابت ہو جائے گی، اور اگر اُن میں بعض کا منکر ہو تو امر اول و دوم میں زینب پر گواہ دینے ضرور ہیں شہادتِ شرعیہ سے ثابت کرے کہ شوہر نے اُسے تفویض طلاق بروجہ مقبول شرعی کی اور چھ مہینے بے نفقہ و خبر گیری گزر گئے اگر گواہانِ عادل سے اسے ثابت نہ کر سکے گی تو زید کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائیگا اور طلاق ثابت نہ ہوگی، اور امر سوم میں اگر زید کو سرے سے بعد حصول شرط زوجہ کی جانب سے ایقاعِ طلاق صادر ہونے ہی کا انکار ہے جب بھی گواہ ذمۂ زینب ہیں اور اگر ایقاع بھی زید کو تسلیم ہے تو گواہ دینا زید پر لازم ہے یعنی صحتِ تفویض و انقضائے ششماہی و ایقاعِ طلاق زید کو تسلیم یا گواہوں سے ثابت ہے اور تنقیح صرف اس بات کی باقی ہے کہ اُس مدت گزرنے پر زینب نے اُسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دے لی یا بعد، زینب کہتی ہے اُسی وقت میں نے طلاق دے لی تھی اور زید منکر ہے، تو اس کا بارِ ثبوت زید پر ہے، یہ گواہوں سے ثابت کرے کہ جس وقت چھ مہینے گزرے ہیں زینب بے طلاق دیے ہُوئے کسی اور کام میں مشغول ہوگئی اگر ثابت کردے گا طلاق نہ ہوگی ورنہ زینب کا قول قسم کے ساتھ مان لیا جائے گا اور طلاق ثابت کردیں گے، درمختار میں ہے:

قالت طلقت نفسی فی المجلس بلا تبدل وانکر فالقول لها جعل امرها بیدها ان ضربها بغیر جنایة فضربها ثم اختلفا فالقول له لانه منکر وتقبل بینتها علی الشرط المنفی، کما سیجیئ[1]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

بیوی نے کہا میں نے مجلس تبدیل کئے بغیر اپنے آپ کو طلاق دے دی ہے، اور خاوند اس کا انکار کرتا ہے تو بیوی کی بات معتبر ہوگی، مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا اگر وہ اس کو بغیر قصور مارے پھر خاوند نے بیوی کو پیٹ دیا تو اب بغیر قصور پیٹنے کی شرط پائے جانے میں خاوند بیوی کا اختلاف ہُوا تو خاوند کا قول معتبر ہوگا کہ وہ منکر ہے، اگر عورت شرط کے نہ پائے جانے کے موقف پر خاوند کے خلاف شہادت پیش کرے تو قبول کی جائے گی، جیسا کہ عنقریب ذکر آئیگا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ٣٢٥: از ملک بنگالہ ضلع سلہٹ مرسلہ مولوی عبدالحکیم صاحب ٢١ شعبان ١٣٢٠ھ

چہ مے فرمایند علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ عبدالکریم میاں مسماۃ ٹکخبنگ بی بی را

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ عبدالکریم نے مسماۃ ٹکخبنگ بی بی سے

---

[1] درمختار باب الامر بالید مطبع مجتبائی دہلی ١/٢٢٩

درعقد نکاح خود آورد و از بطن مذکورہ دخترے
تولد شد بعد ازاں عبدالکریم از کسے وجہ ناراضی
بانو موصوفہ را طلاق بائن داد ، بی بی مذکورہ از مکان
عبدالکریم بمکان دیگر رفت بعد ازاں عبدالکریم
مسماۃ ماتون بی بی را نکاح کرد و نامہ بطورکابین
بریں مضمون نوشتہ داد کہ بغیر تو ہیچ زن را خواہ
ٹکخبنگ بی بی باشد یا زن دیگر در نکاح من
نیارم اگر آرم و آں زن دیگر درباب چوکھٹ پائے
دارد پس ترا اختیار طلاق ثلثہ است بہر وقتے
کہ باید خود را از نکاح من خارج کردہ با شوہر
دیگر نکاح توانی کرد، اگر در آں وقت دعوے
زوجیت بکنم خلافِ شریعت و قانون انگریزی خواہد
شد نوشتہ بدست ماتون بی بی داد و چند
کس را از مجلس مسلمین گواہ کرد، پس از چند روز
عبدالکریم قولِ خود را خلاف نمودہ بانو اول ٹکخبنگ
بی بی را بمکان خود آورد و بعد ازاں میان ہر دو زن
جنگ وجدال شد ٹکخبنگ از شجاعت و دلیری
خود ماتون بی بی را از مکان عبدالکریم بیروں کرد
پس ماتون بی بی جبرًا روزے بمکان والد عبدالکریم
ماندہ بروز دیگر سخنہائے کہ ضرۂ خود دیروز شدہ بود
بیان کردہ گفت کہ من بمطابق اقرار نامہ سہ طلاق
خود را اختیار می روم و بمکان والدین رفت
بعد ازاں عبدالکریم قول خود را خلاف اقرار نامہ
کردہ دعوی زوجیت کرد پس ماتون بی بی بعد
چہار ماہ بخوف جنگ وجدال شوہرے خود را ہفتاد

نکاح کیا اور اُس کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہُوئی ،
اس کے بعد عبدالکریم نے بانو موصوفہ کو بائن طلاق
دے دی اور وہ عبدالکریم کے مکان سے دوسرے
مکان میں چلی گئی ، پھر عبدالکریم نے مسماۃ ماتون
سے نکاح کیا اور نکاح نامہ میں یہ تحریر کرکے ماتون
بی بی کو دے دیا کہ "وہ تیرے بغیر ٹکخبنگ بی بی یا کسی
دوسری عورت سے نکاح کروں تو وہ جب دروازے
کی چوکھٹ پر قدم رکھے تو تجھے تین طلاقوں کا اختیار
دیتا ہوں کہ تو جس وقت چاہے میرے نکاح سے
خارج ہوجائے اور دوسرے جس شخص سے چاہے
نکاح کرسکتی ہے، اگر اُس وقت میں تجھ پر زوجیت
کا دعوٰی کروں تو یہ دعوٰی شریعت اور انگریزی قانون
کے خلاف متصور ہوگا" اس تحریر پر چند حاضر
مسلمانوں کو گواہ بنایا، اس کے بعد چند روز میں ہی
عبدالکریم نے اپنے وعدے کی خلاف ورزی کرتے
ہُوئے پہلی بیوی ٹکخبنگ بی بی کو اپنے مکان پر
لے آیا جس کے بعد دونوں بیویوں میں جھگڑا شروع
ہوگیا اور ٹکخبنگ بی بی نے اپنی جرأت اور دلیری سے
ماتون بی بی کو عبدالکریم کے مکان سے نکال دیا تو ماتون بی بی
ایک روز زبردستی عبدالکریم کے والد کے گھر ٹھہری
اور وہاں عبدالکریم کے والد کو اپنی سوکن کے ساتھ
ہونے والی گزشتہ روز کی کہانی سنائی اور کہا کہ
میں نکاح نامہ پر تحریر شدہ عبدالکریم کے اقرار کے
مطابق اپنے آپ کو طلاق دیتی ہوں اور اپنے اختیار
کو استعمال کرتی ہوں ، وہ یہ کہہ اپنے والدین کے

روپیہ دادہ خلع کرد و عبدالکریم ماتون بی بی را سہ طلاق داد پس ماتون بی بی بعد یک روز با مرد دیگر نکاح خود کرد پس ایں نکاح جائز شد یا نہ، با براہین شرعیہ و دلائل قویہ باید نوشت، مخفی نماند کہ از سہ سال در بارۂ ایں مسئلہ اختلاف ست، بیّنوا توجروا۔

گھر چلی گئی، اس کے بعد عبدالکریم نے اپنے اقرارنامہ کے برخلاف ماتون بی بی پر اپنی زوجیت کا دعوٰی کردیا، تو ماتون بی بی نے جنگ وجدال سے بچتے ہُوئے عبدالکریم کو اس کے دعوٰی کے عوض ستر روپے خلع کے طور پر چار ماہ بعد ادا کر دئے، تو عبدالکریم نے اسی وقت ماتون بی بی کو تین طلاقیں دیں، تو اس کے ایک روز بعد ماتون بی بی نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا، تو کیا اس کا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ براہین شرعیہ اور دلائل قویہ سے جواب لکھا جائے۔ یاد رہے کہ اس مسئلہ میں تین سال سے اختلاف چلا آرہا ہے، بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر عبدالکریم آں نامہ پیش از نکاح نوشت و آنجا الفاظ ہمیں قدر بود کہ سائل ذکر نمود بزنے گرفتن ماتون شرطا بالتصریح مذکور نبود مثلاً اگر ترا نکاح کنم و باز بر تو زنے دیگر بزنے گیرم و او بخانہ ام آید پس ترا اختیار سہ طلاق ست الخ پس دریں صورت آں نامہ لغو و باطل ست و بزنے گرفتن منکوحہ اولٰی خواہ غیر او ماتون را ہیچ اختیار طلاق دادن خود ش روا ندارد او ہمچناں زن عبدالکریم است تا آنکہ خلع کرد و عبدالکریم سہ طلاق داد ازیں وقت مطلقہ شد و عدّت برو واجب آمد پیش از مرور عدت نکاحی کہ با مرد دیگر کرد ناجائز و باطل و زنا و حرام بود از و باز ماندن فرض ست قال اللہ تعالٰی و المطلّقٰت یتربّصن بانفسھن ثلٰثۃ قروء[1] در ردالمحتار ست لو قال لھا

اگر عبدالکریم نے وُہ تحریر نکاح سے پہلے لکھی ہو اور اس میں وہی الفاظ ہوں جو سائل نے تحریر کئے ہیں جس میں ماتون بی بی سے نکاح کو بطور شرط صراحۃً ذکر نہیں کیا گیا، مثلاً یہ صورت ہو کہ اگر تجھ سے نکاح کر دوں اور پھر تجھ پر دوسری عورت کو بیوی بناؤں اور وہ میرے گھر آئے تو تجھے تین طلاقوں کا اختیار ہے الخ ——— تو ایسی صورت میں یہ تحریر لغو اور باطل ہے، اور پہلی بیوی یا کسی دوسری کو نکاح کرکے گھر لائے تو ماتون بی بی کو اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو تین طلاق دے وُہ بدستور عبدالکریم کی بیوی ہوگی اور خلع کے بعد اس کو عبدالکریم کے تین طلاق دینے پر وہ مطلقہ قرار پائی اور اس وقت سے اس کی عدت شمار ہوگی، اور عدت پوری ہونے سے قبل دوسرے شخص سے اس کا نکاح حرام،

---

[1] القرآن الکریم ۲/۲۲۸

تزوجتك علی ان امرك بیدك فقبلت جاز النکاح ولغا الشرط لان الامر انما یصح فی الملك او مضافا الیه ولم یوجد واحد منهما بخلاف مامر فان الامر صار بیدها مقارنا لصیرورتها منکوحۃ[1] اھ نہر ، واگر تحریرنامہ پس از نکاح ماتون ست تفویض طلاق بجانہ آنچناں کہ دراں نامہ گفتہ است صحیح شدہ وبوجہ قول عبدالکریم بہر وقتیکہ باید الخ متقید بمجلس نماند فی الدرالمختار من فصل المشیئۃ تتقید بالمجلس لانہ تملیك الا اذا زاد متی شئت ونحوہ ممایفید عموم الوقت فتطلق مطلقا[2] پس بریں تقدیر زاں باز کہ طلاق خویش اختیار کرد از نکاح بیروں شد اگرچہ ایں معنی روز دوم رونمود وذلك لان قولہ بہر وقتیکہ باید الخ توضیح للتفویض المذکور فی قولہ پس ترا اختیار ثلاثہ است کما ھو الظاھر المتبادر المفھوم المتعارف من امثال التحاور، وان فرض کونہ کلاما بحیالہ فھو تفویض

ناجائز اور باطل بلکہ زنا ہے اس لئے ماتون کو اس دوسرے شخص سے علیحدہ ہوکر باز رہنا ضروری اور فرض ہے، اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے: اور مطلقہ عورتیں تین حیض مکمل ہونے تک اپنے آپ کو پابند رکھیں۔ ردالمحتار میں ہے: اگر ایک شخص نے کسی عورت سے کہا کہ میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو عورت نے اس شرط پر نکاح کو قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط مذکورہ لغو ہوجائیگی، کیونکہ طلاق کا اختیار نکاح میں یا نکاح کی طرف نسبت کرنے میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ یہ دونوں امر یہاں نہیں ہیں، اس کے برخلاف جوگزرا کیونکہ وہاں طلاق کا اختیار نکاح سے مقارن ہوجاتا ہے عورت کے منکوحہ ہوجانے کی وجہ سے اھ نہر۔ اور اگر عبدالکریم نے وہ تحریرنامہ ماتون بی بی سے نکاح کرنے کے بعد لکھا ہے تو پھر تین طلاقوں کی تفویض جس طرح کہ اختیارنامہ میں موجود ہے صحیح ہے اور عبدالکریم کے تحریرنامہ میں "جس وقت چاہے" لکھنے کی وجہ سے یہ تفویض اس مجلس سے مقید نہ رہی۔ درمختار کی فصل فی المشیئۃ میں ہے کہ یہ مشیت یعنی اختیارِ طلاق مجلس موجود میں رہتا ہے اور اُسی سے مقید ہوتا ہے اس کے

عہ یہاں کرم خوردہ ہے ۱۲

---

[1] ردالمحتار | باب الرجعۃ | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۵۴۰

[2] درمختار | باب الامر بالید | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۲۲۹

بنفسه وليس فيه التنصيص على
تفويض طلاق واحد حتى
ينافيه اختيار الثلاث عند
الامام انما هو كلام مطلق
ليشتمل كل بينونة بواحدة
اتت او باكثر فصح على هذا
ايضا وان لم تبن الا بواحدة،
وعلى الاول بثلث قال في رد المحتار
لا يقع شيئ فيما اذا امرها بالواحدة
فطلقت ثلثا بكلمة واحدة عند
الامام اما لو قالت واحدة
و واحدة و واحدة وقعت
واحدة اتفاقا لانه لو تعرض
للعدد لفظا و اللفظ صالح
للعموم و الخصوص و تمامه
في البحر[1]، اگر ایں سخن ہمچناں
راست باشد کہ سائل وانمود یعنی در کلام
عبد الکریم لفظ (ہر وقتیکہ باید) نیز
زائد بود پس دریں حالت اگر پس آں
طلاق ماتون را سہ حیض کامل آمدہ ختم شدہ
بود بعد آں نکاح با شخصے دیگر کرد جائز
باشد ورنہ حرام، و وقوع ایں معنی
بعد چار ماہ از طلاق اولیں دلیل قطعی

بعد نہیں رہتا کیونکہ یہ تملیک ہے، لیکن اگر "جب چاہے"
کا لفظ زائد کیا ہو یا اس کی مثل اور کوئی عموم وقت
کے لئے لفظ زائد کیا ہو تو پھر مجلس کی قید کے بغیر مطلقاً
طلاق ہوگی، پس اس صورت میں ماتون بی بی کا اپنے آپ
کو طلاق دینا درست ہوا اور وہ عبد الکریم کے نکاح سے
خارج ہوگئی ہے، اگرچہ عبد الکریم اس کارروائی کے
دوسرے روز اس کے خلاف اقدام کرکے رَد بھی
کردے تاہم نکاح ختم ہوگیا ہے، یہ اس لئے کہ
اس نے "جس وقت چاہئے" کا لفظ ذکر کیا ہے اور
یہ تین طلاقوں کی تفویض کی وضاحت ہے، جیسا کہ
عرف میں اس محاورہ کے استعمال سے متبادر طور پر مفہوماً
سمجھا جاتا ہے، اور اگر بعینہ اس کو کلام فرض کیا جائے تو یہ

بنفسہ تفویض ہوگی اور تفویض میں چونکہ ایک طلاق کا ذکر
نہیں ہے اس لئے یہاں تین طلاقوں کو اختیار کرنا
امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ہاں منافی نہ ہوگا
(ہاں اگر بیوی تین طلاقوں کو بیک لفظ کی بجائے "ایک
اور ایک اور ایک" تین مرتبہ کہتی تو پھر بالاتفاق
ایک ہوتی) لیکن یہاں تو مطلق کلام ہے جس میں ایک
یا زیادہ بائنہ طلاقیں ہوں سب کو شامل ہے، تو اس
بنا پر بھی تین طلاقیں اپنانا درست ہے اگرچہ
علیحدہ علیحدہ کہنے میں ایک ہی سے بائنہ اور بیک
لفظ میں تین طلاقوں سے ہی بائنہ ہو جاتی ہے،
رد المحتار میں ہے کہ اگر خاوند نے بیوی کو ایک طلاق کا

---

[1] رد المحتار باب فی المشیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۸۸

انقضائے عدت نیست زن بحال خود عالم است
می تواند کہ گاہے در سہ سال نیز سہ حیض تمام
نشود ایں ست حکم صورت مسئولہ، اما فقیر
می ترسم کہ ایں مسئلہ ہماں ست کہ در ۱۳۱۷ھ
سہ بار ازہمیں سلہٹ نزد فقیر آمدہ بود و سائل
ایں بار نیز گفت کہ ایں فساد از سہ سال
آنجا برپا ست، بار اول ۶ رجب ۱۳۱۷ھ بیانے
کہ آمد ظاہرش آنست کہ ایں اقرار زید یعنی
عبدالکریم پیش از نکاح ہندہ اعنی ماتون بود
و آنجا نیز تصریح اضافت بملک یا سبب
ملک نیست و قطع نظر ازاں ۶ رجب و
۱۹ شوال و ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۱۷ھ در سوالات
ہر سہ بار ہیچ ذکر ایں زیادت تازہ کہ ہرقید
باید نبود بلکہ در سوال اول لفظ ہندہ ہمیں
قدر نوشتہ بود کہ اب میں مطابق اقرار نامہ
نہیں رہ سکتی ہوں، ایں گفت و از خانہ
بروں رفت جواب دادم کہ ایں الفاظ طلاق
نبود بالفرض اگر طلاق باشد پیش آنہا باز
ضرۂ خود جنگ وجدل سخنے فضول و اجنبی بود
مجلس متبدل شد و اختیار طلاق از دست
رفت طلاق ازاں روز شد کہ خلع کرد ازیں
روز امر در عدت واجب ست ورنہ نکاح
حرام بریں جواب در سوال شوال نیز ہمیں
از تقیید بمجلس سوال کرد جواب رفت، در سوال
ذیقعدہ فزود کہ ہندہ دعوی میکند کہ مجرد آمدن

اختیار دیا اور بیوی نے تین کو بیک لفظ اپنایا تو امام
صاحب کے نزدیک کوئی طلاق نہ ہوگی، اور ایک ایک
کرکے تین طلاقوں کو اپنے لئے اختیار کیا تو پہلی ایک
بالاتفاق واقع ہوگی کیونکہ لفظوں میں خاوند نے عدد کو
ذکر نہیں کیا اس میں عموم اور خصوص دونوں کا احتمال
ہے، اس کی پوری بحث بحر میں ہے
——— تو اگر بات ایسے ہی ہے جیسے سائل نے
ظاہر کی ہے یعنی عبدالکریم نے اختیار سونپتے ہوئے
"جب چاہے" بھی زائد کیا ہے، پس اندریں صورت
ماتون بی بی کے طلاق کو اپنانے کے بعد تین حیض کامل
گزر چکے ہوں اور اس کے بعد اس نے دوسرے شخص
سے نکاح کیا ہے تو یہ نکاح جائز ہے ورنہ عدت مکمل

ہونے سے قبل نکاح کیا تو یہ حرام ہے اور محض چار ماہ طلاق
کے بعد گزرنا یہ عدت کے پورا ہونے کی قطعی دلیل نہیں
ہے، اس کے متعلق عورت کو علم ہوتا ہے کیونکہ کبھی
تین سال میں بھی تین حیض مکمل نہیں ہوتے، یہ صورت
مسئولہ کا حکم ہے۔ مجھ فقیر کو خطرہ ہے کہ یہ وہی مسئلہ
ہو جو میرے پاس ۱۳۱۷ھ میں تین بار سلہٹ سے
آیا تھا، اور سائل نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہاں یہ فساد
تین سال سے چلا آرہا ہے۔ پہلی بار ۶ رجب ۱۳۱۷ھ
کو یہ سوال آیا تو اس میں یہ بیان تھا کہ زید یعنی عبدالکریم
کا یہ اقرار نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور اس
میں ماتون سے نکاح کی ملکیت یا سبب کا ذکر بھی
نہ تھا، اس سے قطع نظر ۶ رجب، ۱۹ شوال اور ۲۲ ذیقعدہ
۱۳۱۷ھ تین مرتبہ سوالات کئے گئے جن میں اس تازہ

ضرہ بخانہ ہماں وقت نفس خودم را اختیار کردہ بودم و شوہر منکر اصل ایں معنی ست میگوید کہ ہندہ ہیچ نگفت و بدر رفت دریں صورت قول کراست جواب نوشتم زید راست، بعد سہ سال چہارم بار ایں سوال آمد و در و لفظے زائد است کہ تقیید مجلس از بیخ برانداخت بایں معنی باخبر باید بود اگر ایں سوال متعلق بہم واقعہ است پس تبدیل کنندگاں از خدا ترسند اگر بہ تعبیر واقعہ حکمے از مفتی بدست آرند عالم الغیب والشہادۃ را چہ جواب دہند فمن بدلہ بعد ما سمعہ فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

زائد لفظ "جب چاہے" کا اضافہ نہ تھا بلکہ پہلی مرتبہ سوال میں ہندہ کے عنوان سے لکھا گیا کہ "اب میں اقرار نامہ کے مطابق نہیں رہ سکتی ہوں" یہ کہا اور زید کے گھر سے چلی گئی، تو میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ الفاظ طلاق نہیں بن سکتے اور اگر بالفرض ہندہ کے یہ الفاظ طلاق ہوں بھی تو اس کا پہلے اپنی سوکن کے ساتھ جھگڑا کرنا، لا تعلق اور اجنبی بات ہونے کی وجہ سے اختیار والی مجلس تبدیل ہوگئی جس سے ہندہ کے ہاتھ سے طلاق کا اختیار جاتا رہا، لہٰذا ہندہ یعنی مانتون بی بی کو اس روز طلاق ہوئی جس روز اس نے خاوند سے خلع کیا، اور اسی دن سے عدت واجب ہوئی اور اس کا

مکمل ہونا ضروری ہے ورنہ اس کا نکاح حرام ہے۔ اس جواب کے بعد سوال والے سوال میں بھی خاوند کی طرف سے دیئے گئے اختیار والی مجلس کی قید سے سوال کیا گیا اس کا جواب دیا گیا، اور ذیقعدہ والے سوال میں یہ بات زائد تھی کہ ہندہ دعوٰی کرتی ہے کہ خاوند نے صرف سوکن کی گھر آمد پر مجھے طلاق کا اختیار دیا تھا جس کو میں نے اس موقع پر استعمال کر لیا تھا، اور خاوند اس بات سے انکار کرتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ ہندہ نے اس موقع پر کچھ نہیں کہا اور گھر سے چلی گئی، اس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا خاوند یا بیوی کس کی بات معتبر ہے؟ میں نے جواب میں لکھا زید یعنی خاوند کی بات معتبر ہے۔ مذکور تین بار سوال کے بعد چوتھی مرتبہ تین سال کے بعد اب یہ سوال آیا ہے اور اس میں ایک مزید اضافہ کیا گیا "اور جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے دے" لکھا گیا ہے اور مجلس کی قید والی صورت کو سرے سے ہی ختم کر دیا گیا، لہٰذا اس معاملہ کی تحقیق ہونی چاہیے، اگر یہ آخری سوال بھی ان پہلے تین سوالوں کا واقعہ ہے تو پھر سوال میں تبدیلی کرنے والوں کو خدا سے ڈرنا چاہیے، اگرچہ سوال کی تبدیلی کے ذریعہ مفتی سے مطلب کا حکم حاصل کر لیں گے لیکن عالم الغیب والشہادۃ اللہ تعالٰی کے ہاں کیا جواب دیں گے۔ جس نے اس کو سننے کے بعد تبدیل کیا تو گناہ بدلنے والوں پر ہے واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۸۱

مسئلہ ۳۲۶: از خیرآباد میانسرائے مدرسہ عربیہ قدیم ضلع سیتاپور اودھ مرسلہ سید فخر الحسن صاحب رضوی ۲۷ جمادی الاولٰی ۱۳۳۶ھ

مسمی زاہد علی ولد عابد علی کا عقد نکاح مسماۃ کریماً بنت عبداللہ کے ساتھ باقرار امر بالید منعقد ہوا حسب ذیل نکاح نامہ تحریر ہوا:

نقل نکاح نامہ

الحمد للہ الذی فاصلا بین الحلال والحرام وواصلا بسلك النظام وحرم السفاح عصمۃ للعالم وحفظا لنسل بنی اٰدم والصلٰوۃ والسلام علٰی خیر خلقہ محمد سید الانام وعلٰی اٰلہ البررۃ الکرام واصحابہ العظام۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے جو حرام وحلال میں فرق فرمانے والا ہے اور نظام کی ڈوری جوڑنے والا ہے اور جس نے نظام عالم کی حفاظت کے لئے اور نسل بنی آدم کو محفوظ رکھنے کے لئے زنا کو حرام فرمایا ہے۔ صلٰوۃ وسلام اللہ تعالٰی کی بہترین مخلوق جہان کے آقا محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم پر اس آل جو پاک اور بزرگ ہے، اور صحابہ پر جو عظیم مرتبہ والے ہیں۔ (ت)

اما بعد میں سید زاہد علی ولد سید عابد علی ساکن بلدہ خیرآباد نے برضا ورغبت خود مستماۃ کریما دختر سید عبداللہ کو بعوض مہر معجل چار مثقال نقرہ جس کے ایک سو چھپن بروئے وزن روپیہ چہرہ دار رائج الوقت ہوتے ہیں اپنے عقد نکاح میں لایا اور مستماۃ کریما موصوفہ کو برضامندی خود بلا اکراہ واجبار احدے مضمون امرھا بیدھا پر مختار کردیا یعنی مستماۃ کریما ممدوحہ جب چاہیں اپنی ذات کو میرے عقد نکاح سے خارج کرکے آزاد کرلیں مجھ کو کبھی کسی طرح اپنے نکاح میں رہنے کا دعوٰی نہ ہوسکے گا کیونکہ بہ مضمون امرھا بیدھا اس وقت قطعاً یقیناً وہ میرے عقد سے خارج ہوجائیں گی لہذا یہ تحریر لکھ دی کہ وقت ضرورت کام آئے فقط، چونکہ قبل انعقاد نکاح کے مسمی زاہد علی کی بداطواری خراب چلنی کی شکایت خارجاً مسموع ہوتی تھی جس کی بالاتفاق اکثر اہل برادری نے تکذیب کرکے نکاح کردینے پر سید عبداللہ کو مجبور کیا اور بالآخر سید عبداللہ نے بطریق مندرجہ بالا نکاح کردیا تھا اور بالآخر ہموں آتش درکاسہ سامنے آیا بمقتضائے ؎

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

(بُری عادت جو طبیعت میں رچ بس جائے وہ وقت موت تک زائل نہیں ہوتی۔ ت)

مسمی زاہد علی نے بعد چند روز کے وہی بدچلنی اختیار کی اور انجام کار کچہری سے سزایاب ہوگیا۔ مستماۃ کریما اگرچہ

بوجہ شرم و غیرت خلقی کے کوفت و سوخت درونی کا کسی پر اظہار نہیں کرتی مگر تحلیل ہوتی جاتی ہے، چونکہ کریما ہنوز نو عمر و جوان ہے سید عبداللہ و نیز دیگر اعزا کا خیال ہے کہ بشرط رضامندی مسماۃ کریما اُس سے طلاقِ مسنونہ دلا کر دوسری جگہ مناسب پر اُس کا نکاح کر دیا جائے پس اس ضرورت سے ہدایت خواہ ہُوں کہ ایسے الفاظ اُردو کا کوئی فقرہ یا چند فقرات بنائے جائیں جس کو مسماۃ کریما اپنی زبان سے رُوبرو چند لوگوں کے ادا کر کے طلاقِ مسنونہ حاصل کرے جس میں کوئی قباحت و سقمِ شرعی باقی نہ رہے، اس طلاق مسنونہ حاصل کرنے کے متعلق جو طریقہ عمدہ ہو اور جو جو الفاظ اُردو مناسب ہوں اُس سے مفصلاً و تصریحاً ہدایت فرمائی جائے۔

الجواب

اس تحریر میں امرھا بیدھا مختار کر دیا نکاح سے خارج ہونا آزاد ہونا جتنے الفاظ ہیں سب کنایہ ہیں اور حالت حالتِ رضا ہے نہ غضب ہے نہ مذاکرۂ طلاق، اور حالتِ رضا میں جملہ الفاظ نیتِ زوج پر موقوف رہتے ہیں، کریما اپنے آپ کو ایک طلاق دے کر میں نے بحکم اس اختیار عام کے جو میرے شوہر نے مجھے دیا اپنے آپ کو شوہر کی طرف سے ایک طلاق دی اس پر زاہد علی سے دریافت کیا جائے کہ تُو نے جو وہ الفاظ لکھے اُن میں طلاق کا اختیار دینے کی تیری نیت تھی یا نہیں، اگر وہ اقرار کرے فبہا، اور اگر انکار کرے تو اُس پر حلف رکھا جائے، اگر حلف کرے کہ میری نیت یہ نہ تھی تو طلاق نہ ہوگی۔ اگر جھوٹا حلف کرے گا وبال اُس پر ہے، اور اگر حلف سے انکار کر دے گا تو طلاق ہو جائے گی، اور دونوں صورتوں میں بائن ہوگی۔ عورت نکاح سے نکل جائے گی اگر اب تک خلوت نہ ہُوئی تھی تو ابھی ورنہ بعد عدت جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۲۷ از رامپور کوٹھی چڑیا خانہ مرسلہ حسین احمد صاحب دفعدار ۲۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ بنتِ زید کا عقد بکر کے ساتھ اس شرائط سے ہُوا چنانچہ ایک اقرارنامہ بکر نے اُسی وقت بعد عقد مذکور کے لکھ دیا کہ ۲ تولہ کی بالی طلائی اور ۴ ماشہ کی نتھنی اندر میعاد چھ ماہ کے بنوادوں گا ورنہ طلاق ہے، ہندہ میعادِ مذکور پر اپنے باپ زید کے گھر چلی آئی اقرارنامہ پر عمر خالد وغیرہ رشتہ دارانِ بکر کی گواہی اور بکر کے (العبد) انگوٹھے کے نشان موجود ہیں، پس اس صورت میں طلاق ہُوئی یا نہیں؟

الجواب

اقرارنامہ کی نقل بھی ملاحظہ ہُوئی اُس میں بھی یہی لفظ ہے کہ "ورنہ طلاق ہے" یہ بیان نہیں کہ کس کو طلاق ہے، لہٰذا صورتِ مستفسرہ میں باعتبارِ ظاہر جبکہ اس نے چھ مہینے کے اندر یہ چیزیں بنوا کر نہ دیں ایک

طلاق رجعی سمجھی جائے گی کہ عدت کے اندر شوہر کو رجعت کا اختیار ہوگا لیکن اگر زید قسم کھا کر کہہ دے کہ اُس نے "طلاق ہے" سے ہندہ کو طلاق دینا مراد نہ لیا تھا تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اصلاً حکمِ طلاق نہ ہوگا اگر جھوٹی قسم کھائے گا وبال اس پر ہے گا،

قال لہا لاتخرجی من الدار الا باذنی فانی حلفت بالطلاق فخرجت لایقع لعدم ذکرحلفہ بطلاقہا و یحتمل الحلف بطلاق غیرہا فالقول لہ[1] (ردالمحتارعن البزازیۃ) واللہ تعالٰی اعلم۔

خاوند نے اگر بیوی کو کہا کہ میری اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکل کیونکہ میں نے طلاق کی قسم کھائی ہے، تو اگر بیوی باہر نکل جائے تو طلاق نہ ہوگی کیونکہ اس نے بیوی کی طلاق کی قسم کا ذکر نہیں کیا جبکہ دوسری کسی عورت کی طلاق کی قسم ہو سکتی ہے، لہذا یہاں خاوند کی بات معتبر ہوگی، جیسا کہ ردالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲۸: ۳۰ جمادی الاولٰی ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنی ساس ہندہ کے یہاں رہتا تھا ہندہ نے اُس سے مکان خالی کرنے کو کہا اُس نے انکار کیا اُس نے اس کا اسباب پھینک دینا چاہا اُس نے کہا اگر میرا اسباب پھینکو گی تو میں تمہاری لڑکی کو طلاق دے دوں گا، اس پر دو مرد اور ایک عورت تو یہ گواہی دیتے ہیں کہ زید نے ہمارے سامنے طلاق دے دی، اور دو مرد کہتے ہیں اُس نے صرف یہ کہا کہ مال پھینکا تو طلاق دے دُونگا نہ اُس نے پھینکا نہ اس نے طلاق دی، زید بھی طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں طلاق ثابت ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ان دو مردوں اور ایک عورت میں جو مدعی طلاق ہیں ایک مرد کی نسبت معلوم ہوا کہ بے قید آدمی ہے یہاں تک کہ نماز کا بھی پابند نہیں، اور ایک مرد پہلے کہتا تھا اب وہ منکر ہے کہ میرے سامنے طلاق نہ دی میں سُنی سُنائی کہتا تھا اور اُس عورت کی عدالت معلوم نہیں، اور ہو بھی تو ایک عورت کی

---

[1] ردالمحتار باب الصریح داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۴۲۹

گواہی سے ثبوت نہیں ہوتا اور زید نے ہمارے سامنے حلف شرعی کے ساتھ کہا کہ میں نے ہرگز طلاق نہ دی میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ مال پھینکو گی تو طلاق دے دوں گا، پس اس صورت میں طلاق ثابت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

نوٹ

اس جلد کا آخری عنوان "باب تفویض الطلاق" ہے، تیرھویں جلد کا آغاز "باب تعلیق الطلاق" سے ہوگا۔